علامہ عبدالرحمٰن ابن الجوزیؒ

کی معروف کتاب ''صید الخاطر''

کا وجد آفریں مستند اردو ترجمہ

مجالسِ جوزیہ

دِل کی دُنیا

بدلنے کے لئے ایک ایسی انقلاب آفرین کتاب جس کے مطالعہ سے بیسیوں دینی و دنیاوی عقدے حل ہوتے ہیں.... حضرت مصنف کے ہاتھوں لاکھوں آدمیوں کا کفر و فسق.... شرک و بدعت سے توبہ کرنا مقبولیت عنداللہ کی واضح دلیل ہے.... اسی مقبولیت کا اثر ہے.... کہ اس کے مطالعے کے بعد خوشگوار اثر محسوس کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

مزید صاحب دل مترجم نے اس کی تاثیر کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان

(061-4540513-4519240)

علامہ عبدالرحمٰن ابن الجوزیؒ

کی معروف کتاب ''صید الخاطر''
کا وجد آفریں مستند اردو ترجمہ

(کامل ۲ حصے)

دِل کی دُنیا بدلنے کے لئے ایک انقلاب آفریں کتاب جس کے مطالعہ سے بے شمار دینی و دنیاوی عقدے حل ہوتے ہیں... حضرت مصنف کے ہاتھوں ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا فسق و فجور... ترک و بدعات سے توبہ کرنا محبوبیت عنداللہ کی واضح دلیل ہے۔ اسی مقبولیت کا اثر ہے... کہ اس کے مطالعے کے بعد خوشگوار تاثرات لئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

مزید صاحبِ دل مترجم نے اس کی تاثیر کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم العالیہ

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240)

مجالس جوزیہ

تاریخ اشاعت .... صفر المظفر ۱۴۲۹ھ

ناشر .... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت .... سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان یہ کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمد للہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو براہ مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K. — HALLIWELL ROAD
ISLAMIC BOOKS CENTRE — (U.K.)

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَهٗ

تمام عالم اسلام کی تاریخ جن مصلحین کی کاوشوں سے روشن ہے۔ ان میں علامہ عبدالرحمٰن ابن الجوزی رحمہ اللہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ کی اصلاحی مجالس نے جہاں غافل مسلمین کو بیدار کیا وہاں سینکڑوں کفار کو حلقہ اسلام میں داخل ہونے کا ذریعہ بنایا۔ ماضی قریب میں ہندوستان کے سفر میں آپ کی مبارک مجالس کا مجموعہ "صید الخاطر" نظر سے گزرا۔ جو مولانا مفتی محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم نے اپنے ادیبانہ قلم سے ان مجالس کو اردو میں منتقل فرما رہے تھے۔ مطالعہ کے بعد دل نے چاہا کہ فی الوقت اس کی ایک جلد ہی شائع کروادی جائے اور ترجمہ کی تکمیل کا انتظار نہ کیا جائے۔ یوں اس کی پہلی جلد شائع ہو کر نہایت مقبول ہوئی۔ اس دوران فاضل مترجم مدظلہ سے رابطہ رہا اور دوسری جلد بھی شائع ہوئی اور قدیم کتابت ہی کا عکس شائع کیا گیا۔

زیر نظر ایڈیشن کمپیوٹر کتابت میں پیش خدمت ہے۔ دوران مطالعہ یہ چیز پیش نظر رہے کہ یہ عربی سے اردو میں منتقل کی جانے والی مجالس ہیں۔ عربی زبان کا اسلوب اردو زبان سے بالکل مختلف اور شاعرانہ انداز کا ہے۔ اس لئے بعض جگہوں پر جو اجنبیت محسوس ہوتی ہے۔ اس کا سبب عربی زبان کے اسلوب کی ناواقفیت ہوتی ہے۔ تاہم فاضل مترجم مدظلہ نے کمال لیاقت سے آسان و سلیس انداز میں ترجمہ کیا ہے۔

اللہ پاک ان مبارک مجالس کو ہم سب کے دلوں کی دنیا کو آباد کرنے کا ذریعہ بنائیں اور صاحب مجلس مترجم ناشر کیلئے ذخیرہ آخرت بنائیں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

والسلام محمد اسحاق غفرلہ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ بمطابق فروری ۲۰۰۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صاحب مجالس

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کے حالات

آپ کا نام عبدالرحمن بن علی تھا۔ کنیت ابوالفرج ۵۱۰ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ شجرہ نسب خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ۶ سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا اور اس کے بعد قرأت و تجوید میں مہارت پیدا کی۔ اس کے بعد حدیث کی تحصیل میں مشغول ہوئے۔ آپ نے جن اساتذہ کرام سے جملہ علوم اسلامیہ یعنی تفسیر حدیث فقہ اصول فقہ تاریخ ادب لغت وغیرہ میں تحصیل کی۔ حافظ ذہبی نے (م ۷۴۸ھ) تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان اساتذہ و شیوخ کی تعداد ۸۶ بتائی ہے۔

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ کے تلامذہ کی فہرست علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں درج کی ہے۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کو مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ بغداد جو علم و فن کا مرکز تھا۔ آپ کا مولد و مسکن تھا اور کتب خانوں سے مالا مال تھا۔ اس لئے حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ کو کتابوں کے حصول کیلئے کسی قسم کی مشکل نہ تھی۔ آپ خوب مطالعہ کرتے تھے اور ہر قسم کی کتاب آپ کے زیر مطالعہ آتی تھی۔۔ خود فرماتے ہیں کہ

"میری طبیعت کتابوں کے مطالعہ سے سیر نہیں ہوتی تھی جب کوئی کتاب نظر آتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی دفینہ ہاتھ آ گیا ہے۔ اگر میں کہوں کہ میں نے ۲۰ ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا ہے تو بہت زیادہ معلوم ہوگا"۔

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ کی خاص صفت ان کی عالی ہمتی اور کسب کمالات اور جامعیت کا شوق ہے۔ ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ان کے اثر انگیز مواعظ اور مجالس وعظ ہیں۔ ان مجالس وعظ نے سارے بغداد کو پرکیف بنا دیا تھا۔

حافظ شمس الدین ذہبی (م ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں کہ

"آپ کو پر تاثیر وعظ کہنے کا ملکہ حاصل تھا جو آپ سے پہلے کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ ملوک وسلاطین، امراء و وزراء بلکہ پس پردہ خلفاء بھی آپ کے وعظ میں شرکت کو باعث فخر سمجھتے تھے"۔

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ خود اپنے مجالس وعظ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "خلفاء وسلاطین، وزراء اور اکابر علماء بڑے اہتمام اور شوق سے وعظ میں شرکت کرتے۔ ہجوم کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی ایک لاکھ آدمی وعظ میں جمع ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میری وعظ میں یہ تاثیر تھا کہ لوگ غش کھا جاتے اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں اور اللہ کا مجھ پر یہ احسان ہے کہ ۲۰ ہزار یہودی و عیسائی میرے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے"۔

تصنیفات

حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ آپ نے ہر فن پر طبع آزمائی کی یعنی آپ نے تفسیر، حدیث، تاریخ و سیر، تصوف، لغت، تصوف اور مناقب پر کتابیں لکھیں آپ کی تصانیف کے بارے میں ارباب سیر اور علماء کرام کی مختلف آراء ہیں۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے ابن جوزی رحمہ اللہ کی تصانیف شمار کیں تو ایک ہزار تک پہنچیں۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ) نے تذکرۃ الحفاظ میں
حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ کی ۲۳ کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔

۱- المغنی فی علوم القرآن	۲- زاد المسیر ۴ جلد	۳- تذکرۃ الاریب فی اللغۃ
۴- الوجوہ والنظائر	۵- فنون الافنان	۶- جامع المسانید ۷ جلد
۷- الحدائق ۲ جلد	۸- نقی النقل	۹- عیون الحکایات
۱۰- التحقیق فی مسائل الخلاف ۲ جلد	۱۱- مشکل الصحاح ۴ جلد	۱۲- الموضوعات ۳ جلد
۱۳- الضعفاء	۱۴- المذہب فی المذہب	۱۵- الانتصار فی مذاہب الخلاف
۱۶- المواقیت فی الخطب الوعظیہ	۱۷- نسیم السحر	۱۸- المنتخب
۱۹- المدہش فی المحاضرہ	۲۰- اخبار الاخیار	۲۱- اخبار النساء
۲۲- مثیر الغرام الساکن الی اشرف الاماکن		۲۳- المنتظم

فہرست مضامین

☆☆☆☆☆☆

مجالس جوزیہ

(حصہ اوّل)

دیباچہ مترجم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ. امابعد!

احقر محمد حنیف غفرلہٗ عرض رسا ہے کہ بندہ کا سیدی وسندی واستاذی حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب دامت برکاتہم وافادہم علینا کے اشارہ سے جو بندہ کے لیے بمنزلہ حکم کے ہے..... ایک عرصے سے معمول ہے کہ جمعرات کو بعد ظہر مدرسہ کی مسجد میں اکابر واسلاف کی کتابوں سے کچھ سنایا کرتا ہے۔ آس پاس علاقہ کے دس بیس افراد اور کچھ مدرسہ کے طلبہ و اساتذہ کرام بھی شریک ہو جاتے ہیں۔ معمول یہ ہے کہ اکابر کی کوئی کتاب سامنے رکھ کر اس کی تشریح وتوضیح میں جو باتیں اللہ تعالیٰ دل میں ڈالتے ہیں یا اپنے بزرگوں سے سن کر یا پڑھ کر یاد ہوتی ہیں وہ بھی عرض کردی جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اور حضرت استاذی وسیدی کے طفیل یہ سلسلہ پسند کیا گیا۔ چنانچہ بعض احباب نے ان تقریروں کے ضبط کرنے اور لکھنے کا اہتمام بھی شروع کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمادیں اور ان تقریروں کو میرے لیے سعادت دارین کا سبب بنادیں۔

منجملہ انہی کتابوں کے جن کو سنانے کا معمول ہے محدث کبیر واعظ بے نظیر ابوالفرج عبدالرحمٰن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "صید الخاطر" بھی ہے۔

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ چھٹی صدی ہجری کے عالم ہیں۔ ہر فن میں تبحر بہت بلند رتبہ کے مالک اور ید طولیٰ رکھنے والے ہیں، وعظ ونصیحت اور اصلاح وتربیت کے باب میں

بھی اقران زمانہ سے فوقیت لے جانے والے تھے۔ خود آپ کا ہی بیان ہے کہ روزانہ میرے ہاتھ پر توبہ کرنے والوں کی تعداد سو ڈیڑھ سو سے زائد ہوتی ہے۔ اس طرح دو لاکھ سے زیادہ افراد نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی (یعنی بیعت ہوئے) اور تقریباً دو سو سے زیادہ غیر مسلموں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

آپ کا وعظ کیا ہوتا تھا کسی شیخ کا حلقہ ہوتا تھا۔ سامعین پر گریہ طاری ہوتا تھا چیخ و پکار ہوتی تھی، حال اور وجد آتا تھا اور خود آپ بھی نرے عالم ہی نہیں تھے بلکہ ایک سالک صوفی تھے، بہت صوفی صافی تھے۔ ہر طرح کی بدعات اور غیر شرعی امور سے اجتناب کرنے والے اور رہبانیت سے کنارہ کش۔ "صید الخاطر" آپ کی بے نظیر تصنیف ہے۔ اس میں آپ اپنی پوری صفات کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ گویا یہ کتاب آپ کا آئینہ زندگی ہے۔

زمانہ قریب میں جس طرح حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے رسوم و بدعات کی تردید فرمائی اور صحیح اور صاف ستھرے اسلامی تصوف کو پیش فرمایا اسی طرح علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے زمانے کے صوفیہ میں رائج ہو جانے والی بہت سی رسوم اور بدعات کی نشاندہی فرمائی اور ان کی اصلاح فرمائی ہے اور صحیح اسلامی تصوف کو پیش فرمایا ہے۔ چنانچہ کہیں آپ خلوت اور گوشہ نشینی کی تردید فرماتے ہیں اور کہیں اس کی ضرورت کو بیان فرماتے ہیں، کہیں مال کی ضرورت ثابت فرماتے ہیں اور غناء کا شرف ظاہر فرماتے ہیں اور کہیں اس میں اعتدال کا راستہ بتلاتے ہیں، کہیں حضرات صوفیاء پر سخت الفاظ میں نکیر فرماتے ہیں اور کہیں ان کی طرف سے تاویل کرتے ہیں اور تاویل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ لہٰذا آپ کی بعض عبارات کو دیکھ کر جلدی کوئی فیصلہ نہ کر لینا چاہیے۔

احقر کو آپ کی یہ کتاب نہایت پسند تھی اور جب اس کے مضامین لوگوں کے سامنے پیش کرتا تو سننے والوں پر بھی خاص اثر ہوتا تھا۔ حسن اتفاق کہ ایک مرتبہ مجلس کے بعض صالح احباب نے اسے سنا اور پسند کیا پھر خواہش ظاہر کی کہ اس کا ترجمہ ہو کر شائع ہو جاتا تو کام کی چیز ہوتی اور نفع اردو خوانوں میں بھی عام ہو جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ترجمہ کا آغاز کر دیا گیا اور ساتھ میں ایک طالب علم کو لگا لیا جو اس کی کتابت اور مسودہ کی صفائی میں

معاونت کرتے رہے۔ اس طرح یہ کتاب تیار ہوئی۔ "فللّٰہ الحمد والمنۃ"

☆ ترجمہ میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ حتی الامکان ترجمہ لفظی ہو تاکہ مصنف کی مراد میں غلط واقع ہونے کا اندیشہ نہ رہے پھر بھی انسان چونکہ خطا کا پتلا ہے اس لیے اس کا امکان باقی ہے۔

☆ عربی نسخہ میں ہر فصل پر عنوانات لگے تھے۔ اندازہ یہ ہوا کہ یہ عنوانات ملحق ہیں۔ بعد میں کسی نے لگائے ہیں اس لیے کہ مختلف نسخوں میں مختلف عنوانات تھے، لہٰذا ان کی پابندی نہیں کی گئی بلکہ خود جو عنوان مناسب سمجھا گیا اختیار کیا گیا۔

☆ فصل کا لفظ حذف کرکے مجلس کا لفظ اختیار کیا گیا کیونکہ درحقیقت یہ کتاب مجلس کی مجالس ہیں کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے۔ علامہ کی بعض عبارات پر مسودہ کی صفائی کرنے والے نے کچھ حاشیہ بھی لکھ دیا ہے۔

☆ عربی نسخہ کوئی پانچ سو (۵۰۰) صفحہ کا ہے۔ اردو ترجمہ کی ضخامت اس سے کم نہ ہوئی اس لیے ضخامت کم کرنے کے پیش نظر اس کے دو حصے کردیے گئے۔ نصف اس مرتبہ اور نصف بعد میں طبع ہوجائے گا۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماکر نافع فرمائیں اور ہر
طرح کے مکاید اور مکارہ سے اس کا اور اس میں معاونت
کرنے والوں کی اور تمام مسلمین کی حفاظت فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

بندہ محمد حنیف غفرلہ

(مدرسہ ریاض العلوم گورینی ۲۲ رشوال سن ۱۵ھ)

مقدمہ مصنف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا یَبْلُغُ رِضَاہُ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی اَشْرَفِ مَنِ اجْتَبَاہُ وَعَلٰی مَنْ صَاحَبَہٗ وَوَالَاہُ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا لَا اُدْرِکُ مُنْتَہَاہُ. (اَمَّا بَعْد)

موقع موقع سے دل میں آنے والے خیالات چونکہ کچھ دنوں کے بعد ذہن سے نکل جاتے ہیں اس لیے بہتر یہ ہے کہ انہیں محفوظ کر لیا جائے تاکہ بھول نہ جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

قَیِّدُوا الْعِلْمَ بِالْکِتَابَۃِ (معلوم کو لکھ کر محفوظ کر لیا کرو)

مجھ کو بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ کوئی خاص نکتہ سمجھ میں آیا اور میں نے اس کو لکھا نہیں تو ذہن سے نکل جاتا ہے پھر مجھے افسوس ہوتا ہے۔

اور اپنے متعلق مجھے یہ محسوس ہوا کہ جب بھی میں نے کسی موقع پر فکر کی کا استعمال کی غیب سے ایسے عجائبات منکشف ہوئے جو بیان سے باہر ہیں۔ لہٰذا ان کو دوسروں تک پہنچانے کا وہ طریقہ اختیار کرتا ہوں جس میں کسی طرح بھی کوتاہی مناسب نہیں ہے اور اس کتاب کو اپنے ان خیالات کے اظہار کے لیے مخبر بناتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہی نفع کے کارساز ہیں۔ بیشک وہ قریب ہیں اور دعائیں قبول فرماتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مواعظ کا اثر

مجلس... مواعظ سنتے وقت تو سننے والے کو غفلت سے بیداری ہوتی ہے لیکن جونہی ان مجالس سے جدا ہوتا ہے غفلت اور قساوت لوٹ آتی ہے۔ میں نے اس کے سبب میں غور کیا اور اس کی حقیقت پا گیا۔

میں نے دیکھا کہ لوگ اس باب میں مختلف حالات کے ہیں لیکن یہ تو ایک عام حالت ہے کہ لوگوں کے دل مواعظ اور تقریریں سننے کے وقت اور سننے کے بعد یکساں حالت پر نہیں رہتے جس کے دو سبب ہیں۔

ایک تو یہ کہ مواعظ کی مثال کوڑوں جیسی ہے کہ کوڑے لگنے کے وقت جو تکلیف ہوتی ہے بعد میں اس کا درد باقی نہیں رہتا۔

دوسرے یہ کہ مواعظ سننے کی حالت میں انسان ہر مرض باطنی سے الگ، جسم اور فکر کو اسباب دنیا سے علیحدہ کیے ہوئے حضور قلب کے ساتھ خاموش ہو کر بیٹھتا ہے پھر جب دنیوی مشاغل کی طرف لوٹ کر جاتا ہے وہ اسے اپنی تمام آفتوں کے ساتھ اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ پھر ان پر کشش مشاغل کے ساتھ پچھلی حالت پر باقی رہنا بھلا کیسے ممکن ہے۔

یہ حالت تو سب کو عام ہے۔ البتہ اس اثر کے باقی رہنے میں لوگوں کے درجات مختلف ہیں۔ چنانچہ کچھ تو بلا واپسی کے پختہ عزم کر لیتے ہیں بغیر اور ادھر اُدھر متوجہ ہوئے راستے سے گزر جاتے ہیں اور اگر کسی موقعہ پر طبیعت کے تقاضے انہیں روک دیتے ہیں تو گھبرا جاتے ہیں۔ جیسے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا نافق حنظلۃ (حنظلہ منافق ہو گیا)

اور بعض ایسے ہیں کہ کبھی طبیعت ان کو غافل کرتی ہے اور کبھی سنے ہوئے مواعظ عمل کی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ گویا ان کی مثال اس پودے جیسی ہے جسے ہوائیں ادھر اُدھر مائل کرتی ہوں اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ ان پر صرف سننے کے وقت اثر ہوتا ہے جیسے کسی چکنے پتھر پر پانی بہایا جائے۔

دنیا سے نفس کے رابطے

مجلس.... نفس کو دنیا کی طرف مائل کرنے والی چیزیں کثرت سے ہیں۔ مزید یہ کہ وہ خود نفس کے تقاضے ہیں اور آخرت کی یاد ایسا معاملہ ہے جو طبعی تقاضوں سے خارج بھی ہے اور نگاہوں سے اوجھل بھی۔ بعضے بے علم قرآن کریم کی وعیدوں کو سن کر یہ گمان رکھتے ہیں کہ آخرت کی طرف مائل کرنے والی چیزیں زیادہ قوی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ دنیا کی طرف مائل ہونے میں طبیعت کی مثال اس بہتے ہوئے پانی جیسی ہوتی ہے جو نشیب چاہتا ہے اور اسے اوپر چڑھانے میں قدرے تکلف کی ضرورت پڑتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عارف شرع نے جواب دیا: بِالتَّرْغِيْبِ وَالتَّرْهِيْبِ يَقْوِىْ جُنْدُ الْعَقْلِ (ترہیب وترغیب سے عقل کو قوت حاصل ہوتی ہے)

رہی طبیعت تو اس کو مائل کرنے والی چیزیں کثرت سے ہیں جن کا غالب ہونا ذرا بھی تعجب خیز نہیں۔ مغلوب ہونا البتہ قابل تعجب ہے۔

انجام کا اندازہ

مجلس... جس نے ہر کام کے شروع میں اپنی نگاہ بصیرت سے اس کا انجام دیکھ لیا وہ ان کاموں کے خیر کو پا گیا اور ان کے شر سے محفوظ رہا اور جس نے انجام کو نہیں سوچا اس پر طبیعت غالب رہی پھر وہ ان چیزوں سے رنج اٹھاتا ہے جن سے سکون کا طالب ہوتا ہے اور ان چیزوں سے مشقت پاتا ہے جن سے راحت کا امیدوار ہوتا ہے۔

اس کی وضاحت اپنے ماضی کو یاد کرنے سے ہو سکتی ہے۔ وہ اس طرح کہ تم نے اپنی زندگی میں یا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہوگی یا فرمانبرداری۔ تو غور کرو تمہاری نافرمانیوں اور معصیتوں کی لذت کہاں ہے؟ اور تمہاری فرمانبرداریوں کا تعب کہاں رہا؟ افسوس دونوں اپنے اثرات لے کر جا چکے اور کاش! جب گناہ گزر گئے تھے اسی وقت فنا بھی ہو جاتے۔

میں اس کی مزید وضاحت کرتا ہوں کہ ذرا موت کی گھڑی کا تصور کیا کرو اور اس وقت کوتاہیوں پر حسرت اور ندامت کی تلخی کو سوچو۔

اور میں یہ تمہیں پوچھتا کہ لذتوں کی شیرینی کہاں گئی؟ کیونکہ وہ تو کڑواہٹ سے بدل
چکی ہے اور اب صرف غم کی تلخیاں باقی رہ گئی ہیں۔
اب تم ہی بتاؤ کیا تمہیں یقین نہیں ہو گیا کہ ہر کام کا ایک انجام ہے۔
"فَتَرَقَّبِ الْعَوَاقِبَ تَسْلَمْ وَلَا تَمِلْ مَعَ هَوَى الْحِسِّ فَتَنْدَمْ"
(لہٰذا انجام کو سوچ لیا کرو تاکہ محفوظ رہو اور خواہشات کی طرف مت جھکو ورنہ ندامت اٹھاؤ)

دنیا کا دھوکہ

مجلس... جو شخص دنیا کے انجام پر غور کرتا رہتا ہے وہ احتیاط کی راہ اختیار کرتا ہے
اور جسے یہ یقین ہوتا ہے کہ راستہ طویل ہے وہ سفر کے لیے تیاری کرتا ہے۔
اے شخص تیرا حال کتنا عجیب ہے کہ ایک معاملہ کا یقین رکھتے ہوئے بھی اسے بھولا
رہتا ہے اور جس حالت کے نقصان کا یقین رکھتا ہے اسی کی طرف لپکتا ہے اور تو لوگوں سے
ڈرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ تو اس سے ڈرے۔
جو چیزیں محض خیالی ہیں ان میں تیرا نفس تجھ پر غالب آ جاتا ہے اور جس کا تجھے یقین
ہے اس میں تو اپنے نفس پر غالب نہیں آ پاتا۔
سب سے زیادہ قابل تعجب تیرا اپنے دھوکہ پر خوش ہونا ہے۔ اپنے لہو و لعب میں مگن ہو کر ان
سزاؤں کو بھول جاتا ہے جو تیرے لیے چھپا دی گئی ہیں تو اپنی صحت پر مغرور ہوتا ہے اور قریب
آنے والی بیماریوں کو بھولا رہتا ہے اپنی عافیت پر اتراتا ہے اور تکالیف کے قرب سے غافل ہے۔
دوسروں کی بربادی تجھے تیری بربادی پر متنبہ کر رہی ہے غیروں کے انجام نے تجھ پر
موت سے پہلے ہی تیرا انجام ظاہر کر دیا ہے لیکن تیری لذتوں کے حصول نے تجھے اپنی
بربادی سے غافل کر رکھا ہے۔

كَأَنَّكَ لَمْ تَسْمَعْ بِأَخْبَارِ مَنْ مَضَى وَلَمْ تَرَ فِي الْبَاقِينَ مَا يَصْنَعُ
الدَّهْرُ فَإِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِي فَتِلْكَ دِيَارُهُمْ مَحَاهَا مَجَالُ الرِّيحِ
بَعْدَكَ وَالْقَبْرُ

"ایسا لگتا ہے تو نے گزشتہ لوگوں کے حالات نہیں سنے اور نہیں دیکھا کہ موجود لوگوں

کے ساتھ زمانہ کیا سلوک کرتا ہے اور اگر تجھے اب تک علم نہ ہوا ہو تو دیکھ! یہاں ان کے مکانات
ہیں جنہیں ہواؤں کی گردش اور قبر کے گڑھے نے مٹا رکھا ہے۔"

اس پر حیرت اور افسوس ہے جس کا پڑاؤ اسے ایسی (تکلیف دہ) منزل کی طرف لے
جا رہا ہو اور اس کے مشاغل ان لوگوں کے سے ہوں جو نہ کچھ سمجھتے ہیں نہ جانتے۔

وَكَيْفَ تَنَامُ الْعَيْنُ وَهِيَ قَرِيرَةٌ وَلَمْ تَدْرِ مِنْ أَيِّ الْمَحَلَّيْنِ تَنْزِلُ

"وہ آنکھ بھلا کیسے سکون سے سوتی ہے جسے یہ خبر نہیں ہے کہ کس منزل پہ اترنا ہے۔"

گناہوں کے قریب بھی نہ جاؤ

مطلب... جو بھی کسی معصیت کے قریب ہوا اس سے سلامتی دور ہوئی اور جو قریب
جا کر صبر کا دعویٰ کرے اس کی حفاظت اسی کے حوالے کر دی جاتی ہے۔

بعض نظریں مہلت نہیں دیتیں (ہلاک کر دیتی ہیں)

اور سب سے زیادہ حفاظت اور نگرانی کے لائق دو چیزیں ہیں زبان اور نگاہ۔

خبردار! کسی معصیت کے قریب رہ کر اس سے بچنے کے پختہ عزم سے دھوکہ نہ
کھانا کیونکہ خواہش نفس بڑی چالباز ہے۔ جنگ کی صف میں کھڑے کتنے بہادر اور
شجاع دھوکے سے مارے گئے کیونکہ بے سان و گمان انہیں ایسے معمولی شخص سے جھیلنا پڑا
جس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں ہوتا۔ یاد کرو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ
(حضرت) وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ:

فَبَصَرُكَ وَلَا تُتْبِعْ بِكُلِّ بَرْقٍ رُبَّ بَرْقٍ فِيهِ صَوَاعِقُ حَيْنِ
وَاغْضُضِ الطَّرْفَ تَسْتَرِحْ مِنْ غَرَامٍ تَكْتَسِي فِيهِ ثَوْبَ ذُلٍّ وَشَيْنِ
فَبَلَاءُ الْفَتَى مُوَافَقَةُ النَّفْسِ وَبَدْءُ الْهَوَى طُمُوحُ الْعَيْنِ

"سوچ سمجھ کر نگاہ اٹھاؤ ہر بجلی (حسین چہرے) کی طرف مت دیکھتے رہو کیونکہ بہت
سی بجلیوں میں موت کی کڑک ہوتی ہے اور نگاہ نیچی رکھا کرو تاکہ اس عشق سے محفوظ رہو جس
میں ذلت اور عیب کا لباس پہننا پڑتا ہے۔ حاصل یہ کہ ابتلاء کا سبب نفس کی موافقت ہے اور
خواہش نفسانی کی ابتدا نگاہ اٹھانے سے ہوتی ہے۔

دلوں کی موت

مجلس.... سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ سزا پانے والے کو اس سزا کا احساس نہ ہو اور اس سے سخت یہ ہے کہ ایسے امور پر مسرور ہو جو درحقیقت سزا ہوں جیسے مالِ حرام کما کر خوش ہو اور گناہوں پر قابو پا کر اترا وے اور جس کی یہ حالت ہو جائے وہ کبھی طاعت میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔

میں نے اکثر علماء و زاہدوں کے حالات میں غور کیا تو انہیں ایسی سزاؤں میں گرفتار پایا جن کا انہیں احساس نہ تھا اور ان کو بیشتر سزائیں طلب جاہ کی راہ سے پہنچی ہیں۔ چنانچہ ان میں کا عالم اگر اس کی خطا پر گرفت کر لی جاوے تو غضبناک ہوتا ہے۔ اور ان کا واعظ اپنے وعظ میں فنکاری اور ریاکاری کرتا ہے اور زاہد کے نمائشی زہد منافق نظر آتے یا ریاکار۔

ان کی سب سے پہلی سزا یہ ہے کہ مخلوق میں مشغولیت کے سبب حق تعالیٰ سے کٹے ہوئے ہیں اور ایک مخفی سزا یہ ہے کہ مناجات کی شیرینی اور بندگی کی لذت سے محروم ہیں۔

ہاں! کچھ مومن مرد اور مومن عورتیں ہیں جن کی اللہ تعالیٰ روئے زمین پر حفاظت فرماتے ہیں ان کے باطن ظاہر جیسے ہیں بلکہ اور روشن! ان کے راز علانیہ جیسے ہیں بلکہ اور پاکیزہ ان کی ہمتیں ثریا تک ہیں بلکہ اس سے بھی بلند!

اگر ان کو پہچان لیا جائے تو چھپ جاتے ہیں، اور اگر ان کی کرامت دیکھ لی جائے تو انکار کر دیتے ہیں۔ لوگ تو اپنی غفلتوں میں پڑے ہیں اور یہ میدان سر کیے جاتے ہیں۔ زمین کا گوشہ گوشہ ان سے محبت کرتا ہے اور آسمان کا چپہ چپہ ان سے مسرور ہوتا ہے۔

ہم اللہ عزوجل سے ان کے اتباع کی توفیق مانگتے ہیں اور اس بات کی دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ان کی پیروی کرنے والا بنا دے۔

بلند ہمتی

مجلس... عقل کے کامل ہونے کی علامت یہ ہے کہ انسان بلند ہمت ہو اور جو پست ہمتی پر راضی و مطمئن ہو وہ پست ہو رہتا ہے۔

ولم ار فی عیوب الناس عیبا کنقص القادرین علی التمام "میں نے اس سے بڑا اور برا کوئی عیب نہیں دیکھا کہ تکمیل پر قدرت کے باوجود کوتاہی کی جائے۔"

بے پایاں محبت

مجلس۔۔ کس قدر پاکیزہ ہے وہ ذات جس کی محبت اپنے دوستوں کے لیے بے پایاں ہے کیونکہ اس نے اپنے بندوں کی ان نعمتوں کی بھی مدح کی جو خود عطا کیے اور ان سے وہ چیزیں خریدیں جو خود انہیں دی تھیں اور ان کے معمولی اوصاف کو بھی ان کے اعمال کی قدر کر کے بڑا بنا دیا۔ چنانچہ ان کے روزوں پر فخر فرمایا اور ان کے منہ کی بو کو (جو روزے سے پیدا ہوتی ہے) پسندیدہ بتایا۔

ہائے! وہ محفوظ حالت جس پر ہر طالب قدرت نہیں پا سکتا اور جس کے وصف کی تہہ کو ہر ایک نہیں پہنچ پاتا۔

سفر آخرت کیلئے تیار رہنا چاہیے

مجلس۔۔۔ ہر ذی ہوش کے لیے ضروری ہے کہ سامان سفر تیار رکھے کیونکہ اسے یہ خبر نہیں کہ کب اس کے پاس موت کا پیغام آ جائے اور وہ اس سے ناواقف ہے کہ کب بلا لیا جائے۔ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ شباب نے انہیں دھوکہ میں مبتلا رکھا اور وہ اپنے ساتھیوں کی موت کو بھول گئے اور لمبی لمبی آرزوؤں نے غفلت میں ڈال دیا۔

چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عالم غیر عارف اپنے جی میں سوچتا ہے کہ آج میں علم میں مشغول رہوں، عمل بعد میں کرلوں گا، پھر راحت کا بہانہ کر کے لغزشوں میں تساہل برتتا ہے۔ یہی توبہ کی تیاری کو موخر کر دیتا ہے، غیبت کرنے اور اس کے سننے سے بچتا نہیں ہے اور شبہ کی آمدنی سے پرہیز نہیں کرتا۔ پھر یہ امید رکھتا ہے کہ آئندہ عمل کر کے ساری خطاؤں کو مٹا دے گا اور یہ بھولا رہتا ہے کہ موت اچانک بھی آتی ہے۔

عقل مند تو وہ ہے جو ہر موقع کے واجبات ادا کرتا رہتا ہے تاکہ اگر موت اچانک آ جائے تو اسے تیار پاوے اور اگر اپنی آرزو کے مطابق زندہ رہا تو نیکیوں میں اضافہ کرتا ہے۔

عقوبت بقدر معصیت

مجلس۔۔۔ دنیا میں جو کس قدر شدید مصائب اور بلائیں آتی ہیں جن کا انجام ہمیشہ

انتہائی تکلیفوں پر ہوا کرتا ہے ان کے متعلق میرے دل میں ایک خیال آیا۔

میں نے سوچا سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ تو کریموں سے بڑھ کر کریم ہیں اور کرم کا تقاضا چشم پوشی ہے پھر ان سزاؤں کی کیا وجہ ہے؟

اس خیال پر غور کیا تو بہت سے لوگوں کی یہ حالت پائی کہ ان کا وجود ہونے کے باوجود بھی وحدانیت کے دلائل پر نظر نہیں ڈالتے اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو نہیں دیکھتے بلکہ جانوروں کی طرح اپنی عادات پر زندگی گزارتے چلے جارہے ہیں۔ اگر شریعت ان کی مراد کے موافق ہوئی تو ٹھیک ورنہ اپنی اغراض پر جمے رہتے ہیں۔ دینار و درہم پالینے کے بعد اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ حلال ہے یا حرام؟ اگر نماز آسان معلوم ہوئی پڑھ لی ورنہ ترک کر دی۔

اور ان میں کچھ ایسے ہیں جو بڑے بڑے گناہوں کو بھی علی الاعلان کیا کرتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ ان کی حرمت انہیں معلوم ہوتی ہے۔

اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی عالم کی معرفت قوی ہوتی ہے اور اس کے گناہ بے حد و حساب۔ یہ سب دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ سزائیں اگرچہ بڑی اور سخت ہیں لیکن لوگوں کی خطاؤں سے کم ہیں۔ جب کوئی سزا کسی گناہ کو مٹانے کے لیے نازل ہوتی ہے تو کوئی فریاد کرتا ہوا کہتا ہے۔ لوگو! غور کرنا چاہیے کہ یہ سزا کس گناہ کی ہے؟ اور خود اپنے کیے گناہ ایسے جن میں کے بعض گناہوں سے زمین کانپ جائے بھولا رہتا ہے۔

کسی بوڑھے کو اس کے بڑھاپے میں اس قدر ذلیل کیا جاتا ہے کہ لوگوں کے دل اس پر ترس کھانے لگتے ہیں اور اسے اس کا احساس نہیں ہوتا کہ یہ تذلیل و توہین جوانی میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ترک کرنے کا نتیجہ ہے۔

پس جب تم کسی پر سزا کو دیکھو تو سمجھ لو کہ یہ اس کے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ (انتباہ از مترجم" سزا میں اور امتحان میں فرق ہے جو مصائب ذلت اور توہین کے ساتھ ہوں وہ سزا ہیں اور جن میں ذلت و توہین نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کا امتحان ہیں اور مومن کے لیے رحمت اور باعث اجر ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرات اولیاء اللہ رحمہم اللہ کو بڑے بڑے ابتلاءات پیش آئے۔ ظاہر ہے کہ وہ سزا نہ تھے۔ ۱۲)

علماء آخرت اور علماء دنیا

مصلحین... میں نے علماء کے درمیان پائے جانے والے عام مرض حسد کے بارے میں غور کیا تو مجھے اس کا منشاء حب دنیا معلوم ہوئی کیونکہ علماء آخرت تو آپس میں محبت اور مؤدت کا برتاؤ رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے سے حسد نہیں کرتے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا۔

"اور وہ اپنے دلوں میں تنگی نہیں محسوس کرتے اس چیز سے جو انہیں دی گئی۔"

اور فرمایا: وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا۔۔۔۔

"اور جو لوگ ان کے بعد آئے وہ عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما دیجیے جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کے لیے کھوٹ نہ کیجیے۔"

چنانچہ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر رات اپنے معاصرین کے لیے دعا فرمایا کرتے تھے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے سے فرمایا! تمہارے والد جان ان چھ حضرات میں سے ہیں جن کے لیے میں ہر رات تہجد کے وقت دعا کیا کرتا ہوں۔

اور دونوں جماعتوں کو ممتاز کرنے والی علامت یہ ہے کہ علماء دنیا دنیا میں اقتدار اور جاہ رکھتے ہیں اور مجمع کی کثرت اور اپنی تعریف چاہتے ہیں جبکہ علماء آخرت ان باتوں سے کوسوں دور ہیں بلکہ ان باتوں سے ڈرتے ہیں اور جو لوگ اس میں مبتلا ہو گئے ان پر ترس کھاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ ستون کی ٹیک بھی نہ لگاتے تھے۔

اور حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے یہ سخت ناپسند ہے کہ میرے پیچھے پیچھے لوگ چلیں اور کہا جائے کہ یہ علقمہ کی پیشان ہے۔

اور بعض علماء کا یہ حال تھا کہ جب ان کے پاس چار سے زیادہ لوگ بیٹھ جاتے تو مجلس سے اٹھ جاتے۔ یہ حضرات اپنے کو دوسروں پر ثقل سمجھتے اور گمنامی کو پسند کرتے تھے گویا ان کی مثال [illegible]

میں سفر کرنے والے مسافر کی سی ہے کہ راستے جب تک نجات کا یقین نہ ہو جائے متفکر رہتا ہے۔

یہ حضرات ایک دوسرے کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے استفادہ کرتے ہیں اس لیے کہ یہ ایک ہی منزل کے لیے راہی ہیں جو ساتھ چلے ہیں اور آپس میں محبت کرتے ہیں دن رات کی گردش ان کی سواری ہے جو انہیں جنت کی طرف لیے جا رہی ہے۔

اہل تقویٰ کی زندگی

مجلس ۔ جسے اپنے حالات کی درستگی کی خواہش ہو اسے اعمال کی درستگی کی کوشش کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا۔ "اور یہ کہ اگر وہ صراط مستقیم پر ثابت قدم رہے تو ہم انہیں خوشگوار پانی پلائیں گے۔"

اور حدیث قدسی میں ہے: لَوْ اَنَّ عِبَادِيْ اَطَاعُوْنِيْ لَسَقَيْتُهُمُ الْمَطَرَ بِاللَّيْلِ وَاَطْلَعْتُ عَلَيْهِمُ الشَّمْسَ بِالنَّهَارِ وَلَمْ اُسْمِعْهُمْ صَوْتَ الرَّعْدِ۔

"اگر میرے بندے میری فرمانبرداری کریں تو رات میں انہیں بارش سے سیراب کردوں اور دن میں سورج نکالا کروں اور انہیں بجلی کی کڑک اور گرج نہ سناؤں کہ دن کو بارش ہونا اور سورج کا نہ نکلنا نیز بجلی کی کڑک اور گرج تکلیف دہ ہوتی ہے۔"

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْبِرُّ لَا يَبْلٰى وَالْاِثْمُ لَا يُنْسٰى وَالدَّيَّانُ لَا يَنَامُ وَكَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ۔

"نیکیاں پرانی نہیں ہوتیں گناہ بھلائے نہیں جاتے اور بدلہ دینے والا سوتا نہیں ہے (کہ کوئی معاملہ اس سے مخفی رہ جائے) بس جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔"

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

مَنْ صَفّٰى صُفِّيَ لَهٗ وَمَنْ كَدَّرَ كُدِّرَ عَلَيْهِ وَمَنْ اَحْسَنَ فِيْ لَيْلِهٖ كُوْفِيَ فِيْ نَهَارِهٖ وَمَنْ اَحْسَنَ فِيْ نَهَارِهٖ كُوْفِيَ فِيْ لَيْلِهٖ۔

"جس نے اعمال صاف ستھرے رکھے اس کے حالات نکھار دیئے گئے اور جس نے اعمال میں کدورت ملائی اس کے احوال مکدر کر دیئے گئے اور جس نے رات میں حسن عمل کیا دن میں

اسے اس کا بدلہ دیا گیا (کہ پریشانی کے بعد اطمینان حاصل ہوا اور پریشانی سے امن رہا) اور جس نے دن میں اچھے اعمال کیے رات میں بدلہ دیا گیا (مناجات کی حلاوت اور عبادت کی مسرت سے)۔"

ایک شیخ لوگوں کی مجالس میں گھوم گھوم کر کہتے "جسے دائمی عافیت مطلوب ہو اسے اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا چاہیے۔"

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے جب کسی معصیت کا صدور ہوتا ہے تو مجھے اس کا احساس اپنی سواری اور نوکر کے برتاؤ سے ہو جاتا ہے۔

اور یہ خوب سمجھ لو کہ غافل اور مدہوش کو تو ضرب شدید کا بھی احساس نہیں ہوتا جبکہ اپنا محاسبہ کرنے والا ذرا سے تغیر کو محسوس کر لیتا ہے۔

لہٰذا جب تم اپنے کسی حال میں تغیر محسوس کرو تو غور کرو کہ کسی نعمت کی ناشکری تو نہیں ہو گئی یا کوئی لغزش تو سرزد نہیں ہو گئی اور نعمتوں کے چھن جانے اور ان کے جاتے رہنے کے آنے سے ڈرتے رہو۔ خصوصاً خوشحالی کی وسعت سے دھوکہ میں مت ہو کیونکہ اس کے انقباض کا ظہور جلدی ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ.

"بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک اسے خود اپنی حالت بدلنے کا خیال نہ ہو۔"

اور حضرت ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے یہ تمہارا دھوکہ ہے کہ تم گناہ کرو اور تمہارے ساتھ بھلائی کی جائے تو تم تو یہ اس گمان سے چھوڑ بیٹھو کہ تم سے ساری غلطیوں پر چشم پوشی کی جائے گی۔

احکامِ شرعیہ کی قسمیں

مجلس... ایک دن میں نے احکامِ شرعیہ میں غور کیا تو ان کو دو قسموں میں پایا بعض دشوار اور بعض آسان۔ آسان تو اعضاء و جوارح کے اعمال ہیں۔ اگرچہ ان میں بھی آپس میں بعض اعمال بعض کے مقابلے میں دشوار ہیں۔ چنانچہ وضو اور نماز روزے سے سہل ہے اور بعض کے حق میں روزہ زکوٰۃ سے سہل ہے۔

اسی طرح دشوار اعمال میں بھی تفاوت ہوتا ہے کہ بعض بعض کے مقابلے میں دشوار

ہوتے ہیں انہی دشوار اعمال میں وحدانیت کے ان دلائل پر غور کرنا اور ان سے استدلال کرنا ہے جن سے خالق کی معرفت ہو کیونکہ یہ ان لوگوں کے نزدیک دشوار ترین امر ہے جن پر محسوسات کا غلبہ ہے۔ البتہ اہل عقل کے لیے آسان ہے۔

اور انہی میں خواہشات پر غلبہ پانا نفس کو دبانا اور جن چیزوں کی طرف طبیعت لپک رہی ہو ان سے طبیعت کو روکنا ہے۔ یہ سارے امور اگرچہ تنہا میں مشقت کے ہیں لیکن اہل عقل پر اس وجہ سے آسان ہو جاتے ہیں کہ وہ ان کے ثواب کو سوچتے ہیں اور ان کے بہتر انجام کے امیدوار ہوتے ہیں۔

ہمارے لیے دشوارترین اور عجیب تر تکلیف و امتحان یہ ہے کہ ہمیں عقل کی خود پر خالق تعالی کے حکیم ہونے کا اعتقاد مستحکم ہے اس کے باوجود اپنے بندوں کے ساتھ اس کا سلوک ہم یہ دیکھتے ہیں کہ علمی مشاغل رکھنے والوں اور عبادت گزاروں کو اس حد تک فقر میں مبتلا کر دیتا ہے کہ فقر ان کا گوشت و پوست توڑ ڈالتا ہے پھر انہیں روزی کے لیے جاہل کے سامنے جھکاتا ہے اور فاسق و بددین کو باوجود جہل کے اس درجہ غنا عطا فرماتا ہے کہ دنیا اس پر بہنے لگتی ہے (عقل کا تقاضا پورا کرنے کے لیے ورنہ بددین دنیا سے بھی جائے اور دین سے بھی۔۱۲ مترجم)

اسی طرح تم اسے دیکھو گے کہ جسموں کو پروان چڑھاتا اور مضبوط کرتا ہے پھر ابھی جسم کی تکمیل ہوئی ہے اور توانائی کا عالم ہے اسے توڑ کر چور کر دیتا ہے۔ (تاکہ دوسرے جوانوں کو عبرت ہو اور انہیں موت کا دھیان رہے۔ مترجم)

اسی طرح دیکھو گے کہ بچوں کو اس طرح مبتلائے آزار کرتا ہے کہ ہر شخص ان پر ترس کھانے لگتا ہے (حالانکہ انسانوں میں ہمدردی و غم خواری کی تربیت کے لیے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہے اس میں خود بچوں کی بھی تربیت ہوتی ہے اور ترس کھانے والوں کی بھی۔ یہ معاملہ مالک الملک اور رب العالمین کے بالکل شایان شان ہے۔۱۲ از مترجم)

ان سب کے ساتھ تم سے کہا جاتا ہے۔ "ایاک ان تشک فی اللہ ارحم الراحمین" خبردار! اس کے ارحم الراحمین ہونے میں شک نہ کرنا۔

تنبیہ: واقعہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے ارحم الراحمین ہونے میں شک کسی مومن

عارف کو نہیں ہو سکتا۔ اگر اندھا اور بے بصیرت ہو تو اس کا ذکر ہی کیا۔ عارف کا ہر لمحہ اس کے الطاف و عنایات اور رحم و کرم کے مشاہدہ میں گزرتا ہے بلکہ عارف کو ان حضرات پر تعجب ہوتا ہے جو مصائب و آلام کی شکایت کرتے پھرتے ہیں۔ علامہ ابن الجوزی کا مقصود یہ ہے کہ اہل وہلہ میں ایسے مواقع پر عقل کو جھٹکا لگتا ہے۔ اب اگر وہ عارف اور معتاد ہو گی تو اس پر ان امور کی حقیقت پانا آسان ہے ورنہ دشوار۔ (۱۲ مترجم)

ایک انسان کو یہ واقعہ سنایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (اتمام حجت کے لیے) فرعون کے پاس پیغام رسالت دے کر بھیجا اور ان سے یہ بھی کہا ہوتا ہے کہ تم اس کا اعتقاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے ہی فرعون کو گمراہ کیا۔

اور تم جانتے ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اکل شجرہ سے چارہ نہ تھا اس کے باوجود انھیں تنبیہ کی گئی۔ "وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ" کہا جیسے سوالات میں ایک طوفان تھم سا ہے حتیٰ کہ کفر اور تکذیب تک پہنچ گئی۔ اگر یہ لوگ ذرا بھی ان امور کا راز کریدنے کی کوشش کرتے تو یہ سمجھ لیتے کہ ان سارے امور کو مان لینے اور تسلیم کر لینے کا عقل کو اس لیے مکلف بنایا گیا ہے تاکہ اس میں یقین اور پختگی پیدا ہو۔ (کیونکہ جب کوئی حقیقت بہت غور و فکر اور بڑے خطرات کے بعد سمجھ میں آتی ہے تو بہت قابل قدر ہوتی ہے اور اگر پھر بھی نہ سمجھ میں آوے لیکن عقل سرکشی بھی نہ کرے بے سمجھے مانتی رہے تو یہ ایک مضبوط حصار ہے جسے ابلیس اعظم بھی اپنی تمام چالاکیوں اور مکاریوں کے باوصف نہیں توڑ سکتا۔ ۱۲ مترجم)

اور یہ وہ بنیادی بات ہے کہ جو اسے سمجھ لے اسے ہر گمراہی سے سلامتی حاصل ہو اور اس میں تسلیم و تفویض پیدا ہو جائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے لیے ان مشکلات کو کھول دے جن میں بڑے بڑے گمراہ فرقے متحیر ہو گئے۔ بیشک وہ بہت قریب ہے اور دعا کا قبول فرماتا ہے۔

وقت کی قدر و قیمت

فصل... انسان کو چاہیے کہ اپنے اوقات کی قدر و قیمت کو پہچانے اپنا ہر لمحہ نیکی اور

طاعت میں صرف کرے اور جو نیکیاں خواہ عملی ہوں یا قولی افضل ہوں پہلے ان میں لگے پھر
دوسری اور تیسری میں اور معمولات میں کوتاہی کیے بغیر ہر عمل خیر میں نیت تو ضرور درست
رکھنی چاہیے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ "مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔"

حضرات سلف کی جماعت کا یہ حال تھا کہ اپنا ایک ایک منٹ عمل میں لگانے کی کوشش
کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عامر بن عبد قیس رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان
سے ایک شخص نے عرض کیا تھوڑی دیر مجھ سے بات کر لیجئے۔ آپ نے فرمایا: سورج کو روک
لو (تاکہ یہ لمحات فضول ضائع نہ ہوں)

اور حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ میں نے اپنے
والد کو (نزع کے وقت) تلقین شروع کی تو فرمایا بیٹے مجھے چھوڑ دو میں اس وقت اپنے چھٹے
وظیفہ میں مشغول ہوں۔

بعض بزرگان دین کے پاس لوگ نزع کے قریب گئے تو انہیں اسی حالت میں
نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ ان سے عرض کیا گیا (کہ کیوں اس قدر مشقت برداشت کرتے
ہیں؟) تو فرمایا: یہ وہ وقت ہے کہ میرا صحیفہ اعمال بند کیا جا رہا ہے۔

واقعی بات ہے کہ جب انسان کو اس کا یقین ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس نے خوب
مجاہدے کیے ہوں اور اعمال کا ذخیرہ کر چکا ہو کہ موت اسے عمل سے روک دے گی تو اپنی
زندگی میں ایسے اعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے جس کا اجر موت کے بعد بھی جاری رہے۔

چنانچہ اگر اس کو کچھ مال دنیا میسر ہوا تو وقف کرتا ہے، سڑکوں پر درخت لگاتا ہے،
نہریں کھدواتا ہے اور نیک اولاد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے بعد اللہ کا ذکر
کرے تاکہ ان سب کا اجر اسے پہنچے۔ اور اگر عالم ہوا تو علمی کتابیں تصنیف کرتا ہے کیونکہ
عالم کی تصنیف اس کے حق میں باقی رہنے والی اولاد کی طرح ہے۔

نیکیوں کو دیکھ کر ان پر عمل کرتا ہے تاکہ دوسرے لوگ اس کا عمل دیکھ کر اس کی نقل
کریں (اور یہ صدقہ جاریہ ہو جائے)

کی ایسی حضرات ہیں جو (مرجانے کے باوجود) کبھی مرے نہیں ہیں۔ قد مات قوم وہم فی الناس احیاء" کچھ لوگ بظاہر مر گئے لیکن لوگوں کے دلوں میں (اپنی اچھی یاد کی وجہ سے) زندہ ہیں۔

شیطان کی ایک بڑی چال

صحبتیں... میں نے شیطان کا بڑا مکر اور اس کی چالبازی یہ دیکھی کہ وہ ارباب دولت کو طرح طرح کی آرزوؤں میں گھیرے رہتا ہے اور انکی لذت میں مشغول کیے رہتا ہے جو انہیں آخرت کی یاد اور اس کے اعمال سے پھیرے رہتے ہیں۔ پھر جب مال جمع کرنے پر آمادہ کر کے مال سے ان کا تعلق جوڑ دیتا ہے تو ان میں بخل پیدا کرنے کے لیے مشورہ دیتا ہے کہ مال کو بچا بچا کر خرچ کرو۔ یہ اس کا مضبوط حیلہ اور قوی مکر ہے۔

پھر اسی مال کے معاملہ میں ایک اور دقیق اور مخفی حیلہ اختیار کرتا ہے وہ یہ کہ مؤمنین مخلصین کو اس کے جمع کرنے سے ڈراتا ہے جس کے نتیجہ میں طالبین آخرت مال سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور توبہ کرنے والے اپنے کو مال سے علیحدہ کر لیتے ہیں اور مسلسل شیطان انہیں زہد پر ابھارتا اور مال و دنیا کے ترک کا مشورہ دیتا رہتا ہے اور کسب کے راستوں سے ڈراتا رہتا ہے تاکہ حاجت مند رہے کہ میں ان کا خیر خواہ ہوں اور ان کا دین محفوظ رکھنا چاہتا ہوں حالانکہ اس کے ساتھ اس کی عجیب عجیب چالیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ شیطان ان توبہ کرنے والوں کے ان بعض مشائخ کی زبان پر جو ان کے مقتدا ہوتے ہیں ان سے بات کرتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ اپنے سارے مال سے علیحدہ ہو جاؤ اور زاہدوں کی جماعت میں شمولیت اختیار کرو۔ جب تک تمہارے پاس صبح و شام کے کھانے کا انتظام رہے گا۔ زاہد نہ ہو سکو گے اور عزیمت کے مرتبے نہ پا سکو گے بلکہ ان کے سامنے کبھی کبھی ایسی حدیثیں بھی پڑھ دیتا ہے جو یا تو صحیح سند سے ثابت نہیں یا کسی خاص سبب یا خاص علت پر مبنی ہوتی ہیں۔

پھر جب ان کے ہاتھ مال سے خالی ہو جاتے ہیں خود وہ کمانے کے لائق نہیں رہ جاتے تب شیطان ان کی طمع دوستوں کے عطایا اور ہدایے سے متعلق کرنا شروع کرتا ہے یا بادشاہوں (اور امراء) کی صحبت کی خوبیاں بیان کر کے ان کی طرف مائل کر دیتا ہے کیونکہ انسان زہد و ترک دنیا

کی دلو پر چند روز ہی چل سکتا ہے۔ پھر طبیعت کے تقاضے مجبور کرتے ہیں اور اپنے مطلوبات مانگتے ہیں۔ تب یہ شخص جس دولت سے بھاگا تھا اس سے بدتر حالت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

پھر ان مطلوبات کی تحصیل میں سب سے پہلا جو سامان خرچ کرتا ہے وہ اپنا دین اور اپنی آبرو ہے اور وہ امراء کے ہاتھ میں سائل بن جاتا ہے اور دینے والوں کے بجائے مانگنے والوں کی صف میں آ جاتا ہے۔

اگر وہ مردان راہ اور ہوش مندان طریق کے حالات پر نگاہ ڈالتا اور اصحاب علم سے صحیح احادیث حاصل کر کے ان میں غور کرتا تو اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس مال و دولت کی اس قدر بہتات تھی کہ ان کا علاقہ ان کے چوپاؤں سے تنگ پڑنے لگا تھا اور یہی حال حضرت لوط علیہ السلام اور دوسرے بہت سے انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک بڑی جماعت کا تھا۔

صبر تو ان حضرات نے زہد ہونے کی صورت میں کیا اور یہ حضرات آج روزی کمانے سے بھی نہیں رکے جو ان کی بقاء کے لیے ضروری ہو اور مال موجود ہونے کے وقت مباحات کے کھانے سے پرہیز بھی نہ کیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تجارت فرمایا کرتے تھے۔

ہاں اکثر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیت المال سے ملنے والے وظیفہ میں جو ضرورت سے زائد ہوتا اسے خرچ تو فرما دیتے تھے لیکن دوستوں اور احباب کے سامنے اپنی حاجت لے جانے کی ذلت سے بھی اپنے کو بچاتے تھے۔

چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرز عمل اس باب میں یہ تھا کہ ہدایا واپس بھی فرماتے اور کسی سے سوال بھی نہ کرتے تھے (اور نہ سوال کی صورت بنائے رکھتے تھے)۔

میں نے بہت سے دیندار علماء کی اس حالت پر غور کیا تو یہ سمجھ میں آیا کہ ابتداء میں تو تحصیل علم کے شغل نے انہیں کمانے کے ذرائع سے مشغول رکھا۔ پھر جب انہوں نے روزی کی ضرورت محسوس کی (اور حصول کی کوئی صورت سمجھ میں نہ آئی) تو اپنے کو ذلت کے راستے پر ڈال دیا۔ حالانکہ سب سے زیادہ عزت کے وہی حقدار تھے۔

گزشتہ زمانے میں تو بیت المال ایسے حضرات کی کفالت کرتا تھا اور انہیں دوستوں کے عطیے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی لیکن اب جب کہ بیت المال نہ رہے کوئی وظیفہ اور بغیر اپنا دین فروخت کیے کچھ بھی دنیا نہیں حاصل کر پاتا۔

کاش! دو زاہد غور کر لیتا کہ اس صورت میں اکثر دین تو ضائع ہو جاتا ہے اور دنیا سے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

لہٰذا ہر سمجھدار شخص کے لیے ضروری ہے کہ جو دولت اس کے پاس ہے اس کی نگہداشت کرے اور کچھ روزی کمانے کی کوشش کرے تاکہ (اس کا دینی نتیجہ یہ ہو کہ) ظالموں کی ملامات اور جاہلوں کی مداہنت سے مامون ہو جائے اور ان جاہل صوفیاء کی بکواس کی طرف التفات نہ کرے جو فقر کے سلسلے میں اُلٹے سیدھے اقوال کو دعویٰ کرتے ہیں۔

بھلا فقر کیا ہے؟ صرف عاجزوں و ساندوں کا مرض ہے۔ (اگر پست حوصلگی کے سبب ہو اور اگر حوصلے کے ساتھ فقر اختیار کیا جائے تو افضل الاحوال ہے کیونکہ افضل الانبیاء کا حال تھا ۱۲ مترجم) اور فقر پر صبر کرنے والوں کو وہی ثواب ملتا ہے جو مرض پر صبر کرنے والوں کو ملتا ہے۔

اور اگر دنیاوی معاملات میں لگنے سے گھبراہٹ ہوتی ہو اور (پست حوصلگی کے سبب) بقدر کفایت پر قناعت کرتا ہو تو یہ جواں مردوں کا مرتبہ نہیں ہے بلکہ کمزور دل زاہدوں کا مقام ہے۔

اور جو شخص اس نیت سے کماتا ہو کہ دینے والا بنے لینے کا محتاج نہ رہے صدقہ کرنے والا بنے اس کا مستحق نہ رہے تو یہ مرتبہ اصحاب عزم (و ہمت) اور بہادروں کا ہے۔

جس نے اس فصل کو غور سے پڑھ لیا اسے غنا کا شرف اور فقر کے اندر پوشیدہ خطرات کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

نفسانی لذتوں کے حاصل نہ ہونے پر اصحاب علم کی حسرت

مجلس..... میں نے اصحاب فضیلت کے احوال پر غور کیا تو ان میں سے بیشتر کو دیکھا کہ وہ مال و دنیا سے محروم ہیں اور دنیا عام طور پر کم درجے کے لوگوں کے پاس نظر آئی۔

پھر مجھے اصحاب فضیلت کا معاملہ یہ نظر آیا کہ وہ اس دنیا کے نہ پانے پر حسرت و افسوس

میں جتنا چین جسے اس شخص نے حاصل کر لیا ہے بلکہ بعض حضرات تو اس کے افسوس میں گھلنے لگے۔ یہ حال دیکھ کر میں نے ایسے اہل حسرت میں سے ایک صاحب کو پکڑا اور ان سے کہا تمہارا بھلا ہو! اگر تم اپنی حالت کو سوچو تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ چند وجوہ سے تم غلطی پر ہو۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اگر تمہارے اندر دنیا کے حاصل کرنے کا حوصلہ ہے تو اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو تاکہ اس طعنے پر جس افسوس میں پڑے ہو اس سے راحت پا جاؤ کیونکہ تمہارا ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا رہنا اور دوسروں کے مال و دولت کو دیکھ کر اظہار حسرت کرنا احتیاج کے مرض کا مظاہرہ ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ دنیا کے حاصل کرنے کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ تم سہولت سے دنیا سے گزر جاؤ نہ یہ کہ (بلا ضرورت) تعمیر پر تعمیر کرتے جاؤ۔ یہ ایسی بات ہے کہ خود تمہاری معلومات اور تمہارا فہم بھی اس کی رہنمائی کرتا ہے۔

اور جو زائد دنیا اس شخص نے حاصل کر رکھی ہے وہ اس کے جسم و جان اور دین و ایمان دونوں کے لیے مضرت رساں ہوتی ہے۔ تم یہ سب جانتے ہو اس کے باوجود تم اس دنیا کے تمنائی ہوتے پر فریفتہ ہو جس کا نہ ہونا ہی تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔ زیادہ سے زیادہ تمہاری یہ حسرت اور افسوس اس مال کے ترک پر جس کا تم سے دور رہنا ہی قرین مصلحت تھا ایک سزا ہے تو اگر تم اس کے سبب آخرت کے عذاب سے بچ سکتے ہو تو اس دنیاوی سزا پر قناعت کر لو۔

اور تیسری وجہ یہ ہے کہ تم کو یہ علم ہے کہ دنیاوی غذاؤں اور لذتوں کے حصول میں جانوروں کے مقابلے میں انسانوں کا حصہ بہت کم ہے کیونکہ یہ ساری چیزیں یا جانور ان کے ساتھ حاصل کر لیتے ہیں اور تم خوف کے ساتھ اور تھوڑی مقدار میں پاتے ہو تو اب اگر تمہاری خواہش کے مطابق تمہارا دنیاوی حصہ بڑھا دیا جائے تو گویا تم کو اس حد تک جانوروں کے ساتھ لاحق کر دیا گیا۔ یہ دنیا تمہارے فضائل کے حاصل کرنے میں رکاوٹ ہے جبکہ قناعت ہی اعلیٰ مراتب کے حصول پر ابھارتی ہے۔

پس جب تم نے دنیوی لذات کے کم ہونے کے باوجود دنیا ہی کو ترجیح دی تو تم نے اس چیز پر اقدام کیا جس کی خرابی تمہیں معلوم تھی اور تم نے اپنے نفس کو بدنام کیا اور اپنی رائے کی کمزوری پر دلیل فراہم کر دی۔

لغزشیں

فصل: میں نے ایک دن اس پر غور کیا کہ آخر علماء ان شہوات کو کیونکر اختیار کر لیتے ہیں جن کی ممانعت نصوص میں موجود ہے اور یہ بڑا اہم مقام ہے کیونکہ اگر ایک حقیقت واضح نہ ہوتی تو کفر کے قریب ہو جاتے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ گناہ کے وقت ان کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں۔

بعض تو گناہ کے گناہ ہونے سے ناواقف ہوتے ہیں تو یہ ایک درجہ کا عذر ہے اور بعض حرام کو مکروہ سمجھتے ہوتے ہیں تو یہ بھی پہلی قسم کے قریب ہیں۔ ممکن ہے حضرت آدم علیہ السلام اسی قسم میں داخل ہوں (کہ اکل شجرہ میں وجہ حرمت کی ممانعت نہ سمجھی ہو اور جنت میں رہنے کی شدید خواہش کی وجہ سے ارتکاب فرمالیا ہو لیکن تحقیق یہ ہے کہ آپ نے اپنے اجتہاد سے بالکل جائز امر کا ارتکاب فرمایا تھا۔ ایسا نہیں ہے کہ مکروہ سمجھتے ہوئے ارتکاب فرمایا ہو اور اجتہادی چوک انبیاء سے ممکن ہے ان کی شان کے خلاف نہیں ہے۔ ۱۲ مترجم)

اور کچھ ایسے ہیں کہ تاویل کرتے ہیں اگرچہ غلط کرتے ہیں۔ جیسا کہ بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ایک متعین درخت کے (پھل کے) کھانے سے روکا گیا تھا لیکن آپ نے اسی جنس کا دوسرا پھل کھالیا (یہ سمجھا کہ خاص اسی درخت سے ممانعت ہے ۱۲ مترجم)

اور بعض اس فعل کی حرمت سے واقف ہوتے ہیں مگر شہوت کے غلبہ کے سبب انہیں حرمت یاد نہیں رہ جاتی۔ گویا جو چیز دیکھ رہے ہیں وہ انہیں اس حرمت سے مشغول کر لیتی ہے جس کا انہیں علم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ چور کو ہاتھ کا کٹنا یاد نہیں رہتا بلکہ مال کا لطف حاصل کرنے میں بالکل بے خبر ہو جاتا ہے اور زانی کو بھی زنا کے وقت رسوائی اور حد زنا یاد نہیں رہتی کیونکہ نظر آنے والی چیز ذہن میں رہنے والی چیز سے ذہول کرا دیتی ہے۔

اور بعض لوگ اس کا گناہ ہونا بھی جانتے ہیں اور یہ انہیں یاد بھی رہتا ہے تو ان کے معاملہ پر سکوت مناسب ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ہوشمند کو احتیاط پر عمل کرنا چاہیے اور کیوں نہ کرے گا جب کہ اسے معلوم ہے کہ اس قوت والی اور سلطنت والی ذات نے ربع دینار چرانے پر ہاتھ کٹنے کا

حکم دیا ہے اور معصوم جسم کو پتھروں سے رجم کے ذریعہ ہلاک کرنے کا قانون بنایا ہے اور یہ سب صرف ایک لمحہ کی لذت کے سبب۔

اور کتنی قوموں کو زمین میں دھنسا دیا کتنوں کی صورتیں مسخ کر دیں اور کتنوں کو غرقاب کر دیا۔

قانون جزا

مجلس..... جو بھی اللہ تعالیٰ کے افعال میں غور کرے گا ان کو قانون عدل کے مطابق پائے گا اور اسے یہ اندازہ ہوگا کہ ہر کام کا بدلہ ضرور ملتا ہے خواہ کچھ مدت بعد ہی۔

لہٰذا جس شخص کی غلطیوں پر چشم پوشی کی جا رہی ہو اسے دھوکہ نہ ہونا چاہیے کیونکہ بدلہ ملنے میں تاخیر بھی ہوا کرتی ہے۔

سب سے بڑا گناہ جس کی سزا بھی بڑی ہے اپنے گناہوں پر اصرار کرنا ہے۔ کیوں پھر ایسا شخص دکھلاوے کا استغفار و نماز اور عبادتیں کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ ریاکاری مفید ہوگی (حالانکہ اصرار گناہ کے ساتھ ظاہری عبادتیں بیکار ہیں)۔

اور سب سے زیادہ دھوکہ میں وہ شخص پڑتا ہے جو خود تو ایسے افعال کرے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند فرمائیں اور اللہ تعالیٰ سے ان چیزوں کی آرزو باندھے جنہیں وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں مروی ہے:

وَالْعَاجِزُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ الْاَمَانِيَّ۔

"وہ بڑا احمق ہے جس نے اپنے نفس کو خواہشات کے تابع کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے بڑی بڑی آرزوئیں باندھیں۔"

اس لیے سمجھدار آدمی کو اس کا یقین رکھنا چاہیے کہ کیے کا بدلہ ضرور ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو عار دلاتے ہوئے کہہ دیا اے مفلس! جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود میں افلاس میں مبتلا ہو گیا۔ چالیس سال کے بعد۔

اور حضرت ابن الجلاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں ایک امرد کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میرے شیخ نے دیکھ لیا تو فرمایا یہ کیا حرکت ہے؟ آئندہ تمہیں اس کا انجام بھگتنا پڑے گا۔ چنانچہ چالیس سال کے بعد میں قرآن شریف بھول گیا۔

اس کے برعکس جنہوں نے نیک اعمال کیے اور نیت درست رکھی تو انہیں اس کے اچھے بدلہ کا منتظر رہنا چاہیے اگرچہ کچھ مدت بعد ہی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ.

"بیشک جنہوں نے اللہ کا تقویٰ اختیار کیا اور صبر کا راستہ اپنایا تو اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔"

اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ غَضَّ بَصَرَهٗ عَنْ مَحَاسِنِ امْرَأَةٍ اَثَابَهُ اللّٰهُ اِیْمَانًا یَجِدُ حَلَاوَتَهٗ فِیْ قَلْبِهٖ.

"جس نے اپنی نگاہ کسی اجنبی عورت کو گھورنے کے بجائے نیچی کر لی اللہ تعالیٰ اس کے عوض ایمان میں ایسا اضافہ فرما دیں گے جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔"

حاصل یہ کہ عقلمند آدمی کو اس کا یقین رکھنا چاہیے کہ:

"مِیْزَانُ الْعَدْلِ لَا یُحَابِیْ" (عدل کی ترازو دیتا کسی طرف نہیں جھکتی)

جاہل صوفیاء کی حماقتیں

مجلس..... میں نے صوفیاء اور زاہدوں کے حالات میں غور کیا تو ان کے اکثر احوال کو کچھ تو شریعت سے ناواقفیت کے سبب اور کچھ ذاتی اختراعات کی وجہ سے شریعت سے منحرف پایا۔ وہ ایسی آیتوں سے استدلال کرتے ہیں جن کے حقیقی معنی نہیں سمجھتے اور ایسی احادیث کو حجت بناتے ہیں جن کے اسباب کچھ اور تھے بلکہ اکثر تو ثابت بھی نہیں ہوتیں۔ مثلاً انہوں نے قرآن کریم کی یہ آیتیں سنیں "وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ" (دنیاوی ساز و سامان صرف دھوکہ کا سامان ہے)۔ "اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ" (دنیوی زندگی صرف کھیل تفریح اور آرائش کی چیز ہے) اور اس طرح کی حدیث سنی "اَلدُّنْیَا اَهْوَنُ عَلَی اللّٰهِ مِنْ شَاةٍ مَیِّتَةٍ عَلٰی اَهْلِهَا" (دنیا کی حقیقت اللہ کے نزدیک مردار بکری سے بھی کم تر ہے) تو ان لوگوں نے بجائے دنیا کی حقیقت معلوم کرنے کے اس کو چھوڑنے میں مبالغہ شروع کر دیا حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب تک کسی چیز کی حقیقت نہ معلوم کر لی جائے نہ اس کی مدح درست ہے نہ

مذمت۔ چنانچہ جب ہم نے دنیا کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کی تو ہم نے دیکھا کہ یہ روئے زمین جسے مخلوق کے لیے جائے قرار بنایا گیا ہے اسی سے ان کی روزی نکلتی ہے اور اسی میں ان کے مردے دفن ہوتے ہیں اور ایسی چیز جس میں انہی کی مصلحت اور نفع ہو مذموم نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح ہم نے روئے زمین پر پائے جانے والے پانی کھیت اور چوپایوں کو دیکھا کہ سب کے سب آدمی کے نفع اور اس کی مصلحتوں کے لیے اور اس کی بقا کا ذریعہ ہیں اور اس پر بھی غور کیا کہ آدمی اس لیے پیدا کیا گیا ہے تاکہ اپنے رب کی معرفت اور اس کی فرمانبرداری کرے۔ پس جو چیزیں ایسے آدمیوں کی بقا کا ذریعہ ہوں جو خدا کی معرفت و عبادت کریں وہ قابل مذمت ہونے کے بجائے قابل مدح ہیں۔ اب ہمارے سامنے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ دنیا کی جو مذمت حدیث و قرآن میں وارد ہے وہ دنیا سے متعلق جاہلوں اور نافرمانوں کی حرکات کی وجہ سے ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مباح مال حاصل کرکے اس کی زکوٰۃ ادا کرتا رہے تو شریعت اس پر کوئی ملامت نہیں کرتی۔ چنانچہ حضرت زبیر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور دوسرے بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنی وفات کے بعد مال کی جو مقدار چھوڑی وہ سب پر عیاں ہے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صدقہ کی مقدار چالیس ہزار درہم کو پہنچ جاتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بعد نوے ہزار درہم چھوڑے۔ حضرت لیث بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سالانہ آمدنی بیس ہزار درہم تھی۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑی تجارت فرماتے تھے اور حضرت ابن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کی ہر سال دو ہزار اشرفی کی آمدنی ہوتی تھی۔

اسی طرح اگر کوئی شخص زیادہ نکاح کرے اور باندیاں زیادہ رکھے تو وہ بھی قابل مدح ہے نہ کہ قابل مذمت کیونکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت سی ازواج تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باندیاں بھی تھیں اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس میں کثرت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چار بیویاں اور سترہ باندیاں تھیں اور آپ کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریباً چار سو نکاح فرمائے[1]۔

---

[1] [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور اس نکاح میں اگر کسی کا مقصد اولاد حاصل کرنا ہو تو یہ انتہائی بندگی ہے اور اگر لذت ہی حاصل کرنا ہو تو بھی مباح ہے بلکہ ایسے نکاح میں بھی بیشمار طاعتیں مضمر ہیں۔ مثلاً اپنی اور اپنی بیویوں کی عفت اور پاک دامنی وغیرہ۔

آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی پاکیزہ زندگی کے دس سال حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی کی مہر میں گزار دیئے۔ اگر نکاح میں کچھ فضیلت نہ ہوتی تو حضرات انبیاء علیہم السلام کا ایک طویل زمانہ اس میں نہ گزرتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے "اس اُمت کے بہترین لوگ وہ ہیں جن کے پاس بیویاں زیادہ ہوں" جبکہ خود آپ کا یہ حال تھا کہ آپ اپنی ایک باندی سے جماع شروع کرتے (اور اس کو فارغ کر کے) دوسری میں انزال فرماتے۔

حضرت ربیع بن خثیم کی باندی نے بیان کیا کہ ربیع عزل کیا کرتے تھے۔

اسی طرح کھانے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے بدن میں قوت پیدا ہو جائے اور سواری کے مالک کو اپنی سواری کا خوب خیال رکھنا چاہیے تاکہ وہ اس کا بوجھ ڈھو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ بھی میسر آجاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تناول فرمالیتے تھے۔ اگر گوشت ملتا گوشت کھاتے، مرغ ملتا مرغ تناول فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ شیرینی اور شہد پسند تھا اور یہ کہیں بھی منقول نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مباح کھانے سے اجتناب فرمایا ہو۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں فالودہ لایا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تناول فرمایا اور پوچھا یہ کس خوشی میں ہے؟

لوگوں نے عرض کیا آج نوروز ہے (ایک تہوار) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہمارا نوروز تو ہر روز رہتا ہے۔ البتہ آسودگی سے زیادہ کھانا ضرور مکروہ ہے۔

اسی طرح تکبر اور ناز کے طور پر کپڑے پہننا بھی ناجائز ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) چار سے زیادہ بیویاں رہتی ہوں بلکہ آپ نکاح فرماتے تھے اور ایک رات کے بعد طلاق دے دیا کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ عورتوں کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ اگر نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت ایک لمحہ کی بھی نصیب ہو جائے گی تو ان شاء اللہ قیامت میں سرخروئی حاصل ہوگی اور ایک شان حاصل ہوگی۔ ۱۲ مترجم

لیکن بہت سے لوگوں نے قدر ضرورت سے کم پر اس لیے اکتفا کیا کہ انہیں حلال خالص اتنا میسر نہیں ہو سکا جس سے ساری مراد حاصل کی جا سکتی ورنہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا جوڑا بھی پہن فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ستائیس اونٹ کے عوض خریدا گیا تھا اور حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک ایسا جوڑا تھا جو ایک ہزار درہم میں خریدا گیا تھا اور آپ اسی کو پہن کر تہجد پڑھا کرتے تھے لیکن ان سب کے علی الرغم کچھ ایسے لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے زہد کا مظاہرہ کیا اور ایسا راستہ اختیار کر لیا جسے ان کے لیے خواہش نفس نے مزین کیا تھا۔ پھر اس کے لیے دلائل بھی فراہم کرنے کی کوشش کی حالانکہ قاعدہ یہ تھا کہ دلیل کا اتباع کیا جاتا نہ یہ کہ کوئی راستہ خود سے تجویز کر کے پھر اس کے جواز کے لیے دلیل ڈھونڈی جائے۔ ایسے حضرات کی مختلف قسمیں ہیں:

کچھ تو ظاہر میں تصنع اور مکر کرتے ہیں مگر باطن میں پھاڑ کھانے (خطرناک) شیر ہیں۔ خلوتوں میں شہوات وخواہشات پر عمل کرتے ہیں اور لذتوں میں مست رہتے ہیں اور لوگوں پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ بڑے صوفی اور زاہد ہیں۔ حالانکہ ان کا صرف زہد ان کی قمیص میں ہوتا ہے اور اگر ان کو غور سے دیکھا جائے تو باطن کے اندر فرعون کا سا تکبر ملتا ہے۔

کچھ باطن کے اعتبار سے تو ٹھیک ہیں مگر احکام شریعت سے ناواقف ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو مجلس لگاتے اور کتابیں لکھتے ہیں پھر کچھ جاہل ان کے پیرو بن جاتے ہیں تو ان جاہلوں کی مثال ایسے اندھوں جیسی ہوتی ہے جو کسی اندھے کو اپنا رہبر بنالیں۔

اگر یہ لوگ قرن اول کے ان حالات پر نگاہ ڈالتے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے تھے تو راہ مستقیم سے نہ بھٹکتے۔

اور محققین کی جماعت کسی بھی شخصیت کی پرواہ نہیں کرتی جو اگرچہ لوگوں کے نزدیک بڑا ہو لیکن کسی مسئلے میں جادۂ شریعت سے منحرف ہو گیا ہو بلکہ اس کو سخت ملامت کرتی ہے۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ سے مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا "نکاح کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟" آپ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہنا چاہا کہ ابراہیم تو یوں کہتے ہیں کہ ابھی

ابراہیم ہی کہہ سکتے تھے کہ بڑی زور سے ڈانٹا اور فرمایا کہ تم (سنت کے مقابلے میں) طریق کو چھوڑ کر یوں طریقہ[1] کا نام لیتے ہو۔

اور آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی سے ذکر کیا گیا کہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حروف کو پیدا فرمایا تو الف کھڑا رہا اور سب نے سجدہ کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو ان کے پاس نہ بیٹھنے دو۔

یہ خوب سمجھ لو کہ حق کو کسی بڑی شخصیت کا نام دینا ٹھیک نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا آپ کیا سمجھتے ہیں؟ کیا ہم یہ گمان کر سکتے ہیں کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر باطل پر تھے؟ تو آپ نے اس سے فرمایا:

اِنَّ الْحَقَّ لَا یُعْرَفُ بِالرِّجَالِ اِعْرِفِ الْحَقَّ تَعْرِفْ اَهْلَهٗ

"حق لوگوں سے نہیں پہچانا جاتا حق کو پہچان لو اہل حق کو پہچان لو گے۔"

میں عرض کرتا ہوں کہ لوگوں کے دلوں میں بہت سے حضرات کی عظمت اس قدر بیٹھی ہوئی ہے کہ جب ان کی کوئی بات نقل کی جاتی ہے تو شریعت سے ناواقف لوگ اسے سنتے ہی قبول کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: ایک دن میرے نفس نے سرکشی کی تو میں نے قسم کھائی کہ ایک سال پانی نہ پیوں گا۔ اگر یہ روایت ان کی طرف صحیح منسوب ہے تو یہ ان کی بہت بڑی غلطی اور سخت لغزش ہے اس لیے کہ پانی ہی سے بدن میں غذائیں سرایت کرتی ہیں اور کوئی چیز پانی کا بدل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا جب انہوں نے پانی پینا چھوڑ دیا تو گویا اپنے بدن کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کی۔

حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے میٹھا پانی (دور سے) لایا جاتا تھا اور یہ ایسی ذات کا فعل ہے جس کو پورا احساس تھا کہ یہ جان اپنی نہیں ہے اور اس کے مالک کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف جائز نہیں ہے۔

اسی طرح ایک صوفی کا واقعہ نقل کیا جاتا ہے جو اس نے خود بیان کیا کہ میں نے تمنا

---

[1] آپ سے مطلب جنیدؒ ہیں یہ اللہ صد رحم کرے وہ تمام تر خوبصورت ہوئے صوفی تھا اور صاحب طریق تھے ... جیسا کہ ان کی کتاب حضرات انبیاء و حضرات صحابہ میں لگی ہیں۔ مترجم

سفر بطریق توکل شروع کیا۔ میں ننگے پیر تھا راستہ میں اگر کانٹا چبھ جاتا تو اسے زمین سے رگڑ دیتا، پیر اٹھا نہیں سکتا تھا اور میرے پاس ایک ٹاٹ تھا جب میری آنکھ دکھنے لگی تو اس ٹاٹ سے رگڑ دیتا جس کی وجہ سے ایک آنکھ جاتی رہی۔

اور اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جن کو عام طور سے قصہ گو واعظین کرامت پر محمول کرتے ہیں اور عوام کے سامنے ان کو بڑھا کر پیش کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو یہ باور کرادیں کہ ایسا کرنے والے مرتبہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ واللہ یہ حرکتیں بدترین گناہ اور بڑے عیب ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ" (اپنے کو ہلاک مت کرو) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا" (تمہاری جان کا بھی تم پر حق ہے)

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفر ہجرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سایہ تلاش کیا تھا اور جب ایک چٹان نظر آئی تو اسی کے سائے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر لگا دیا تھا۔

دراصل اس طرح کی غلطیاں جو اس امت کے قدیم حضرات سے منقول ہیں ان کی ابتداء دو سبب سے ہوئی۔ ایک تو جہالت کے سبب دوسرے عہد رہبانیت سے قرب کے سبب۔

چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ فرقد سنجی رحمۃ اللہ علیہ اور مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ پر نکتہ چینی فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس ایسا کھانا لایا گیا جس میں گوشت بھی تھا تو فرمایا یہ مالک کی روٹیاں نہیں نہ فرقد کے دو پیالے۔

اور ایک مرتبہ فرقد رحمۃ اللہ علیہ کے بدن پر ایک کمبل دیکھا تو فرمایا اے فرقد! اکثر جہنم والے لوگ بھی ہوں گے جو دنیا میں ٹاٹ استعمال کیا کرتے تھے۔[1]

---

[1] ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کی فرقد ... واقعات پر نکیر اس لیے فرماتے ہیں کہ ان کا ظاہر ... [illegible]

بہت سے قصے کہانیاں ایسے حضرات کے تذکرے سے سنواتے ہیں جو بلا وقت پانی کے سیاحت کے لیے نکل کھڑے ہوئے ہوں اس سے بے خبر ہیں کہ یہ فعل نہایت برا ہے اور اللہ تعالیٰ کو آزمانا نہیں چاہیے۔ چنانچہ بعض جاہل ایسے قصے سن کر (بلا زاد سفر) سیاحت کے لیے نکل پڑتے ہیں اور راستے میں مر جاتے ہیں تو ان کے گناہ کا ایک حصہ ان واعظین کو بھی پہنچتا ہے۔

بہت سے واعظین حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حکایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے سیاحت کے دوران ایک مسافر عورت سے ملاقات کی اور دونوں نے بات چیت کی اور ان صحیح روایات کو بھولے رہتے ہیں جن میں یہ مروی ہے کہ "کسی عورت کے لیے ایک دن اور ایک رات کی مسافت کا سفر بغیر محرم کے جائز نہیں ہے۔" اور بعض یہ نقل کرتے ہیں کہ فلاں فلاں بزرگ پانی پر چلے۔ ابراہیم حربی نے فرمایا کہ کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے کہ کوئی بھی پانی پر چلا ہو۔ جب انہوں نے یہ قول سنا تو کہنے لگے کہ تم اولیاء و صالحین کی کرامات کے منکر معلوم ہوتے ہو۔ میں کہتا ہوں کہ ہم کرامتوں کے منکر نہیں ہیں۔ البتہ ان روایات کو مانتے ہیں جو صحیح سند سے ثابت ہوں۔

یہ خوب سمجھ لیجئے کہ صالح بزرگ وہ لوگ ہیں جو اتباع شریعت کا اہتمام کرتے ہیں اور نئی نئی عبادتیں نہیں ایجاد کرتے۔

حدیث شریف میں ہے: اِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ شَدَّدُوْا فَشَدَّدَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ

"بنی اسرائیل نے اپنے اوپر سختیاں شروع کیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کر دی۔"

اور بہت سے واعظین لوگوں کو فقر اختیار کرنے پر ابھارتے ہیں جس کے نتیجے میں بعض لوگ اپنے ہاتھ خالی کر لیتے ہیں پھر ان کا معاملہ الٹا ہے تو اب ضرورت کے وقت یا تو اللہ پر غصہ کرتے ہیں (نعوذ باللہ) یا لوگوں سے مانگتے پھرتے ہیں۔ یہ لوگ تقلیل طعام کا مشورہ دے کر گویا مسلمانوں کی تکلیف کا ذریعہ بنتے ہیں جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "ثلث طعام ثلث شراب ثلث نفس" تو بجائے اس حدیث کے حکم پر عمل کرنے کے لوگوں کو تقلیل میں مبالغہ کا مشورہ دیتے ہیں۔

چنانچہ ابو طالب مکی نے "قوت القلوب" میں نقل کیا ہے کہ صوفیہ میں ایک صاحب

تھے ہر روز صبح شام ایک کھجور تول کر کے لیتے اور پورے چوبیس گھنٹے میں صرف اس کی تھوڑی سی تری کم ہو جاتی تھی۔ بچپن میں میں بھی ان کی اقتدا کرنے لگا لیکن میری آنت تنگ ہو گئی جس کے نتیجے میں کئی سال مرض میں مبتلا رہا۔ بھلا بتاؤ یہ فعل کس حکمت کا تقاضا ہے یا کون سی شریعت کا پسندیدہ ہے؟ آدمی کی قوتیں ہی اس کی سواری ہیں جب وہ انھیں ہی معطل کرے گا تو عبادت کرنے کے لائق کہاں رہ جائے گا۔

یہ بھی نہ کہنا کہ حلال خالص کا حاصل کرنا دشوار تھا اس لیے اس دشواری سے بچنے کے لیے ایسا زہد اختیار کیا گیا کیونکہ مومن کو بس یہ دیکھ لینا کافی ہے کہ جو طریقہ کسب کا اس نے اختیار کیا ہے وہ حلال ہے یا نہیں اس پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ جب سے وہ مال پیدا ہوا ہے اس وقت سے لے کر اب تک کے تمام واقعات کی تحقیق کرے (کہ آیا یہ سب حلال تھے یا نہیں؟) چنانچہ اگر ہم دراہم کے اسناد کو جمع کر کے دیکھیں تو شراب کی قیمتیں اور گناہوں کی اجرت میں لگے ہوئے پیسے ملیں گے لیکن وہ ہمارے لیے قیمت کے نام سے حلال ہوں گے۔ کیا تم ایسا حلال تلاش کرتے ہو کہ مثلاً سونا جب سے اپنی کان سے نکلا ہے اب تک کسی ناجائز کام میں خرچ نہ ہوا ہو یہ ایک ایسی قید ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

کیا تم نے سنا نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صدقہ کا مال حرام تھا لیکن جب حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر گوشت صدقہ کیا گیا اور انہوں نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بعینہٖ اسی گوشت کا کھانا وصف کے بدل جانے کی وجہ سے جائز ہو گیا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "میں طعام میں (زیادہ) تقلیل کو مکروہ سمجھتا ہوں کیونکہ بہت سے لوگوں نے ایسا کیا تو وہ فرائض کی ادا کرنے کے لائق نہیں رہ گئے۔" واقعی آپ کا یہ ارشاد بالکل بجا ہے کیونکہ جو لوگ کھانے میں کمی کرتے رہتے ہیں وہ پہلے نوافل سے عاجز ہوتے ہیں پھر فرائض سے پھر اپنی بیوی کے حقوق سے عاجز اس کو پاک دامن رکھنے سے پھر بال بچوں کے لیے کمانے سے یہاں تمام اعمال خیر سے جن کو وہ پہلے کیا کرتے تھے۔

اور تم ان احادیث کو سن کر گھبرا مت جاؤ جو بھوک کی فضیلت کے سلسلے میں وارد ہیں

کیونکہ ان کا مقصود یا روزہ رکھنا ہے یا بہت زیادہ کھانے سے منع کرنا ہے۔ رہا مستقل اتنا کم کھانا جو قویٰ میں موثر ہو جائے وہ تو جائز ہی نہیں ہے۔

میں اس وقت جن کی مذمت کر رہا ہوں ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کا خیال گوشت ترک کرنے کا ہے حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند تھا کہ روزانہ گوشت تناول فرمائیں۔

مجھ سے بے مطلب ان لوگوں اور میرے اوپر لوگوں کے ہجوم کر کے حجت مت کرنا کہ کہنے لگو بشر نے یوں کہا اور ابراہیم بن ادہم نے یوں فرمایا کیونکہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حجت پکڑی اس کی دلیل اور حجت سب سے قوی اور مضبوط ہے۔

اگرچہ ان حضرات سلف کے ایسے واقعات کی توجیہات موجود ہیں اور ان سے حسن ظن کی وجہ سے ہم ان کو انہی توجیہات پر محمول بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اپنے استاذ سے بعض بڑے بزرگان دین کے اس فعل کی حکمت پوچھی کہ انہوں نے اپنی لکھی حدیث کے مجموعوں کو دفن کرا دیا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس کا بہتر جواب سکوت ہے یعنی آپ کا اشارہ یہ تھا کہ اس فعل کا منشاء سراسر جہل تھا لیکن میں نے ان کی طرف سے یہ تاویل کی کہ شاید جو مجموعے دفن کرائے ہیں ان میں کچھ اپنی رائے بھی لکھی ہوگی پھر بعد میں اس خیال سے دفن کرا دیا ہوگا کہ لوگ میری ان آراء پر عمل نہ کریں۔

ہمیں حدیث کے سلسلے میں احمد بن ابی الحواری کے متعلق یہ روایت پہنچی کہ انہوں نے اپنے لکھے ہوئے مجموعے سمندر میں پھینک دیئے اور ان کو خطاب کر کے کہا "تم بہترین دلائل تھے لیکن جب ہم مدلول تک پہنچ گئے تو اب ہمیں تمہاری ضرورت نہیں رہی۔"

ان کے اس فعل پر اگر ہم ان سے حسن ظن رکھیں تو یہ تاویل کریں گے کہ اس میں خود ان کا کچھ اپنا ذاتی کلام رہا ہوگا جس کی اشاعت انہیں ناپسند ہوگی ورنہ اگر ان میں سارے علوم صحیح مان لیے جائیں تو اس سے بڑھ کر اضاعت علم کیا ہو سکتی ہے؟

اور میں نے اگرچہ ان حضرات کی طرف سے تاویل کر دی ہے لیکن یہ تاویل صرف علماء حق میں درست ہوگی کیونکہ ہمیں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ روایت پہنچی ہے کہ آپ نے بھی اپنے مجموعے کو دفن کر دینے کی وصیت فرمائی تھی اور یہ اس

لیے کہ آپ نے کچھ غیر معتبر لوگوں سے بھی روایتیں لکھ لی تھیں جس پر آپ کو ندامت بھی
تھی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے حدیث جمع کرنے کی ہوس نے اس پر ابھارا۔ گویا اس
دفن کی وجہ یہ تھی کہ آپ ضعفاء و متروکین کی روایتیں بھی لکھ لیتے تھے۔ پھر جب امتیاز دشوار
معلوم ہوا تو سب کو دفن کر دینے کی وصیت کر دی۔ اسی طرح ان تمام علماء نے جنہوں نے
کچھ اپنی رائے کا اضافہ کر دیا تھا پھر اس سے رجوع کر لیا تھا۔ ان کے لیے اس کی گنجائش تھی
کہ ایسی کتابیں دفن کرا دیتے۔ پس یہ تاویل علماء کے حق میں تو درست ہوئی۔ رہے زاہد! تو
انہوں نے علماء کے فعل کا ظاہر دیکھ لیا اور اپنی اچھی کتابیں بھی اس نیت سے دفن کرا دیں کہ
انہیں عبادت سے مشغول نہ کرے۔ حالانکہ اس کا فلسفہ سراسر جہل ہے کیونکہ انہوں نے
ایسے روشن چراغ کو بجھانا چاہا جس سے انہیں روشنی ملی تھی اور اس مال کو ضائع کرنے کی
جرأت کی جس کا ضائع کر دینا ان کے لیے حلال نہیں تھا اور ایسے ہی لوگوں میں جنہوں نے
کتابوں کے دفن کر دینے کی حرکت کی۔ یوسف بن اسباط ہیں۔ پھر حدیث بیان کرنے سے
صبر بھی نہ ہوا تو غلط شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ضعفاء میں شمار کیے گئے۔

ہم سے عبدالوہاب بن المبارک نے محمد بن مظفر شامی، احمد بن محمد عتیقی، یوسف بن احمد،
محمد بن عمر عقیلی، محمد بن عیسیٰ اور احمد بن خالد خلال کے واسطے سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا
کہ میں نے شعیب بن حرب کو بیان کرتے سنا کہ میں نے یوسف بن اسباط سے پوچھا۔
آپ نے اپنی کتابوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کہنے لگے کہ میں ایک جزیرہ پر گیا جب پانی
خشک ہوا تو اس میں دفن کر دیا پھر اس پر پانی آیا اور اس نے سب کو ختم کر دیا۔ میں نے پوچھا
آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا تاکہ ساری فکر ایک طرف متوجہ ہو جائے
(یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے)

اور عقیلی نے آدم اور امام بخاری کے واسطے سے بیان کیا کہ حضرت صدقہ رحمۃ اللہ
علیہ نے فرمایا کہ یوسف بن اسباط نے اپنی کتابیں دفن کر دیں۔ بعد میں ان کو حدیثوں میں
نسیان ہونے لگا اور وہ اچھی طرح بیان نہیں کر پاتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کتابوں میں ایسا علم موجود تھا جو بعد

والوں کے لیے مفید ہوتا لیکن کم عقلی کے سبب اسکی کوتاہی سرزد ہو گئی جس سے قصداً تو کیا
تھا خیر کا لیکن تھا در حقیقت وہ شر۔ اگر ان کی کتابیں بھی حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی
کتابوں کی طرح ہوتیں کہ ان میں بھی ضعفاء کی روایت ہوتی اور تمیز کرنا دشوار ہوا ہوتا تو یہ
بھی ان کی طرح معذور ہوتے لیکن خود ان کی یہ توجیہ "کہ سری فکر؟ عزت کی طرف
ہو جائے" یہ اس پر دلیل ہے کہ ان کو وہ عذر نہ تھا۔

غور کیجئے کہ قلت علم! اچھے لوگوں کے ساتھ بھی کیا سلوک کیا کرتی ہے۔

ہمیں فن حدیث کی ایک بڑی صاحب عظمت شخصیت کے متعلق خبر پہنچی جن کی ہم لوگ
زیارت کو بھی جاتے ہیں کہ انہوں نے دریائے دجلہ کے کنارے پیشاب کیا اور تیمم کر لیا۔ ان
سے عرض کیا گیا کہ پانی تو آپ کے قریب ہی موجود تھا؟ انہوں نے فرمایا مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ
ممکن ہے میں پانی تک نہ پہنچ سکوں (اور موت آ جائے) اس قول سے اگرچہ ان کا قصر امل
معلوم ہوتا ہے لیکن جب اسے فقہاء نے سنا تو ان کا مذاق بنایا کہ پانی کے ہوتے ہوئے تیمم
درست ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب پانی قریب ہی موجود تھا تو تیمم کی صورت اختیار کرنا لغو تھا اور
موجود ہونے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ بالکل پہلو میں رکھا ہوا ہو۔ اگر کچھ دور بھی ہو تو بھی
موجود سمجھا جائے گا اور ایسی صورت میں نہ تیمم معتبر ہے اور نہ اس کا اثر مرتب ہوگا۔

جس نے مذکورہ تمام باتوں پر غور کیا اسے اس کا یقین ہو جائے گا کہ ایک فقیہ عالم۔
اگرچہ اس کے متبعین تھوڑے ہوں اور جب اس کے پیروکار ختم ہو جائیں تو اس کا نام و نشان
مٹ جائے۔ ایسے ہزاروں سے افضل ہے جن کو عوام متبرکاً چھوتے ہوں اور جن کے
جنازوں کے پیچھے پیچھے بے شمار مخلوق پہنچتی ہو۔

لوگوں میں بھلا کون صاحب فضل ہے سوائے اس عالم حدیث کے جس کا ہم اتباع
کریں اور سوائے اس فقیہ کے جو شریعت کی مراد سمجھتا ہو اور اس کے مطابق فتویٰ دیتا ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں جہالت سے محفوظ رکھیں اور جاہل (تصوف کے اعمال و اشغال
میں) نا معروف کی بے جا تقلید سے پناہ میں رکھیں۔

اور جس نے قرن اول پر نظر کی اسے دوسرے سارے گھاٹ گدلے نظر آویں گے۔

دراصل سب سے بڑی آزمائش عوام کی تعریفیں ہیں۔ کتنوں کو انہوں نے دھوکہ میں مبتلا کر دیا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

مَا أَبْقَىٰ خَفْقُ النِّعَالِ وَرَاءَ الْحَمْقَىٰ مِنْ عُقُولِهِمْ شَيْئًا.

"کم عقلوں کے پیچھے پیچھے چلنے والوں کے جوتوں کی آواز ان کی رہی سہی عقل بھی ختم کر دیتی ہے"

ہم نے خود مشاہدہ کیا کہ جو ہم کسی کی مدح کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ فلاں رات میں سوتے نہیں ہیں۔ دن میں روزہ رکھتے ہیں۔ بیوی کو پہچانتے بھی نہیں، کبھی دنیا کی کوئی مزیدار چیز نہیں چکھی۔ بیچاروں کا جسم لاغر ہو گیا ہے۔ ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں۔ حتیٰ کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے ہیں اور ان تمام تعریفات کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ یہ صاحب ان تمام علماء سے بہتر ہیں جو کھاتے پیتے ہیں اور مباح لذات وغیرہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

یہ ہے ان عوام کا مبلغ علم۔ اگر کچھ سمجھ رکھتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ اگر ساری دنیا اپنی تمام مباح لذات و شہوات کے ساتھ ایک لقمہ میں جمع ہو جائے اور اسے ایسا عالم کھالے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کا فتویٰ دیتا ہو اور نبی کی شریعت لوگوں کو بتاتا ہو تو اس کا یہ ایک خرچ جس کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کی رہبری کرتا ہے ایسے عابدوں کی ساری زندگی کی عبادت سے افضل و بہتر ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے: "فَقِيهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَىٰ إِبْلِيسَ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ" میری یہ بات سن کر کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ میں ان علماء کی بھی مدح کر رہا ہوں جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتے کیونکہ میں تو ان علماء کی تعریف کر رہا ہوں جو اپنے علم پر عمل کرنے والے ہیں اور جو اپنی حالت کے مناسب مصلحتوں کو خوب جاننے والے ہیں۔ چنانچہ ان میں ایسے علماء بھی ہیں جو موٹے جھوٹے کو اپنی صحت کے مناسب خیال کرتے تھے۔ جیسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ایسے علماء بھی ہیں جو باذوق اور تعیش سے زندگی گزارنے والے ہیں جیسے (حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی تمام فضیلتوں کے ساتھ) حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ورع کے ساتھ، امام مالک اپنے تدین کے ساتھ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی قوت فہم کے باوصف۔ لہٰذا یہ مناسب نہیں ہے کہ کوئی شخص (اپنی قوت برداشت و تحمل کا اندازہ کیے بغیر) ان احوال

کو اپنانے کی کوشش کرے جن پر دوسروں کو قدرت حاصل تھی کیونکہ ہر انسان اپنی حالت سے زیادہ
واقف ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا ہے: "اِنْ کَانَ صَلَاحُ
قَلْبِکَ فِی الْفَالُوْذَجِ فَکُلْهُ" (اگر تمہارا نفس فالودہ ہی کھا کر ٹھیک رہتا ہو تو وہی کھایا کرو)
لہٰذا اے عزیزم! آپ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیے جو صرف زہد کی صورت دیکھتے
ہیں کیونکہ بہت سے خوش پوشوں کا مقصد تنعم نہیں ہوتا بلکہ وہ مصلحت کے تحت ایسا کرتے ہیں
اور چونکہ ہر بدن سختی کا تحمل نہیں کر پاتا۔ خصوصاً ان لوگوں کا بدن جنہیں مشقتوں کا سامنا ہو
اور قوت فکریہ انہیں تھکا ڈالتی ہو یا فقر نے چور چور کر رکھا ہو تو ایسے لوگ اگر اپنے ساتھ
سہولت کا معاملہ کریں تو وہ ایک واجب کے تارک ہوں گے۔

یہ مختصر سا کلام ہے۔ اگر میں اس کی شرح احادیث و آثار کے ذریعے کرتا تو بات لمبی ہو جاتی۔
مگر جونہی یہ خیالات دل میں آئے میں نے انہیں فوراً لکھ لیا۔ اب اللہ تعالیٰ ہی نفع کے کارساز ہیں۔

برزخ

مجلس.... بہت سے لوگوں پر روح کی حقیقت اور ماہیت کا معاملہ مشکل ہو گیا
جبکہ اتنے پر سب کا اتفاق ہے کہ روح موجود ہے۔

اور اگر کسی موجود چیز کے موجود ہونے کا علم ہو (اور اس کی حقیقت اوجھل ہو) تو اس
کی حقیقت سے ناواقفیت میں زیادہ مضائقہ نہیں ہے۔

اسی طرح جان نکلنے کے بعد اس کے ٹھکانے کا سمجھنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ اہل حق کا
مذہب یہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی جان باقی رہتی ہے اور عیش و آرام یا عذاب و تکلیف
اٹھاتی ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مومنین کی روحیں جنت میں
ہیں اور کافروں کی روحیں جہنم میں اور شہداء کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے کہ ان کی
روحیں سبز پرندوں کے اندر ہیں جو جنت کے درختوں پر چرتے ہیں بعض جاہلوں نے عیش و
نعمت کی احادیث کے ظاہر کو لے لیا اور اس کے قائل ہو گئے کہ مردے قبروں میں کھاتے پیتے
اور نکاح و شادی کرتے ہیں۔ حالانکہ اس بات میں صحیح مسلک یہ ہے کہ مرنے کے بعد جان یا
تو عیش و نعمت کی طرف چلی جاتی ہے یا عذاب و مشقت کی طرف اور اسے یہ چیزیں قیامت تک

ملتی رہیں گی۔ پھر جب قیامت قائم ہوگی تو ساری روحیں جسم میں لوٹا دی جائیں گی تاکہ ان جسموں کے واسطے سے پوری لذت حاصل ہو سکے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی" اس پر دلیل ہے کہ روحیں کسی واسطے اور ذریعے سے لذت پا سکتی ہیں۔ البتہ یہ ہے کہ لذت سے مراد کھانے پینے کی لذت ہے ورنہ علوم و معارف کی لذتیں ممکن ہے کہ براہ راست ہی روح کو حاصل ہوتی ہوں۔

اس تقریر سے مقصود یہ ہے کہ مجھ کو موت کے تصور سے کچھ گھبراہٹ محسوس ہوئی تو اس وقت یہ احساس ہوا کہ میرے نفس کو یہ خیال ہو رہا ہے کہ موت کے بعد جان فنا ہو جائے گی۔ تو میں نے اس سے کہا اے نفس! اگر تو شریعت پر ایمان رکھتا ہے تو میں نے اس کا حکم تجھے بتا رکھا ہے اور اس کے انکار کی کوئی دلیل نہیں ہے اور اگر تجھے شریعت ہی کی خبر میں کچھ شک ہے تو پھر شریعت کی صحت میں گفتگو ہونی چاہیے؟ نفس نے جواب دیا مجھے کچھ شک نہیں ہے۔ میں نے کہا تو پھر اپنا ایمان صحیح اور مضبوط کرنے کی کوشش کر اور سچا تقویٰ اختیار کر۔ اگر تو نے ایسا کر لیا تو پھر موت کے وقت ہی سے راحت کی خوشخبری سن لے کیونکہ مجھے تیرے اوپر سوائے عمل میں کوتاہی کے اور کسی چیز کا اندیشہ نہیں ہے اور اس کا یقین رکھ کہ نعمت و راحت میں فرق فضیلتوں کے درجات کے اعتبار سے ہوگا۔

لہٰذا کوشش اور محنت کے بازوؤں سے سب سے اونچا درجہ حاصل کرنے کی کوشش کرو اور خواہشات کے نشے اور دھوکے کے جال سے بچو، جس کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمائیں گے۔

عقلاء کی الجھنیں

مجلس... ایک دن میں نے اپنی مجلس میں کہہ دیا کہ "اگر یہ زمین کر وہ چیز اٹھالی جاتی جس کا میں محتاج ہوں تو وہ اٹھانے پڑتے عاجز رہ جاتے۔" پھر جب گھر کو لوٹا تو میرے دل نے مجھ سے پوچھا آپ نے یہ جملہ کیوں کہا؟ اس سے لوگوں کو یہ وہم بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کسی مصیبت میں مبتلا ہیں حالانکہ آپ اور آپ کے گھر والے سب عافیت اور

مشکوں سے ہیں۔ آخر آپ کو کون سی چیز اٹھانی پڑ رہی ہے سوائے اس چیز کے جس کو سارے
انسان اٹھائے ہوئے ہیں؟ پھر اس شکایت کی کیا وجہ ہے؟

میں نے کہا کہ جب میری برداشت سے باہر ہونے لگا تو میں نے کہہ دیا شکایت کے
طور پر نہیں بلکہ اس نیت سے کہ دل کو سکون حاصل ہو جائے۔ چنانچہ مجھ سے پہلے بہت
سے صحابہ و تابعین بھی فرما چکے ہیں: "لَيْتَنَا لَمْ نُخْلَقْ" اور اس کا سبب وہی بوجھ تھا جو
برداشت سے باہر ہونے لگا تھا۔

اگر کسی کا گمان ہو کہ تکالیف شرعیہ سہل ہیں تو اس نے تکالیف کو جانا ہی نہیں۔ کیا تم یہ
سمجھتے ہو کہ تکالیف اعضاء کو ایک لوٹے پانی سے دھو لینے یا محراب تک جا کر دو رکعت پڑھ
لینے کا نام ہے؟ لاحول ولا قوۃ! یہ تو سہل ترین احکام ہیں۔

اصل تکلیف شرعی وہ ہے جس کی تلخی سے پہاڑ بھی بدمزہ ہو جائیں۔ ان میں سے ایک یہ
ہے کہ میں نے مشاہدہ کیا کہ تقدیر کبھی ایسے فیصلے کرتی ہے جو عقل نہیں سمجھ پاتی تو میں نے اپنی عقل
پر لازم کر دیا کہ بس ہر معاملہ میں مقدر پر یقین رکھو۔ دیکھو یہ ہے دشوار ترین تکلیف۔ خصوصاً ایسے
معاملہ میں جس کی حقیقت کا ادراک عقل کو نہیں ہو پاتا۔ مثلاً بچوں کو مبتلائے آزار کرنا جانوروں کو ذبح
کرنا وغیرہ اس اعتقاد کے ساتھ کہ اس کا فیصلہ کرنے اور حکم دینے والا ارحم الراحمین ہے۔[1]

چنانچہ یہی وہ معاملات ہیں جن میں عقل متحیر ہے اور ان میں مان لینے اور اعتراض نہ
کرنے کی تکلیف ہے اور بدن کی تکالیف اور عقل کی تکالیف میں بے انتہا فرق ہے۔

اگر میں اس کی شرح کرنے بیٹھوں تو مضمون طویل ہو جائے گا مگر مجھے تو اپنے لگے
ہوئے پھوڑے کی توجیہ مقصود ہے اس لیے اپنے متعلق کہتا ہوں کہ تجربہ کے ساتھ کہ دوسرے کا
حال میرے حال پر حجت نہیں ہے۔

میرا حال یہ ہے کہ بچپن ہی سے علم کا شوق میرے اندر پیدا کر دیا گیا۔ اسی لیے اسی کا

۱؎ یعنی: ظاہر ہے کہ ہر مرحلے کی موت کی وجہ سے [illegible] انسان کی مصلحت اور حکمت عقل انسانی پر مخفی
ہے [illegible] عقل [illegible] خدا تعالیٰ نے [illegible]
[illegible] (ترجمہ [illegible])

مشغلہ اختیار کیا لیکن مجھے کسی ایک فن کا شوق نہیں ہوا بلکہ سارے فنون کا ہوا۔ مزید یہ کہ میری ہمت کسی بھی فن میں تھوڑے پر راضی نہیں رہتی بلکہ پورے فن کا احاطہ کرنا چاہتی ہے جبکہ وقت میں اتنی گنجائش نہیں ہے اور حال یہ ہے کہ شوق بڑھتا جا رہا ہے اور عجز ظاہر ہوتا جا رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ بعض علوم پر واقفیت کی حسرت میں عمر ختم ہو گی۔

پھر جب مجھے علم حاصل ہوا تو اس نے معبود کی طرف رہنمائی کی اور اس کی بندگی پر ابھارا۔ پھر اس کی معرفت کے دلائل نے مجھے وادیٔ توحید میں اس کے حضور کھڑا کر دیا۔ میں نے اس کو دیکھا کہ وہ اپنی صفات میں پوشیدہ ہے۔ پس اس کی صفات سے اس کو پہچانا۔ پھر میری نگاہ بصیرت نے اس کے الطاف و کرم کا مشاہدہ کیا تو وہ مجھے اس کی شدید محبت کی دعوت دینے لگے اور میرے اندر اس کی تحریک پیدا کرنے لگے کہ میں اس کی بندگی کے لیے اپنے کو سارے مشاغل سے علیحدہ کر لوں کیونکہ جب میں اس کا ذکر کرنے بیٹھتا تو وجد جیسی کوئی چیز مجھ پر طاری ہونے لگتی اور اللہ کی بندگی میں گزرنے والی خوشی مجھے تمام شیرینیوں سے بڑھ کر شیریں معلوم ہونے لگیں۔

لیکن جونہی تمام مشاغل سے کٹ کر میں خلوت کی طرف مائل ہوا علم نے پکارا کہ کس راستہ کی طرف بڑھ رہے ہو؟ مجھی سے رخ پھیر رہے ہو حالانکہ میں ہی تمہاری معرفت کا ذریعہ ہوں۔ میں نے کہا تمہاری حیثیت رہبر کی تھی جب میں مقصود تک پہنچ گیا تو اب رہبر کی کیا ضرورت؟ علم نے کہا ہیہات! تم اپنے علم میں جتنا اضافہ کرتے رہو گے تمہارے محبوب کی معرفت بڑھتی رہے گی اور تم پر اس کا راز کھلتا جائے گا کہ اس کا مزید قرب کیسے حاصل ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ کل تمہیں معلوم ہوگا کہ آج تم ناقص حالت میں تھے۔

کیا تم نے اپنے محبوب کا وہ ارشاد نہیں سنا جو اس نے اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: "وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا" (اے میرے صاحب! میرے علم میں ترقی عطا فرماتے رہیے) اور کیا تم اس کے قرب کے طالب نہیں ہو؟ اگر ہو تو (اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ارباب ذوق حضرات کے اعمال کی گتھیوں کے پیچھے پڑ جائے۔ اگر چہ صاحب العاشقین نے بعض حضرات کی گتھیاں جس خوبی سے سلجھائی ہیں وہ دیدنی ہے اور کہیں کہیں بیان بھی کر دیتے ہیں لیکن ہر کسی کو ان کے پیچھے پڑنا اور اپنے کو ان کے پیچھے لگا لینا بڑی بات اور حماقت ہے۔ انسان کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے تعلق میں تفہیم و تفویض سے کام لے کہ دین اور عقل دونوں محفوظ رہیں۔ ۱۲ مترجم)

اس کے بندوں کو اس کی طرف بلانے میں لگ جاؤ کیونکہ یہ حضرات انبیاء کا مقام ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے عبادت کی خلوتوں پر خلوق کی تعلیم و رہبری کو اس وجہ سے ترجیح دی تھی کہ انہیں یہ معلوم تھا کہ ان کے محبوب کو اسی کی ترجیح پسند ہے؟ اور کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ نہیں ارشاد فرمایا ہے:

لَاَنْ یَّھْدِیَ اللّٰہُ بِکَ رَجُلاً خَیْرٌ لَّکَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ

"اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے کسی شخص کو ہدایت دیں تو یہ یقینا تمہارے حق میں سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔"

جب مجھے اس قول کی سچائی کا احساس ہوا تو میں پوری طرح اسی میں لگ گیا لیکن جب میں لوگوں کے مجمع میں مشغول ہوتا تو خود میری فکر میں انتشار شروع ہو جاتا اور جب میری مراد حق ہوئی محسوس ہوتی یعنی لوگوں کا نفع ہونے لگا تو خود میں ضائع ہونے لگا۔ اب میں تردد میں پڑ گیا اور سوچنے لگا کہ اب کس طرف قدم بڑھاؤں۔

ابھی اسی تحیر کے عالم میں تھا کہ علم نے پکارا اور کہا کہ بال بچوں کی پرورش کے لیے اٹھو اور ایسی اولاد حاصل کرنے کی کوشش کرو جو اللہ کا ذکر کرے۔ جب میں نے اس میں لگنا چاہا تو دو بچے کے وقت دنیا کا قحص تنگ معلوم ہونے لگا۔ یعنی معاش کا دروازہ اپنے حق میں مسدود پایا کیونکہ علم کے شغلے نے مجھے کسی فن کے سیکھنے سے مشغول کیے رکھا۔ پھر جب ابناء زمانہ کی طرف متوجہ ہوا تو ان کو دیکھا کہ وہ جو کچھ فروخت کرتے ہیں اس کے عوض خریدار کا دین لے لیتے ہیں یعنی جو ان سے منافقت کرے یا ریاکاری برتے وہی کچھ دنیا حاصل کر سکتا ہے بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دین برباد ہو جاتا ہے اور مراد حاصل نہیں ہو پاتی۔

ایسے حالات میں اگر ابجھن کہتی ہے کہ تنہائی اختیار کرو (اور کمانا چھوڑ دو) تو شریعت کہتی ہے

کَفٰی بِالْمَرْءِ اِثْمًا اَنْ یُّضَیِّعَ مَنْ یَّقُوْتُ

"وہ شخص بڑا گنہگار ہے جو اپنے اہل وعیال کو ضائع کرے۔"

اور اگر عزم کہتا ہے کہ تنہائی اختیار کر لو تو شریعت پوچھتی ہے کہ پھر ان کا کیا ہو گا جو تمہاری پرورش میں ہیں۔ آخرکار میں نے تقلیل کا راستہ اختیار کیا جاناتھ میں فقتوں میں پا

تھا اور جو نفیس غذاؤں سے پرورش پایا تھا اور میرا مزاج بہت لطیف اور نفیس تھا۔ چنانچہ جب
میں نے اپنا لباس بدلا اور خشک کھانے شروع کیے۔ اس لیے کہ آمدنی زیادہ فراخی کی
اجازت نہیں دیتی تھی تو عادت نہ ہونے کی وجہ سے طبیعت میں انکار پیدا ہوا اور مرض لاحق
ہوگیا جس نے مجھے بہت سے واجبات سے محروم اور بہت سی آفات میں مبتلا کردیا کیونکہ
ایسے شخص کو جو پیدائش کے ساتھ ہی حاصل ہونے والے لطیف کھانوں کا عادی ہو چکا ہو خشک اور
موٹی غذا استعمال کرنا اپنی جان ضائع کرنے کی کوشش کرنا ہے۔

اب میں سوچتا ہوں کہ کیا کروں؟ اور کون سا راستہ اپناؤں؟ خلوتوں میں اس کو سوچ
سوچ کر اپنے احوال کے نقص پر خوب روتا ہوں اور اپنے جی میں کہتا ہوں کہ "میں علماء کرام
کے احوال بیان کرتا ہوں اور خود میرا جسم علوم کے تکرار و مطالعے سے عاجز ہوگیا ہے۔" زاہدوں
کی حکایتیں نقل کرتا ہوں اور خود میرا بدن زہد کی طاقت نہیں رکھتا۔ اہلِ عشق و محبت کی روداد
سناتا ہوں اور مخلوق سے ملنے جلنے سے خود میری فکر منتشر ہونے لگتی ہے اور میرے اندر نفسانی
خواہشات کی صورتیں منقش ہونے لگتی ہیں جس سے میرا آئینۂ قلب زنگ آلود ہونے لگتا
ہے۔ حالانکہ شجرِ محبت اس کا محتاج ہوتا ہے کہ اس کی پرورش پاکیزہ مٹی میں ہو اور فکر کے
ذریعے سے خلوت کا پانی اس میں ڈالا جائے اور اگر کنارہ کش ہونا چاہتا ہوں تو اس کی طاقت نہیں رکھتا
اور اگر ابنائے زمانہ سے کچھ تعلق پیدا کرنا چاہتا ہوں (تاکہ دنیا حاصل کروں) تو میری طبیعت
ذلت سے نفور ہے اور میرا دین مجھے اس سے روکتا ہے تو ان موانع کے ہوتے ہوئے اس تعلق
کا کوئی نتیجہ نہ ہوگا اور مخلوق سے میل جول تو روح کے ساتھ جسم کے لیے بھی موذی ہے۔

اب میں نہ تو پوری طرح تارک ہوں اور نہ مجھے مراتبِ محبت میں سے کسی بھی مرتبہ کے حاصل
کرنے کی قدرت نصیب رہی۔ بس مجھے اپنی حالت وہی محسوس ہوتی ہے جو کسی شاعر نے کہا ہے:

اَلْقَاہُ فِی الْیَمِّ مَکْتُوفًا وَقَالَ لَہٗ ... اِیَّاکَ اِیَّاکَ اَنْ تَبْتَلَّ بِالْمَاءِ

اسی مضمون کا ایک شعر فارسی میں ہے:

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردۂ ... باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

میں اپنی حالت کو سوچ سوچ کر حیرت میں پڑا ہوں اور اپنی زندگی پر روتا ہوں اور

تنہائیوں میں بعض عوام سے سنے ہوئے یہ اشعار پڑھتا ہوں جس میں شاعر نے گویا میری ہی حالت کی ترجمانی کی ہے۔

وَاحَسْرَتِیْ کَمْ اُدَارِیْ فِیْکَ تَعْثِیْرِیْ

"ہائے میری حسرتیں تمہاری وجہ سے کس قدر میں اپنی لغزشوں کی خاطرداری کروں۔"

مِثْلَ الْاَسِیْرِ بِلَا حَبْلٍ وَلَا سَیْرٍ بِاُمْنِیَتِیْ فِی الْهَوٰی فَقَدْ ضَاعَ تَدْبِیْرِیْ

"اس قیدی کی طرح جو بلا بندھن کے قید ہو۔ میرے لیے اپنی خواہشات کو پانے کی اب کوئی صورت نہیں رہی ساری تدبیریں ضائع ہو گئیں۔"

لَمَّا شَکَوْتُ جَفَاکُمْ قُلْتُ لِیْ طِیْرِیْ

"اور جب بھی میں نے تمہارے پاس بیٹھنے کی کوشش کی تو تم نے مجھے کہیں نہیں ٹکنے دیا۔"

گوشہ نشینی اور ذکر و فکر کی اہمیت

مجلس ... میں نے دنیا اور آخرت کے متعلق غور کیا تو دنیاوی تمام چیزیں حسی اور طبعی نظر آئیں اور آخرت کے سارے معاملے ایمان اور یقین سے متعلق معلوم ہوئے اور یہ مسلم ہے کہ ان لوگوں کے لیے جن کا یقین پختہ اور مضبوط ہو حسی چیزیں زیادہ کشش رکھتی ہیں۔

کوئی بھی معاملہ ہو جس قدر اس کے اسباب سے تعلق ہوگا اتنی ہی اس میں قوت پیدا ہوگی۔ چنانچہ لوگوں سے زیادہ میل جول، خوبصورت اشیاء کا دیکھنا اور پرلطف چیزوں کا کثرت استعمال یہ سب امور حس کو قوی کرتے ہیں اور گوشہ نشینی غور و فکر اور علوم کا مطالعہ کرنا یہ سارے امور اخروی یقین کو پختہ بناتے ہیں۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ انسان جب بازاروں میں نکلتا ہے اور دنیا کی آرائش و زیبائش کو دیکھتا ہے پھر قبرستان کی طرف جاتا ہے اور موت کے متعلق سوچتا ہے جس سے اس کا دل نرم پڑ جاتا ہے تو اس وقت دونوں حالتوں کے درمیان واضح فرق محسوس ہوتا ہے جس کا سبب اسباب سے تعلق ہے۔

پس تم گوشہ اختیار کر لو اور ذکر و فکر اور علوم کے مطالعہ میں لگے رہو کیونکہ گوشہ نشینی پرہیز ہے اور فکر و مطالعہ دوائیں ہیں اور دوا پرہیز کے ساتھ زیادہ فائدہ کرتی ہیں۔ خصوصا

جب کہ تمہارے اوپر مخلوق سے اختلاط اور اقوال میں بدپرہیزیوں کا غلبہ ہو جائے تو اس کی بس وہی دوا ہے جو میں نے بیان کی اور اگر تم یہ چاہو کہ مخلوق سے اختلاط بھی رہے اور شبہات نفسانی کے پیچھے بھی لگے رہو اور ساتھ ساتھ قلب کی درستگی چاہو تو تم ایک امر محال کے طالب ہو۔

انسان وہی چیز کیوں پسند کرتا ہے جس سے روکا جاتا ہے

مجلس... ایک دن اس پر غور کیا کہ انسان کو جس چیز سے روکا جاتا ہے اس کے اندر اس کے کرنے کی حرص پیدا ہو جاتی ہے اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ جتنی قوت سے منع کیا جاتا ہے اسی قدر حرص بھی بڑھتی جاتی ہے۔

چنانچہ سب سے پہلے دیکھیے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پودے کے کھانے سے روکا گیا تو باوجودیکہ دوسرے بہت سے درخت موجود تھے اور آپ کو اس پودے کے کھانے کی ضرورت نہ تھی مگر آپ نے اسی کو کھایا۔

اور مثل بھی بیان کی جاتی ہے: "اَلْمَرْءُ حَرِيْصٌ عَلٰى مَا مُنِعَ وَتَوَّاقٌ اِلٰى مَا لَمْ يَنَلْ" (کہ انسان اس چیز کا حریص ہو جاتا ہے جس سے روک دیا جاتا ہے اور اس کا زیادہ خواہش مند ہوتا ہے جسے پا نہ سکے۔)

اور اسی لیے کہا جاتا ہے: لَوْ اُمِرَ النَّاسُ بِالْجُوْعِ لَصَبَرُوْا وَلَوْ نُهُوْا عَنْ تَفْتِيْتِ الْبَعْرِ لَرَغِبُوْا فِيْهِ وَقَالُوْا مَا نُهِيْنَا عَنْهُ اِلَّا لِشَيْءٍ۔

"اگر لوگوں کو بھوکا رہنے کو کہہ دیا جائے تو بھوکے رہ سکتے ہیں لیکن اگر مینگنی توڑنے سے منع کر دیا جائے تو اس کے توڑنے کے پیچھے پڑ جائیں گے اور سوچیں گے کہ ہم کو کسی خاص سبب کے تحت روکا گیا ہے۔"

اور کہا گیا ہے: اَحَبُّ شَيْءٍ اِلَى الْاِنْسَانِ مَا مُنِعَا

"انسان کو سب سے زیادہ وہی چیز پسند ہوتی ہے جس سے اسے روک دیا جائے۔"

جب اس کے سبب کی تلاش کی تو دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ نفس قید پر صبر نہیں کرتا؛

وہ تو یونہی جسم کی قید میں ہے پھر جب کسی رکاوٹ کے سبب معنوی قید میں پھنستا ہے تو اس کا غیظ بڑھتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر انسان اپنے گھر میں خود سے ایک مہینہ بیٹھا رہے تو کچھ دشوار نہ ہو اور اگر اس کو حکم دے دیا جائے کہ ایک دن گھر سے نہ نکلو تو یہ دن اس پر پہاڑ ہو جاتا ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ نفس کو کسی کے حکم کے تحت آنا بڑا شاق ہوتا ہے۔ اسی لیے اسے حرام چیزوں میں بہت لذت ملتی ہے اور مباح میں وہ لذت نہیں پاتا۔

اور یہی وجہ ہے کہ اس پر اپنے خود ساختہ معبود اور عبادت کے طریقے شریعت کے بتائے ہوئے معبود و عبادت کے مقابلے میں آسان ہوتے ہیں۔

کارِ خیر کو چھوڑ کر گوشہ نشینی

مجلس..... وعظ کی مجلسوں کو اور اس کے اثر سے توبہ کرنے والوں کی توبہ کو اور زاہدوں کے حالات کو دیکھ دیکھ کر خود میرے اوپر جو اثر پڑتا تھا اس کی وجہ سے میرے نفس نے مجھ سے مسلسل تقاضا شروع کر دیا کہ زہد اپناؤ مخلوق سے کنارہ کش ہو جاؤ اور آخرت کے لیے علیحدگی اختیار کر لو۔

اس پر میں نے غور کیا تو اس تقاضا کی وجہ شیطانی وسوسہ معلوم ہوئی کیونکہ شیطان دیکھتا ہے کہ میری کوئی مجلس ایسے بیشمار لوگوں سے خالی نہیں رہتی جو اپنے حال زار پر روتے ہیں اور اپنے گناہوں پر اظہار غم کرتے ہیں اور عام طور پر میری مجلس سے ایک جماعت اٹھتی ہے جو پچھلے گناہوں سے تائب ہوتی ہے اور پچھلی حرکات کو چھوڑتی ہے کبھی کبھی تو بیس سے بڑھ کر ایسے افراد کی تعداد پہنچ جاتی ہے اور بعض دنوں میں سو سے زائد افراد نے توبہ کی ہے جن میں اکثر وہ نوجوان ہوتے تھے جو کھیل کود میں سے اور گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں تو شیطان نے ان کے برائیوں میں غرق ہونے کے بعد یہ دیکھا کہ میں اس کے قبضے کو اپنی طرف کھینچ رہا ہوں۔ لہٰذا وہ چاہتا ہے کہ پنی مجلس بند کی باتوں سے مجھے اس سے روک دے تاکہ صرف وہ رہ جائے اور وہ لوگ رہ جائیں جن کو میں نے اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ (میں درمیان میں نہ رہوں) پھر تو عرصے سے بہکا سکے۔

چنانچہ مجھ سے مجلسیں ترک کرنے کی خوبیاں بیان کرنے لگا اور کہنے لگا کہ خلوت میں کوئی شخص نہیں بیٹھتا جو مخلوق کے لیے طرح طرح سے تصنع کرنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا کہ الفاظ کی تحسین و تزئین اور مضمون کو بہتر پیرایہ میں پیش کرنا فضیلت کی چیز ہے کوئی عیب کی بات تھوڑی ہے۔ ہاں اگر میں لوگوں کو ایسے امور بتاتا جو شریعت میں ناجائز ہوں تو اس سے اللہ کی پناہ۔

اسی طرح شیطان کی ایک چال یہ سمجھ میں آئی کہ وہ مجھے زہد اختیار کرا کے کسب کے مباح طریقوں سے روکنا چاہتا تھا۔ تو میں نے اس سے کہا فرض کر لو کہ اگر تمہارا بتایا ہوا زہد مجھے بھا جائے اور میں گوشہ نشینی بھی اختیار کر لوں پھر میرا سارا مال ختم ہو جائے یا میرے بال بچوں میں کوئی مال کا محتاج ہو جائے تو کیا میں اُن کے قدموں میں لوٹ جاؤں گا۔

پس مجھے چھوڑ دو کہ میں اتنا مال جمع کر لوں جو میری ضرورتوں کی کفالت کرتے اور مجھے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے محفوظ رکھے۔ پھر اگر میری عمر طویل ہوگی تو وہ مال میرے کام آئے گا ورنہ میرے بال بچے اس سے نفع اٹھائیں گے اور میں اس مسافر کی طرح ہونے سے بچ جاؤں گا جس نے سراب دیکھ کر اپنا پانی ضائع کر دیا تھا۔ پھر جب پانی نہ ملنے پر شرمندہ ہوا تو اس وقت اس کی ندامت کچھ کام نہ آئی۔ بہتر یہی ہے کہ سونے سے پہلے لیٹنے کی جگہ تیار کر لی جائے اور بڑھاپے سے پہلے بقدر ضرورت مال جمع کر لیا جائے تاکہ احتیاط پر عمل ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: لَأَنْ تَتْرُكَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ تَتْرُكَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ۔

"تم اپنے ورثہ کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ انہیں محتاج چھوڑ جاؤ اور وہ لوگوں سے مانگتے پھریں۔"

اور فرمایا: نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ۔

"کیا خوب ہے پاکیزہ مال نیک شخص کے حق میں۔"

رہا مسئلہ درویشی اور گوشہ نشینی کا۔ سو یہ تو بہتر ہی ہے کہ آدمی برائیوں سے کنارہ کش ہو نہ کہ بھلائیوں سے الگ۔ برائیوں سے علیحدگی تو ہر حال میں (ہر شخص پر) واجب ہے جبکہ طالبین کو تعلیم دینا اور مریدین کی رہبری کرنا علماء کے حق میں عبادت ہے چنانچہ یہ بڑی غلطی ہے جو بعض

سے ہوتی کہ انہوں نے نفل نماز روزہ کو تصنیف و تالیف اور علم نافع کی تعلیم پر ترجیح دے دی کیونکہ یہ سب ایسے نتائج ہیں جس میں پھل خوب آتے ہیں اور جس کے نفع کا زمانہ بھی بہت طویل ہے۔

اور نفس جو شیطان کی گھٹیا چیز کی باتوں کی طرف مائل ہو رہا تھا اس کی دو وجہ ہے۔

ایک تو یہ کہ نفس کو بیکاری بہت محبوب ہے جس کے لیے اس پر کنارہ کشی بہت آسان ہے۔

دوسری یہ کہ وہ مدح کا بہت خواہش مند ہوتا ہے تو جب زہد کے ساتھ اس کی شہرت ہو گی تو عوام کا میلان اس کی طرف زیادہ ہو گا۔

لہٰذا اے قارئین! آپ قرن اول پر نظر رکھئے اور انہی حضرات کے ساتھ رہیے۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا طریقہ اختیار کیجئے۔ کیا ان حضرات میں سے کسی سے بھی ظاہر ہے کنارہ کشی اور مخلوق سے علیحدگی کا وہ طریقہ منقول ہے جسے جاہل صوفیوں اور زاہدوں نے ایجاد کر رکھا ہے۔

کیا حضرات انبیاء علیہم السلام کا شغل مخلوق کے ذریعے مشقتوں کے تحمل کا نہیں تھا؟ اور کیا ان کا مشغلہ نیکیوں کی ترغیب اور برائیوں سے روکنے کا نہیں تھا؟

ہاں گوشہ نشینی اور کنارہ کشی اسے اختیار کرنی چاہیے جو عالم نہ ہو اور اسی قصد سے کرنی چاہیے کہ (لوگ اس کی برائیوں سے اور وہ لوگوں کی) برائیوں سے محفوظ رہے لیکن یہ مقام اس تپ زدہ مریض کا مقام ہے جو بد پرہیزی سے بچنا چاہتا ہے کیونکہ ماہر طبیب تو جو کچھ کھاتا ہے اس سے نفع اٹھاتا ہے اور نفع پہنچاتا ہے۔

علم و عمل کا حاصل

حاصل...... میں نے سوچا کہ آخر بندوں کی تخلیق سے مقصود کیا ہے؟ تو یہ سمجھ میں آیا کہ مقصود اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنا اور اپنے عجز و قصور کا اعتراف کرنا ہے۔

چنانچہ میں نے علماء اور عابدین کو دو صفوں میں تصور کیا۔ علماء کی صف میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو کھڑا کیا اور عابدین کی صف میں حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ اور

حضرت بشر بن الحارث رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔

پھر جس وقت عابدین عبادت و ریاضت میں جد و جہد شروع کرتے اور زبان حال ان سے پکار کر کہتی کہ "تمہاری عبادتوں کا نفع تم سے تجاوز نہیں کرتا ہے اور علماء کا نفع متعدی ہوتا ہے۔ وہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، سرزمین میں اللہ کے خلیفہ ہیں، انہی پر ساری امت کا اعتماد ہے اور انہی کو فضیلت حاصل ہے" تو سر جھکا دیتے ہیں، ظہار تواضع کرتے اور اس قول کی سچائی کا اقرار کر لیتے ہیں۔ چنانچہ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس علم دین سیکھنے آتے تھے اور فرماتے تھے کہ "حسن رحمۃ اللہ علیہ ہمارے استاذ ہیں۔"

اور جب علماء کو یہ خیال گزرنے لگتا کہ انہیں علم کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے تو زبان حال ان سے پکار کر کہتی کہ "علم سے مقصود عمل ہی ہے۔" جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "وَهَلْ يُرَادُ بِالْعِلْمِ إِلَّا مَا وَصَلَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ؟" "علم سے مقصود وہی منزل ہے جہاں معروف کرخی پہنچے ہیں" اور صحیح سند سے حضرت سفیان ثوری کا ارشاد ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: "میری خواہش ہے کہ میرا ہاتھ کٹ جاتا اور میں حدیث لکھنا چھوڑ دیتا" (کیونکہ زیادتی علم بلا عمل حجت بنتی جاتی ہے)

حضرت ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک آدمی سے فرمایا: "کیا تم نے اپنے علم پر عمل کر لیا؟" اس نے عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: "پھر کیوں تم اپنے اوپر اللہ کی حجت بڑھاتے جا رہے ہو۔"

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "جس نے علم نہیں حاصل کیا اور عمل بھی نہیں کیا اس پر ایک مرتبہ ہلاکت ہے اور جس نے علم تو حاصل کر لیا لیکن عمل نہیں اس پر ستر مرتبہ ہلاکت ہے۔"

اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "عالم کے ایک گناہ کی مغفرت سے پہلے پہلے جاہل کے ستر گناہوں کی مغفرت ہو جائے گی[1]۔"

اور سب سے بہتر اس باب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد "هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ" ہے۔

---

[1] اگر یہ حدیث سے ثابت نہ ہو تو آپ کا کشف ہو گا۔ مترجم

اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت رابعہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تاکہ
ان کے ملفوظات سے نفع اٹھائیں۔
حاصل یہ کہ علم نے علماء کو اس کی رہبری کی کہ علم سے مقصود عمل ہے اور علم محض ایک آلہ
ہے یہ سن کر علماء بھی جھک گئے اور اپنے قصور کا اعتراف کیا۔
گویا سبھی نے اعتراف تقصیر اور تواضع وانکسار سے کام لیا۔ بس ان کے اعتراف قصور
کی وجہ سے میں نے بندگی کی حقیقت معلوم کر لی کہ تمام تکالیف شرعیہ سے یہی مقصود ہے۔

محبت خداوندی کیوں؟ اور کیسے ہو؟

مجلس... اللہ تعالیٰ کے ارشاد "یحبھم ویحبونہ" پر غور کیا تو محسوس ہوا کہ نفس
اللہ تعالیٰ سے ایسی محبت کا جو عشق کا سبب ہے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت
محض اس کی فرمانبرداری کا نام ہے یہ محسوس کر کے اندازہ ہوا کہ وہ طبعی تقاضوں کے غلبہ کی
وجہ سے جہالت کا شکار ہو گیا ہے۔
اس کی وضاحت یہ ہے کہ طبعی محبت ظاہری صورتوں سے ہوتی ہے اور علم وعمل کی محبت
حقیقت اور معنویت سے ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم ایک بڑی جماعت کو دیکھتے ہیں کہ وہ حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرتی ہے اور ایک جماعت حضرت علی کرم اللہ وجہہ
سے۔ ایک جماعت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے تعصب رکھتی ہے اور ایک جماعت
حضرت ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ سے۔ پھر یہ لوگ اسی محبت کی بنیاد پر آپس میں قتال کرتے
ہیں اور اس میں اپنی جان تک دے ڈالتے ہیں۔ حالانکہ ان لوگوں نے ان حضرات کی صورت
نہیں دیکھی ہے اور صورت دیکھ کر ایسی محبت ہو بھی نہیں سکتی ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ
جب ان کے سامنے ان حضرات کی خوبیاں (باطنی کمالات) ظاہر ہوئیں اور علوم میں ان کا مقام
معلوم ہوا تو ان کو ان حضرات سے کمال کمالات سے محبت ہو گئی جو نگاہ بصیرت سے نظر آئے۔
پھر بھلا اس ذات سے محبت کیوں نہ ہو جس نے ان حضرات کو یہ کمالات مرحمت فرمائے
اور بھلا میں کیوں اسی ذات کریم سے محبت نہ کروں جس نے مجھے حسی لذتوں سے
نوازا ہے اور عقلی لذتوں کی معرفت کرائی ہے جبکہ میرے نزدیک علم کی لذت اور علوم کے

ادراک کا لطف تمام حسی لذتوں سے بڑھ کر ہے اور جس کے سوا کوئی اور ایسا نہیں ہے جس نے مجھے علوم معروفہ کیے ہوں اور میرے اندر ادراک کی قوت پیدا فرمائی ہو اور ان علوم کی طرف رہبری کی ہو جن کا میں نے ادراک کیا ہے اور جو ہر لحظہ میرے سامنے جدا جدا مخلوق میں جلوہ گر نظر آتا ہے اور جس کو میں ہر مخلوق میں اس کی مضبوطی اور خوبی کو دیکھ کر مشاہدہ کرتا ہوں۔

گویا میری ساری حسی و معنوی محبوب چیزیں مجھ کو اسی کی طرف سے حاصل ہیں۔ سب اسی کی حکایت کرتی ہیں اور سب اسی کے سبب ہیں۔ ادراک کے طریقوں کی سہولت اسی کا فیض ہے۔ سارے علوم اسی کی عطا ہیں اور سب سے لطیف اور لذت بخش اسی کی وہ معرفت ہے جو مجھ کو حاصل ہے اور جس کی تعلیم اگر خود وہ نہ کرتا تو میں اس کو حاصل نہ کر پاتا۔

اور میں کیوں اس ذات سے محبت نہ کروں جس سے میرا وجود قائم ہے جس سے میری بقا ہے جس کے قبضہ میں میری تدبیر ہے جس کی طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے اور جس نے تمام خوبصورت اور پسندیدہ چیزیں بنائی ہیں انہیں سنوارا ہے زینت بخشی ہے اور لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کیے ہیں اور جو ذات کامل القدرۃ ہے جس کا حسن ہر مخلوق سے بڑھ کر ہے اور جو عجیب صفت والا ہے اور ہر مصنوع سے اکمل ہے۔

"واقعی ادراک کی حقیقت کا عرفان بڑا لذت بخش عرفان ہے۔"

اگر ہم کہیں کوئی عجیب نقش دیکھتے ہیں جو ہم کو پسند آجائے تو اس کے نقاش کی عظمت اور اس کی بہترین حکمت کے تصور میں ڈوب جاتے ہیں۔ یہ ایسی بات ہے کہ پاکیزہ فکریں سفلی حسیات کو پار کر کے کہیں پہنچتی ہیں اور ایسی حالت میں خالق کی محبت پیدا ہو ہی جاتی ہے۔

لہٰذا جس قدر مصنوعات میں اس کے صانع کا مشاہدہ کیا جائے گا اسی قدر صانع سے محبت ہوگی۔

پھر اگر وہ محبت غالب ہوئی تو قلق اور شوق پیدا کرتی ہے اور اگر معرفت کو ہیبت کی طرف لے گئی تو خوف پیدا کرتی ہے اور اگر مشاہدہ کرم کی طرف مائل کرتی ہے تو رجاء پیدا کرتی ہے۔ "قد علم کل اناس مشربھم"

تسلیم حکمت الٰہی

مجلس.... میں نے بعض حالات پر غور کیا۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کو

حکمت کے مطابق بہت مضبوط بنایا ہے اس سے اس کی قدرت کا کمال اور حکمت کی خوبی معلوم ہوئی پھر بعد چندے اسے چور چور کر دیا تو اب اس کی حکمت کا یقین ہو جانے کے بعد اس کے اس فعل کے راز میں عقلیں متحیر ہو گئیں۔ پھر ان عقلوں کو یہ بتایا گیا کہ سارے جسم قیامت میں دوبارہ بنا دیئے جائیں گے اور یہ سانحہ صرف اس لیے بنایا گیا تا کہ معرفت کا میدان عبور کر لے اور عمل کے موسم میں تجارت کر لے یہ سن کر عقلوں کو کچھ سکون ہو گیا۔

پھر انہوں نے کچھ چیزیں دیکھیں جو اس سے بڑھ کر تعجب خیز تھیں۔ مثلاً ایسے نوجوانوں کو موت دے دینا جو ابھی اپنے مقصد پیدائش میں سے کچھ حاصل نہیں کر سکے تھے اور اس سے زیادہ مقام حیرت اس کا یہ معاملہ ہے کہ بچوں کو ان کے تڑپتے والدین کے ہاتھوں سے چھین لیتا ہے اور اس کا راز ظاہر نہیں ہوتا۔ حالانکہ خدا ان بچوں سے بے نیاز تھا اور ان کے والدین ضرورت مند تھے اور اس سے بھی زیادہ تعجب خیز معاملہ ایسے بوڑھوں کو باقی رکھنا ہے جو بیچارے اپنی بقاء کی حقیقت سے بھی غافل ہو چکے ہوں اور ان کو تکلیف کے سوا کچھ حاصل نہیں ہے اور اسی قبیل سے عقل مند مؤمن پر روزی کا تنگ کرنا ہے اور احمق کافر پر وسیع کرنا ہے۔ اسی طرح کے اور بہت سے معاملات ہیں جن کی علت اور راز سمجھنے میں عقل متحیر اور مبہوت ہے[1]۔

میں اس طرح کی تکالیف پر غور کرتا رہا۔ جب عقل ان کی حکمتیں سمجھنے سے عاجز ہو گئی اور وہ اس کی معتقد ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں تو اسے یقین ہو گیا کہ وہ خدا تعالیٰ کے تمام افعال کی حکمتوں کو جاننے سے قاصر ہے۔ لہٰذا اعتراف عجز کرتے ہوئے جھک گئی اور اتنا کر لینے سے اس کا فرض ادا ہو گیا۔

چنانچہ اب اگر عقل سے کہا جائے کہ تم پر اس کی بنائی چیزوں کی حکمت واضح ہو چکی ہے تو کیا یہ مناسب ہوگا کہ اگر وہ ان چیزوں کو توڑ دے تو اس کی حکمت میں قدح کیا جائے؟ عقل جواب دے گی۔ ''چونکہ میں دلیل قطعی سے جان چکی ہوں کہ وہ حکیم ہے اور میں اس کی حکمتوں کے سمجھنے

---

[1] اس فصل سے مقصود ان حضرات کو تنبیہ ہے جو اپنی ضعیف و ناتواں عقل کو اس کی حدود سے متجاوز کر کے تمام افعال خداوندی کی حکمتیں سمجھنے کا اہل گمان کر بیٹھے ہیں۔ حالانکہ یہ بڑی جرأت ہے اور خطرہ کا مقام ہے کیونکہ جو اس کے پیچھے پڑا وہ گمراہی کے راستے پر چل پڑا اور کہیں نہ کہیں ٹھوکر ضرور کھائے گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ عقل کو جھکا دیا جائے اور حکمت عالیہ کو تسلیم کر لیا جائے اور ایسا نہیں ہے کہ جو امور یہاں مذکور ہیں ان کی حکمتیں سب پر مخفی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں پر ان کا راز کھول دیتے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے بڑھ کر ہوتی ہے کیونکہ اس کا زیادہ جمع ہونا پھر اس کو روکے رہنا بہت سے تکلیف دہ امراض پیدا کر دیتا ہے اس لیے کہ اس سے پیدا ہونے والا بخار دماغ پر چڑھتا ہے اور ایذاء کا سبب ہوتا ہے اور کبھی خبیث (زہریلا پن) بھی پیدا کر دیتا ہے۔

تندرست آدمی کی طبیعت منی کے جمع ہونے کے بعد اس کے اخراج کا تقاضا کرتی رہتی ہے جیسے پیشاب کے نکالنے کا تقاضا ہوتا ہے اور اگر کسی کی طبیعت خراب ہو تو منی کا اجتماع کم ہوتا ہے۔ اس وقت اس کے اخراج کا تقاضا بھی کم ہوتا ہے لیکن ہماری گفتگو تندرست آدمی سے متعلق ہے۔ لہذا کہتا ہوں کہ میں نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ جب منی کو روک لیا جاتا ہے تو بہت سے امراض پیدا کر دیتی ہے گندے گندے خیالات لاتی ہے اور خلل و وسوسہ جیسی آفتیں پیدا کرتی ہے۔

کبھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک تندرست آدمی جس کے اندر منی کا اجتماع بھی زیادہ ہوتا ہے۔ جب وہ اسے (جماع کے ذریعے) خارج کرتا ہے تو زیادہ جمع ہونے کے باوجود بھی کم نکلتی ہے اور اس کا حال اس کھانے والے کے مثل ہوتا ہے جو کھا رہا ہو: سیر نہ ہو پایا ہو۔ میں نے اس کی وجہ سوچی تو سمجھ میں آیا کہ منکوحہ میں کسی کمی کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ مثلاً بھونڈا پن، بدصورتی یا کوئی بیماری وغیرہ یا اس وجہ سے کہ اس وقت نفس میں اس کا تقاضا پورا نہیں ہوتا تو ان صورتوں میں کچھ نکلتی ہے اور کچھ رہ جاتی ہے۔

اگر تم اس کا اندازہ کرنا چاہو تو محل مشتہی اور غیر مشتہی دونوں میں جماع کر کے منی کی مقدار میں فرق کا اندازہ کر لو۔ مثلاً رانوں کے درمیان جماع بمقابلہ اصل محل کے یا کنواری سے جماع بمقابلہ ثیب کے۔ اس وقت تم کو معلوم ہو جائے گا کہ منکوحہ کا اچھا ہونا زائد منی کو کھینچ لیتا ہے اور اس وقت فضول مادے کے نکل جانے کی وجہ سے لذت بھی پوری حاصل ہوتی ہے۔

اور اس کا اثر اولاد پر بھی پڑتا ہے کیونکہ اگر دو نوجوان جوڑے اپنے کو ایک طویل مدت تک جماع سے روکے رکھیں تو ان کی اولاد دوسرے ان نوجوانوں سے بہتر ہوگی جو ہر وقت جماع پہ آمادہ رہتے ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ قریبی رشتہ داروں سے نکاح ناپسندیدہ ہے کیونکہ ایسے نکاح میں پوری

انبساط نہیں ہو سکتا تھا اس لیے کہ انسان کو یہ خیال ہوتا رہتا ہے کہ وہ اپنے ہی کسی حصے سے جماع کر رہا ہے اور اجنبی عورتوں سے نکاح اسی وجہ سے پسندیدہ ہے۔

مذکورہ تقریر کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ خوبصورت اور جوان منکوحہ سے مقصود زیادہ حاصل ہوتا ہے لیکن نقصان دہ وہ بھی طرح لگی ہوتی ہے اور اگر منکوحہ بدصورت ہو تو خاوند اس سے پورا مقصود حاصل نہیں ہو پاتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص اگر گوشت روٹی سے پیٹ بھرے اور ایک تھوڑی سی بھی گنجائش رہ جائے اس وقت اس کے سامنے حلوا لایا جائے تو اگرچہ وہ زیادہ سیر ہوتا ہے تو یہ شخص کھالیتا ہے اس لیے کہ جدت اور عمدگی میں ایک عجیب حقیقت مخفی ہے اور وہ یہ ہے کہ نفس جس سے مانوس ہو اس کی طرف زیادہ میلانات نہیں رکھتا بلکہ وہ اس کی طلب میں رہتا ہے جس سے ناواقف ہو اور اس کو ہر نئی چیز میں اپنے مقصود کو پانے کی امید ہوتی ہے۔ پھر اگر وہ اپنی مراد نہیں پاتا تو دوسرے جدید کی طرف اس طرح لپکتا ہے گویا اسے یقین ہے کہ اس میں اس کا مقصود و مراد بلا کسی کدورت کے پورا پورا مل جائے گا۔

اور اس حقیقت کے اندر بعث بعد موت کی دلیل موجود ہے کیونکہ ایسی مخلوق کا پیدا ہونا جس کی شہوت کسی چیز سے متعلق نہ ہو عبث ہے[1]۔

اسے خوب سمجھ لو! کیونکہ نفس دنیا میں ہر چیز کو برتنے کے بعد جب عیب اور کدورت کو دیکھتا ہے تو اسے دنیا کے باہر کسی چیز کی تلاش ہوتی ہے۔

اور اسی لیے حکماء نے کہا ہے کہ عشق محبوب کے عیوب دیکھنے سے اندھا ہوتا ہے لہٰذا جس نے اپنے محبوب کے عیوب پر غور کیا وہ اس سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

اور اسی حکمت کے پیش نظر عورت کے لیے بہتر یہ ہے کہ اپنے شوہر سے اتنی دوری نہ اختیار کرے کہ شوہر اس کو بھول جائے اور نہ قریب بھی نہ ہو کہ شوہر اس سے اکتا جائے اور

---

[1] یعنی ایسی مخلوق [illegible] ... الله الحمد [illegible]

شوہر کے لیے بھی یہی مناسب ہے تاکہ عورت اس سے نہ اکتا جائے یا بیوی کے پوشیدہ عیوب اس پر نہ ظاہر ہو جائیں اور شوہر کو اپنی بیوی کی ستر بھی نہیں دیکھنی چاہیے اور اس کی کوشش کرنی چاہیے کہ اس سے ہمیشہ اس حال میں ملے کہ وہ بنی سنوری اور خوشبو وغیرہ لگائے ہوئے ہو یعنی وہ تمام امور اختیار کیے ہو جو سمجھدار اور سلیقہ مند عورتیں کیے رہتی ہیں اور یہ سارے امور سمجھدار عورتوں کو فطری طور پر آ جاتے ہیں کسی تعلیم کی ضرورت نہیں ہوتی جبکہ بیوقوف اور بدسلیقہ عورتیں ان سب چیزوں پر نظر نہیں کرتیں جس کی وجہ سے جلدی ہی ان کے شوہران سے بے رُخی کرنے لگتے ہیں۔ الغرض جس کی تمنا یہ ہو کہ اولاد خوبصورت پیدا ہو اور تقاضا اچھی طرح پورا ہو تو اسے اچھی بیوی کو پسند کر لینا چاہیے۔

اگر بیوی لانے کا ارادہ ہو تو پہلے اسے دیکھ لے پسند آ وے تو اس سے نکاح کر لے۔ لیکن اس پر بھی غور کر لے کہ دل میں اس کی کس قدر محبت ہے اور محبت کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اس سے نظر ہٹانے کو جی نہ چاہے اور اگر نظر ہٹے تو دل میں ٹیس ہو۔ یہ محبت کا انتہائی درجہ ہے جس کے نیچے بہت سے مراتب ہیں جیسے جس کے مقاصد حاصل ہوتے ہیں ویسی ہی محبت ہوتی ہے۔

اگر باندی خریدنی ہو (یہ اس زمانے کی بات ہے جب باندیاں فروخت ہوتی تھیں) تو اس کو خوب دیکھ بھال کر لے اور جسے عورت سے (جس سے نکاح کا ارادہ ہو) کچھ بات کرنے کا موقع مل جائے تو اس سے بات بھی کر لے اور اس کے طرز گفتگو پر غور کرے کیونکہ حسن دو جگہ ہوتا ہے آنکھوں میں اور منہ میں۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواز پر تصریح فرمائی ہے کہ مرد (اس) عورت کے (جس سے نکاح کا ارادہ ہو) ایسے حصے کو بھی دیکھ سکتا ہے جو اس کے حق میں ستر ہے۔ اشارہ تھا کہ چہرے سے زیادہ بازو وغیرہ[1] بھی دیکھ سکتا ہے۔

اور جو شخص عقد نکاح یا باندی کا خریدنا اتنی مدت مؤخر کر سکتا ہو کہ اس کا اندازہ کر سکے کہ دل میں نکاح کی کس قدر خواہش ہے اور سمجھدار آدمی پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ طبیعت کا میلان نئے پن کی وجہ سے ہے یا محبت کی وجہ سے۔ لہٰذا جب محبت پیدا ہونے والے درد کا احساس ہونے لگے تب نکاح پر اقدام کرے کیونکہ ہمیں محمد بن عبدالباقی نے حمد بن احمد ابو

---

[1] حضرات احناف کے نزدیک صرف چہرہ ہتھیلی اور قدم دیکھ سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ ۱۲ احمد۔

نعیم، سفیان ابن احمد، عبدالجبار بن ابی عمران کے والد، ابو عامر اور خالد بن سلام کے واسطے سے خبر دی کہ حضرت خطاء خراسانی نے فرمایا کہ توراۃ میں لکھا ہوا ہے:

كُلُّ تَزْوِيجٍ عَلَى غَيْرِ هَوًى حَسْرَةٌ وَنَدَامَةٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

"ہر وہ نکاح جو بغیر محبت کے ہو ہمیشہ کے لیے پچھتاوے کا سبب ہے۔"

اور پسند کرنے والے کو چاہیے کہ زوجہ کے اخلاق کی خوب چھان بین کرے کیونکہ اخلاق پوشیدہ ہوتے ہیں اور اگر صورت سیرت سے خالی ہو تو اس کی مثال گھوڑے پر اگنے والے سبزے کی ہوتی ہے (کہ اوپر سے نہایت خوش منظر اور اندر سے نہایت بدبودار اور گندا منظر)

اور اولاد کی خوبصورتی و ذکاوت تو مقصود ہے ہی اسی طرح نفس کے تقاضوں سے اس کو فارغ کرنا بھی نہایت ضروری ہے تاکہ آپ کی توجہ ضروری امور کی طرف ہو سکے کیونکہ جو شخص بنیادی ضرورتوں سے فارغ ہوگا وہی اصل ضرورتوں پر توجہ دے سکے گا۔ اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے:

لَا يَقْضِي الْقَاضِي بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ. "کوئی حاکم غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے"

اور اِذَا وُضِعَ الْعَشَاءُ وَحَضَرَتِ الْعِشَاءُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَاءِ.

"جب رات کا کھانا لگا دیا جائے (اور بھوک بھی شدید ہو) اور عشاء کا وقت ہو جائے تو پہلے کھانا کھا لو (تاکہ اطمینان ہو جائے)"

ساری فصل کا حاصل یہ ہے کہ جسے صورت اور سیرت ہر اعتبار سے اچھی بیوی مل جائے تو وہ اس کے عیوب اور ستر کو نہ دیکھے اور بیوی اس کی کوشش کرے کہ شوہر کے سامنے اس کی پسندیدہ حالت میں آوے اور اتنی قریب نہ ہو کہ اکتا دے اور اتنی دور بھی نہ ہو جائے کہ شوہر سے بھول جائے۔ ہمیشہ اس کے سامنے بن سنور کے آوے تاکہ دونوں مقصود حاصل ہوں۔ اولاد بھی اچھی ہو اور خواہش بھی اچھی طرح پوری ہو۔

میری ان نصیحتوں پر عمل کرنے سے رفاقت دائم رہ سکتی ہے اور دوسری بیوی سے استغناء ہو سکتا ہے لیکن اگر کوئی مرد ایسا ہے کہ وہ دو بیوی رکھنے پر قادر ہو اور دوسرا نکاح اس یقین کے ساتھ کرے کہ دوسرا نکاح کر کے اس کو فراغ قلب میسر ہو سکے گا تو اس کی یہ حالت افضل ہے۔

اور اگر سوتنوں کی لڑائی کا اندیشہ ہو جس سے دل میں انتشار پیدا ہو جائے جو ذکر رب

کی جمعیت اور سکون ہی کا اہتمام ہم کو اس فصل سے مطلوب ہے یا خوبصورت بیوی سے اس کا اندیشہ ہو کہ وہ یاد آخرت سے غافل کر دے گی یا اس کے مطالبات اتنے زیادہ ہوں گے جو شوہر کو تقویٰ کی حدود سے نکال دیں گے تو ایسے وقت ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرنا چاہیے۔

میری نصیحت میں یہ بھی داخل ہے کہ خوبصورت بیویوں کی پاک دامنی دشوار ہوتی ہے اس لیے جو شخص خوبصورت بیوی لائے وہ اس کی خوب حفاظت کرے اور خوب چھپا کر رکھے۔

اور اگر ایسی بیوی مل جائے جو پسند نہ ہو تو فوراً اسے بدل دے کیونکہ مستقل غم سے چھٹکارے کی یہی صورت ہے اور اگر کوئی شخص اکتفاء کر سکتا ہو تو ایک پر اکتفاء کرنا اولیٰ ہے۔ یعنی اگر بیوی مراد کے مطابق ہو تو ایک پر قناعت کر لے ورنہ دوسری سے نکاح کر لے کیونکہ پسندیدہ بیوی سے نکاح کرنے سے پورا مادہ منویہ خارج بھی ہو جاتا ہے اولاد بھی عمدہ اور مکمل حاصل ہوتی ہے اور خواہش بھی پوری ہو جاتی ہے۔

اور اگر کوئی شخص زیادہ نکاح بھی چاہے اور سوکنوں کی لڑائی سے ڈرتا بھی ہو تو وہ باندیاں خریدے کیونکہ ان میں یہ لڑائی کم ہوتی ہے اور ان کو رکھنا بیویوں کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہوتا ہے۔

اور بہت سے حضرات ایسے ہوئے ہیں جن کے لیے زیادہ عورتوں کو جمع کرنا آسان تھا اور ان کی بیویاں بھی بجائے لڑنے کے صبر وضبط سے کام لیتی تھیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک ہزار بیویاں تھیں[1]۔

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حال تو معلوم ہی ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے پاس چار بیویاں اور سترہ باندیاں تھیں اور آپ کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریباً چار سو نکاح فرمائے۔

جن باتوں کو میں نے اشارۃً بیان کر دیا ہے ان کو سمجھ لو۔ ان شاء اللہ کامیاب رہو گے۔

گناہوں پر دنیوی سزائیں

مجلس...دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جتنی چیزیں پیدا فرمائی ہیں سب آخرت میں پائی جانے والی چیزوں کا نمونہ ہیں۔ لہٰذا جتنی مصیبتیں دنیا میں پیش آتی ہیں آخرت میں بھی پیش

---

[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی شریعتوں میں ۴ سے زائد نکاح کی اجازت تھی۔ ۱۲ حمزہ

آ دیں گی (یعنی کافروں کو) لیکن آخرت کی چیزوں کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ لَيْسَ فِي الْجَنَّةِ شَيْءٌ يُشْبِهُ مَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا الْأَسْمَاءَ "جنت کی چیزوں اور دنیا کی چیزوں میں صرف نام کی مشابہت ہوگی۔ یعنی نام ایک ہوگا۔ باقی حقیقت بالکل مختلف ہوگی۔"

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نعمتوں کا نمونہ دکھلا کر اپنی نعمتوں کا شوق دلایا ہے اور عذاب کا نمونہ دکھلا کر اپنے عذاب سے ڈرایا ہے۔

چنانچہ دنیا میں جاری ہونے والے معاملات میں سے ایک یہ ہے کہ ظالم کو اس کے ظلم پر اسی دنیا ہی میں سزا مل جاتی ہے۔ اسی طرح گنہگار کو جو سزا ملتی ہے یہی مفہوم ہے باری تعالیٰ کے ارشاد کا: "مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ"

ایسا بھی ہوتا ہے کہ نافرمان شخص اپنے جسم اور مال کی سلامتی دیکھ کر یہ گمان کر لیتا ہے کہ اسے سزا نہیں ہو رہی ہے حالانکہ ان سزاؤں سے غفلت جن میں وہ گرفتار ہے خود ایک سزا ہے۔ چنانچہ حکماء نے فرمایا ہے:

الْمَعْصِيَةُ بَعْدَ الْمَعْصِيَةِ عِقَابُ الْمَعْصِيَةِ وَالْحَسَنَةُ بَعْدَ الْحَسَنَةِ ثَوَابُ الْحَسَنَةِ

"گناہ کے بعد دوسرے گناہ کا ارتکاب پہلے کی سزا ہے اور نیکی کے بعد دوسری نیکی کی توفیق اس کا صلہ ہے۔"

اور دنیوی عذاب کبھی معنوی ہوتا ہے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کے ایک عالم نے عرض کیا کہ:

"اے میرے رب! میں نے بارہا آپ کی نافرمانی کی لیکن آپ نے مجھے سزا نہ دی۔"

تو اس سے کہا گیا "میں نے بارہا تجھے سزائیں دیں لیکن تجھے احساس نہ ہوا کیا میں نے تجھے اپنی مناجات کی حلاوت سے محروم نہیں کر رکھا ہے۔"

پس جس نے اس طرح کی سزاؤں پر غور کیا وہ انہیں منتظر پائے گا بلکہ جب حضرت وہب ابن ورد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا نافرمان شخص طاعت کی لذت پا سکتا ہے؟ تو

آپ نے فرمایا نہیں بلکہ جسے معصیت کا میلان بھی ہو گیا (اور اس نے استغفار و توبہ سے علاج نہیں کیا) وہ بھی نہیں پا سکتا۔"

چنانچہ بعض لوگوں نے اپنی نگاہ آزاد چھوڑ دی تو نگاہ بصیرت سے محروم کر دیئے گئے یا زبان کو بے لگام کیا تو صفائے قلب سے محروم کر دیئے گئے یا کھانے پینے میں مشتبہ سے پرہیز نہ کیا تو ان کا باطن تاریک ہو گیا اور وہ رات کی نمازوں اور مناجات کی حلاوت سے محروم کر دیئے گئے۔ وغیرہ ذالک۔

یہ سب ایسی سزائیں ہیں جن کا احساس انہیں حضرات کو ہو پاتا ہے جو اپنے نفس سے محاسبے کے عادی ہوتے ہیں۔

اور اس کے برعکس متقی شخص دنیا ہی میں بہترین بدلے سے نوازا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں (یعنی حدیث قدسی ہے):

اَلنَّظْرَةُ اِلَی الْمَرْاَةِ سَهْمٌ مَّسْمُوْمٌ مِّنْ سِهَامِ الشَّیْطَانِ مَنْ تَرَکَهٗ اِبْتِغَاءَ مَرْضَاتِیْ اٰتَیْتُهٗ اِیْمَانًا یَجِدُ حَلَاوَتَهٗ فِیْ قَلْبِهٖ.

"اجنبی عورت کی طرف دیکھنا شیطان کا زہر میں بجھا ہوا ایک تیر ہے جس نے میری رضا کی خاطر اس کو نہیں دیکھا میں اسے ایمان کا ایسا درجہ عطا کروں گا جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔"

یہ ایک نمونہ ہے اسی پر بقیہ نیکیوں کو قیاس کر لو۔

اور اگر آدمی کھلے عام نافرمانی کرے تو کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ اس کا بدلہ نہ پاوے۔ چنانچہ اسی قبیل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

اَلصُّبْحَةُ تَمْنَعُ الرِّزْقَ. "فجر بعد کا سونا رزق سے محرومی کا سبب ہے۔"

اور اِنَّ الْعَبْدَ لَیُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ یُصِیْبُهٗ.

"بندہ رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے جس کا سبب اسی کا گناہ ہوتا ہے۔ (جس سے اس نے توبہ نہ کی ہو)"

اور حضرات مفسرین نے روایت ذکر فرمائی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بارہ اولاد میں سے ہر ایک کے بارہ بارہ لڑکے ہوئے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے ذرا سے میلان کی وجہ سے گیارہ ہوئے۔

ان جیسے روایات میں اگر ذرا بھی بصیرت شخص غور کرے تو اسے ہر کام کا بدلہ ضرور نظر آئے گا۔ جیسا کہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ "اگر مجھ سے اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی ہو جاتی ہے تو میں اپنی سواری اور باندی کے رویہ میں محسوس کر لیتا ہوں۔"

اور حضرت عثمان نیشاپوری کا واقعہ منقول ہے کہ جمعہ کے لیے جاتے ہوئے ان کے جوتے کا ایک تسمہ الگ ہو گیا۔ آپ اس کو درست کرنے کے لیے تھوڑی دیر رک گئے پھر فرمایا کہ جوتے کا تسمہ اس لیے ٹوٹ گیا کہ میں نے آج جمعہ کے لیے غسل نہیں کیا ہے۔

دنیا ہی میں بدلہ کی عجیب خبر یہ ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے ظلم کے ہاتھ آپ کی طرف دراز ہوئے اور انہوں نے آپ کو نہایت معمولی قیمت میں فروخت کر دیا تو پھر انہی کے ہاتھ آپ کے سامنے (ذلت کے ہاتھ بن کر) بڑھے گئے اور وہ لوگ آپ سے عرض کر رہے تھے "وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا"

اور جب یوسف علیہ السلام نے زلیخا کی طرف میلان کے وقت صبر فرمایا تو وہی عورت علانیہ طریقہ سے آپ کو سعادت مند کر گئی اور جب اس عورت نے آپ کے خلاف یہ جھوٹا الزام لگایا "مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا" تو سچی بات اسی سے کہلائی گئی "اَنَا رَاوَدْتُّهٗ" (میں نے ہی یوسف کو پھسلانے کی کوشش کی تھی)

اور اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی معصیت چھوڑتا ہے تو اس کا ثمرہ ضرور دیکھے گا۔ اسی طرح جب کوئی طاعت کرتا ہے (تو اس کا بدلہ بھی ضرور محسوس کرے گا)

حدیث شریف میں ہے: اِذَا اَمْلَقْتُمْ فَتَاجِرُوا اللّٰهَ بِالصَّدَقَةِ (اَیْ فَعَامِلُوْهُ لِزِيَادَةِ الْاَرْبَاحِ نَفْحَةً)

"اگر تم افلاس کا اندیشہ کرتے ہو تو صدقہ دے کر اللہ سے تجارت کرو (یعنی دنیوی نفع کے لیے بھی اللہ سے معاملہ کرو)۔"

اور ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جنہوں نے دنیوی راحت کے لیے معصیت میں
سہل انگاری کی لیکن ان کی حالت دنیوی پریشانی کی طرف لوٹ گئی اور مقاصد برعکس ہو گئے۔

ایک شیخ نے اپنی یہ حکایت بیان کی کہ "انہوں نے جوانی میں ایک باندی خریدی۔"
ان کا بیان ہے کہ "جب میں اس کا مالک ہو گیا تو اس کی طرف شدید میلان ہونے
لگا۔ پھر میں برابر ایک ایک فقیہ سے پوچھتا رہا کہ شاید کوئی مجھے اجازت دے دے لیکن ہر
ایک نے یہی کہا کہ اس کے حیض آنے سے پہلے تو اس کی طرف نظر شہوت سے دیکھنا بھی حرام
ہے اور نہ چھونا۔" فرماتے ہیں کہ میں نے باندی سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ جب میں
فروخت کی گئی ہوں اس وقت حیض سے تھی۔ میں نے سوچا چلو جلدی مدت کٹ جائے گی۔ یہ
سوچ کر پھر فقہاء سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس حیض کا اعتبار نہیں ہوگا حیض وہ معتبر
ہے جو تمہاری ملکیت میں آنے کے بعد شروع ہو۔ اب میں نے اپنے نفس سے پوچھا جب
کہ وہ شہوت کی قوت، باندی پر قدرت اور اس کے قرب کی وجہ سے بے تاب ہو رہا تھا کہ اب کیا
کہتے ہو؟ اس نے جواب دیا ایمان کا تقاضا انکار ہے پر صبر کرتا ہے چاہو تو ایمان کی رعایت
کرو چاہو تو رہ دو۔ چنانچہ میں نے صبر کر لیا حتی کہ وہ پاک ہو گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس صبر
کے عوض مجھے ایسے مراتب رفیعہ عطا فرمائے جو کہیں بہتر تھے۔

اعتبار باطن کا ہوتا ہے

مجلس۔۔۔میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرنے والے دلائل پر نظر ڈالی تو انہیں
تعداد میں ریت سے زیادہ پایا۔ ان میں ایک دلچسپ دلیل یہ نظر آئی کہ انسان اپنی غلط حرکتوں
کو چھپانا چاہتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے ظاہر فرما دیتے ہیں۔ اگرچہ کچھ مدت بعد ہی، اور لوگوں
کی زبانوں پر ان کا تذکرہ آ جاتا ہے اگرچہ سب نے ان کا مشاہدہ نہیں کیا ہوتا ہے۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی نافرمان شخص ایسی نافرمانی کر بیٹھتا ہے جو اسے لوگوں کے
درمیان رسوا کر دیتی ہے تو یہ ان تمام گناہوں کا جواب ہو جاتی ہے جو اس نے چھپ کر کیے
تھے اور ایسا اس لیے ہوتا ہے تاکہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ اس گناہ کا ایک ایسی ذات
نگراں ہوتی ہے جو لغزشوں پر سزا دے سکتی ہے اور اس کی قدرت سے پردے میں کوئی

حجاب اور کوئی پردہ کام نہیں آ سکتا اور اس سے کسی کا کوئی عمل چھوٹا نہیں ہے۔ اسی طرح انسان اپنی طاعتوں کو چھپاتا ہے لیکن وہ ظاہر ہو جاتی ہیں۔ لوگ ان کا تذکرہ کرنے لگتے ہیں بلکہ بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کے لیے گناہ کا تصور بھی چھوڑ دیتے ہیں صرف نیکیاں ہی بیان کرتے ہیں اور یہ سب اس لیے ہوتا ہے کہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ ان موقعوں پر ایک رب تھا جو کسی عمل کرنے والے کا عمل رائیگاں نہیں ہونے دیتا۔

اور بے شک لوگوں کے دل کسی کی حالت کو دیکھ کر اس سے محبت کرتے ہیں یا نفرت کرتے ہیں یا کسی کی مذمت کرتے ہیں اور کسی کی مدح کرتے ہیں تو یہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے تعلق کے مطابق معاملہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کے ہر غم کی کفایت فرماتے ہیں اور ان سے ہر شر کو دور فرماتے ہیں۔

لہٰذا جس بندے نے بھی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مخلوق کے درمیان اچھا بننا چاہا اس کا مقصود الٹ جاتا ہے اور اس کی مدح کرنے والے مذمت کرنے والے ہو جاتے ہیں۔

خیر کم اور شر زیادہ

مجلس۔۔۔میں نے زمین اور اس میں بسنے والوں پر نگاہِ بصیرت ڈالی تو یہ نظر آیا کہ آباد زمین کے مقابلے میں ویران زمین زیادہ ہیں۔ اسی طرح اس پر آباد ہونے والے انسانوں کے متعلق غور کیا تو اکثر علاقوں پر کافروں کو غالب پایا اور مسلمانوں کو کافروں کی نسبت کم پایا۔

پھر مسلمانوں کے حالات پر غور کرتے ہوئے ان کی آمدنیوں کو سوچا تو یہ دیکھا کہ اکثر مسلمان اپنے کسب میں لگ کر اپنے رزاق سے غافل ہیں اور ایسے علم کے حاصل کرنے سے رخ پھیرے ہوئے ہیں جو انہیں اللہ تک پہنچاتا۔

چنانچہ بادشاہ اپنی حکومت میں مشغول رہتا ہے وہ عارضی لذتوں میں مست ہے اور اپنی اغراض بلا ان کا شکر ادا کیے ہوئے پوری کیے جا رہا ہے جس پر طرہ یہ ہے کہ جو لوگ اس سے ملتے جاتے ہیں بجائے اسے نصیحت کرنے کے اس کی مدح و توصیف کرتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی خواہشات نفس بڑھتی جاتی ہیں حالانکہ امراض کا علاج ضد سے کرنا چاہیے

تھا۔ جیسا کہ حضرت عمر بن مہاجر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مجھ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "جب تم مجھے دیکھو کہ میں کسی معاملہ میں حق سے ہٹنے لگا ہوں تو میرا دامن پکڑ لینا اور جھٹک کر کہنا "مالک یا عمر؟" عمر! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟

اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "رَحِمَ اللّٰهُ مَنْ اَهْدٰى اِلَيْنَا عُيُوْبَنَا" (اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائیں جو ہماری کمزوریوں کی نشاندہی کرے) جس کا اصل یہ ہے کہ سارے لوگوں میں وعظ و نصیحت کا سب سے زیادہ مستحق سلطان ہے۔

اگر سلطان کے فوجیوں کو دیکھا جائے تو اکثر فوجی خواہشات کے نشے میں اور دنیوی زیب و زینت میں مبتلا ہیں بلکہ جہالت و ناواقفیت میں بھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں کسی گناہ سے رنج نہیں ہوتا۔ شراب پینے اور ریشمی لباس کے پہننے سے ذرا بھی گھبراتے نہیں بلکہ بعض تو (منع کرنے پر) کہہ دیتے ہیں کہ پھر فوجی کیا پہنے؟ کیا روئی کا لباس پہن لے؟ دوسروں کے سامان زبردستی استعمال کر لینا ان کی عادت ہے اور ظلم گویا ان کی فطرت میں داخل ہو چکا ہے۔

گاؤں کے دیہاتیوں پر جہل چھایا ہوا ہے۔ اکثر تو نجاستوں میں ملوث رہتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض دیہاتی عورتیں بیٹھ کر نماز پڑھتی ہیں۔

تاجروں کے حال پر غور کیا تو اندازہ ہوا کہ ان پر حرص غالب ہے جس کی وجہ سے وہ اس پر نظر نہیں کرتے کہ ان کے کسب کے طریقے جائز ہیں یا نہیں؟ سود ان کے معاملات میں عام ہو گیا ہے اور کوئی بھی اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ یہ دنیا اسے کیسے حاصل ہو رہی ہے؟ اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں بھی خوف خدا کی کمی کے سبب کوتاہی کرتے ہیں، ہاں کچھ محفوظ بھی ہیں۔

پھر دوسرے ارباب معاش کو دیکھا تو ان کے زیادہ تر معاملات میں کھوٹ، دھوکہ اور ناپ تول میں کمی پائی اور وہ سب کے سب جہل میں غرق نظر آئے۔ ان کی اکثریت اولاد کو ضروری تعلیم اور ادب کی تربیت سے پہلے ہی بچپن ہی سے کسب معاش میں لگا دیتی ہے۔

عورتوں پر نظر ڈالی تو ان کو بھی دین میں کمزور اور جہالت میں غرق پایا۔ انہیں آخرت کے امور سے بے خبری ہوتی ہے۔ ہاں بعض مستثنیٰ ہیں۔

ان سب کو دیکھ کر میں نے سوچا کہ اب اللہ کی اطاعت اور اس کی معرفت کے لیے

کون باقی بچا؟ چنانچہ غور کیا تو علماء طلبہ عابدین اور زاہدین نظر آئے۔

لہٰذا زاہدوں اور عابدوں پر نظر بصیرت ڈالی تو دیکھا کہ اکثر بغیر علم حاصل کیے عبادت کرتے ہیں۔ اپنی تعظیم اور دست بوسی کرانے اور مریدین کی کثرت کے خواہش مند ہیں حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی کو بازار سے کسی چیز کے خریدنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے تو خود نہیں جاتے تاکہ ان کی جاہ متاثر ہو جائے اور اپنی ناموس کی حفاظت انہیں اس حد تک پہنچا دیتی ہے کہ وہ کسی بیمار کی عیادت کو نہیں جاتے۔ جنازہ میں شرکت نہیں کرتے۔ الا یہ کہ کوئی ان سے بڑے مرتبہ کا ہو۔ آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات نہیں کرتے بلکہ اس میں بخل سے کام لیتے ہیں۔ گویا ان کی ناموس ان کا بت ہے جس کی وہ لوگ بے خبری میں عبادت کیے جا رہے ہیں اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو جاہل ہونے کے باوجود فتویٰ دینا شروع کر دیتے ہیں تاکہ سرداری میں فرق نہ آ جائے پھر علماء پر جرح اور دنیا کے سلسلے میں نکتہ چینی شروع کر دیتے ہیں اور اس سے بے خبر ہوتے ہیں کہ مذموم دنیا وہ ہے جس میں وہ مبتلا ہیں (یعنی حب جاہ وغیرہ) نہ کہ مباحات کا استعمال۔

ان کے بعد علماء وطلبہ پر نگاہ ڈالی تو اندازہ ہوا کہ ایسے طالب علم بہت کم ہیں جن پر نجابت وشرافت کی علامت ہو کیونکہ نجابت کی علامت یہ ہے کہ علم کو عمل کے لیے حاصل کیا جائے جبکہ اکثر طلبہ علم کے ذریعے ایسی چیز حاصل کرنا چاہتے ہیں جو ان کے کسب دنیا میں حیل کا کام دے سکے یعنی یا تو اس سے کسی جگہ کا منصب افتاء مل جائے یا کسی شہر کا منصب قضاء، اور صرف اتنا علم حاصل کرتے ہیں جس سے اپنے ہم عصروں سے ممتاز ہو جائیں اور بس۔

پھر علماء کے حالات پر غور کیا تو اندازہ ہوا کہ اکثر علماء خواہش نفس سے مغلوب اور اس کے غلام ہیں۔ چنانچہ جن چیزوں سے علم انہیں روکتا ہے انہی کو کرتے ہیں اور جن سے منع کرتا ہے انہی پر عمل کرتے ہیں۔ اللہ کی عبادت کے ذوق سے محروم ہیں۔ بس ان کی ساری توجہ تقریر وبیان کرنے کی طرف ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ روئے زمین کو کبھی ایسے شخص سے خالی نہیں فرماتے جو دوسروں پر حجت ہو علم وعمل کا جامع اللہ عزوجل کے حقوق کا عارف اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو اور ایسے

ہی کو قطب العالم کہا جاتا ہے اور جب یہ وفات پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرے کو پیدا فرما دیتے ہیں لیکن عادۃً ایسا ہوتا ہے کہ ایسے شخص کی اس وقت تک وفات نہیں ہوتی جب تک ہر معاملہ میں اس کی نیابت کرنے والے پیدا نہ ہو جائیں۔ لہٰذا ایسے شخص سے روئے زمین خالی نہیں ہونے پاتی اور یہی وجہ ہے جماعت میں خلل نہیں ہوتا ہے۔

اور جس کے اوصاف میں بیان کر رہا ہوں وہ اصول کو مضبوطی سے تھامے رہنے والا اور حدود کی پوری محافظت کرنے والا ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کا علم دوسرے علماء سے کم ہو یا اس کی ظاہری عبادات زیادہ نہ ہوں۔

رہے ایسے افراد جو تمام جہتوں میں کامل ہوں تو ان کا وجود نادر ہوتا ہے اور صدیوں میں کوئی ایک پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے سارے حضرات سلف پر نگاہ ڈالی اور یہ چاہا کہ ان میں ایسے حضرات کا انتخاب کروں جو علم کے اس درجہ جامع ہوں کہ مرتبہ اجتہاد پر ہوں اور عمل کے اس درجہ جامع ہوں کہ سارے عبادت گزاروں کے پیشوا سمجھے جاتے ہوں تو مجھے تین سے زیادہ نظر نہیں آئے۔ جن میں سب سے پہلا[1] مقام حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ دوسرا حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا اور تیسرا حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا۔ چنانچہ میں نے ان میں سے ہر ایک کی مستقل سوانح حیات لکھی ہے اور اگر کوئی چوتھے مرتبہ پر حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کو کہہ دے تو میں انکار نہ کروں گا۔

اگرچہ حضرات سلف میں بھی بڑے بڑے ہیں لیکن اکثر پر کسی ایک جہت کا زیادہ غلبہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ دوسری جہت کا جامع نہیں ہو پاتے۔

چنانچہ بعض پر علم کا غلبہ ہے اور بعض پر عمل کا لیکن ان سبھی حضرات کو علم کا وافر حصہ اور عبادت و معرفت کا بیشتر حصہ حاصل ہوتا ہے۔

اور ایسے لوگوں کے وجود سے نا امید نہ ہونا چاہیے جو بعینہٖ ان کے نقش قدم پر چل سکیں۔ اگرچہ سبقت کی وجہ سے فضیلت انہی حضرات کو حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے

---

[1] اگر حضرت امام ابو حنیفہؒ کے زہد و عبادت اور تقویٰ کے حالات پر نگاہ ڈالی جائے اور اجتہاد میں آپ کی افضلیت مسلّمہ ہی ہے تو آپ کا مقام اس فہرست میں سرفہرست ہونا چاہیے تھا۔ مترجم

خضر علیہ السلام نے ان حقیقتوں کی اطلاع فرمادی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر مخفی تھیں کیونکہ اللہ کے خزانے بھرے ہوئے ہیں اور اس کی عطا کسی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

مجھے ابن عقیل کی یہ حکایت پہنچی کہ وہ اپنے متعلق (فخریہ) فرماتے تھے کہ "میں نے ایک کشتی پر توجہ ڈالی تو وہ ٹوٹ گئی۔" حالانکہ ان کا یہ قول غلط تھا کیونکہ انہیں اس (کشتی کو توڑنے) کا حق کہاں تھا؟

پھر کتنے لوگ اپنے اوپر خوش ہونے والے ہیں کہ بعد کے لوگوں نے ان میں ایسی غلطیاں پکڑیں جن سے ان کی تحقیر ہوتی ہے اور کتنے ہی ایسے ہیں جو ان پر سبقت لے گئے۔ شاعر کہتا ہے:

إِنَّ اللَّيَالِيَ وَالْأَيَّامَ حَامِلَةٌ وَلَيْسَ يَعْلَمُ غَيْرُ اللَّهِ مَا تَلِدُ.

"بے شک زمانہ حاملہ ہے اور اللہ کے سوا کسی کو کیا خبر؟ کہ اس سے کیا پیدا ہوگا۔"

نفس کو ایک نصیحت

مجلس.... میں نے نفس کا خواہشات کی طرف اس وجہ سے میلان دیکھا کہ اس کے ساتھ دل، ہوا، طبع، عقل سب اپنی خواہشات کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور آدمی کسی نصیحت کا اثر قبول کرنے کے لائق نہیں رہ جاتا۔ تو ایک دن جبکہ میرا نفس ایک خواہش کی طرف بالکل جھک چکا تھا میں نے اسے ڈانٹا اور کہا تیرا برا ہو۔ تھوڑی دیر صبر کر، میں تجھ سے کچھ باتیں کہنا چاہتا ہوں پھر جیسا تجھ میں آوے ویسا کر۔ اس نے کہا فرمائیے میں سن رہا ہوں! میں نے کہا یہ تو تجھے تسلیم ہے کہ مباح خواہشات کی طرف تیرا میلان کم ہوتا ہے اور حرام چیزوں کی طرف زیادہ۔ میں دونوں کی حقیقت تیرے سامنے بیان کر دیتا ہوں ممکن ہے شیریں نظر آنے والی خواہشات تجھے تلخ نظر آنے لگیں۔

مباح خواہشات کی تجھے عادت ہے لیکن ان کے حصول کا طریق دشوار ہے اس لیے کہ اتنا مال کہاں ہو پاتا کہ بڑی بڑی خواہشات پوری کی جائیں اور کسب سے بھی ان کو حاصل کرنا دشوار ہے کیونکہ اس میں بہت سا قیمتی وقت برباد ہو جائے گا اور بالفرض اتنا مال میسر ہو بھی جائے تو بھی ان خواہشات کو حاصل کرنے اور ان کو برتنے کے وقت دین کے ختم ہو جانے

کا اندیشہ لگا رہے گا۔ پھر ان سے پیدا ہونے والے نقصانات بھی جو کسی سمجھدار پر مخفی نہیں
ہیں۔ ان خواہشات کو مزید بے مزہ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اگر وہ کھانے کی قبیل سے ہو تو آسودگی
سے زیادہ کھانا بہت سے امراض پیدا کرتا ہے اور اگر افراد کی قبیل سے ہو تو آہٹ یا فراق کا
تصور یا بد اخلاقی وغیرہ اور نکاح جو سب سے زیادہ لذت بخش ہے وہ سب سے زیادہ جسم کو
کمزور کرنے والی چیز ہے اور دوسرے بہت سے مباحات جن کا ذکر طول کا سبب ہوگا۔

رہیں حرام خواہشات تو ان میں وہ دشواریاں بھی ہیں جن کو ابھی مباحات کے ضمن
میں بیان کیا ہے اور مزید ذلت کا اندیشہ دنیوی سزا اور رسوائی کا خوف اور آخرت کی وعیدیں
بھی ہیں۔ اور اگر کسی نے توبہ بھی کر لی تو جب ان کی یاد آئے گی تب گھبراہٹ اور فکر ہوگی
(کہ آیا توبہ قبول بھی ہوئی یا نہیں؟)

جبکہ خواہش نفس کو دبا لینے کی قوت کے اندر ایسی لذت ہے جو ہر لذت سے بڑھ کر ہے۔

کیا تم نے خواہشات سے مغلوب ہو جانے والوں کو نہیں دیکھا کہ کس طرح ذلیل
ہوتے ہیں؟ اور یہ صرف اس لیے کہ نفس سے مغلوب ہو گئے بخلاف خواہشات پر قابو رکھنے
والوں کے وہ دل کے مضبوط اور غالب ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے نفس کو دبا لیا ہے۔

پس خبردار! خواہشات کی طرف اس چوہے کی طرح پسندیدگی کی نگاہ سے کبھی مت دیکھنا جو محفوظ
مقام سے دانہ کے نکال لینے کی لذت کو تو دیکھتا ہے لیکن ہاتھ کے کٹ جانے کا دھیان نہیں کرتا۔

اپنی نگاہ بصیرت کو مکمل رکھنی چاہیے تاکہ ہر خواہش کے انجام کو اور ہر لذت کے تلخی سے
بدل جانے کو اور اس کے لذت نہ رہنے کو۔ حرام لذت اور کسی پسندیدہ شے کے نہ ملنے کی
وجہ سے دیکھنے کے لیے کیونکہ یہی معصیت کی مثال اس لقمہ کی ہوتی ہے جسے بھوکا کھاتا ہے پھر
بھوک کا تقاضا ختم نہیں ہوتا بلکہ اس کی خواہش طعام اور بڑھ جاتی ہے اور انسان کو خواہشات
کے دبانے کی لذت سے صبر کے فوائد کے ساتھ ساتھ یاد رکھنا چاہیے جسے نگاہ بصیرت
کے ساتھ اس کی توفیق ملی گی۔ سعادت اس کے بہت قریب ہے۔

اصلاح نفس کی رکاوٹیں

مجلس:۔ جس وقت میری مجلس بڑی محدود رہی تھی یعنی لوگوں کے دل حاضر تھے

آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں، سر جھکے ہوئے تھے لوگ اپنے گناہوں پر نادم ہو رہے تھے اور اللہ سے اپنی
اصلاح کے لیے ملتجی ہو رہے تھے اور ان کی ندامت اندر ہی اندر بے احتیاطیوں اور بد پرہیزیوں پر
دراز ہو رہی تھی۔ اس وقت میرے دل میں ایک خیال آیا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ یہ حالت ہمیشہ نہیں
رہتی؟ کیونکہ ابھی میں نفس کو اور غفلت سے بیداری کو ایک ساتھ ایک دوسرے کے قریب دیکھتا
ہوں اور ابھی جب ہم سب مجلس سے اٹھیں گے غفلت والی حالت پیدا ہو جائے گی۔

اس پر میں نے غور کیا تو سمجھ میں آیا کہ نفس تو ہمیشہ بیدار اور دل ہمیشہ معرفت سے
سرشار رہتا لیکن ان کو مشغول کر لینے والے بہت سے موانع ہیں اور وہ فکر جس کا استعمال اللہ
تعالیٰ کی معرفت ہی میں ہونا چاہیے تھا دنیوی ضرورتوں اور لوگوں کی حاجت کے پورا کرنے
میں لگ کر تھک جاتی ہے اور دل انہی میں ڈوبا رہتا ہے اور جسم تو فکر و قلب کا خادم ہے۔
چنانچہ ابھی دیکھو کہ فکر کھانے پینے اور پہننے کے سامان مہیا کرنے کی فکر میں تھی اور اس کی
رکاوٹوں اور کلفتوں پر سوچ رہی بلکہ پورے سال کا ذخیرہ جمع کرنے کے متعلق غور کر رہی تھی کہ
اچانک اسے اپنی ضرورت کے نکاح کی فکر لاحق ہوئی جس کا رد کرنا متعذر ہے (دوران
میں سے کچھ ہی ہے) لہذا اسے نکاح کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ پھر معلوم ہوا کہ نکاح
بغیر کسب مال کے مناسب نہیں ہے تو اب کسب مال کی فکر شروع کی اور اس کے مقتضی پر عمل
کرنے لگی۔ پھر اولاد ہونے لگی تو ان کے لیے اہتمام شروع ہو گیا۔

گویا فکر پوری طرح دنیا کے اصول و فروع میں لگی رہتی ہے اور جس وقت انسان مجلس میں
آتا ہے تو اس وقت نہ بھوک میں مبتلا ہوتا ہے نہ پیشاب پاخانہ کے روکنے کی تکلیف میں بلکہ
ساری فکر جمع کر کے اور دنیا کی یاد بھلا کر حاضر ہوتا ہے۔ لہذا نصیحت کو صاف قلب اور دل سنتا ہے تو وہ
اسے وہ چیز یاد دلا رہی ہے جس سے وہ غافل ہے (یعنی بیداری) اور اس کی طرف کھینچ لے رہی ہے
جس کی بنا سے معرفت حاصل ہے۔ چنانچہ دل معرفت میں ڈوب جاتے ہیں، لوگ اپنے گناہوں پر
محاسبہ شروع کر دیتے ہیں اور گزشتہ غلطیوں پر اپنے نفس سے مواخذہ کرنے لگتے ہیں پھر ندامت
کی نگاہوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں اور ملاقات کے ارادے پختہ ہونے لگتے ہیں۔

اگر یہ نفس ان مشاغل سے جن کا میں نے ذکر کیا ہے خالی ہوتا تو ضرور اپنے پالنہار کی

طاعت و بندگی ہی میں لگا رہتا اور اگر اسے کچھ محبت نصیب ہو جاتی تو اس کے قرب کے حصول کے لیے ساری دنیا سے وحشت کرنے لگتا اس لیے زاہدوں نے خلوت اختیار کی اور موانع کو ختم کرنا چاہا اور ایسا کر کے اپنے مجاہدے کے بقدر اپنا مقصود پایا بھی جیسا کہ کہا جاتا ہے "جتنا بوؤ گے اتنا کاٹو گے"

ہاں میں نے اس حالت میں ایک باریک دھوکہ محسوس کیا ہے وہ یہ کہ بعضوں کا نفس اگر ہر وقت بیداری کی حالت میں رہے تو وہ پہلے سے زیادہ بدتر حالت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یعنی اپنی حالت پر عجب اور دوسروں کی تحقیر کرنے لگتا ہے اور کبھی اپنی علمی و عرفانی قوت کے چدار میں دعویٰ بھی کرنے لگتا ہے کہ مجھ کو ایسا ایسا مقام حاصل ہے اور میرے پاس ایسے ایسے کمالات ہیں اور میں فلاں فلاں امور کا مستحق ہوں۔ سو ایسے شخص کو اس کے گناہوں کی سوچ میں چھوڑ دیا جاتا ہے جس میں وہ بھٹکتا رہتا ہے۔ پھر اگر کبھی کنارہ پر آ لگا اور بندگی کا حق پہچانے لگا تو اس کے لیے یہی حالت بہتر ہے۔

توکل سے متعلق ایک تنبیہ

مجلس۔ ایک مرتبہ غور کیا تو سمجھ میں آیا کہ کچھ مال محفوظ رکھنا نہایت ضروری ہے اور جسے جاہل صوفیا توکل سے تعبیر کرتے ہیں یعنی سارے مال سے علیحدہ ہو جانا یہ شروع نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا:

اَمْسِکْ عَلَیْکَ بَعْضَ مَالِکَ اَوْ کَمَا قَالَ لَهٗ

"کچھ مال روکے رکھو (سب راہ خدا میں نہ دے ڈالو کہ پھر مانگنا پڑے)"

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا:

لَاَنْ تَتْرُکَ وَرَثَتَکَ اَغْنِیَاءَ خَیْرٌ مِّنْ اَنْ تَتْرُکَهُمْ عَالَةً یَّتَکَفَّفُوْنَ النَّاسَ

"تم اپنے ورثہ کو غنی چھوڑ جاؤ یہ بہتر ہے اس سے کہ انہیں محتاج چھوڑ دو پھر وہ لوگوں سے مانگتے پھریں۔"

اس پر اگر کوئی بیوقوف اعتراض کرے اور کہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے تو (جنگ تبوک کے موقع پر) سارا مال دے دیا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حوصلہ مند بھی تھے اور تاجر بھی تھے۔ لہٰذا اگر آپ نے سب خرچ کر دیا تو اس پر قادر بھی تھے کہ قرض لے کر روزی حاصل کر لیتے (پھر قرض چکا دیتے) اور جو شخص ایسا ہو وہ اگر سارا مال خرچ کر دے تو میں اس کی مذمت نہیں کرتا۔ میں مذمت ان کی کر رہا ہوں جنہوں نے سارا مال خرچ کرنے کا راستہ تو اختیار کیا لیکن وہ کما نہیں سکتے یا کمانے کی سکت تو رکھتے ہیں مگر اس سے علیحدہ ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسروں پر بوجھ بنے رہتے ہیں اور دوسروں سے عطاء کے طالب ہوتے ہیں اور گمان یہ کرتے ہیں کہ ان کی تو حاجات پوری ہیں۔ درانحالیکہ ان کے دل مخلوق سے متعلق ہیں اور ان کی حرص لوگوں سے بندھی ہوئی ہے جب ان کے دروازے کی زنجیر ہلتی ہے تو ان کا دل اچھل جاتا ہے کہ روزی آ گئی۔

اور یہ معاملہ ان لوگوں کے حق میں قبیح ہے جو معاش کی تحصیل پر قادر ہیں اور اگر قادر نہ ہو تو پھر سارے مال کا خرچ کر دینا قبیح تر ہے اس لیے کہ پھر ان کے دل لوگوں کی جیب سے متعلق رہیں گے۔ ایسے لوگوں کو کسی کے سامنے جھکنا پڑتا ہے اور کسی کے سامنے اپنا بار چکانا پڑتا ہے اور کم از کم یہ لوگ فقراء و مساکین اور اپاہجوں کا حصہ تو ہتھیا ہی لیتے ہیں۔[1]

لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا اتباع کرو اور دیکھو کیا ان میں بھی کوئی ایسا کرنے والا موجود ہے۔ جیسا یہ جاہل صوفیاء کرتے ہیں اور میں کتاب کے شروع میں بیان کر چکا ہوں کہ ان حضرات نے کمایا بھی اور بہت سا مال بھی چھوڑا۔ بس تم انہی حضرات کی راہ اختیار کرو کہ یہ راستہ نہایت صاف ستھرا ہے اور ان تمام راستوں سے بچ کر چلو جن کو جاہل صوفیاء نے اپنی رائے سے گھڑ لیا اور جو شریعت سے خارج ہیں کیونکہ ان راستوں کے اختیار کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ شریعت ناقص تھی اور ابھی اس کی تکمیل کی ضرورت ہے۔

اور یہ سمجھ لو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی توفیق عطا فرمائیں کہ بدن ایک سواری ہے اور سواری کے لیے چارہ کی اور دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر تم نے اپنی سواری یوں ہی چھوڑے رکھی تو اس سے تمہاری رفتار متاثر ہوگی۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ

---

[1] یہ مذمت ان لوگوں کی ہے جو تصوف کو حصول مال کا جال بنائے ہوئے ہیں اور جو مخلص دین کی خدمت کے لیے کسب دنیا سے اس طرح علیحدہ ہو جائیں کہ مخلوق سے متعلق نہ ہوں تو یہ تمام انبیاء و مصلحین کا شعار رہا ہے ۱۲ مترجم

تعالیٰ عنہ کو دیکھا گیا کہ کندھے پر غلہ اٹھا کر لیے جا رہے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ایسا کرتے ہیں جبکہ صحابیٔ رسول ہیں؟ فرمایا:

إِنَّ النَّفْسَ إِذَا أَحْرَزَتْ قُوْتَهَا اطْمَأَنَّتْ.

"نفس جب اپنی روزی جمع کر لیتا ہے تو اطمینان سے کام کرتا ہے۔"

اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

إِذَا حَصَّلْتَ قُوْتَ شَهْرٍ فَتَعَبَّدْ.

"جب تم (کم از کم) ایک مہینے کی روزی حاصل کر لو تب عبادت میں لگو۔"

پھر کچھ ایسے لوگ پیدا ہوئے جن کے پاس دعویٰ کے سوا کچھ نہیں۔ انہوں نے اس طرح کی باتیں سن کر کہا "یہ تو رزاقیت میں شک کرنا ہے حالانکہ اس پر اعتماد ہونا چاہیے تھا۔" پس ایسے لوگوں سے بہت دور رہو۔

اور اگر اس طرح کا کوئی واقعہ حضرات سلف کے بڑے بڑے زاہدوں سے منقول ہو تو اس کو عادت نہ بناؤ اور ان کی مخالفت سے مت گھبراؤ کیونکہ ابوبکر مروزی نے بیان کیا کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو نکاح کی ترغیب دیتے ہوئے سن کر عرض کرنا چاہا کہ ابن ادہم تو یوں کہتے ہیں۔ ابھی میں صرف ابن ادہم ہی کہہ سکا تھا کہ مجھ پر زور سے گرجے اور فرمایا:

أَنَا أَذْكُرُ لَكَ حَالَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ وَتَجِيْئُنِيْ بِبُنَيَّاتِ الطَّرِيْقِ؟

خوب سمجھ لو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ کہ اگر کوئی مدعی زہد اسباب کو ترک کر دے اور کہے کہ میں نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا نہ دھوپ سے اٹھ کر سایہ میں بیٹھوں گا اور ٹھنڈک سے بچنے کا اہتمام کروں گا تو ایسا شخص بالاجماع گناہ گار ہوگا۔ اسی طرح اگر اس کے اہل و عیال موجود ہیں اور وہ کہے کہ میں ان کے لیے کماؤں گا نہیں ان کا رزق تو اللہ کے ذمے ہے پھر انہیں کوئی تکلیف پہنچی تو گناہ گار ہوگا۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَفٰى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوْتُ.

"انسان کے گنہگار ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ اپنے اہل و عیال کو ضائع کر دے۔"

اور یہ بھی سمجھ لو کہ کسب مال سے فکر مجتمع ہو جاتی ہے قلب فارغ ہو جاتا ہے اور مخلوق سے طمع ختم ہو جاتی ہے کیونکہ طبیعت کے کچھ حقوق ہیں جن کا وہ تقاضا کرتی ہے اور شریعت نے اس کو بیان بھی کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

إنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا.

"تمہارے نفس کا تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے"

مرید سالک کے ساتھ طبیعت کی مثال اس کتے کی طرح ہوتی ہے جو باغات میں آنے والوں کو بھونکتا نہیں ہے بالخصوص جسے بھی آتا ہوا دیکھتا ہے بھونکنے لگتا ہے اور اگر اس کے سامنے روٹی کا ٹکڑا ڈال دیا جائے تو فوراً چپ ہو جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ ساری بحث سے مقصود صرف دل کی جمعیت و سکون کا اہتمام ہے۔ لہٰذا ان بنیادی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کرو کیونکہ ان کا سمجھ لینا نہایت اہم ہے۔

مباح خواہشات میں بھی اعتدال چاہیے

مجلس... میں نے بنیادی خواہشات میں غور کیا تو ان کو ہلاکت کا جال اور بربادی کا ذریعہ پایا۔ لہٰذا جس کی عقل طبیعت پر غالب اور حاکم رہتی ہے وہ تو محفوظ رہتا ہے اور جس کی طبیعت غالب رہتی ہے وہ بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے۔

خود میں نے بہت سے علماء زمانہ کو دیکھا کہ انہیں جماع کا بہت شوق تھا جس پر صرف یہ کہ وہ ایسی گرم دوائیں استعمال کر لیتے ہیں جو قوت باہ کو بڑھانے والی اور شہوت میں ہیجان پیدا کرنے والی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے تھوڑے ہی دنوں میں ان کی حرارت غریزیہ تحلیل ہو جاتی ہے اور برباد ہو جاتے ہیں۔

اور خواہشات نفس میں نکاح سے زیادہ جلدی ہلاک کرنے والی کوئی خواہش میں نے نہیں دیکھی کیونکہ جب بھی انسان کسی خوبصورت عورت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس سے قوت باہ میں عادت سے زیادہ تحریک پیدا ہوتی ہے پھر جب اس سے زیادہ خوبصورت عورت کی طرف میلان ہوتا ہے تو تحریک اور بڑھ جاتی ہے اور منی پہلے کے مقابلے میں زائد خارج ہوتی ہے اور جو حرارت زیادہ فنا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس اگر عورت بدصورت ہو تو اس سے ملاپ زندگی کو بھی طرح خارج نہیں کرتا۔ لہٰذا اس کے نزدیک رہنے

اور خواہش کے قوی ہونے کی وجہ سے ایذاء ہوتی ہے۔

اور کھانے میں افراط کرنے والا بھی اپنے اوپر بہت سی بیماریاں مسلط کر لیتا ہے اور زیادہ کمی کرنے والے کا بھی یہی حال ہے۔ ان سب سے مجھے یقین ہو گیا کہ "اَفْضَلُ الْاُمُوْرِ اَوْسَاطُهَا" (ہر کام میں اعتدال ہی بہتر ہے)

اور دنیا تو ایک جنگل ہے جس میں بہتر یہی ہے کہ عقل رہنما رہے۔ پس جس نے اپنی سواری کی لگام طبیعت اور خواہش نفس کے سپرد کر دی وہ بہت جلد ہلاک ہو جائے گا۔

یہ گفتگو بدن اور امور دنیا سے متعلق تھی اسی پر آخرت کے اعمال کو قیاس کر لو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔

خلاف سنت اور خلاف مصلحت زہد

مجلس..... مجھے اپنے زمانے کے ایک زاہد کے متعلق یہ اطلاع ملی کہ ان کے سامنے کھانا لایا گیا تو کہا میں نہیں کھاؤں گا۔ پوچھا گیا کیوں؟ کہنے لگے اس لیے کہ مجھے اس کی خواہش ہوئی ہے اور کئی سال سے میں نے اپنے نفس کو اس کی خواہش کی چیز نہیں دی ہے۔

یہ سن کر میں نے سوچا کہ اس شخص پر راہ صواب دو طرح سے مخفی رہی اور اس تقاضہ کا سبب بے علمی ہے۔ ایک یہ کہ یہ طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرغے کا گوشت تناول فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شیرینی اور شہد پسند تھا۔

ایک مرتبہ فرقد سنجی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسنؒ کے پاس آئے تو دیکھا کہ فالودہ کھا رہے ہیں۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا فرقد! اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ فرقد نے کہا نہ میں اسے کھاتا ہوں اور نہ اس کے کھانے والے کو پسند کرتا ہوں۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا شہد گیہوں اور گھی کو ملا کر کھا لیا جائے تو اسے کون مسلمان برا کہہ سکتا ہے۔

اور ایک آدمی حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور عرض کیا میرا ایک پڑوسی فالودہ نہیں کھاتا۔ دریافت فرمایا "مگر کیوں؟" اس نے کہا وہ کہتا ہے کہ میں اس کا شکر نہیں ادا کر پاتا تو فرمایا تمہارا پڑوسی جاہل ہے۔ بھلا کیا ٹھنڈے پانی کا شکر ادا کر پاتا ہے؟

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھ سفر میں فالودہ اور بھنا ہوا گوشت لے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ سواری (بدن) کے ساتھ جب اچھا برتاؤ کیا جاتا ہے تو کام قاعدے سے کرتی ہے۔

اور اس فن (علم تصوف) کی جو چیزیں بزرگوں میں بعد میں پیدا ہو گئی ہیں[1]، وہ زیادہ تر رہبانیت سے ماخوذ ہیں اور مجھے تو ان پر قرآن کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے خوف معلوم ہوتا ہے "لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا" یہی وجہ ہے کہ حضرات سلف یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس طرح کی کوئی چیز نہیں تھی اور اگر کچھ نظر آوے تو وہ کسی عارض کے سبب ہے۔ چنانچہ اس روایت کا جو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ کو کسی چیز کی خواہش ہوئی تو آپ نے وہ فقیر کو دے دی اور اپنی باندی رمیثہ کو یہ کہہ کر آزاد فرما دیا کہ مجھے یہ سب سے زیادہ محبوب تھی تو یہ اور اس طرح کے دوسرے واقعات ان میں کوئی عیب نہیں ہے بلکہ خوبی ہے کیونکہ اس میں اس چیز کا ایثار کر دینا ہے جو اپنے نفس کو زیادہ پسند ہے یا جس سے زیادہ محبت ہے اور جب کبھی ایسا کیا جاتا رہے گا تو اس سے خواہش نفس کی تیزی مغلوب ہو جاتی ہے پھر نفس ہر خواہش کے پورا کرنے کے لیے سرکشی نہیں کرتا۔

لیکن جو لوگ ہمیشہ علی الاطلاق اس کی مخالفت ہی کرتے ہیں تو وہ اپنی بصیرت کو فنا اور قوتوں کو خراب کر لیتے ہیں اور اپنے عزائم کو منتشر کر لیتے ہیں۔ تب جتنا نفع نہیں ہوتا اس سے زیادہ نقصان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ "جب دل پر جبر کیا جاتا رہے گا تو اس کی بصیرت ختم ہو جائے گی۔" آپ کے اس مقولہ کا راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کی طبیعت عجیب طرز کی بنائی ہے وہ یہ کہ وہ ایسی ہی خواہشات پر عمل کا تقاضا کرتی ہے جو اس کے لیے مناسب ہوں۔ لہٰذا طبیعت اگر کسی چیز کو قبول کر رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز اس کے لیے مناسب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکماء طب نے فرمایا ہے کہ "طبیعت اگر کھانے کی کسی چیز کو چاہے تو تنگی نہیں کرنی چاہیے اگرچہ اس میں کچھ ضرر ہی

[1] اس سے مراد نفس کی علی الاطلاق اس کے حقوق سے محروم کر دینا، مخالفت کر کے طبیعت اعمالی اعتدال کا اعتبار نہ کرنا وغیرہ ہے ... [illegible] ... اشتغال سے کم ہو ... اصلاح اخلاق ... تفصیل فضائل میں امام ... شریعت پر عمل کا ... [illegible]

سمجھ میں آوے" کیونکہ طبیعت اسی چیز کا تقاضا کرتی ہے جو اس کے لیے مناسب ہو۔ لہٰذا جب اس زاہد نے ایسی چیزوں میں نفس کو دبا دیا تو اس کے بدن کو ضرور ضرر لاحق ہوگا۔

اور اگر طبیعت میں خواہشات نہ ہوتیں تو بدن باقی نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ خواہش ہی کھانے پر ابھارتی ہے اور جب کھانے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی ہے تو خواہش اس کی طرف سے کفایت کرتی ہے۔ پس خواہش سرکش بھی ہوتی ہے اور کام کی بھی کیونکہ وہی بدن کی مصلحت کی رعایتوں پر ابھارتی ہے اور جب اس میں افراط سے کام لیا جائے تو مضر ہوتی ہے۔

حاصل یہ کہ جب اسے اس کی پسندیدہ چیزوں سے علی الاطلاق محروم کر دیا جاتا ہے جب کہ آئندہ کسی ضرر کا اندیشہ بھی نہ ہو تو پھر یہ نفس کے احوال میں خرابی' جسم میں کمزوری اور مختلف قسم کے امراض پیدا کرتی ہے۔ مثلاً سخت پیاس کے وقت پانی نہ پینا' بھوک کے وقت کھانا نہ کھانا' شہوت کے وقت جماع نہ کرنا اور نیند کے غلبہ کے وقت نہ سونا وغیرہ۔ بلکہ اگر غمگین شخص شکایت اور اظہار غم کر کے راحت حاصل نہ کرے تو گھٹن سے مر جائے گا۔

ان باتوں کو اگر وہ زاہد سمجھ لیتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف طرز اختیار کیا اور طبی اصول کے بھی خلاف کیا۔

اس پر وہ زاہد یہ نہیں کہہ سکتا کہ پھر حلال خالص غذا کہاں سے حاصل کروں؟ کیونکہ اگر اسے حلال خالص نہیں ملتا ہے تو اس کا ترک ہی پرہیزگاری ہے لیکن ہماری گفتگو اس غذا سے متعلق ہے جس میں ایسی کوئی رکاوٹ نہ ہو جو پرہیزگاری میں مؤثر ہو۔

میرا اب تک کا کلام زاہد کے اس جملہ کے متعلق تھا کہ "میں اپنے نفس کو اس کی خواہش کی کوئی چیز کبھی نہیں دیتا۔" دوسری بات یہ ہے کہ مجھے اس زاہد پر یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں اس کی خواہش اُلٹ نہ جائے یعنی سب کچھ ترک کر دینا ہی اس کی خواہش بن جائے اور وہ یہی خواہش کرنے لگے کہ پسندیدہ چیزیں نہ کھائے کیونکہ اس میں نفس کا کید اور ریائے خفی ہے اور بالفرض اگر وہ مخلوق کے دکھاوے سے محفوظ بھی رہے تو نفس کا ایسی خواہش سے متعلق رہنا بھی برا ہے کیونکہ اس سے اندر اندر ناز پیدا ہو جاتا ہے۔ پس یہ خطرہ کا مقام ہے اور بڑی غلطی ہے۔

ممکن ہے کوئی بیوقوف کہے کہ یہ تو بھلائی اور زہد سے روکنا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے

کیونکہ صحیح حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کُلُّ عَمَلٍ لَیْسَ عَلَیْہِ اَمْرُنَا فَھُوَ رَدٌّ" (ہر وہ بات جو ہمارے اصول کے خلاف ہو مردود ہے)

تم آج کی عبادت اور زہادِ عصر کے تقویٰ سے دھوکہ میں نہ پڑو کیونکہ اب زاہدوں نے ایسے ایسے طریقے اختیار کر لیے ہیں جن پر نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب یعنی حد سے زائد اظہار خشوع، لذات وغیرہ کے ترک میں مبالغہ اور بہت سے ایسے اعمال جن کی عوام تحسین کرتے ہیں بلکہ یہ امور کچھ لوگوں کے لیے ایک ذریعہ معاش کی طرح ہو گئے ہیں جن کا نتیجہ ہاتھ کا چومنا، تعظیم میں زیادتی اور اپنی ناموس کی حفاظت وغیرہ کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔[1]

اور اکثر تو اپنی خلوتوں میں اس حالت پر نہیں رہتے جو جلوت میں تھی۔ چنانچہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کے درمیان ہنستے تھے اور قہقہہ لگاتے تھے اور رات میں خلوت میں اس طرح روتے گویا آپ پوری آبادی کے قاتل ہوں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے علم نافع کا سوال کرتے ہیں کہ وہی اصل ہے اور جب حاصل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی معرفت پیدا کرتا ہے اور سنت کے مطابق عبادت کی تحریک پیدا کرتا ہے اور اعمال اس کے راستے پر چلاتا ہے۔ اصل الاصول علم ہے اور انفع العلوم (نافع ترعلم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت کا مطالعہ کرنا ہے۔

اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ۔ (قرآن)

نفس کیساتھ دو مجاہدے

مجلس... میں نے نفس کے ساتھ مجاہدہ پر غور کیا تو اس کو سب سے بڑا جہاد پایا لیکن علماء و زاہدین کی ایک بڑی جماعت نفس کے ساتھ مجاہدے کی حقیقت سے بے خبر ہے کیونکہ ان میں بعض ایسے ہیں جو نفس کو علی الاطلاق اس کی لذات سے محروم کرتے ہیں حالانکہ یہ دو وجہ سے غلط ہے۔

---

[1] [illegible]

ایک تو یہ کہ کتنے لوگ اپنے نفس کو ایک خواہش سے روک کر اس کی اس سے بڑی خواہش پوری کرنے کا سبب ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اس کو کسی مباح سے پرہیز کرایا جس سے شہرت ہوگئی تو اب نفس کو اس پر خوشی حاصل ہوتی ہے کیونکہ اسے عوض میں عوام کی مدح ملی اور اس سے مخفی یہ ہے کہ نفس کو مباح خواہشات سے روکنے والے کو یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ وہ ان دوسروں سے افضل ہے جو ایسے مباحات کو برتتے ہیں لیکن اس طرح کے دقیق کیدوں کو سمجھنے کے لیے فہم صحیح کی ضرورت ہے جو ان سے چھٹکارا دلادے[1]۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم کو اپنی جان کی حفاظت کا مکلف بنایا گیا ہے اور نفس کا ان چیزوں کی طرف میلان جو اس کو درست رکھیں جان کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا اس کو وہ چیزیں دینا نہایت ضروری ہے بلکہ کچھ زیادہ ہی دینا چاہیے اور اس کی مباح خواہشات پوری کرنی چاہیے کیونکہ ہم لوگ اس کی حفاظت کے وکیل ہیں اور یہ جان ہماری مملوک نہیں ہے بلکہ ہمارے پاس امانت ہے۔ لہٰذا جس نے اس کو علی الاطلاق اس کے حقوق سے محروم کر دیا وہ خطرہ میں ہے۔ (البتہ حظوظ میں تقلیل تو اصلاح نفس کے لیے مناسب ہے جیسا کہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی بعض فصلوں سے ظاہر ہے۔ ۱۲ حمزہ)

جبکہ بہت سی سختیاں (جو حدود سے متجاوز ہوں) نرمی کا سبب بن جاتی ہیں اور بہت سے اپنے اوپر تنگی کرنے والے ایسے ہیں کہ ان کے نفس نے فرار اختیار کر لیا تو اس کی تلافی دشوار ہوگئی۔

نفس کے ساتھ ویسا ہی مجاہدہ کرنا ہوتا ہے جیسا سمجھدار مریض اپنے نفس کے ساتھ کرتا ہے کہ جن دواؤں سے اس کی شفاء کی توقع ہوتی ہے۔ اگرچہ اسے ناپسند ہوں۔ پلاتا ہے اور اگر کڑوی ہوں تو تھوڑی شیرینی ملا دیتا ہے اور اسے اس مقدار میں غذائیں دیتا ہے جو طبیب تجویز کرے بلکہ اس کا نفس خود ہی ایسے کھانے نہیں کھانا چاہتا جو بسا اوقات بھوکے رہنے کا سبب ہو جاتے ہیں اور ایسے لقمے جو بہت سے لقموں سے محرومی کا ذریعہ ہو جاتے ہیں پس اسی طرح سمجھدار مؤمن کا بھی حال ہے کہ نفس کی لگام چھوڑتا بھی نہیں اور اس کی رسی ہاتھ سے جانے بھی نہیں دیتا بلکہ کسی کسی وقت ڈھیلی کر دیتا ہے اور اس کا سرا اپنے ہاتھ میں رکھتا

---

[1] اور اگر خود فہم صحیح سے محروم ہو تو کسی محقق شیخ سے رجوع کرے اور کون ہے جو فہم صحیح کا مدعی ہو؟ "الا نادراً وَمَن ادَّعٰی فَهُوَ لَيْسَ بِفَهِيْمٍ" ۱۲ اور شیخ محقق کا مطلب یہ ہے کہ وہ مکائد نفس سے خوب واقف ہو۔ "صرح به التهانوی"

ہے۔ پھر جب تک وہ سیدھے راستے پر رہتا ہے زیادہ سختی نہیں کرتا اور جب کسی طرف مائل ہوتا دیکھتا ہے تو نرمی سے واپس لانے کی کوشش کرتا ہے پھر اگر مان گیا تو ٹھیک ہے ورنہ سختی کرتا ہے۔ گویا وہ اپنے نفس کی خاطر داری اس بیوی کی طرح کرتا ہے جس کی عقل ناقص اور کمزور ہوتی ہے کیونکہ بیوی کی نافرمانی کے وقت پہلے اسے نصیحت کی جاتی ہے اگر ٹھیک ہو تو بستر علیحدہ کر دیا جاتا ہے اگر پھر بھی درست نہ ہو تو مارنے کی بھی اجازت ہے۔

اور نفس کی تادیب کے لیے عزم کے کوڑے سے بہتر کوئی تازیانہ نہیں ہے یہ تو عملی مجاہدے کا بیان ہوا۔

رہا وعظ و نصیحت اور ملامت کے ذریعے مجاہدہ! تو جو شخص اپنے نفس کی یہ حالت پاوے کہ وہ مخلوق کے سامنے جھکتا ہوا بداخلاقیوں میں مبتلا ہو وہ اس کو خالق کی تعظیم کی معرفت کرادے اور اس سے کہے "کیا تم وہی تو نہیں ہو جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "میں نے تجھے اپنے ہاتھ سے بنایا تیرے سامنے ملائکہ سے سجدہ کرایا اپنی زمین میں خلافت کے لیے تیرا انتخاب کیا پیغمبری کے شرف سے تجھے نوازا تجھ سے قرض مانگا اور تجھ سے (تیری جان و مال وغیرہ) خریدا؟"

اور اگر دیکھے کہ تکبر میں مبتلا ہے تو اس سے کہے کیا تیری حقیقت نطفہ ناپاک کے ایک قطرہ سے زیادہ ہے؟

کیا ایک ہلکا سا مچھر تیری جان نہیں لے لیتا؟ اور ایک حقیر سا مچھر تجھے ستاتا نہیں ہے؟

اگر کوتاہی کرتا ہو اور دیکھے تو اسے آقا کے ساتھ غلاموں کے حقوق بتلائے۔

اگر عمل میں سستی کرتا ہوا محسوس کرے تو بہترین بدلے کی خوشخبری سنا کر ابھارے اور اگر خواہشات کی طرف مائل ہو تو سخت سزاؤں کا خوف دلائے اور دنیا کی حسی سزاؤں سے ڈرائے جس کے لیے دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰہُ سَمْعَکُمْ وَاَبْصَارَکُمْ" اور معنوی سزاؤں سے بھی خوف دلائے جس کا اشارہ اس آیت میں ہے: "سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ" یہ قولی مجاہدہ ہے اور وہ عملی مجاہدہ تھا۔

قبولیت دعا میں تاخیر کے اسباب

مجلس.... میں نے ایک عجیب آزمائش دیکھی کہ مومن دعا کرتا رہتا ہے اور

قبولیت کے آثار نہیں دیکھتا پھر مزید الحاح کے ساتھ دعا کرتا ہے لیکن ایک مدت گزر جاتی ہے اور قبولیت کے آثار نظر نہیں آتے۔ ایسے وقت میں اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ اس کا اعتقاد رکھے کہ یہ ایک آزمائش ہے جس میں صبر کی ضرورت ہے اور قبولیت میں تاخیر کے وقت جو وسوسے پیدا ہوتے ہیں وہ ایک مرض ہے جس کے علاج کی ضرورت ہے۔

ایک مرتبہ مجھ کو بھی یہ حالت پیش آئی۔ یعنی مجھ پر بھی ایک مصیبت نازل ہوئی میں نے بہت دعائیں کیں لیکن قبولیت کا اثر نہ دیکھا تو شیطان نے اپنی چالوں کا جال بننا شروع کر دیا۔ چنانچہ کبھی کہتا کہ خدا کا کرم بڑا وسیع ہے اور اس سے بخل کا امکان نہیں ہے پھر قبولیت میں تاخیر کی کیا وجہ ہے؟ ایسے موقعہ پر میں نے شیطان سے تو یہ کہا کہ دور ہو ملعون! نہ مجھے تجھ سے فیصلہ کرانے کی ضرورت ہے اور نہ میں تجھ کو وکیل بنانا چاہتا ہوں اور اپنے نفس سے کہا کہ خبردار! شیطان کے وسوسوں کو جگہ مت دینا کیونکہ اگر قبولیت کی تاخیر میں اس کے سوا کوئی اور حکمت نہ ہو تجھ کو شیطان لعین کے مقابلہ میں آزمایا جائے تو بھی کافی ہے۔

نفس نے کہا: اچھا تو پھر مجھے اس معاملے میں جس میں مبتلا ہوں تاخیر کی حکمت بتلا کر تسلی دیجئے؟

میں نے کہا دلیل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہیں اور مالک کو دینے اور نہ دینے دونوں کا اختیار ہوتا ہے۔ لہٰذا اس پر اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کا حکیم ہونا مضبوط دلائل سے ثابت ہو چکا ہے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اپنی مصلحت سمجھو لیکن اس کی حکمت کا تقاضا اس کے خلاف ہو (اور اس کی حکمت تم پر ظاہر نہ ہو) چنانچہ طبیب جو تدبیریں مصلحتاً اختیار کرتا ہے بظاہر تکلیف دہ بھی ہوتی ہیں اور ان کی حکمت بھی مریض سے مخفی رہتی ہے۔ سو ممکن ہے یہ بھی ایسے ہی معاملات میں سے ہو۔

تیسری بات یہ کہ کبھی تاخیر ہی میں مصلحت ہوا کرتی ہے اور جلد بازی نقصان دہ۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَزَالُ الْعَبْدُ فِي خَيْرٍ مَا لَمْ يَسْتَعْجِلْ يَقُولُ دَعَوْتُ فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِي.

''انسان جب تک جلد بازی نہ شروع کر دے کہ کہنے لگے میں نے دعا کی لیکن قبول نہ ہوئی اس وقت تک خیر میں رہتا ہے۔''

چوتھی بات یہ ہے کہ کبھی عدم قبولیت خود تیرے اندر پائے جانے والے کسی سبب سے ہوتی ہے ممکن ہے تیری غذا مشتبہ ہو یا تیرا دل دعا کے وقت غافل رہتا ہو یا تیری ضرورت روک کر اس گناہ کی سزا میں اضافہ مقصود ہو جس سے تو نے سچی توبہ نہ کی ہو۔ چنانچہ تو ان میں سے ہر سبب کے متعلق تحقیق کرتا کہ تجھے میری بات کا یقین ہو جائے۔

حضرت ابو یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک بجو آپ کے گھر میں گھس آیا۔ جب آپ تشریف لانے لگے اور اسے دیکھا تو دروازے ہی پر رک گئے اور اپنے شاگردوں کو حکم دیا کہ جاؤ گھر میں جو ادرک کی مٹی کا آبخورہ رکھا ہے اسے لے آؤ۔ جب مٹی کا آبخورہ اٹھا لیا گیا تو بجو اٹھا اور باہر نکل گیا۔ جب ابو یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس مٹی کی صفت میں کچھ شبہ تھا جب مشتبہ چیز نکال دی گئی تو مشتبہ جنس بھی بھاگ گیا۔

اور حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ کسی منکر پر نکیر کرنے کے لیے نکلے تو آپ کا کتا آپ کو بھونکنے لگا اور آگے بڑھنے سے روکنے لگا۔ آپ واپس ہوئے اور مسجد میں تشریف لے جا کر نماز پڑھی پھر نکلے تو وہی کتا دم ہلانے لگا۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور نکیر فرمائی لہٰذا وہ منکر ختم ہو گیا۔ جب آپ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ "خود میرے اندر ایک منکر موجود تھا اس لیے کتے نے روکا" جب میں واپس گیا اور اس سے توبہ کی تو پھر وہ ہوا جس کا تم نے مشاہدہ کیا۔

پانچویں بات یہ کہ اپنے اس مطالبہ کے مقصود کی تحقیق کر لو۔ ممکن ہے اس کے حاصل ہونے کی تقدیر پر گناہ میں اضافہ ہو جائے یا وہ کسی مرتبہ خیر سے پیچھے رہ جانے کا ذریعہ بن جائے تو ایسی صورت میں دعا قبول نہ ہونے ہی میں مصلحت ہے۔ چنانچہ بعض سلف کے متعلق مروی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جہاد کی دعا کرتے تھے۔ ان کو ایک غیبی آواز نے پکارا کہ اگر تم جہاد کرو گے تو قید کر لیے جاؤ گے اور اگر قید ہو گئے تو نصرانی ہو جاؤ گے۔

چھٹی بات یہ کہ بسا اوقات محرومی ذریعہ بن جاتی ہے۔ بارگاہ خداوندی میں حاضری اور التجاء کا اور اس کا حصول سبب ہو جاتا ہے خدا سے غفلت اور لاپروائی کا۔ اس کی بیّن دلیل یہ ہے کہ اگر یہ مصیبت نہ آتی تو اس وقت ہم تمہیں التجا کرتا ہوا نہ دیکھتے۔

اللہ تعالیٰ کو مخلوق کا یہ حال معلوم تھا کہ وہ اس کی برا در احسان کے سبب اس سے بے رخی
کرنے لگے گی۔ اس نے تمام نعمتوں کے درمیان تکلیف دہ ایسے عارضی حادثات پیدا فرما دیئے
جو انہیں شمار تعالیٰ کے دروازے پر لے جائیں تاکہ وہ اس سے فریاد کریں اور یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا
انعام ہے جو بلاء کے پردہ میں ہے۔ جبکہ واقعی مصیبت تو وہ ہوگی جو تجھے خدا سے مشغول کرے
اور جو مصیبتیں تجھے اس کے دربار تک پہنچانے کا ذریعہ ہو جائیں ان میں تیرا ہی بھلا ہے۔

حضرت یحییٰ (جو بہت رونے والے تھے) کا واقعہ ہے کہ انہوں نے خواب میں اللہ تعالیٰ
کی زیارت کی تو عرض کیا یا الٰہا! "میں آپ سے دعائیں کرتا ہوں لیکن آپ قبولیت کا اظہار
نہیں فرماتے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے یحییٰ! مجھے تمہارے رونے کی آواز سننا بہت پسند ہے۔"

اب جبکہ تم نے ان باتوں میں غور کر لیا تو ایسے کام میں مشغول ہو جاؤ جو تمہارے لیے
فوت ہونے والے مقصود سے زیادہ نفع بخش ہو یعنی اپنی کمزوریوں کو دور کرو اور لغزشوں پر
معذرت کرو یا رب العالمین کی بارگاہ میں حاضری دے کر التجائیں کرو۔

مصیبت کا علاج

مجلس۔۔۔جو شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو اور اسے ختم کرنا چاہتا ہو وہ اس
مصیبت کو اس قدر بڑھا کر تصور میں لائے کہ پیش آمدہ مصیبت ہلکی معلوم ہونے لگے۔ اسی
طرح اس کے ثواب کو سوچے اور اس سے بڑی کسی مصیبت کے آ جانے کا تصور کرے تب
اسے درپیش مصیبت غنیمت معلوم ہونے لگے گی۔

اور اس کے جلد ہی ختم ہو جانے کے وقت پر نگاہ رکھے "واقعی اگر مصیبتوں کا رنج نہ
ہوتا تو راحت کی گھڑیوں کی امید نہ ہوتی" اور اس کا یقین رکھے کہ اس کے پاس اس
مصیبت کے ٹھہرنے کی مدت اتنی ہی ہے جتنی ایک ایسے اجنبی مہمان کی ہوتی ہے جو
(دوسرے شہر میں جا کر) ہر وقت اپنی ضرورت کا سامان تلاش کرتا ہو کیونکہ ایسا شخص بہت
جلد (اپنی ضرورت سے فارغ ہو کر) رخصت ہو جاتا ہے اور پھر اپنی محفلوں اور مجلسوں میں
جا کر میزبان کے کرم کی تعریفیں بھی کرتا ہے۔

پس یہی حال مصیبت میں مومن کا ہونا چاہیے کہ اسے ایک ایک لمحہ کی فکر کرتا رہے

اور اپنے نفس کے احوال کی اور تمام اعضاء کی نگرانی کرتا رہے۔ اس خوف سے کہ کہیں زبان سے کوئی کلمہ شکایت نہ نکل جائے (اور مصیبت کا مضمون ناراض ہو جائے) یا دل میں اس مصیبت پر ناراضگی نہ پیدا ہو جائے۔

اس طرح کہ گویا وہ اجر کی فجر دیکھ چکا ہے اور مصیبت کی رات ختم ہونے کو ہے اور اندھیروں کو قطع کر کے چلنے رہنے والے کی مدح ہونے والی ہے۔ پھر جونہی جزاء کا سورج طلوع ہوگا یہ شخص سلامتی کی منزل پہ جا اترے گا۔

علم کیسا تھ عمل بھی ضروری ہے

مجلس… مجھے محسوس ہوا کہ علم کے متعلق میرے نفس کی رائے بہت بہتر ہے کیونکہ وہ علم کو ہر چیز پر مقدم رکھتا ہے اور اس کو دلیل کا وجود دیتا ہے۔ حتیٰ کہ علم میں لگنے والے اوقات کو نوافل میں گزرنے والی گھڑیوں پر فضیلت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ نوافل پر علم کی افضلیت کی قوی ترین دلیل یہ ہے کہ میں نے بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھا جن کو نفل نماز روزوں نے علمی نوافل سے مشغول کر لیا کہ وہ اصول میں غلطی کرنے لگتے ہیں تو میں نے اپنے نفس کو اس سلسلے میں جادہ مستقیم پر اور اس کی رائے کو درست پایا۔

مگر مجھ کو یہ بھی احساس ہوا کہ وہ علم کے ظاہری شغل پر اکتفاء کیے ہے تو اسے پکارا کہ پھر بھلا تیرے علم نے تجھے کیا فائدہ پہنچایا؟ خدا کا خوف کہاں ہے؟ اس کی محبت کا درد کہاں ہے؟ احتیاط اور پرہیز کہاں ہے؟

کیا تم نے جید علماء کی عبادت و ریاضت کے حالات نہیں سنے؟

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری مخلوق کے آقا ہونے کے باوجود اتنا قیام نہیں فرمایا کہ پاؤں مبارک ورم کر گئے تھے؟

کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت سسکیاں بھرنے اور بہت رونے والے شخص نہ تھے؟

کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رخساروں پر آنسوؤں کے دو نشان نہیں بن گئے تھے؟

کیا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رکعت میں پورا قرآن شریف نہیں ختم فرماتے تھے؟

"مہلت کے زمانے میں یہ کہو کہ جو زندگی گزر گئی وہ واپس نہ آ سکے گی اور اس موت سے ڈرو جو ہر گزرتا ہوا لمحہ دیکھ رہا ہے کہ کب وہ شہوات پر اترنے سے روک دے گی اور اپنے نفس کے سامنے اس کا تصور باندھو کہ تم میدانِ حشر میں کس گروہ میں ہوگے؟"

علم کی فضیلت کی ایک وجہ

مجلس..... میرے اندر علم کی فضیلت کا احساس اس وجہ سے اور بڑھ گیا کہ کچھ لوگ عبادت میں لگ کر علم سے محروم رہے اور مطلوب کی حقیقت تک رسائی نہ حاصل کر سکے۔

چنانچہ کسی قدیم صوفی کا قول مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص سے کہا اے ابوالولید! کاش تم ابوالولید ہوتے یعنی وہ اس کو ابوالولید کی کنیت سے اس لیے نہیں پکارنا چاہتے تھے کہ وہ لاولد تھا۔

اگر وہ صوفی علم میں گہرے ہوتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابویحییٰ رکھی تھی اور ایک بچے کو ابوعمیر کی کنیت سے پکار کر فرمایا تھا: "یَا اَبَا عُمَیْرٍ! مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ"۔

اسی طرح ایک زاہد نے بیان کیا کہ مجھ سے ایک دن کہا گیا کہ "دودھ پی لو" میں نے کہا یہ مجھ کو نقصان پہنچائے گا۔ پھر کچھ مدت کے بعد کھڑے ہو کر میں نے عرض کیا کہ "اے اللہ! میں نے پلک جھپکنے کے بقدر بھی شرک نہیں کیا" تو ایک غیبی آواز نے پکار کر کہا کہ "کیا دودھ والے دن بھی شرک نہیں ہوا؟"

یہ واقعہ اگر درست ہو تو اس کا مطلب ہے کہ ان کی تادیب مقصود ہوئی کہ اسباب میں لگ کر مسبب کو بھول نہ جائیں۔ ورنہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا زَالَتْ اُكْلَةُ خَيْبَرَ تُعَاوِدُنِيْ حَتّٰى الْاٰنَ قَطَعَتْ اَبْهَرِيْ.

"خیبر میں کھائے ہوئے زہر یلے لقمے کی تکلیف بار بار لوٹ رہی تھی کہ اب اس نے میری شہ رگ کاٹ دی ہے۔"

اور فرمایا: مَا نَفَعَنِيْ مَالٌ كَمَالِ اَبِيْ بَكْرٍ.

"مجھ کو ابوبکر کے مال جتنا نفع کسی کے مال سے نہیں پہنچا۔"

اور بعض جاہل زاہد توکل کا مطلب سارے اسباب سے منقطع ہو جانے کو خیال کرتے

ہیں حالانکہ یہ جہالت ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غار میں پناہ لی طبیب سے علاج کرایا" زرہ پہنی خندق کھدوائی اور مطعم بن عدی جو کافر تھے ان کی پناہ میں داخل ہوئے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا:

لَاَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ اَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ۔

"اپنے ورثہ کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ بہتر ہے اس سے کہ انہیں محتاج چھوڑ دو اور وہ لوگوں سے مانگتے پھریں۔"

لہٰذا مسبب کو بھول کر اسباب پر اکتفاء کرنا تو غلط ہے لیکن اسباب کو اس طرح برتنا کہ دل مسبب سے متعلق رہے یہ مشروع ہے (بلکہ یہی افضل ہے ۱۲ حمزہ)

اور (غلط تصوف کی) یہ ساری تاریکیاں علم کا چراغ ہی ختم کر سکتا ہے۔ بھٹکا وہ شخص جو جہالت کی تاریکی میں چلا یا خواہش نفس کی گلی میں داخل ہو گیا۔

انسان اشرف المخلوقات ہے

مجلس۔ مجھ کو ان لوگوں پر بڑا تعجب ہوتا ہے جو ملائکہ کو انبیاء اور اولیاء پر فضیلت دیتے ہیں کیونکہ اگر وہ انہیں صورت کی بنیاد پر فضیلت دیتے ہیں تو آدمی کی صورت فرشتوں کی صورت سے بہتر ہے اور اگر آدمی کی صورت ان گندگیوں کی وجہ سے (یعنی پیشاب پاخانہ بلغم تھوک منہ کی بدبو وغیرہ) جو اس سے متعلق ہیں نظر انداز کی جاتی ہو تو صورت تو آدمی نہیں ہے بلکہ صورت تو قالب کا نام ہے جبکہ صورت سے متعلق بھی بعض چیزیں ایسی جو عادۃً قبیح سمجھی جاتی ہیں ان کو شریعت میں پسند کیا گیا ہے۔ مثلاً روزہ دار کے منہ کی بو شہداء کا خون نماز کے دوران تھجد۔ لہٰذا صورت بھی بہتر ہو گی جبکہ اصل فیصلہ تو معنی سے ہو گا۔

آخر کیوں بعض لوگ یہ گمان کر لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو انسان پر فضیلت دی ہے۔ کیا فرشتوں کو کوئی ایسا مرتبہ حاصل ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتے ہوں یا کوئی ایسی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دوسروں پر فخر فرماتے ہوں؟ معاملہ الٹ کیسے دیا گیا؟ جبکہ انہوں نے ہم کو سجدہ کیا ہے اور یہ ہماری تفضیل میں صریح ہے اور اگر فضیلت علم کی بنیاد پر ہو تو تمہیں "وَعَلَّمَ آدَمَ" اور "يَا آدَمُ اَنْبِئْهُمْ" کے دن کا قصہ معلوم ہو گا۔

اور اگر ان کی ذات کی جوہریت کو دیکھ کر فضیلت دیتے ہوں تو ہماری روحوں کی جوہریت بھی اسی جنس کی ہے جبکہ ہمارے اوپر جسم کی مٹی کا بوجھ ہے۔ واللہ اگر سوار اپنی سواری میں اس کا محتاج نہ ہوتا کہ اس کا چارہ تلاش کرنے کے لیے ٹھہرے اور اس کے ساتھ چلنے میں نرمی کرے تو دسویں ذی الحجہ کو دوسروں سے پہلے رات ہی میں منیٰ پہنچ جاتا (یعنی اگر انسان پر جسم کے کچھ حقوق نہ ہوتے تو وہ فرشتوں کو ہر دوڑ میں پیچھے چھوڑ دیتا)

بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم فرشتوں کی کثرت عبادت کو دیکھ کر ان کو فضیلت دیتے ہو۔ اس میں ان کا کیا کمال ہے جب کہ ان کی فطرت ہی یہی ہے کیا پانی کو بہتا دیکھ کر تعجب کرتے ہو؟ یا اگر اوپر سے نیچے آنے والا پانی تیزی سے اترے تو اس پر تعجب کرتے ہو؟ تعجب تو اس چڑھنے والے پر ہے جو راستے کو چھوڑتا ہوا اور گھاٹیوں کو قطع کرتا ہوا اوپر چڑھتا ہو۔

ہاں! ان سے بھی مخالفت کا اور الوہیت کے دعویٰ کا امکان[1] ہے۔ کیونکہ وہ چٹانوں کو چور کرنے اور زمین کو پھاڑنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو دھمکی دی گئی "وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ" (اور ان میں سے جس نے بھی الوہیت کا دعویٰ کیا اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے) لیکن چونکہ انھیں اللہ تعالیٰ کی سزاؤں کا یقین ہے اس لیے اس سے ڈرتے ہیں جب کہ ہم حقیقی معرفت سے دور ہیں۔ تمہارا ہمارا یقین کمزور ہے اور غفلت کے ساتھ ہماری شہوت بھی غالب ہے اور یہ سب کے سب ایسے مجاہدے کے محتاج ہیں جو فرشتوں کے مجاہدے سے بڑھ کر ہے۔

واللہ! اگر مقرب ترین فرشتوں میں سے بھی کوئی فرشتہ ان میں مبتلا کر دیا جاتا جن میں ہم مبتلا ہیں تو اپنے پر قابو نہیں رکھ سکتا کیونکہ ہم میں سے ہر ایک صبح اس حالت میں اٹھتا ہے کہ شریعت اس سے خطاب کر کے کہتی ہے کہ تمہیں اپنے اہل و عیال کے لیے کمانا ہے اور کمانے میں احتیاط کرنا اور اس پر کچھ غیر اختیاری امور بھی ہیں مثلاً بیوی کی محبت اولاد کے

---

[1] صرف مخالفت کا امکان ہے شرعاً نہیں کیونکہ ارشاد ہے: لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ.
وذكر في حاشية [illegible] اعلم ان الملائكة اجسام نورانية لا يأكلون ولا يشربون ولا ينامون ولا يتغوطون ولا يبولون وليسوا ذكورا ولا اناثا ولا يتناكحون ولا يتناسلون ولا يعصون الله ما امرهم ويفعلون ما يؤمرون اه

لیے دل کی رگ سے نکلنے والے نطفہ کا علوق اور بدن کے لیے ضروری چیزیں ہیں۔

ان سب کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا جاتا ہے کہ اپنے لڑکے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرو، اپنے جگر کے ٹکڑے کو اپنے ہاتھوں سے کاٹ دو، پھر جلتی منجنیق پر چڑھ جاؤ تاکہ آگ میں ڈال دیے جاؤ، اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا جاتا ہے کہ ایک ماہ مسلسل دن رات روزہ رکھو، غصہ سے مغلوب سے کہا جاتا ہے غصہ پی لو، دیکھنے والوں سے کہا جاتا ہے اپنی نگاہ نیچی کر لو، اور بات کرنے والوں سے کہا جاتا ہے خاموش ہو جاؤ، نیند سے لطف اندوز ہونے والے سے کہا جاتا ہے تہجد پڑھو، اور جس کا کوئی محبوب مر جائے اس سے کہا جاتا ہے صبر کرو، اور جس کے جسم میں تکلیف پہنچ جائے اس کو شکر کا حکم دیا جاتا ہے، اور جہاد کے میدان ہلاکتوں میں گھرے شخص کو حکم سنایا جاتا ہے کہ پیٹھ دکھا کر بھاگنا حرام ہے۔ پھر یہ دیکھو کہ موت سخت ترین تلخیاں لے کر آتی ہے کہ بدن سے روح نکالے اس کے باوجود کہا جاتا ہے کہ جب موت آ جائے ثابت قدم رہنا اور اس کا یقین بھی دلایا جاتا ہے کہ قبر میں جسم ریزہ ریزہ ہو جائے گا لیکن تم دل سے اس پر راضی رہو کیونکہ اس کا فیصلہ ہو چکا ہے، اور اگر تمہیں مرض لاحق ہو جائے تو مخلوق سے شکایت نہ کرو۔

بھلا کیا ملائکہ کو اس طرح کی مشقت ہے؟ اور بھلا کیا وہاں محض عبادت کے سوا طبیعت کی لذت اور خواہش سے مقابلہ بھی ہے؟ جبکہ ان کی عبادتیں بھی صرف ظاہری ہیں یعنی رکوع ہے سجدہ ہے تسبیح ہے، ہماری طرح معنوی عبادات ان کو کہاں حاصل ہیں؟

اور بھلا ان کو فضیلت کیسے ہو سکتی ہے جبکہ اکثر فرشتے ہماری خدمت میں مشغول ہیں۔ کچھ ہمارے اعمال کی کتابت میں لگے ہیں کچھ ہماری حفاظت پر مامور ہیں اور کچھ بارش اور ہواؤں کے لیے مسخر ہیں اور ان کا سب سے بڑا وظیفہ ہمارے لیے استغفار کرنا ہے۔ پھر بغیر کسی ظاہری دلیل کے وہ ہم سے افضل کیونکر ہو جائیں گے؟

اور جب بھی ان میں سے کسی کو تجربہ کی کسوٹی پر پرکھا گیا جیسے ہاروت و ماروت تو ہر نقل کھوٹا[1] ثابت ہوا۔ تم یہ گمان نہ کر لو کہ میں ملائکہ کی عبادتوں اور طاعتوں میں کسی کوتاہی کا گمان رکھتا ہوں کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی عظمت کی معرفت کی وجہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے ہیں

---

[1] یہاں اسرائیلی روایت سے متاثر ہو کر چوک ہو گئی۔ ہاروت ماروت سے معصیت کا صدور نہیں ہوا تھا ان کے لیے ان کا مصرف سمجھنا ہو تو تفسیر بیان القرآن اور معارف القرآن میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ۱۲ مترجم

لیکن جو خطا کا رتبہ ہو اس کا اطمینان اس کو صرف تقویت دیتا ہے اور جو غرشوں اور خطاؤں میں گھرے ہوئے تھا رہا ہو اس کی ذاتی تعجب اس کی روح کو ترقی پر پہنچا دیتی ہے۔

پس میرے بھائیو! اپنے مرتبہ کے شرف کو پہچانو اور اپنے جوہر کو گناہوں کی نجاست سے گندہ نہ کرو کیونکہ تم فرشتوں پر فضیلت کے مقام میں ہو۔ لہٰذا اس سے بچو کہ گناہ تم کو بہائم کی پستیوں میں پہنچا دیں۔ "وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ"

فضول بحثیں

مجلس…. میں نے بہت سے لوگوں کو حتیٰ کہ بعض علماء کو بھی دیکھا کہ ان مسائل کی تحقیق کرنے سے باز نہیں آتے جن سے ناواقف رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور جن کی حقیقت معلوم کرنے سے روکا گیا ہے۔

مثلاً روح کہ اسے اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر چھپایا ہے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کا ایک امر ہے) لیکن انہوں نے اس پر قناعت نہیں کی اور لگے اس کی تحقیق کرنے لیکن کچھ حاصل نہ کر سکے کیونکہ جو کچھ وہ دعویٰ کرتے ہیں اس پر کوئی دلیل نہیں قائم کر سکے۔

اسی طرح عقل کہ وہ بھی بلا ریب موجود ہے جیسا کہ روح بھی بلا شک موجود ہے اور ان دونوں کو ان کے آثار سے پہچانا جاتا ہے نہ کہ ذات کی تحقیق کرنے سے۔

اگر کوئی پوچھے کہ پھر ان چیزوں کے چھپانے کا راز کیا ہے؟ میں کہوں گا اس لیے کہ نفس ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف ترقی کرتا رہتا ہے۔ پس اگر وہ ان کی حقیقت پر اطلاع پا جاتا تو ان کے خالق کی طرف ترقی کرتا اس لیے خالق سے کمتر چیزوں کو پوشیدہ کر کے خالق کی تعظیم میں اضافہ مقصود ہے کیونکہ جب اس کی بعض مخلوقات کی حقیقت نہیں معلوم ہو سکتی تو خالق تو کہیں اعلیٰ اور برتر ہے اور اگر کوئی پوچھے کہ کرسی کیا ہے؟ تجلی کیا ہے؟ اور زحل کیا ہیں؟ ہم کہیں گے کہ وہ ڈرانے والی چیزیں ہیں۔ بس اتنا جواب کافی ہے اور ان کو چھپانے میں راز یہ ہے کہ اگر ان کے حقائق منکشف کر دیئے جائیں تو ان کی عظمت کی مقدار کم ہو جائے۔ جس نے اس فصل کو غور سے پڑھا اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ بڑی نادر اور قابل قدر فصل ہے۔

پھر جب یہ بات مخلوقات میں ثابت ہو گئی تو خالق تو کہیں اجل و اعلیٰ ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اثبات میں اس کے وجود کی دلیل پر اکتفاء کیا جائے۔ پھر رسولوں کی بعثت کے امکان پر دلیل قائم کی جائے پھر اس کے اوصاف کو اس کی کتابوں اور رسولوں سے حاصل کیا جائے اور اس پر زیادہ نہ کیا جائے۔

بہت سے لوگوں نے اس کی صفات کے متعلق قیاس سے بحث کی تو اس کا وبال انہی پر لوٹا۔ اسی لیے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ موجود ہے اور ہمیں اس کے کلام سے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ سمیع ہے بصیر ہے حی ہے قادر ہے تو اس کی صفات کے سمجھنے کے لیے اتنا ہی ہمارے لیے کافی ہے۔ اب ہم اس میں مزید غور و خوض نہ کریں گے۔ اسی طرح جب ہم کہتے ہیں وہ متکلم ہے اور قرآن اس کا کلام ہے تو ہم اس سے زیادہ تکلف نہیں کرتے۔ حضرات سلف میں کسی نے بھی تلاوت اور متلو قرأت اور مقروء کا اختلاف نہیں چھیڑا اور وہ بھی اس بحث میں نہیں الجھے کہ کیا عرش پر اپنی ذات سے مستوی ہوا؟ اور وہ نہیں کہتے کہ وہ اپنی ذات سے نزول فرماتا ہے بلکہ جو کچھ وارد ہوا بس اسی پر اکتفاء کیا اور ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ جو صفات دلیل قطعی سے ثابت نہ ہوں ان کا اطلاق اس پر درست نہیں ہے۔ یہ چند کلمات بطور مثال کے ہیں انہی پر ساری صفات کو قیاس کر لو۔ ان شاء اللہ کامیاب رہو گے اور اللہ کو معطل کرنے سے یا اس کو کسی مخلوق سے تشبیہ دینے سے محفوظ رہو گے۔

مہمل انسانوں کو باقی رکھنے کا راز

مجلس... میں نے بہت سے انسانوں کو دیکھا کہ ان کا وجود اور عدم برابر ہے کیونکہ بہت سے انسان خالق کی معرفت نہیں رکھتے۔ بہت سے اس کا اثبات اپنے طبعی تقاضوں کے موافق کرتے ہیں اور بہت سے لوگ تکالیف شرعیہ کے مقصود سے ناواقف ہیں۔

اپنے اوپر زہد کی علامت لگا لینے والوں کو دیکھو گے کہ وہ قیام و قعود کی مشقات تو اٹھاتے رہتے ہیں اور شہوات و خوشیات کو ترک بھی کرتے ہیں لیکن جن شہوتوں سے مانوس ہو چکے ہیں یعنی شہرت کی شہوت اور دست بوسی وغیرہ کی تمنا کو بھولے رہتے ہیں۔ اگر ان کے متعلق کوئی کچھ کہہ دیتا ہے تو برافروختہ ہو کر کہتے ہیں مجھ جیسی شخصیت کو ایسا کہہ دیا گیا؟

اور فلاں قوم حق سے کہہ دیا؟ پس یہی لوگ ہیں جو مقصود کی حقیقت نہیں سمجھتے۔

اسی طرح بہت سے علماء عصر دوں کو حقیر سمجھنے والے اپنے کو بڑا سمجھنے کے مرض میں مبتلا ہیں۔

یہ دیکھ کر مجھ کو تعجب ہوا کہ یہ لوگ آخر کس طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہ سکتے ہیں؟ اور جنت میں کیسے جگہ پائیں گے؟ پھر سمجھ میں آیا کہ دنیا میں بھی ان کے رہنے کا ایک فائدہ ہے اور یہی فائدہ جنت میں بھی رہنے کا ہوگا وہ یہ کہ یہ لوگ دنیا میں عبرت کا ذریعہ ہوتے ہیں کہ عارف کو ان کی محرومی دیکھ کر اپنے اوپر ہونے والی نعمتوں کا احساس ہوتا ہے۔ یا یوں کہو کہ ان کی حیثیت تابع کی ہے جن سے آبادی کی تکمیل مقصود ہے اور زندگی کی ضرورتیں فراہم کرنے کا کام لینا ہے۔

واقعی انسان انسان کے درمیان پائے جانے والے فرق ہی کی بنیاد پر زندگی خوشگوار رہ سکتی ہے ہاں یہ ہے کہ خواص میں بھی بہت فرق ہوتا ہے اور عارفین کے وقت میں اس کی گنجائش نہیں ہوتی کہ وہ ظاہری چیزوں سے اشتغال کریں لہٰذا اہل دوڑ کے چھوٹا بچے کی طرح ہے (یعنی کچھ بے زبان افراد پر حاکم) اور عالم بچوں کے استاد کی طرح ہے (اپنے شاگردوں پر حاکم) اور عارف ایک شیخ کے مقام پر ہے (مریدین پر حاکم) اور اگر بادشاہوں کے لیے پہرے دار اور خدام اور آگ والان کو روشن کرنے والے نہ ہوتے تو اس کی زندگی گزارنا دشوار ہو جاتی۔

لیکن عارف اپنی ضرورتوں میں عوام سے کام لیتا ہے۔ پھر جب یہ لوگ عارف کے مقام تک پہنچ جاتے ہیں تو ان سے کام لینا چھوڑ دیتا ہے۔ (گویا یہ کام کے لوگ ہو گئے) اور کچھ ایسے بھی ہیں جو نہیں پہنچ پاتے تو ان کا وجود گفتگو کے دوران بڑھا دیئے جانے والے لا۔ کی طرح ہے کہ زائد بھی ہے اور تاکید بھی پیدا کرتا ہے (ایسے ہی یہ بھی کہ زائد بھی ہیں اور آبادی کی تکمیل کا سبب ہیں)

اگر کوئی کہے کہ فرض کر لو یہ تقریر دنیا کے متعلق درست ہے لیکن جنت کے متعلق کیا کہتے ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بڑے درجوں سے نسبت مطلوب ہوگی اور کم درجہ والوں کو دیکھ کر زیادہ درجہ والوں کا لطف بڑھے گا۔ "زلیخا پر ضرب"

جس نے میرے اس اشارہ پر غور کیا اسے یہ چند الفاظ کافی طویل شرح سے بے نیاز کر دیں گے۔

نکتۂ معرفت

مجلس... جب میں نے اپنے رزق کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی تدبیروں کو سوچا کہ بادلوں کو مسخر کرتا ہے سہولت کے ساتھ بارش نازل فرماتا ہے اور زمین کے بیج انسانی مردوں کی طرح اس بیج کو دفن کرتا ہے جو سڑنے کے بعد صورِ حیات کے پھونکے جانے کا منتظر رہتا ہے پھر جونہی صور پھونکا جاتا ہے سبزہ ہو کر لہلہانے لگتا ہے جب پانی ختم ہو جاتا ہے تو ہاتھ پھیلا کر پانی مانگتا ہے پھر اپنا سر تواضع سے جھکا لیتا ہے اور تغیر کا جوڑا پہن لیتا ہے۔ گویا وہ بھی ان تمام چیزوں کا محتاج ہوتا ہے جن کے ہم ہیں یعنی سورج کی حرارت پانی کی ٹھنڈک بادِ نسیم کا لطف اور زمین کی تربیت۔

تو میں پکار اٹھا کہ بڑی پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے میرے سامنے خود میری تربیت کا نقشہ کھینچ دیا۔ میں اسے وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی بعض حکمتوں پر مطلع ہو چکا ہے تیرے لیے بہت برا ہے کہ کسی دوسرے کی طرف مائل ہو۔ پھر مزید تعجب ہے کہ تو اپنے ہی جیسے محتاج کی طرف کیسے مائل ہوتا ہے جس کی زبانِ حال پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اے شریف آدمی! میں بھی انہی چیزوں کا محتاج ہوں جن کے تم ہو۔ لہٰذا تم خدا کی طرف رجوع کرو اور مسبب کے بجائے مسبب سے مانگو تمہارے لیے بڑی خوشخبری ہے کہ تم نے اس کو پہچان لیا۔ بے شک اس کی معرفت دنیا و آخرت کی سلطنت سے بڑھ کر ہے۔

خلوت اور ترکِ اختلاط واجب ہے

مجلس... مجھ کو ابتدائے شباب میں زہد کے طریق سلوک یعنی مستقل نماز روزہ وغیرہ کی توفیق ہوئی اور خلوت محبوب ہو گئی۔ اس وقت میں اپنے قلب کو قلبِ لبیب اور اپنی نگاہِ بصیرت کو تیز محسوس کرتا تھا۔ ایک لمحہ بھی اگر غیر طاعت میں گزر جاتا تو افسوس ہوتا تھا اس لیے میرے سارے اوقات عبادت میں گزرنے لگے تھے۔ مجھے ایک طرح کا انس ہو چلا تھا اور مناجات میں شیرینی محسوس ہونے لگی تھی۔ پھر معاملہ یہاں تک پہنچا کہ بعض حکام کو میری تقریر پسند آنے لگی تو میری طبیعت ان کی طرف مائل ہوئی اور جب طبیعت کا میلان حکام

کی طرف ہوا تو وہ حلاوت رخصت ہو گئی۔

پھر دوسرے امیر نے مجھے اپنی طرف مائل کیا تو میں اس کی مخالطت سے اور اس کے کھانوں سے شبہ کی وجہ سے اجتناب کرتا تھا۔ میری یہ حالت بھی کچھ ٹھیک تھی۔

پھر تاویل کا دروازہ کھل گیا اور مباحات میں وسعت ہونے لگی تو جو کچھ نورانیت اور نیکی شدہ رہ گیا تھا سب ختم ہو گیا اور امراء سے اختلاط دل میں ظلمت پیدا کرتا رہا یہاں تک کہ نورانیت کا ایک شمہ بھی نہیں رہ گیا۔

پھر یہ حالت ہوئی کہ اپنی ضائع شدہ پونجی پر میری آہ و بکا اہل مجلس کو تڑپا دیتی اور وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیتے لیکن میں مفلس کا مفلس ہی اٹھ جاتا۔ پھر جب اس مرض پر میری چیخ و پکار بڑھتی ہی گئی اور میں اپنے علاج سے عاجز ہو گیا تو میں نے صلحاء کی قبروں میں پناہ لی اور انہی کو میں نے اپنی اصلاح کے لیے وسیلہ بنایا۔ چنانچہ مولا کے لطف نے مجھے خلوت کی طرف کھینچ لیا۔ باوجودیکہ مجھے خلوت سے وحشت ہوا کرتی تھی اور میرا کھویا ہوا سکون اور نورانیت واپس کر دی گئی جبکہ وہ زائل ہو چکی تھی اور میں جس کی طرف مائل ہونے لگا تھا اس کی قباحت واضح کر دی گئی۔

جب میں اپنے مرض سے افاقہ پا گیا تو اپنی مناجات میں عرض کیا:

"میرے آقا! بھلا میں آپ کا شکر کیسے ادا کروں؟ اور کس زبان سے آپ کی تعریف کروں کہ آپ نے میری غفلت پر مواخذہ نہیں فرمایا۔ مجھے نیند سے بیدار کر دیا اور میری کراہت کے باوجود میری حالت درست فرما دی۔ پس میری چھنی ہوئی نعمت نے مجھے کس قدر فائدہ پہنچایا جبکہ اس کا ثمرہ آپ سے التجا تھا؟ میرا اختلاط کس قدر مفید ہوا جبکہ اس کا نتیجہ آپ کے ساتھ خلوت کی صورت میں ظاہر ہوا؟ میں بے نیاز ہو گیا جبکہ آپ کا فقیر بنا اور مجھے ایسا انس پیدا ہوا کہ مخلوق سے وحشت پیدا ہو گئی۔ آہ! وہ زمانہ جو آپ کی طاعت میں نہیں گزرا اور افسوس ان اوقات پر جو آپ کی خدمت میں نہ گزرے۔ جب میں فجر کے وقت اٹھتا تو رات بھر کا سونا مجھے تکلیف نہیں پہنچاتا تھا اور جب دن گزر جاتا تو اس دن کے ضیاع پر افسوس نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت یہ احساس بھی نہیں ہوتا تھا کہ یہ سب کچھ مرض میں شدت کے سبب سے ہے۔ اب عافیت کی بادِ نسیم چلی ہے تو مجھ کو الم کا احساس ہوا ہے اور میں نے صحت کا

انداز ہو گیا ہے۔ میں اسے عظیم النعم والے! میرے لیے عافیت کو تام اور دائم فرما دیجیے۔

آہ! اس مدہوشی پر جس کا اپنی مدہوشی کا احساس افاقہ کے وقت ہوتا ہے جبکہ میں نے ایسی چیز چھوڑ دی ہے جس کا جوڑنا دشوار ہے۔ ہائے افسوس! اس پونجی پر جو ضائع ہو گئی ہے اور اس علاج پر جو ایک مدت تک اثر کی امید کو بڑھاتے ہوئے چلتا رہا مگر بیماری کا غلبہ ہوا اور مرض بگڑ گیا تو جہاں سے چلا تھا وہیں پہنچ گیا۔

اے لوگو! جو میرے اس بدپرہیزی سے ڈرانے کو پڑھ رہے ہو مگر چونکہ میں نے ٹھوکر کھائی ہے[1] لیکن اپنے بھائیوں کا خیرخواہ ہوں کہ اے میرے بھائیو! ان چیزوں میں رخصتوں پر عمل کرنے سے ڈرو جن میں کسی خرابی کا گمان ہو کیونکہ شیطان اول وہلہ میں تو مباح کی خوبیاں بیان کرتا ہے پھر گناہ کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ لہٰذا انجام کو سوچو اور مآل کو سمجھو۔

ایسا ممکن ہے کہ وہ تمہیں بہتر انجام سمجھانے کی کوشش کرے جبکہ اس میں کچھ مخالفت خداوندی بھی ہو رہی ہو تو ایسے موقع پر اپنے جد امجد کے واقعہ سے عبرت حاصل کرو۔ "وَقَالَ أَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى" (کیا میں تمہیں ایسا درخت نہ بتا دوں جسے کھا کر تم ہمیشہ جنت میں رہو اور تمہیں ایسا ملک میسر رہے جو کبھی ختم نہ ہو گا) کہ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام نے انجام کو یعنی جنت میں ہمیشہ رہنے کو سوچا لیکن طریق پر نظر نہ ڈالی اور یہ ابلیس کی بڑی گہری چال ہے جس سے وہ علماء کا شکار کرتا ہے۔ بیچارے نتائج کی مصلحتوں کی تاویل کرتے ہیں اور مقاصد سے نقصان اٹھاتے ہیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ شیطان عالم سے کہتا ہے اس ظالم حاکم کے پاس جاؤ اور فلاں مظلوم کی سفارش کرو۔ پھر یہ ظالم کے پاس جانے والا عالم منکرات کو دیکھنے کے باوجود جاتا رہتا ہے جس کی وجہ سے خود اس کا دین متزلزل ہو جاتا ہے بلکہ بسا اوقات ایسے جال میں پھنسا رہتا ہے کہ یہ عالم اس ظالم سے بڑا ظالم ہو جاتا ہے۔

پس جسے اپنے دین کی مضبوطی پر اعتماد نہ ہو وہ ان جالوں سے بچے کیونکہ بہت مخفی ہیں اور بڑوں کے لیے سب سے اسلم راستہ گوشہ نشینی ہے خصوصاً ایسے زمانے میں جس میں کچھ حصہ چلا گیا ہے منکرات زوروں پر ہیں اور اہل علم کی کوئی حیثیت حکام کے نزدیک نہیں رہ گئی

---

[1] سورۂ طٰہٰ آیت ۱۲۰

ہے۔ لہٰذا جو شخص ان کے پاس جائے گا ان منکرات کو برداشت کر کے ہی جا سکتا ہے کیونکہ اسے ان کو ان منکرات سے نکالنے پر قدرت نہیں ہو سکتی۔

جس نے ان علماء کے حالات پر غور کیا جو کسی منصب حکومت پر ہیں انہیں علم کے نفع سے علیحدہ اور محروم پاوے گا۔ گویا وہ پولیس کے سپاہی کے برابر ہیں۔

پس مخلوق سے علیحدگی اختیار کرنا اور اختلاط کے متعلق الٹی سیدھی تاویلیں چھوڑنا نہایت ضروری ہے۔ اس لیے کہ دوسرے کو نفع پہنچانے کے لیے اپنا نقصان کر لینے سے بہتر یہ ہے کہ آدمی اپنے کو نفع پہنچانے۔ پس بہت دور رہو تاویلات کے دھوکوں سے اور لغو باتوں سے اور گوشہ نشینی کی مشقتوں پر صبر کرو کیونکہ اگر تم اپنے مولا کے ساتھ تنہائی اختیار کر لو تو وہ تم پر اپنی معرفت کا دروازہ کھول دے گا۔ پھر ہر مشکل آسان ہو جائے گی اور ہر تلخ شیریں ہو جائے گا ہر دشواری آسان ہو جائے گی اور تمام مطلوبات حاصل کر سکو گے۔ توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے اور طاعت پر قوت اور نافرمانی سے بچنا خدا ہی کے قبضہ میں ہے۔

غلط تاویل کا نتیجہ

مجلس... ایک مرتبہ میرے نفس نے ایک ایسے مباح شے تاویل سے کام لیا تاکہ کچھ دنیا حاصل کر سکے جس میں کچھ کراہت بھی تھی۔ میں نے اس پر غور کیا تو اندازہ ہوا کہ اس معاملہ نے سب سے پہلے میرے دین کا صفر کھو دیا یعنی اللہ کی طاعت کی حلاوت ختم ہو گئی ہے پھر ردعمل کے طور پر میری تاویل کا دروازہ بھی بند ہو گیا۔ گویا دونوں طرف سے نقصان ہوا یہ محسوس کر کے میں نے اپنے نفس سے کہا "تیری مثال ایک ظالم حاکم کی سی ہے جس نے بہت سا مال ناجائز طور پر جمع کر لیا ہو پھر اسے معزول کر دیا جائے اور اس کا سارا جمع کردہ مال چھین لیا جائے بلکہ مزید جو پہلے کا تھوڑا بھی چھن جائے۔"

پس غلط تاویل سے بچو! کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا اور اس کی نافرمانی کر کے اس کی نعمت نہیں حاصل کی جا سکتی۔

---

۱ حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا تھا "جناب اشرف علی دوسروں کی جوتیوں کی حفاظت میں اپنی گٹھڑی نہ کھو دینا" ۔ عزیز

فکر کی جلاء کی فکر اور وظیفہ عمل

مجلسی..... میں نے اپنے نفس کو دیکھا کہ جب اس کی فکر صاف ہوتی ہے اور بات
کسی واقعہ سے نصیحت ہوتی ہے یا وہ صلحاء کی قبروں کی زیارت کر لیتا ہے تو اس کی توجہ اللہ کی
بندگی اور گوشہ نشینی کی طرف ہونے لگتی ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے اس سے کہا جبکہ اس نے بھی
مجھ سے بات کی کہ بتاؤ تمہارا مقصود کیا ہے؟ اور تمہاری خواہش کیا ہے؟ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ
میں جنگل کی طرف نکل جاؤں جہاں کوئی انسان نہ ہو۔ پھر میری جماعت فوت ہونے لگے
اور جہاں طلبہ کے نہ ہونے سے میرا علم ضائع ہو جائے؟ یا میں ایسی موٹی غذا استعمال کرنے
لگوں جس کا میں عادی نہیں ہوں پھر میرا لاغر جسم مزید کمزور ہو جائے؟ یا میں ایسا موٹا کپڑا
پہننے لگوں۔ جس کی مجھ کو برداشت نہیں ہے پھر میں اپنے کپڑے کے بوجھ کی وجہ سے یہ بھی
بھول جاؤں کہ میں کون ہوں؟ اور میں ایسی اولاد نہ حاصل کر سکوں جو میرے بعد اللہ کا ذکر
کرے جبکہ مجھے اس کے حاصل کرنے پر قدرت بھی ہو؟

واللہ اگر میں تیری موافقت کروں تو میرے اس علم نے جس میں میں نے جان کھپا دی
ہے کوئی نفع نہیں پہنچایا مجھے علم سے متعلق جو غلط فہمی ہے میں اس کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں۔

یہ خوب سمجھ لو کہ بدن ایک سواری ہے اور جب سواری کے ساتھ نرمی نہیں کی جائے گی
وہ سوار کو منزل تک نہیں پہنچا سکے گی۔ نرمی سے میری مراد ساری خواہشات پوری کرنا نہیں
ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ بقدر ضرورت اتنی غذا دی جائے جو بدن کو درست رکھے تاکہ فکر صاف
رہے عقل درست رہے اور ذہن کو قوت حاصل ہو۔

کیا تم نے صفائے ذہن میں رکاوٹ ڈالنے والی چیزوں کی تاثیر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے اس ارشاد میں محسوس نہیں کیا؟ لا یقضی القاضی بین اثنین وھو غضبان۔

”غصہ کی حالت میں کوئی شخص فیصلہ نہ کرے“

جس پر علماء نے بھوک اور اس کی مثل چیزوں کو قیاس فرمایا ہے مثلاً پیشاب یا پاخانہ کو روکنا وغیرہ۔
اور طبیعت کی مثال تو بچے کی طرح ہے کہ وہ کھانے والے کو دیکھتا رہتا ہے جب
کھانے والا روٹی کا ایک ٹکڑا اس کی طرف پھینک دیتا ہے تب خود سکون سے کھا پاتا ہے۔

وہ جس کا منشا جہل ہے نہ کہ علم۔ یعنی یہ مت سوچو کہ فلاں سرکہ اور سبزی کھاتا ہے اور فلاں ساری رات بھر سوتا نہیں ہے۔ (تو میں کیوں پیچھے رہوں؟) بلکہ تم وہی کرو جو تمہارے بس میں ہو اور جتنے کی سکت کا اندازہ ہو۔ اگر پہاڑ سے کودنے کی قوت محسوس کرو تو کود جاؤ اور اگر معلوم ہو جائے کہ نہیں کود سکتے تو مت کودو چاہے قتل کر دیے جاؤ۔ سارے جسم تحمل میں برابر نہیں ہوتے۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے ابتداء میں ایسے ایسے مجاہدات کر لیے (جن کی سکت نہیں تھی تو) ایسے امراض میں مبتلا ہو گئے جنہوں نے ان کو بہت سے خیر سے محروم کر دیا بلکہ بعض تو ان امراض میں مبتلا ہو کر اللہ پر غصہ کرنے لگے۔ (اعاذنا اللہ منہ)

لہٰذا تم علم کو لازم پکڑو۔ یہی ہر مرض سے شفاء ہے۔" "واللہ الموفق"

جاہل سلفی اور ظاہریہ

مصنف.... مجھ کو ایسے لوگوں پر بڑی حیرت ہوتی ہے جو علم کا دعویٰ کرتے ہیں اور بعض احادیث کو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے عقیدۂ تشبیہ کا رجحان رکھتے ہیں۔ اگر وہ ان احادیث کو ویسی ہی باقی رکھتے جیسی وہ وارد ہوئی تھیں[1] تو محفوظ رہتے۔ اس لیے کہ جس نے نصوص کے معنی متعین کرنے میں اجتہاد نہیں کیا اور نہ اعتراض و جواب کیا یوں ہی چھوڑ دیا تو اگرچہ اس نے فائدہ نہیں اٹھایا لیکن اپنے کو نقصان سے بچا لیا۔ لیکن کچھ لوگوں کے پاس علم کم تھا انہوں نے یہ سمجھا کہ کلام کو اس کے غیر ظاہر معنی پر محمول کرنا گویا معنی میں تحریف کرنا ہے۔ حالانکہ اگر لغت کی وسعت کا علم رکھتے تو انہیں ایسا وہم نہ ہوتا۔ ایسے لوگ حجاج کے کاتب کی طرح ہیں کہ جب ضباء شاعرہ نے حجاج کی مدح میں یہ اشعار کہے:

اذا ھبط الحجاج ارضاً مریضۃ

"جب حجاج کسی (بیماری کے) مریض علاقہ میں پہنچتا ہے۔"

تتبع اقصی دائھا فشفاھا

---

[1] مثلاً اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ید، عین، ساق وغیرہ کہ ان کے معنی در حقیقت خود سے متعین نہ کرتے بلکہ یوں کہہ دیتے کہ اللہ کا ید ہے لیکن ہمارے ید کی طرح نہیں۔ وجہ ہے لیکن ہمارے وجہ کی طرح نہیں۔ ان کی حقیقت خدا کو معلوم ہے تو محفوظ رہتے۔ ۱۲ مترجم

"تو اس کے لاعلاج مرض (بغاوت) کو تلاش کر کے شفا دے دیتا ہے۔"

شفاها من الداء العضال الذي بها.

"اس کو اس کے دائمی مرض سے چھٹکارا دلا دیتا ہے۔"

غلام اذا هز القناة شفاها.

"اپنے قوت بازو اور ہتھیار سے"

جب قصیدہ پورا کر لیا تو حجاج نے اپنے کاتب سے کہا "اِقْطَعْ لِسَانَهَا" (اس کی زبان کاٹ دو) وہ احمق کاتب استرا لے کر واقعی کاٹنے چل گیا۔ خضاء نے کہا ارے احمق! حجاج کا مطلب یہ ہے کہ اس کو انعام دے دو (کہ زبان بند ہو جائے) پھر حجاج کے پاس گئی اور اس سے شکایت کی کہ وہ تو میری زبان ہی کاٹنے آ گیا تھا۔

اسی طرح یہ ظاہریہ بھی ہیں کہ اکابر کی بات مان کر فقہ سے اپنی حفاظت نہیں کی۔ ان میں جس نے قرآن و حدیث کو پڑھا اور کچھ اضافہ نہیں کیا میں اس کو ملامت نہیں کرتا کیونکہ یہ بھی بعض اسلاف کا طریقہ رہا ہے لیکن جس نے یہ کہنا شروع کیا کہ "فلاں حدیث کا معنی یہ ہے" اور "فلاں کا محمل یہ ہے" مثلاً کہے کہ اللہ عرش پر اپنی ذات سے مستوی ہوا اور آسمان دنیا پر اپنی ذات سے نزول فرماتا ہے تو یہ ایسی زیادتی ہے جس کو اس کے قائل نے اپنی طبیعت سے سمجھا ہے۔ حدیث و قرآن سے نہیں۔

چنانچہ مجھ کو ایک اندلسی عالم جن کو ابن عبدالبر کہا جاتا ہے ان پر بڑی حیرت ہے کہ انہوں نے "کتاب التمہید" لکھی ہے اور اس میں آسمان دنیا کی طرف نزول والی حدیث کو ذکر کر کے کہا ہے کہ اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں کیونکہ اگر عرش پر نہ ہوتے تو پھر نزول کے کیا معنی؟ حالانکہ یہ کلام تو اللہ کی معرفت سے ناواقف شخص کا ہو سکتا ہے جس نے اپنی حس اور طبیعت کے مطابق اجسام کے نزول کو دیکھا ہو پھر اسی پر حق تعالیٰ کے نزول کو بھی قیاس کر لیا ہو۔

بھلا ان ظاہر پرستوں کو احادیث و آثار کا اتباع کہاں نصیب ہے؟

واللہ انہوں نے ان سے زیادہ بدتر کلام کیا ہے جنہوں نے تاویلات کا التزام کیا ہے اس کے باوجود متکلمین پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اے اصحاب کے مطالعہ خوب سمجھ لو کہ ہم تو عقل

کے ذبح کیے جانے کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں۔ گیا اس وقت اس (تاویل کرنے والے)
کو یہ کہنے کا حق نہیں ہوگا کہ واہ! تم صوت اور کلام کے متعلق تو ایسے معنی کو نہیں مانتے جو ان کے
مناسب نہ ہوں۔ اس وجہ سے کہ تمہیں ان کے حقائق کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات تو ہر
سے ایسے معنی کو نہیں پھیرتے جو اس کو مخلوق سے مشابہ قرار دیتے ہیں جبکہ اس کے لیے ایسے
معنی سے تنزیہ دلیل سے ثابت ہے۔ پھر یہ شخص اپنی دلیل کے ذریعے مجادلہ کرتا رہے گا اور
کہے گا کہ میں اس وقت تک بحث کروں گا جب تک زندہ رہوں گا۔ چنانچہ وہ بھی رہا۔

حکم رجم سے متعلق ایک نکتہ

مجلس… ایک دن میں نے اس نکتہ پر غور کیا جس کی وجہ سے قرآن کریم سے آیت
رجم تو منسوخ کر دی گئی ہے جبکہ حکم اس کا بجا لایا جاتا ہے تو اس کی دو وجہ سمجھ میں آئی۔

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے لطف کا معاملہ کرتے ہوئے بہت درد ناک حکم
نہیں سنانا چاہتے اس لیے کوڑے لگانے کا ذکر فرمایا اور رجم کو چھپا لیا۔ چنانچہ اسی حکمت کے
پیش نظر بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدہ اور مشقت کے احکام میں "کُتِبَ
عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ" (تمہارے اوپر روزہ فرض کر دیا گیا ہے) فعل مجہول سے فرمایا، اگرچہ سب کو
اس کا یقین ہے کہ فرض کرنے والا وہی ہے اور جب رحمت کی بات ذکر فرمائی تو فرمایا "کَتَبَ
رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ" (تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت لازم کر لی ہے)

دوسری وجہ یہ کہ اس کے ذریعے اس امت کی فضیلت ظاہر کرنا مقصود ہے کہ یہ امت
(نسبتاً) کمزور دلیل پر بھی اکتفا کرتی ہوئی جان تک دے دیتی ہے۔ (تو جب دلیل قوی ہو تو
اس کا کیا کہنا) اور مثال کے لیے دلیل کی قوت اور ضعف کا [illegible])

(کمزور اس لیے کہہ دیا کہ) جب کسی حکم پر امت کا اجماع ہو تو یہ بھی اگرچہ دلیل
شرعی ہے لیکن قرآن وسنت کی دلیل سے مؤخر ہے۔ چنانچہ اسی قبیل سے حضرت ابراہیم
علیہ السلام کا محض خواب دیکھ کر اپنے لڑکے کو ذبح کرنے لگنا ہے حالانکہ بیداری کی وحی
زیادہ مؤکد ہوتی ہے۔

اسباب توکل کے منافی نہیں

مجلس۔ مجھے ایک ایسی حالت پیش آئی جس میں میں نے سچے دل سے خدائے واحد کے حضور التجا کی اس اعتقاد کے ساتھ کہ میرا نفع و ضرر سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے بعد میں نے اسباب سے سہارا لیا تو بعض لوگوں نے میرے یقین پر نکیر کی اور کہا کہ یہ توکل میں کمی کی بات ہے۔ میں نے کہا کہ ایسی بات نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسباب کو حکمتوں کے تحت بنایا ہے۔ لہٰذا ان سے اعراض کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے جو اسباب بنائے ہیں وہ بے فائدہ ہیں اور ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے جبکہ شریعت میں کئی اسباب بیشمار ہیں جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ۔ الخ

"اور جب آپ ان کے درمیان رہیں تو آپ ان کو نماز پڑھائیے اس طرح کہ ان میں کی ایک جماعت آپ کے ساتھ پڑھے اور ہتھیار ساتھ میں لئے رہے۔ الخ (یعنی حفاظت کا تدبیری سبب الگ نہ کرو)"

اور فرمایا: فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهٖ

"پھر غلہ کو بالیوں میں چھوڑے رکھو۔ (تاکہ محفوظ رہے نہ یہ کہ توکل کر لو)"

اور کسی جنگ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (مزید حفاظت کے لیے) دو زرہیں زیب تن فرمائیں (علاج میں) دو طبیبوں سے مشورہ لیا اور جب طائف تشریف لے گئے تو مکہ میں اس وقت تک داخل نہ ہوئے جب تک مطعم بن عدی کی پناہ میں داخل نہ ہو گئے۔ حالانکہ آپ توکل کر کے بلا سبب اختیار کیے بھی داخل ہو سکتے تھے۔ پس جب شریعت نے سارے امور کو اسباب سے متعلق رکھا ہے تو ان سے اعراض کرنا حکمت کی نفی کرنا ہے۔

اسی لیے میرے نزدیک علاج مستحب ہے باوجود کہ میرے صاحب مذہب (یعنی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ) اس کے قائل ہیں کہ ترک تداوی افضل ہے لیکن دلیل صحیح نے اس باب میں مجھے آپ کی اتباع سے روکا کیونکہ صحیح سند سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً إِلَّا وَأَنْزَلَ لَهُ دَوَاءً فَتَدَاوَوْا "اللہ تعالیٰ نے جتنے امراض

نازل فرمانے سب کی دوائیں بھی نازل فرمائی ہیں اس لیے تم لوگ دوا کیا کرو۔"

یہ امر کا صیغہ ہے اور امر یا تو وجوب کے لیے ہوگا یا استحباب کے لیے کیونکہ پہلے سے کوئی ممانعت نہیں تھی کہ اس کو امر بعد حظر سمجھا جائے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بار بار بیمار پڑنے پر آپ کے لیے تجویز کی جانے والی دواؤں کو دیکھ کر طب سیکھی" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا:

كُلْ مِنْ هٰذَا فَاِنَّهٗ اَوْفَقُ لَكَ مِنْ هٰذَا۔

"تم یہ کھاؤ کیونکہ یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے" (آپ اس وقت بیمار تھے)

دراصل جو حضرات اس کے قائل ہیں کہ دوا کا ترک افضل ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں:

يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَبْعُوْنَ اَلْفًا بِلَا حِسَابٍ۔

"جنت میں ستر ہزار افراد بلا حساب داخل ہوں گے۔"

پھر ان کی صفت بیان فرمائی:

لَا يَكْتَوُوْنَ وَلَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔

"جو جسم میں داغ نہیں لگواتے تعویذ گنڈہ نہیں کراتے فال نہیں نکلواتے بلکہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔"

لیکن یہ روایت تداوی کے منافی نہیں ہے (یعنی اس روایت میں یہ فضیلت ترک دوا پر نہیں ہے بلکہ اس زمانے کے عقائد کی اصلاح پر یہ فضیلت ہے) کیونکہ بہت سے لوگ اس اعتقاد پر داغ لگواتے تھے کہ اب کبھی بیمار نہ پڑیں گے (یعنی وہ داغ لگوانے کو موثر سمجھتے تھے) اور اس اعتقاد سے تعویذ گنڈہ کرتے تھے کہ کوئی مصیبت نہ پہنچ سکے گی۔

جبکہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن زرارہ کے جسم پر داغ لگایا ہے اور حدیث صحیح میں تعویذ کی اجازت موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کا مقصود وہی ہے جس کو ہم نے بیان کیا۔

اگر مجھے اسہال کی ضرورت ہو اور میں غور کروں کہ بلوط کے کھانے سے میری طبی معلومات

مجھے معلوم ہوتی ہیں اور باوجود ہمتری عطیہ ہے۔ پھر ایسی دوائیں پیوں جو میرے موافق ہوں اور دعا کرنے لگوں کہ ''اے اللہ! مجھے عافیت دیجئے تو حکمت مجھ سے تنبیہ کی کہ کیا تم نے سنا نہیں؟ کہ پہلے اونٹ باندھو پھر توکل کرو لہٰذا پہلے دوا پیو پھر کہو کہ اے اللہ اچھا کر دیجئے اور ایسے بندے جیسے کسی شخص کے کھیت اور نہر کے درمیان تھوڑی سی مٹی حائل ہو اور اسے پانی ہاتھ سے اٹھا کر کھیت میں ڈالتے ہوئے کاہلی محسوس ہو تو کھڑا ہو جائے نماز پڑھنے کہ بارش کی دعا کرے تو وہ اس شخص کی طرح بھی نہ ہو جس نے تجربے کے طور پر سفر کیا ہو یعنی اس نیت سے کہ اللہ کو آزمائے اور دیکھے کہ رزق ملتا ہے یا نہیں؟ حالانکہ اس سے پہلے ہی کہا جا چکا ہے ''وَتَزَوَّدُوْا'' (توشہ ساتھ لے کر سفر کرو) اور یہ گویا کہتا ہے کہ میں توشہ ساتھ نہیں لوں گا کیونکہ ایسا شخص ہلاک ہونے سے پہلے ہی ہلاک ہو گیا اور اگر دوران سفر نماز کا وقت آ جائے اور اس کے پاس پانی نہیں ہے تو اس کی کوتاہی پر ملامت کی جائے گی اور کہا جائے گا کہ جنگل میں جانے سے پہلے پانی کیوں نہیں لے لیا؟''

خبردار! ایسے لوگوں کے افعال سے دور رہو جنہوں نے ترقی کی اور شریعت کے وضع کردہ قوانین سے تجاوز کر گئے۔

اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ دین کا کمال یہ ہے کہ آدمی طبعی تقاضوں سے نکل جائے اور شریعت کے ضابطوں کی خلاف ورزی کرے۔

اگر علم میں قوت اور درست فہم نہ ہوتا تو میں یہ شرح نہ کر سکتا اور نہ اس حقیقت تک پہنچ سکتا تھا۔ لہٰذا میرے اشارات کو سمجھنے کی کوشش کرو کیونکہ یہ بہت سی کتابوں سے زیادہ نفع بخش ہیں اور الفاظ کے بجائے معنی پر غور کیا کرو۔

صفائی اور زینت

مجلس۔ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے جسم سے لاپرواہ رہتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ کھانے کے بعد خلال سے دانت نہیں صاف کرتے۔ بعض لوگ چکنائی لگے ہاتھ کو اچھی طرح دھوتے نہیں بعض مسواک ہی نہیں کرتے بعض سرمہ نہیں لگاتے اور بعض ایسے ہیں جو موئے بغل وغیرہ صاف نہیں کراتے حالانکہ میلا پن دین اور دنیا دونوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔

دین تو اس طرح متاثر ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کو متعلقہ صفائی کا حکم دیا گیا ہے۔ جمعہ کے لیے لوگوں کے اجتماع کی وجہ سے غسل کا حکم دیا گیا ہے۔ لہسن پیاز وغیرہ کھا کر مسجد میں جانے سے روکا گیا ہے بغلوں کے صاف کرنے کا حکم دیا ہے نیز وہ ناخن تراشنے مسواک کرنے اور استرہ استعمال کرنے کا مامور ہے۔ پس جب اس نے ان چیزوں سے لا پرواہی برتی تو شریعت کی سنتوں کا تارک ہوا جبکہ بسا اوقات اس سے عبادتوں میں خلل بھی ہونے لگتا ہے۔ مثلاً کسی نے ناخن بڑھا لیے پھر اس کے نیچے اتنا میل جمع ہو گیا جو وضو میں پانی پہنچنے سے مانع ہو گیا۔ (تو نماز ہی درست نہ ہوگی)

اور دنیا اس طرح متاثر ہوتی ہے کہ ایسے لوگ جب سرگوشی میں کچھ کہنا چاہتے ہیں جب کہ غفلت کے سبب انہیں اپنی تکلیف دہ بدبو کا احساس نہیں ہوتا اور سرگوشی شروع کر دیتے ہیں تو چونکہ میں اپنے کو ہٹا سکتا نہیں کیونکہ ان کا مقصود سرگوشی میں چپکے سے کہنا ہے اس لیے مجھ کو سخت تکلیف دہ بدبو برداشت کرنی پڑتی ہے شاید اکثر منھ کو زخم کرنا ان پر آگاہی بھی نہیں پھیر سکے۔ (اور گندگی سے طرح طرح کے امراض پیدا ہوتے ہیں جس سے صحت، مال اور وقت کا بے کار ہونا ظاہر ہے۔ ۱۲ مترجم)

اور ایسی چیزیں بیویوں کی بے رغبتی کا بھی سبب ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ اپنے شوہروں سے ان باتوں کا ذکر پسند نہیں کرتیں۔ لہٰذا جلد ہی بے رغبت ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ "مجھے یہ پسند ہے کہ جیسے عورت میرے لیے زینت اختیار کرے میں اس کے لیے زینت اختیار کروں۔"

ممکن ہے کچھ لوگ کہہ دیں کہ یہ تصنع ہے لیکن ان کا یہ کہنا غلط ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا فرمایا تو زینت بھی بخشی ہے اس لیے کہ اللہ کا بھی کچھ حق ہے اور جس نے آنکھوں کی پلکوں بھنوؤں پر اور انسان کی حسن ترتیب پر غور کیا اسے یقین ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو مزین فرمایا ہے۔

اور دیکھو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ نظیف سب سے پاکیزہ تھے۔ حدیث شریف میں آپ کے متعلق آیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھاتے تو آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کی شکل مبارک میں (کالے لمبے بالوں کے بجائے) سفیدی نظر آتی۔ (یعنی بال سفید ہوتے) اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سانس مبارک رک جاتی تو چونکہ تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسواک بھی جدا نہیں ہوتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سخت ناپسند تھا کہ خوشبو کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن سے کوئی بو ظاہر ہو اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے "فما شانه الله ببيضاء" اللہ تعالیٰ نے آپ کو سفید داغ کے عیب سے پاک رکھا۔

حکماء نے فرمایا ہے کہ جس نے کپڑے صاف ستھرے پہننے کی عادت رکھی اس کی فکر میں استحکام ہوگا اور جس نے خوشبو لگانے کی عادت بنائی اس کی عقل بڑھے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا "مالكم تدخلون علي قلحا لا تستاكوا" (کیا بات ہے کہ بے مسواک کیے میرے پاس چلے آتے ہو، مسواک کیا کرو) اور مسواک کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز بے مسواک کی نماز سے افضل قرار دی گئی ہے۔ پس نظیف کو خوش دامنی بھی رہتی ہے اور اس کا مرتبہ بھی بڑھتا ہے۔

اور حکماء نے فرمایا ہے کہ جو ناخن بڑے رکھنے کا عادی رہا اس کے ہاتھ چھوٹے رہیں گے (تنگ دست ہو جائے گا) نظیف شخص اپنی نظافت اور خوشبو کی وجہ سے لوگوں کے دل کے قریب ہوتا ہے اور لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو بہت پسند فرماتے تھے۔ بیوی کو بھی یہ حالت بہت محبوب ہوتی ہے کیونکہ عورتیں مردوں کے مماثل ہیں پس جس طرح مرد کو عورت کا پھوہڑ پن ناپسند ہوتا ہے اسی طرح عورت کو مرد کی لاپروائی ناپسند ہوگی بلکہ مرد تو صبر کر سکتا ہے لیکن عورت صبر نہیں کر پاتی۔

میں نے کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جو زاہد ہونے کے مدعی ہیں کہ وہ سب سے زیادہ گندے رہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ علم سے ان کی اصلاح نہیں کی ہے اور وہ واقعہ جو حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کا منقول ہے کہ آپ سے کہا گیا "اپنی داڑھی درست کر لیجئے: آپ نے فرمایا مجھ کو اس کا موقعہ نہیں ہے! تو یہ سنت پر عمل سے معذرت کرنے والے (تدبر اعراض کرنے والے) کا قول ہے اور خوف آخرت میں شدت کی وجہ سے اپنے سے غفلت سے ناشی ہے۔" اگر آپ اس حال سے افاقہ میں ہوتے تو سنت ترک نہ فرماتے۔ لہٰذا

مغلوب افعال حضرت سے استدلال نہ کرو۔ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات میں غور کیا وہ آپ کو علم اور عمل دونوں میں کامل پاوے گا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اقتداء کرنی چاہیے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سارے انسانوں پر حجت ہیں۔

سردی اور گرمی سے بچنے میں اعتدال چاہیے

میں نے اس پر غور کیا کہ امراء ٹھنڈک اور گرمی سے بچنے میں بڑا مبالغہ کرتے ہیں تو سمجھ میں آیا کہ یہ حکمت کے خلاف ہے۔ اس صورت میں تھوڑی لذت تو حاصل ہو جاتی ہے لیکن اس کی لذت میں کیا بھلائی ہے جس کے بعد تکلیف اٹھانی پڑے۔ چنانچہ گرمی میں برف کا پانی پیتے ہیں حالانکہ یہ بہت مضر ہے۔ اہل طب کا کہنا ہے کہ اس سے بہت سے دشوار تریں ایسے امراض پیدا ہو جاتے ہیں جن کا اثر بڑھاپے میں ظاہر ہوتا ہے اور باریک کپڑے پہنتے ہیں۔ اسی طرح جاڑے میں ایسے کپڑے استعمال کرتے ہیں جو بالکل ٹھنڈک لگنے ہی نہیں دیتے حالانکہ یہ سب اللہ تعالیٰ وضع کردہ حکمت کے خلاف ہے۔

کیونکہ اس نے گرمی اس لیے بنائی ہے تاکہ سب خلطیں تحلیل ہو جائیں اور جاڑا ان کو جمع کرنے کے لیے ہے لیکن یہ لوگ پورے سال کو موسم ربیع بنانا چاہتے ہیں تو وہ حکمت پوری نہیں ہو پاتی جس کے لیے جاڑا اور گرمی بنائے گئے ہیں۔ نتیجۃً امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔

اس تقریر کو سننے والا یہ نہ سمجھ لے کہ میں اسے جاڑے گرمی کے مقابلہ کا مشورہ دے رہا ہوں۔ نہیں! بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حفاظت میں زیادہ مبالغہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ بقدر قوت گرمی برداشت کرنی چاہیے جس سے ساری خلطیں تحلیل ہو سکیں اور بقدر برداشت اتنا جاڑا کہ تھوڑی ٹھنڈک لگ جائے کیونکہ یہ دونوں بدن کی مصلحت کے لیے ہیں۔

بعض امراء اپنے کو جاڑے اور گرمی سے بہت بچاتے تھے ان کی حالت متغیر ہو گئی اور جلدی ہی مر گئے۔ میں نے اپنی کتاب "لقط المنافع" (جو فن طب میں ہے) اس کا پورا قصہ لکھا ہے۔

تقدیر کے فیصلوں پر صبر کا واقعہ

تقدیر پر صبر کرنے سے زیادہ مشکل تکلیف شرعی کوئی نہیں ہے اور نہ تقدیر پر راضی

"ہم انہیں اس لیے چھوٹ دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے گناہوں میں اور اضافہ کرلیں۔ اگر سارے لوگ ایک طریق کے نہ ہو جاتے تو ہم کافروں کے گھروں کی چھت چاندی کی بنا دیتے۔ اور جب ہم کسی آبادی کو برباد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے امراء کو کسی بات کا حکم دیتے ہیں اور وہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ الخ"

اور اس مضمون کو بہت سی آیتوں میں بیان کیا ہے۔ دوسرے قرآن نے مومن کی آزمائش کی وجہ بیان کی ہے:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا ...... أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ ...... أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ

"کیا تم نے یہ گمان کر لیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر وہ مصیبتیں نہیں آئیں جو تم سے پہلوں کو پہنچیں ان کو تنگی اور فقر کے حالات پیش آئے اور وہ جھنجھوڑ دیے گئے۔ کیا تم لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے نہیں جانا کہ تم میں سے کس نے مجاہدہ کیا۔ کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ چھوڑ دیے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو نہیں جانا جنہوں نے مجاہدہ کیا۔"

اس مضمون کو بھی بہت سی آیتوں میں بیان فرمایا ہے۔

اور حدیث شریف کی دو قسمیں ہیں قولی اور حالی۔ حالی حدیث میں منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چٹائی پر کروٹ لیٹتے تھے جس سے جسم مبارک میں نشان پڑ جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو پڑے اور عرض کیا کہ کسریٰ و قیصر ریشم و دیباج میں رہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَفِي شَكٍّ أَنْتَ يَا عُمَرُ! أَلَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ لَنَا الْآخِرَةُ وَلَهُمُ الدُّنْيَا

"عمر! کیا تم ابھی تک شک میں ہو؟ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ہمارے لیے آخرت

ہو اور ان کے لیے دنیا۔"

اور قولی حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

وَلَوْ اَنَّ الدُّنْيَا تَسْوِيْ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ

"اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی اہمیت رکھتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا۔"

یہ سب نقلی ہیں اور عقلی مختلف طریقوں سے صبر کو قوت پہنچاتی ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ سب کہ میرے نزدیک دلائل قطعیہ سے اس طرح کے فیصلے کرنے والے کا حکیم ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ لہٰذا میں اس اصل اور بنیاد کو جو ثابت اور واضح ہے کسی ناواقف حکمت کے قول کی بنیاد پر نہیں چھوڑ سکتا جو اس میں خلل پیدا کرنا چاہتا ہے۔

اور ایک یہ ہے کہ اے دیکھنے والے! جس چیز کو تو نافرمان کے ہاتھ کی کشادگی سمجھ رہا ہے درحقیقت وہ قبض اور تنگی ہے اور فرمانبردار کے ہاتھ کی بندش درحقیقت بسط ہے کیونکہ نافرمان کے بسط کا نتیجہ طویل سزا ہے اور فرمانبردار کے قبض کا اثر آخرت میں اجر جزیل ہے اور دونوں کا موجودہ زمانہ جلد ہی ختم ہو جائے گا کیونکہ مراحل طے ہوتے جا رہے ہیں اور قافلہ تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

اور ایک یہ ہے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مومن مزدور کے مثل ہے اور مشقتوں کے زمانہ کی مثال دن کی ہے۔ لہٰذا مشقت کا کام کرنے والے مزدور کو اچھا کپڑا نہیں پہننا چاہیے بلکہ کام کے وقت زیادہ صبر کرلے۔ جب فارغ ہو جائے تب غسل کر کے بہترین کپڑے پہنے کیونکہ جو شخص کام کے وقت عیش میں پڑا رہا وہ اجرت ملنے کے وقت نادم ہوگا اور اسے کام میں سستی پر سزا دی جائے گی۔

یہ مختصر سا تصور صبر کو بہت تقویت پہنچائے گا۔ اب میں ذرا کھل کر پوچھتا ہوں کہ تم ہی بتاؤ جب مسلمانوں کو شہید کرانا ہو تو کیا ایسی قومیں نہ پیدا کی جائیں گی جو مسلمانوں کے قتل کے لیے دست درازی کریں؟ بھلا کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابولؤلؤ کے سوا کسی اور نے شہید کیا تھا؟ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ابن ملجم کے علاوہ کون شہید کرتا؟ اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو ظالم کافر بادشاہ کے سوا کیا کوئی اور بھی قتل کر سکتا تھا؟

اگر تجھ پر تاریکی کا پردہ نہ ہوگا تو تم مسبب کو دیکھو گے نہ کہ سبب کو اور فیصلہ کرنے

والے کو دیکھو گے۔ تو کہ فیصلہ کو اور اگر اس کی آزمائشوں پر اس کے ارادے کا تصور کر کے صبر کرتے رہو تو تم کو تقدیر کے فیصلوں پر رضا حاصل ہو جائے۔ جیسا کہ ایک مصیبت میں چند بزرگ سے عرض کیا گیا کہ اللہ سے عافیت کی دعا کیجیے۔ انھوں نے فرمایا: "جو اللہ کو پسند ہے وہی میری بھی پسند ہے۔"

اِنْ کَانَ رِضَاکُمْ فِیْ سَهَرِیْ فَسَلَامُ اللّٰهِ عَلٰی وَسَنِیْ۔

"اگر آپ کی خوشنودی میرے جاگنے میں ہے تو اپنی نیند کو سات سلام۔"

تقدیر پر رضا کا مراقبہ

مجلس... جب میں گزشتہ فصل تحریر کر کے فارغ ہوا تو میرے باطن سے آواز آئی کہ تقدیر پر صبر کرنے کی تشریح سے جو کچھ تم بیان کر چکے وہ اتنا کافی ہے۔ اب تقدیر پر راضی رہنے کا مراقبہ بیان کرو۔ میں اس کے تذکرہ میں اپنی روح کے لیے راحت کی بو محسوس کر رہا ہوں۔

میں نے کہا: اے ہاتف باطنی! اپنا جواب سنو! اور اچھی بات سمجھو!

تقدیری فیصلوں پر رضا معرفت کا ثمرہ ہے۔ جب تم کو خدا تعالیٰ کی معرفت ہو گی تو اس کے فیصلوں پر راضی بھی رہو گے کیونکہ قضا کے ضمن میں بہت سی تلخیاں پیش آتی ہیں جن کا مزہ راضی برضا محسوس کرتا ہے لیکن عارف کے نزدیک معرفت کی حلاوت کی وجہ سے وہ تلخیاں کم ہو جاتی ہیں کیونکہ معرفت محبت کی طرف لے جاتی ہے جس سے تقدیر کی تلخیاں شیریں ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

عَذَابُهٗ فِیْکَ عَذْبٌ	وَبُعْدُهٗ فِیْکَ قُرْبٌ
وَاَنْتَ عِنْدِیْ کَرُوْحِیْ	بَلْ اَنْتَ مِنْهَا اَحَبُّ
حَسْبِیْ مِنَ الْحُبِّ اَنِّیْ	لِمَا تُحِبُّ اُحِبُّ

"آپ کے سلسلے میں اس کی سزا بھی شیریں ہیں اور آپ کے لیے اس کی دوری قربت ہے۔ آپ میرے نزدیک میری روح کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ میرے لیے محبت کا اتنا درجہ کافی ہے کہ جسے آپ پسند کریں میں بھی پسند کروں۔"

اور لبیب محب نے اسی معنی میں کہا ہے۔

وَتَقْبُحُ مِنْ سِوَاكَ الْفِعْلُ عِنْدِي فَتَفْعَلُهُ فَيَحْسُنُ مِنْكَ ذَاكَا.

"دوسرے کا کیا ہوا کام جو مجھ کو برا لگتا ہے اسی کو جب آپ کرتے ہیں تو اچھا معلوم ہوتا ہے"

اس تقریر کو سن کر ہاتف باطنی نے کہا اب مجھ سے وہ امور بتلایئے جن پر رضا اختیار کروں؟ فرض کیجئے کہ میں بیماری اور فقر کے فیصلوں پر راضی رہوں تو کیا اس کی اطاعت میں سستی پر بھی رضا اختیار کروں؟ اور اہل محبت سے دوری پر بھی راضی رہا کروں؟ اس لیے مجھ سے بیان کیجئے کہ کون سے افعال اس کی رضا کے تحت آتے ہیں اور کون سے نہیں؟

میں نے کہا تم نے بہت عمدہ سوال کیا۔ چنانچہ دونوں کا فرق ذرا گوش ہوش سے سنو۔

تم ان امور پر رضا اختیار کرو جو خدا تعالیٰ سے صادر ہوں جبکہ سستی اور تخلف تمہاری طرف منسوب ہے۔ پس اپنے فعل پر راضی نہ رہنا اور اللہ تعالیٰ کا پورا پورا حق ادا کرنا اور ان امور میں جو اس سے قریب کریں نفس سے مجاہدہ کرنا لیکن جو چیزیں مجاہدہ میں سستی کا سبب ہوں ان پر راضی نہ ہونا۔

اور جو اس کے ایسے فیصلے ہوں جن میں تیرا کچھ دخل نہ ہو ان پر راضی رہو۔ جیسا کہ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے پاس ایک عابد کا ذکر ہوا جو کوڑے سے دانہ چن چن کر کھاتے تھے۔" پوچھا گیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے علاوہ دوسرا رزق کیوں نہیں مانگ لیا تو آپ نے فرمایا کہ جو شخص تقدیر پر راضی ہو وہ خود سے منتخب نہیں کرتا۔"

اور جو شخص معرفت کا مزہ چکھ لیتا ہے وہ اس میں محبت کا مزہ پاتا ہے پھر وہ رضا خود بخود حاصل ہو جاتی ہے۔

لہٰذا دلائل میں غور کر کے اس کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پھر معرفت کے مطابق اس کی بندگی کرنی چاہیے تاکہ اس سے محبت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ۔ (حدیث قدسی)

"بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا

ہوں۔ پھر جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔"

پس یہی حالت غنی اکبر ہے اور اس پر افسوس ہے جو اس سے محروم ہے۔

ایک دلچسپ توجیہ

مجلس..... میں نے بہت سے علماء کو دیکھا کہ بچپن میں طلب علم انہیں تحصیل معاش سے مشغول کر لیتی ہے۔ پھر جب ضروریات زندگی کی احتیاج ہوتی ہے اور بیت المال یا دوستوں کے عطایا سے بقدر کفایت نہیں ملتا تو اپنے کو ذلت کے راستے پر ڈال دیتے ہیں۔ مجھے اس میں دو حکمتیں سمجھ میں آئیں۔

(۱) ایک تو اس ذلت کے ذریعے ان کے عجب و پندار کو توڑنا ہے۔

(۲) دوسرے ان کو ثواب عطا فرما کر ان کو نفع پہنچانا ہے۔

پھر میں نے اور گہرائی سے سوچا تو ایک لطیف نکتہ نظر آیا وہ یہ کہ جب متکبر نفس دنیا کی یہ حالت دیکھتا ہے تو اس کو دل میں جگہ نہیں دیتا بلکہ پختہ عزم کے ساتھ اس سے نفرت کرنے لگتا ہے اور وہ دنیا کو اس گھر سے کے مشابہ سمجھتا ہے جہاں کتے رہتے ہیں یا بیت الخلاء کے مشابہ جہاں بس مجبوری کے تحت جایا جاتا ہے۔ لہٰذا جب موت ان جیسی دنیا سے کوچ کا پیغام لے کر آوے گی تو چونکہ قلب کا تعلق دنیا سے مضبوط نہ ہوگا اس لیے اس پر موت آسان ہو جائے گی۔

زاہدوں کی نادانی

مجلس..... زاہدوں کی جماعت ان علماء پر نکتہ چینی کرتی ہے جو مباحات میں توسع کرتے ہیں حالانکہ اس کا منشاء جہل ہے کیونکہ اگر ان کے پاس علم کی فضیلت ہوتی تو کبھی علماء پر عیب گیری نہ کرتے اس لیے کہ طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں۔ بعض کو رونے کے پیچھے پر قدرت ہوتی ہے اور بعض کو نہیں ہوتی۔

اور کسی کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ دوسرے کو اپنے طرز زندگی پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے جس کی خود طاقت رکھتا ہو کیونکہ ہمارے پاس شریعت کا قانون موجود ہے جس میں

رخصت کا بھی ضابطہ ہے اور عزیمت کا بھی۔ لہٰذا ہر شخص اپنے لیے جس ضابطہ کو پسند کرے اس پر ملامت نہیں کی جا سکتی جبکہ بعض رخصتیں اپنے نفع کے سبب بہت سی عزیمتوں سے بڑھ جاتی ہیں۔

کاش زاہدوں کو اس کی خبر ہو جاتی کہ علم سے اللہ کا خوف حاصل ہوتا ہے اور علماء کے قلوب اس کے خوف سے پارہ پارہ ہوتے رہتے ہیں اور جسم اس کے ڈر سے پگھلتے گئے ہیں اس لیے اجسام کی حفاظت کے لیے کچھ توسع بھی ضروری ہے اور اس لیے بھی کہ علم اور یادداشت کا آلہ قلب اور فکر ہے اور جب آلہ درست رہے گا تو عمل نصیب ہوگا لیکن یہ ایسی بات ہے جو علم کے ذریعے ہی معلوم کی جا سکتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ زاہدوں نے علم کی کمی کے سبب ان باتوں پر نکیر کی جن کا انکار منع تھا اور یہ گمان کر لیا کہ شریعت کا مقصود بدن کو تھکانا اور جسم کو لاغر کرنا ہے اور اس سے ناواقف رہے کہ لاغر کر دینے والا خوف ایسی راحت کا محتاج ہوتا ہے جو اس خوف کا دفاع کر سکے جیسا کہ کسی نے کہا ہے "رَوِّحُوا الْقُلُوْبَ تَعِی الذِّکْرَ" (دلوں کو راحت پہنچاؤ تاکہ یادداشت درست رہے)

شیطان کا ایک مخفی کید

مجلس... ساری موجودات میں علم سے اشرف کوئی چیز نہیں اور کیوں نہ ہو جبکہ وہی راہبر ہے اور جب نہ ہوگا تو لوگ راستہ بھٹک جائیں گے۔

شیطان کا ایک مخفی کید یہ ہے کہ وہ انسان کے سامنے عبادت کی خوبیاں اس لیے بیان کرتا ہے تاکہ وہ شخص عبادات علم سے اس کا رخ پھیر دے۔ حتیٰ کہ اس نے ایک جماعت کو ایسا بہکایا کہ انہوں نے اپنے حدیث کے مجموعوں کو دفن کرا دیا، سمندر میں پھنکوا دیا۔ چنانچہ ایسا واقعہ بہت سے لوگوں کو پیش آیا۔ میں ان سے حسن ظن رکھتے ہوئے کہتا ہوں کہ ممکن ہے ان مجموعوں میں (حدیث کے علاوہ) خود ان کی بھی رائے لکھی ہوئی جس کا شائع ہونا انہیں پسند نہ تھا ورنہ اگر صرف صحیح اور مستند احادیث ہی ہوتیں جن سے کسی خرابی کا اندیشہ نہ ہوتا تو ان کا پھینکنا ان کو ضائع کرنا ہے جو جائز نہیں ہے۔

اسی طرح اس کی چوری میں صوفیوں کی ایک جماعت بھی پھنس گئی۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپنے شاگردوں کو حدیث لکھنے سے منع کر دیا اور حتیٰ کہ جعفر خلدی نے بیان کیا کہ اگر مجھ کو صوفیاء

اجازت دے دیں تو میں دنیا بھر کی سند یں بیان کر دوں لیکن میں نے ابوالعباس دوری کی ایک مجلس کی روایات لکھیں تو مجھ سے ایک صوفی نے مذمت کی اور کہا:

دَعْ عِلْمَ الْوَرَقِ وَعَلَيْكَ بِعِلْمِ الْخِرَقِ.

"کتابوں کا علم چھوڑو اور دل کو شکستہ کرنے والا علم حاصل کرو۔"

اور میں نے ایک صوفی کے پاس دوات دیکھی تو دوسرے صوفی نے اس سے کہا۔ اپنی ستر چھپاؤ اور شبلی کا یہ شعر پڑھتے ہیں:

إِذَا طَالَبُونِي بِعِلْمِ الْوَرَقِ بَرَزْتُ عَلَيْهِمْ بِعِلْمِ الْخِرَقِ.

"جب لوگوں نے مجھ سے کتابی علم کا مطالبہ کیا تو میں نے دل کو شکستہ کرنے والا علم ان کے سامنے پیش کیا۔"

حالانکہ یہ شیطان کا ایک مخفی حیلہ ہے اور واقعی اس نے ان صوفیاء کے متعلق اپنا گمان سچ کر دکھایا اور شیطان نے جو یہ سب کیا اور ان کے سامنے ان باتوں کی خوبیاں بیان کیں اس میں شیطان کی دو خواہش تھی۔

ایک یہ کہ لوگ ظلمت میں چلتے رہیں۔ دوسری یہ کہ علم کی تلاش جو ہر روز عالم کے علم میں اضافہ کرتی ہے مخفی باتوں کو کھولتی ہے ایمان اور معرفت کو قوت بخشتی ہے اور عالم کے راستوں کی بہت سی خرابیاں واضح کرتی ہے خصوصاً جبکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی راہ پر نظر رکھے۔

اس کے لیے اس نے اپنی چال کے ذریعے اس راستہ کو بند کرنا چاہا اور ظاہر یہ کیا کہ مقصود عمل ہے نہ کہ علم حالانکہ دھوکہ کھا جانے والوں نے یہ نہ سوچا کہ علم خود بہت بڑا عمل ہے۔

مگر شیطان کے اس خفیہ فریب سے بچو کیونکہ علم ہی سب سے بڑی بنیاد ہے اور روشنی کا بہت بڑا مینار ہے۔

یاد رکھو! کبھی درقوں کا دیکھنا صوم و صلوٰۃ اور حج وغیرہ سے افضل ہو جاتا ہے۔ کتنے علم سے اعراض کرنے والے اپنی عبادت میں لگ کر خواہش نفسانی کے عذاب میں مبتلا ہیں اور کتنے ایسے ہیں جو نفل میں لگ کر فرائض کے تارک ہیں اور افضل . . بزعم خویش . . . . میں مشغول

ہو کر واجبات سے محروم ہیں۔ اگر ان کے پاس نور علم کا چراغ ہوتا تو سیدھے راستے پر رہتے۔

میری باتوں پر غور کرو، جواب پا جاؤ گے۔ ان شاء اللہ

نفس کو بہلا کر رکھنا ضروری ہے

مجلس۔۔ میرے سامنے سے دو مزدور ایک بھاری کڑی اٹھائے ہوئے گزرے اور دونوں کے ساتھ ایک دوسرے کے جواب میں کچھ پڑھتے جاتے اور بات کرتے جاتے تھے اور جب ایک کچھ پڑھتا تو دوسرا اس کو کان لگا کر سنتا پھر اس کو دہراتا یا اس کا جواب دیتا اور پہلا ایسا ہی کرتا۔

میں نے سوچا کہ اگر یہ ایسا نہ کرتے تو ان پر مشقت زیادہ ہوتی اور بوجھ زیادہ محسوس ہوتا اور جب کہ وہ اس میں مشغول ہیں معاملہ آسان ہو گیا ہے۔ میں نے اس کے سبب پر غور کیا تو سمجھ میں آیا کہ اس کا سبب ہر ایک کی توجہ کا دوسرے کے کلام کی طرف ہونا اور اس سے نشاط حاصل کرنا اور اس کے جواب کی فکر میں مشغول ہونا ہے کہ اس سے راستہ قطع ہوتا رہتا ہے اور بوجھ کا احساس بھولا رہتا ہے۔

اس سے میں نے ایک عجیب اشارہ نکالا کہ غور سے دیکھو کہ انسان کو بھی بہت سے امور شاقہ کا مکلف بنایا گیا ہے جن میں سب سے ثقیل بوجھ اپنے نفس کی مدارات کرنا اس کی پسندیدہ چیزوں پر صبر کرنا ناپسندیدہ امور پر تحمل کرنا وغیرہ ہے۔ تو میں نے سمجھا کہ نفس کو تسلی دے کر اور اس کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کر کے صبر کرنا چاہیے۔ جیسے کہ ایک شاعر نے کہا ہے:

فَإِنْ تَشَكَّتْ فَعَلِّلْهَا الْمَجَرَّةَ مِنْ ضَوْءِ الصَّبَاحِ وَعِدْهَا بِالرَّوَاحِ ضُحَى

"اگر نفس شکایت کرے تو شام و صبح کے حوالے دے کر بہلاؤ اور صبح میں شام کا بہانہ کر دو۔"

اسی قبیل سے وہ واقعہ ہے جو حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منقول ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ ایک شخص دونوں چلے راستہ میں ان کو پیاس لگی۔ آپ سے پوچھا کہ اس کنویں سے پانی پی لیں؟ فرمایا اگلے کنویں تک صبر کرو۔ جب اگلے پر پہنچے تو فرمایا اچھا اس کے بعد والے کنویں پر پانی لیں گے۔ اسی طرح اس کو بہلاتے رہے پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ دنیا کا سفر اسی طرح قطع کیا جا سکتا ہے۔

جس نے اس اصل کو سمجھ لیا وہ نفس کو بہلائے گا اس کے ساتھ نرمی کرے گا اور اس سے اچھے وعدے کرے گا تا کہ مشقتوں پر صبر کر سکے۔ جیسا کہ بعض سلف اپنے نفس سے کہتے تھے کہ "واللہ! تیری یہ محبوب چیز تجھ سے صرف اس لیے روک رہا ہوں کہ تجھے نقصان نہ پہنچ جائے۔"
اور حضرت ابو یزید فرماتے تھے "میں نے اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی طرف کھینچا تو وہ رونے لگا اور (کچھ بہلانے کے بعد) پھر کھینچا تو ہنستا ہوا آگے بڑھ گیا۔"
خوب سمجھ لو! نفس کے ساتھ مدارات اور مہربانی ضروری ہے کیونکہ راستہ اسی طرح قطع ہو سکتا ہے اور یہ ایک اشارہ کر رہا ہے اس کی شرح بہت طویل ہے۔

آج کل کے جلسے

مجلس... میں نے وعظ و نصیحت کے جلسوں میں رواج پا جانے والی چند چیزوں پر غور کیا جن کو عوام اور نادان علماء خیر سمجھتے ہیں حالانکہ وہ منکر اور شریعت کے خلاف ہیں۔
اور وہ یہ کہ قاری خوب لہجے بنا بنا کر قرأت کرتا ہے اور لحنوں کو موسیقی کے طرز پر ڈھالتا ہے اور واعظ لیلیٰ مجنوں کے اشعار گاتا ہے تو کوئی تالی بجاتا ہے اور کوئی (دھوکا یا بہانہ کر کے) اپنے کپڑے پھاڑتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ سب سے بڑا نیک کام ہے حالانکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ یہ لہجے موسیقی کے طرز پر ہوتے ہیں جو نفس میں نشاط اور ہیجان پیدا کر دیتے ہیں اور ایسا کام جو کسی مفسدہ کا سبب بنے بڑی غلطی ہے بلکہ واعظوں کو اس پر سزا دینی چاہیے[۱]۔
اسی طرح تیروں سے مراد بھی ہیں کہ غم انگیز مضامین بیان کرتے ہیں تا کہ عورتیں خوب روئیں اور چیخ زیادہ ہوں کیونکہ اگر یہ صبر کا مشورہ دیتے تو عورتیں انہیں کچھ نہ دیتیں اور یہ بھی شریعت کے خلاف ہے۔
ابن عقیل نے بیان کیا کہ "ہم ایک شخص کے ہاں تعزیت میں گئے اس کے لڑکے کا انتقال ہو گیا تھا وہاں قاری نے یہ آیت تلاوت کی "یا اسفٰی علیٰ یوسف" میں نے کہا یہ تو قرآن کے ذریعے نوحہ خوانی ہو گئی۔"
اور واعظوں میں بعض معرفت اور محبت کی باتیں کرتے ہیں۔ اس وقت تم چھوٹی

۱؎ حاکم وقت کی طرف سے ایسے کہ عوام کی ہدایت شرعی ہو ایسا ہی جو اس پر واجب ہے کہ غلط امور پر تنبیہ کریں۔ (مترجم)

قوموں اور مالداروں ، زاہدوں کو دیکھو گے جنہیں نماز کے فرائض تک سے بے خبری ہے کہ اللہ کی محبت کے دکھاوے میں اپنے کپڑے تار تار کر ڈالتے ہیں۔

اور صاف ستھرے احوال کا (کم علم) صوفی (جو کہ یقیناً سب سے زیادہ نیک بھی ہوتا ہے) اپنے واہمہ سے کسی صورت کو خدا تصور کر لیتا ہے پھر جب وہ اس کی عظمت و رحمت اور اس کی اچھی صفات کا تذکرہ (وعظ کی مجلسوں میں) سنتا ہے تو اس کا شوق اسے رلاتا ہے حالانکہ جو صورت اس کے خیال میں ہے وہ معبود نہیں ہے معبود تو ایسا ہے جو کسی کے خیال میں نہیں آ سکتا۔ (بقول اکبر مرحوم)

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے

اگرچہ عوام کے ساتھ صحیح معاملہ کرنا بڑا دشوار ہے اور وہ حقائق کی کمی کی وجہ سے ان کے نفع سے محروم رہ جاتے ہیں مگر واعظ تو اس کا مامور ہے کہ درست مذاق سے تجاوز نہ کرے اور ان کی خرابیوں سے علیحدہ رہے بلکہ اچھے ڈھنگ سے ان کو اصلاح کی طرف لائے لیکن اس کے لیے تھوڑے فن کی ضرورت ہے کیونکہ عوام کو اللہ کی صحیح بندش بہت اچھی لگتی ہے۔ بعضوں کو واعظ کے اشارے پسند آتے ہیں اور بعض اشعار سے متاثر ہوتے ہیں اس لیے بلاغت کی سب سے زیادہ ضرورت واعظ کو ہوتی ہے تاکہ وہ ان کے تمام مطلوبات کو جمع کر سکے۔

اور اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ فرضی باتیں بیان کرے اور صحیح الفاظ کا اتنا ہی استعمال کرے جتنا کھانے میں نمک کا ہوتا ہے پھر انہیں عمل کی طرف لے جائے اور سیدھا راستہ دکھلا دے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ حارث محاسبی کی مجلس وعظ میں شریک ہوئے اور تقریر سن کر رونے لگے۔ پھر بعد میں فرمایا کہ "مجھے اس کی مجلس نہیں پسند آئی" لیکن آپ کو اس کے طرز تقریر سے رونا آ گیا۔

اور اگرچہ حضرات سلف رحمۃ اللہ علیہم قصہ گو واعظین کی بے احتیاطیوں کو دیکھ کر ان کے پاس جانے سے منع فرماتے تھے لیکن اس زمانے میں علی الاطلاق وہ ممانعت درست نہیں ہے کیونکہ ان حضرات کے زمانے میں اکثر لوگ علم میں مشغول تھے نہ اس لیے حضرات سلف نے اس کو علم میں رکاوٹ کی چیز سمجھا اور اب علم سے اعراض کا زمانہ ہے۔ لہٰذا

عوام کے لیے سب سے نفع بخش وعظ کی مجلسیں ہیں جو ان کو گناہ سے روکتی ہیں اور توبہ کی تحریک پیدا کرتی ہیں۔ البتہ خرابی قصہ گو واعظوں میں بہت ہے بجز اس کے جو اللہ سے ڈرتا ہو۔

عوام کے سامنے اعتقادی بحثوں کی مضرت

فصل.... عوام کے حق میں سب سے زیادہ نقصان دہ صفات خداوندی کی نفی کرنے اور ان کی تاویلیں اور مطلب بیان کرنے والوں کا کلام ہے۔

کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کا وجود ثابت کرنے پر محنت کی تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کا وجود راسخ ہو جائے کیونکہ لوگوں کے دل اثبات سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب عامی ایسی گفتگو سنے گا جو خدا تعالیٰ (کے کسی متعلق) کی نفی کرتی ہو تو اس کے دل سے اثبات کا تصور نکل جائے گا اور اس میں بڑا ضرر ہے۔ اسی طرح بزعم خویش صفات باری کی تنزیہہ کرنے والے انبیاء علیہم السلام کے اثبات کو مٹانے اور ان کے جوابات کو غلط ٹھہرانے والے بن جاتے ہیں۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عرش پر استوا کی خبر دی تو لوگوں کے دلوں میں ایک معبود کا تصور ہو گیا۔ اسی طرح فرمایا: "وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ" (آپ کے رب کا چہرہ باقی رہے گا) اور "بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ" (بلکہ اس کے دونوں ہاتھ فراخ ہیں) اور "غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ" (اللہ ان پر ناراض ہوا) "رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی "يَنْزِلُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا" (وہ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے) اور فرمایا "قُلُوبُ الْعِبَادِ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ" (بندوں کے دل خدا کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں) اور فرمایا "كَتَبَ التَّوْرَاةَ بِيَدِهِ" (اس نے تورات اپنے ہاتھ سے لکھی) اور "كَتَبَ كِتَابًا فَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ" (اللہ نے ایک کتاب لکھی اور وہ اس کے پاس عرش پر ہے) وغیرہ ذالک۔ یہ سب سن کر عامی اور بچوں کے دلوں میں اثبات خداوندی کا تصور راسخ ہو گیا لیکن جب وہ خدا کے لیے اپنی سمجھ کے موافق صفات کا تصور باندھنے لگے تو ان سے کہہ دیا گیا "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" اس کے ذریعہ ان کے سارے خیالی نقشوں کو مٹا دیا گیا۔ اب

صرف اثبات کے الفاظ دلوں میں باقی رہ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی باتوں کو باقی رکھا (تردید نہیں فرمائی)۔

چنانچہ ایک شاعر کو سنا وہ کہہ رہا تھا:

وَفَوْقَ الْعَرْشِ رَبُّ الْعَالَمِيْنَا "عرش پر ہمارا رب ہے"

تو تبسم فرمایا اور ایک شخص نے عرض کیا "أَوَيَضْحَكُ رَبُّنَا" (کیا ہمارا رب ہنستا بھی ہے) تو فرمایا ہاں! اور خود آپ نے فرمایا "وہ عرش پر اس طرح متمکن ہے" یہ سب اسی مصلحت کے تحت کہا کہ دلوں میں اللہ کا وجود راسخ ہو جائے۔

اور بہت سے لوگ خدا کا تصور اپنے مشاہدہ کے مطابق ہی کر سکتے ہیں تو ان سے اسی پر قناعت فرمائی یہاں تک کہ وہ تنزیہ کو سمجھنے لگیں۔

اب اگر ہم ایسے عامی کے سامنے جس کا دل خدا کے تصور سے خالی ہو بیان کرنے لگیں کہ وہ نہ آسمان میں ہے نہ عرش پر ہے اس کے ہاتھ نہیں ہو سکتے اس کا کلام ایک صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے لہٰذا اس کا کوئی کلام ہم سے چل نہیں ہے اور خدا کا نزول متصور نہیں ہو سکتا تو ہم اس کے دل سے قرآن کی عظمت مٹا دیں گے اور اس کے دل میں معبود کا تصور راسخ نہیں کر سکیں گے اور انبیا علیہم السلام کے خلاف ہمارا سخت جرم ہوگا جس کی وجہ سے ان کی محنتوں پر پانی پھر جائے گا۔

بلکہ کسی عالم کے لیے ایسے عامی کے سامنے جو خدا کے تصور سے مانوس ہو چکا ہو ایسی باتیں کرنا جائز نہیں ہے جو اس کو حیرت میں ڈال دیں کیونکہ اس سے اس کا عقیدہ خراب ہوگا۔ پھر اس کی اصلاح دشوار ہوگی۔ البتہ عالم کے سامنے بیان کرنے میں مضائقہ نہیں ہے کیونکہ اس پر صفات خداوندی کے تجدد کا استحالہ، استواء کا غیر متصور ہونا، اس کے نزول ہونے کا ممتنع ہونا اور علامت و حس سے اس کا غیر متصف ہونا اور انتقال کا غیر ممکن ہونا مخفی نہیں ہوتا۔ نیز اس سے یہ پوشیدہ نہیں ہوتا کہ اصبعین کے درمیان قلوب کی تقلیب سے مراد قلوب پر پورے پورے قابو کی خبر دینا ہے کیونکہ انسان جس چیز کو دو انگلیوں کے درمیان تھام سکتا ہو ظاہر ہے اس پر اس کو پورا قابو ہوگا اور اب اس کو اس تاویل کی ضرورت نہ پڑے گی کہ اصبع سے مراد اثر حسن

ہے لہٰذا قضیۂ ربوبیت کے دو آثار اقامت اور ازاغت کے درمیان ہیں اور نہ اس کی ضرورت ہوئی کہ یہ بیان سے مراد اس کی تعیین ہیں کیونکہ جب اس نے یہ سمجھ لیا کہ مقصود خدا کا اثبات ہے اور ہم سے ایسی صفت بیان کی گئی ہے جسے ہم سمجھ سکیں اور ایسی مثال دی گئی جس کا ہم تصور کر سکیں اور ہم کو دلیل قطعی سے معلوم ہو چکا ہے کہ اس پر ان تصورات کا حمل درست نہیں ہے جو عقلی تقاضوں سے ناشی ہوں تو ہمیں ان کے ذکر کرنے کا مقصود معلوم ہو گیا۔

اور ہمیں عوام سے یہ کہنا چاہیے کہ ان باتوں کو جس کا قول باقی رکھا ان کی تاویل کے پیچھے نہ پڑو۔ اس تصور کا حاصل خدا کے اثبات کی حفاظت ہے اور حضرات سلف کے پیش نظر یہی مقصود تھا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس بحث سے منع فرماتے تھے کہ قرآن کا تلفظ مخلوق ہے یا غیر مخلوق تاکہ احترام قرآن پر بھاری اور اثبات کلام کے بالمقابل نہ پڑے حالت یہ ہے۔

لَاتُسَافِرُوْا بِالْقُرْآنِ اِلٰی اَرْضِ الْعَدُوِّ۔

" سب سے بڑا جاہل وہ ہے جو ان چیزوں کو جن کی تعظیم شارع کا مقصود ہو کمزور کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کو ساتھ لے کر دشمنوں کے علاقہ میں مت جاؤ۔"

اس میں قرآن سے مراد مصحف ہے اور امام شافعی علیہ الرحمۃ نے بے وضو شخص کو جزدان کے باوجود قرآن شریف اٹھانے سے منع فرمایا ہے اور اس سے آپ کا مقصود قرآن کی تعظیم ہے لیکن اپنے کو ماہر جتلانے والے لوگ پیدا ہوئے اور کہنے لگے کہ کلام تو ایک ایسی صفت ہے جو متکلم کی ذات سے قائم ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم لوگوں کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا احترام کیا جائے حالانکہ یہ شریعت کے مقصود کے خلاف ہے۔

اس لیے واجب ہے کہ شریعت کی حکمتوں کو سمجھا جائے اور انبیاء علیہم السلام کے مقصود پر نگاہ کی جائے۔ چنانچہ ہمیں ان باتوں کی تحقیق سے منع کیا گیا ہے جن میں شریعت نے اجمال کیا ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقدیر میں گفتگو سے اور اس میں بحث سے منع فرمایا ہے کیونکہ ان چیزوں میں سوچنے سے مضر ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب تقدیر میں بحث کرنے والا اس مرحلہ پر پہنچے گا کہ اللہ نے خود ہی فیصلہ بھی کیا اور پھر سزا بھی دیں گے تو اس کا عدل پر ایمان متزلزل ہو جائے گا اور اگر یہ کہے گا کہ فیصلہ تو نہیں کیا تو قدرت اور

سلطنت پر ایمان کمزور ہوگا اس لیے ان باتوں میں بحث کا ترک کرنا ہی اولیٰ ہے۔

شاید کوئی کہے کہ پھر تو حقائق پر اطلاع پانے سے روکنا اور تقلید کا حکم دینا ہے۔ میں کہوں گا بے شک میں تمہیں یہ سمجھا رہا ہوں کہ تم سے مجمل ایمان مقصود ہے اسی لیے تفتیش اور حقیقت معلوم کرنے کا حکم نہیں دیا گیا جبکہ تمہارے فہم کی طاقتیں حقائق کے ادراک سے عاجز ہیں۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا "اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی" (مجھے دکھلا دیجئے آپ مردوں کو کیسے زندہ کریں گے یعنی کیفیت احیاء کا سوال کیا تھا) لیکن آپ کو ایک مردہ زندہ کر کے دکھلا دیا گیا احیاء کی کیفیت نہیں دکھلائی گئی اس لیے کہ آپ کے قویٰ اس کے ادراک سے عاجز تھے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو مبعوث ہی اس غرض کے لیے ہوئے تھے کہ لوگوں کے سامنے قرآن کو خوب واضح کر کے بیان کر دیں لوگوں سے فقط اقرار اور مجمل اعتقاد پر اکتفا فرماتے تھے۔

اسی طرح حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے کہ ان میں سے کسی کے متعلق بھی منقول نہیں ہے کہ حلاوت اور تشقیقات اور معرفت کے اختلاف میں لگے ہوں یا استویٰ کے معنی استقرار و تنزل کے معنی بیان کیے ہوں بلکہ سب نے ایک مجمل ایمان پر اکتفا کیا جو قلوب میں عظمت پیدا کرے اور لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ کو دل میں راسخ کر کے حق تعالیٰ کے متعلق خیال آرائی کرنے سے باز رہے۔

دیکھو منکر نکیر بھی اصول مجملہ کا سوال کریں گے یعنی پوچھیں گے "مَنْ رَّبُّکَ؟" (تمہارا رب کون ہے؟) "مَا دِیْنُکَ؟" (تمہارا دین کون سا ہے؟) "وَمَنْ نَبِیُّکَ؟" (تمہارا نبی کون ہے؟)

جس نے اس فصل کو سمجھ لیا وہ فرقہ مجسمہ کی تشبیہ سے اور فرقہ معطلہ کی تعطیل سے محفوظ رہے گا اور حضرات سلف کے راستہ پر رہے گا۔

آنکھ کان اور دل

مجلس۔۔۔ میں نے یہ آیت پڑھی قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَکُمْ وَاَبْصَارَکُمْ وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْکُمْ بِهٖ

"کہہ دیجئے تمہارا کیا خیال ہے؟ اگر اللہ چھین لے تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو اسے واپس لا سکے"

اس میں مجھے ایسا اشارہ ملا جس سے بہت انفعال ہوا۔ وہ یہ کہ سمع و بصر سے مراد اگر ظاہری آنکھ اور کان ہوں تو کان سنی ہوئی باتوں کے ادراک کا آلہ ہے اور آنکھ دیکھی ہوئی چیزوں کے ادراک کا آلہ ہے پھر یہ دونوں اپنے ادراک کو دل پر پیش کرتے ہیں اور دل غور کرتا اور عبرت حاصل کرتا ہے۔

لہذا جب مخلوقات آنکھ اور کان کے سامنے آویں اور وہ ان کی اسکی خبریں دل کو پہنچا دیں جو خالق کی طرف رہبری کرتی ہوں اور اس کی اطاعت پر ابھارتی ہوں اور نافرمانی کے وقت اس کی گرفت سے ڈراتی ہوں تو ہی ان کا فائدہ ہے ورنہ آنکھ اور کان کا جو مقصود ہے وہ پورا نہیں ہوگا۔

اور اگر سمع و بصر سے ان کی حقیقت مراد ہو تو پھر مقصود کا پورا نہ ہونا اس طرح ہوگا کہ خواہشات میں لگ کر اپنے مدرکات کی حقیقتوں سے ذہول کرے تو بطور سزا کے ان آلات کی حقیقت چھین لی جاتی ہے۔ پھر انسان دیکھتا تو ہے لیکن نہ دیکھنے کی طرح اور سنتا ہے لیکن نہ سننے کی طرح۔ دل اپنی اصلاح کی چیزوں سے غافل رہتا ہے اس وقت انسان خطاؤں پر خطائیں کرتا رہتا ہے اور اس کو اس کا احساس تک نہیں ہو پاتا کہ آخر اس سے مقصود کیا ہے؟ اپنے سر منزل جانے کو بھولا رہتا ہے کوئی نصیحت اس پر کارگر نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی حقیقت ہی بھول جاتا ہے اپنے مقصود سے غافل ہو جاتا ہے اور اسے اپنے مرجع یعنی آخرت سے ذہول ہو جاتا ہے۔ دنیوی طبعی فائدوں کو دیکھتا ہے اور آخرت کے گھاٹوں کو نہیں سوچتا۔ اپنے رفقاء سے عبرت نہیں حاصل کرتا اور نہ اپنے ساتھیوں سے نصیحت قبول کرتا اور اپنے سفر کے لیے توشہ نہیں اختیار کرتا۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

اَلنَّاسُ فِیْ غَفْلَۃٍ وَالْمَوْتُ یُوْقِظُہُمْ وَمَا یُفِیْقُوْنَ حَتّٰی یَنْفَدَ الْعُمُرُ.

"لوگ غفلتوں میں مست ہیں حالانکہ دوسروں کی موت انہیں جگا رہی ہے اور انہیں افاقہ نہیں ہوگا حتی کہ موت آ جائے۔"

يَنْفُضُوْنَ أَعْقَابَهُمْ بِحَثْيِهِمْ يَنْظُرُوْنَ إِلَى مَا فِيْهِ فَلَمْ يُبْصِرُوْا وَيَرْجِعُوْنَ
إِلَى أَحْلَامِ غَفْلَتِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَمْ يَرَوْا شَيْئًا وَلَا نَظَرُوْا.

"اپنے گھر والوں کے جنازہ میں شرکت کرتے ہیں اور ان کے دفن ہونے کا منظر دیکھتے ہیں لیکن پھر اپنی غفلت کے خوابوں میں لوٹ جاتے ہیں اس طرح کہ انہوں نے کچھ دیکھا نہ تھا"
یہ حالت بہت سے لوگوں کی ہے ہم اللہ تعالیٰ سے ان آلات سمع و بصر کے چھن جانے سے پناہ مانگتے ہیں کیونکہ وہ بہت قبیح حالت ہوگی۔

عشق کیوں ہوتا ہے؟

مجلس۔ حکماء نے عشق کی حقیقت اس کے اسباب اور علاج کے متعلق جو کلام کیا ہے میں نے اس کا مطالعہ کیا پھر ایک کتاب لکھی جس کا نام "ذم الہوی" رکھا ہے اس میں میں نے حکماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ عشق کا سبب "خالی نفس کا حرکت میں آنا ہے" پھر حکماء کا اختلاف ہے
ایک جماعت کہتی ہے کہ عشق خوش مزاج ہی لوگوں کو ہو سکتا ہے اور دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ عشق ان کو ہوتا ہے جو حقائق میں غور کرنے سے غافل ہوتے ہیں۔
مجھ کو کتاب لکھ چکنے کے بعد ایک عجیب حقیقت سمجھ میں آئی ہے۔ یہاں اس کی تشریح کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ عشق اسی کو ہو سکتا ہے جس کی طبیعت میں جمود ٹھہرا ہو کیونکہ جو لوگ بلند پرواز ہمت کے مالک ہوں جب ان کے سامنے کوئی ایسی چیز آتی ہے جو ہمت کی محرک ہو تو دوسرے ہی لمحہ میں اس کے عیوب بھی پیش نظر ہو جاتے ہیں خواہ محبوب کے تصور کے بعد یا اس سے اختلاط کے بعد اس لیے ان کا نفس پیچھے ہٹ جاتا ہے اور دوسرے مطلوب سے متعلق ہو جاتا ہے
لہٰذا ایسے عشق پر جو ایک محبوب سے متعلق رہے اور اس کے عیوب سے اندھا رہے وہی ٹھہر سکتا ہے جس کی طبیعت میں جمود ہو۔

رہے وہ لوگ جن کو محبوب سے نفرت ہو وہ ہمیشہ ترقی کرتے رہتے ہیں اور ان کے نیچے کوئی چیز سکونت نہیں ہوتی اور جب بھی ان کی طبیعتیں کسی شخص کی محبت سے متعلق ہوتی ہیں تو انفعال عشق تک نہیں پہنچتیں بلکہ ان کو کسی وقت میں یا تو تفکر کی یا اختلاط کی یعنی محبوب پر اطلاع میں کمی کے سبب شدید میلان ہو جاتا ہے اور اس سے کم میلان ہو جاتا ہے کیونکہ [illegible]

کے درمیان کوئی پسندیدہ صفت یکساں ہوتی ہے جیسے خوش مزاج، خوش مزاج کے ساتھ اور ایک
ذہین کو دوسرے ذہین کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے لیکن عشق نہیں ہوتا کیونکہ ان کی طبیعت فہم کے
تابع ہوتی ہے اور ان کی ہمتوں کا تعلق ایسی چیز سے ہوتا ہے جو اس دنیا میں نہ پائی جا سکے۔

یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ ان کمالات پر نظر رکھتے ہیں جن کا وجود دنیا کے افراد میں نہ ہو۔

حاصل یہ کہ اس طرح کے لوگ جب محبوب کے عیوب کو دیکھتے ہیں تو اس سے ان کی
طبیعت ہٹ جاتی ہے۔ اسی طرح تصوف کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا بھی دوسروں کے عشق
سے مانع ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اللہ کی محبت مخلوق کی محبت سے مختلف ہوتی ہے لیکن اہل معرفت
اللہ کی طرف اس قدر متوجہ ہو جاتے ہیں کہ اس کی محبت دوسروں کی محبت سے مشغول کر لیتی
ہے اور ان کی طبیعتیں معرفت اور محبت کی قوت کی وجہ سے اسی کی تصور میں غرق رہتی ہیں۔
جیسا کہ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا ہے:

أُحِبُّ حَبِيبًا لَا أُعَابُ بِحُبِّهِ.

"میں ایسے محبوب سے محبت کرتی ہوں جس کی محبت میں مجھ پر کوئی عیب نہیں لگ سکتا۔"

وَأَحْبَبْتُمْ مَنْ فِي هَوَاهُ عُيُوبُ.

"اور دوسروں کے محبوب ایسے ہیں جن کی محبت عیب ہی عیب ہے۔"

اور ایک فقیر صوفی کے متعلق منقول ہے کہ وہ ایک عورت کے پاس سے گزرے وہ انہیں
پسند آ گئی۔ اس کے باپ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا، باپ نے نکاح کر دیا اور صوفی کو گھر
لے جا کر اس کے پرانے کپڑے اتار دیے اور نئے کپڑے پہنا دیے۔ جب رات ہوئی تو
فقیر صوفی شور مچانے لگے میرا کپڑا لاؤ میں اپنے دل کی کیفیت سے محروم ہو گیا ہوں۔

دیکھو! فقیر کی اس لغزش ہی نے اسے خبردار کر دیا کہ وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا
ہے لیکن ایسے واقعات اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والوں اور رذائل سے نفرت کرنے والوں
ہی کو پیش آتے ہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

إذا أعجبت أحدكم امرأة فليذكر مناتنها. "جب تم میں سے کسی کو کوئی
عورت پسند آ جائے (اور وسوسے ہونے لگے) تو اس کے مثانہ کا تصور کرے۔"

اس ارشاد کو اس طرح سمجھو کہ پسندیدہ اور مشتہی کھانا دیکھ کر عقل اس کے منہ میں چبائے جانے اور اس کے نگلنے کے تصور سے غافل ہو جاتی ہے اور جماع کے وقت گندگیوں سے ملنے کا تصور شہوت کے غلبہ کی وجہ سے ذہن سے نکل جاتا ہے اور تھوک نگلنے کے وقت اس کا تقذر اسے بدلتا بھولا رہتا ہے۔ اگرچہ ان کو بھول جانے میں مصلحتیں ہیں مگر بیدار طبیعت لوگوں کو قصداً تصور کیے بغیر بھی اکثر اوقات یہ احساس پیش آتا ہے جو ان پر زندگی کی لذتوں کو سادہ کر دیتا ہے اور خواہشات سے نفرت پیدا کر دیتا ہے۔

پس عاشق جس قدر انجام کو سوچے گا اس کے دل سے عشق کم ہوگا اور طبیعت کے جمود کے بقدر ترقی بڑھے گا۔ متنبی کہتا ہے:

لَوْ فَكَّرَ الْعَاشِقُ فِيْ مُنْتَهٰى حُسْنِ الَّذِيْ يَسْبِيْهِ لَمْ يَسْبِهِ۔

"اگر عاشق اس محبوب کے حسن کی انتہا کو سوچ لیتا جس کا وہ غلام بن گیا ہے تو غلام نہ ہو جاتا۔"

حاصل اس تشریح کا یہ ہوا کہ بیدار طبیعت لوگوں کی طبیعتیں ترقی کرتی رہتی ہیں۔ کسی خوبصورت چیز پر ٹھہرتی نہیں اور ان کی ترقی کا سبب اس چیز کے عیوب اور نقائص سوچنا یا ایسی چیز کی طلب میں لگنا ہے جو اس سے بھی اہم ہو۔ اسی لیے عارفین کے قلوب اپنے خدا کی طرف ترقی کرتے ہیں اور غیرت کے پلے سے گزرتے رہتے ہیں اور اہل غفلت دونوں موقعوں پر جامد رہتے ہیں اور دونوں مقام سے غافل رہتے ہیں جو ان کی قید بندش اور حیرت کا سبب بنتا ہے۔

اعترافِ قصور

مجلس... مجھ کو ایک ایسا معاملہ پیش آیا جس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی ضرورت تھی۔ میں نے بھی دعاء کی اور میرے ساتھ ایک دیندار عابد بھی دعاء کرتے رہے۔ جب قبولیت کا اثر ظاہر ہوا تو میرے نفس نے کہا کہ یہ قبولیت اس عابد بندے کی دعاء کے سبب ہوئی ہے نہ کہ تمہاری دعاء سے۔

میں نے کہا کہ بیشک میں اپنے اندر ایسے گناہ اور کوتاہیوں کو پاتا ہوں جو قبولیت دعاء میں مانع ہو سکتے ہیں مگر ممکن ہے میری ہی دعاء قبول ہوئی ہو جس کی وجہ یہ ہوئی ہو کہ وہ نیک

عابد اپنے متعلق عجز و قصور کا وہ اعتراف نہ رکھتے ہوں جو میں رکھتا ہوں اس لیے کہ میرے
پاس اپنے قصور کا اعتراف ہے اور ممکن ہے ان کے پاس اپنے معاملہ پر ناز ہو اور بسا اوقات
اعتراف قصور سے حوائج زیادہ بر آتے ہیں۔

گو میں ہم اور وہ دونوں خدا کے فضل ہی کی بنیاد پر سوال کر رہے تھے نہ اپنے اعمال کی
بنیاد پر لیکن پھر بھی جب میں انکسار کے ساتھ اور اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے اس کے
دربار میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اپنے فضل سے عطا فرمائیے تو میرے سوال میں کوئی ایسا
جز نہیں تھا جس کی بنیاد پر میری دعا قبول نہ کی جاتی اور یہ ممکن ہے کہ انہوں نے اپنے حسن
عمل پر بھی نگاہ ڈالی ہو جو قبولیت میں رکاوٹ کا سبب ہو سکتا ہے۔ لہذا اے نفس! مجھ کو مزید
مت ڈرا کیونکہ مجھ کو اپنا عجز و قصور کافی ہے اور میرے پاس ایسا علم موجود ہے جو اللہ تعالیٰ کا
ادب اور اعتراف قصور سکھاتا ہے اور اپنے مطلوب کی احتیاج اور خدا تعالیٰ کے فضل کا یقین
بتلاتا ہے جو ممکن ہے اس عابد کے پاس نہ ہو۔ خدا تعالیٰ اس عابد کی عبادت میں برکت عطا
فرمادے اس لیے مجھے امید ہے کہ میرا اعتراف قصور زیادہ مقبول ہوا ہوگا۔

ایک دلچسپ اشارہ

مجلس... میں نے بعض مدعیان علم کے سامنے کچھ نادر نکتے اور دلچسپ حکمتیں
بیان کیں لیکن ان کو دیکھا کہ وہ کچھ توجہ نہیں دیتے اور فہم تک نہیں پہنچے اور ان کی طرف مائل
نہیں ہوتے تو میں ان کو دوسری چیزیں سنانے لگا اور سوچا کہ یہ باتیں ایسے سمجھدار آدمی کے
سامنے بیان کرنی چاہئیں جو ان کو پیاسے کی طرح پئے پھر اس سے ایک اشارہ نکالا۔ اگر یہ
شخص میری بات سمجھتا اور اس پر میری تعریف کرتا تو فوراً اس کی قدر میرے دل میں زیادہ
ہو جاتی اور میں اس کو اپنے دوسرے اچھے کلام اور اچھی کتابیں دکھاتا لیکن جب میں نے اس
کو اہل نہیں دیکھا تو اس سے رخ پھیر لیا اور توجہ ہٹالی تو اس سے یہ اشارہ نکالا کہ

گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کو تخلیق کیا ان کو بہترین ترتیب دی اور مضبوطی عطا
کی پھر اہل عقل کے سامنے ان کو پیش فرمایا۔ اب جس نے غور سے ان کو دیکھا اور سمجھا
تو اس کے سمجھنے کے بقدر اس کی مدح کی گئی اور صانع تعالیٰ نے اس کو محبوب بنالیا۔

اسی طرح آسمانی قرآن کریم اتارا جو عجیب عجیب حکمتوں پر مشتمل ہے جس نے اس کو فہم کے ذریعے سمجھا اور فکر کی خلوت میں اس پر غور کیا وہ متکلم کی خوشنودی حاصل کرے گا اور اس کا قرب پا جائے گا اور جس کا ذہن حیات میں ڈوبا رہا وہ اس مقام سے محروم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔

"میں اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔"

عالی ہمتی

مجلس... ایک دن میں نے دعا کی: اے اللہ! طول عمر کی میری تمنا ہے پوری فرما دیجئے اور میری عمر اتنی طویل فرما دیجئے کہ میں علم و عمل کے اس مرتبہ پر پہنچ سکوں جس کی مجھ کو خواہش ہے۔

اس پر ابلیس کا وسوسہ مجھ کو تنگ کرنے لگا کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟ کیا پھر موت نہیں آ جائے گی۔ لہٰذا طول حیات سے کیا فائدہ؟ میں نے کہا اے بیوقوف! اگر تو میرے سوال کی تہہ تک پہنچتا تو تجھے پتہ چل جاتا کہ میرا سوال عبث نہیں تھا۔ کیا ہر روز میرا علم اور میری معرفت بڑھتی نہیں جا رہی ہے؟ جس سے میرا ثواب بے حد بڑھ جاتا ہے اور ثواب کی قدر اس کے پانے کے وقت ہوگی۔

کیا میں اس پر راضی ہو سکتا ہوں کہ بیس سال کی عمر میں مر جاتا؟ نہیں! کبھی نہیں! کیونکہ اس وقت مجھ کو آج کی معرفت کا عشر عشیر بھی نہیں حاصل تھا اور یہ ثمرہ ہے اس زندگی کا جس میں میں نے وحدانیت کے دلائل فراہم کیے ہیں اور (امور معرفت میں) تقلید کی پستی سے نکل کر بصیرت کی بلندی پر پہنچا ہوں اور مجھ پر ایسے علوم کھلے ہیں جن سے میرا مرتبہ بڑھا ہے اور میں باوزن ہو گیا ہوں۔

اسی طرح آخرت کو بھی فائدہ ہوا اور طلبہ کو علم دین سکھلا کر میری تجارت آخرت میں مزید منفعت ملی ہو۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔

"اور کہئے کہ اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرماتے رہئے۔"

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَزِيْدُ الْمُؤْمِنَ عُمُرُهٗ اِلَّا خَيْرًا.

''مومن کی عمر اس کی نیکیوں ہی میں اضافہ کرتی ہے۔''

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ السَّعَادَةَ اَنْ يَّطُوْلَ عُمُرُ الْعَبْدِ وَيَرْزُقَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الْاِنَابَةَ.

''نیک بختی کی علامت یہ ہے کہ بندے کی عمر طویل کر دی جائے اور اللہ تعالیٰ اس کو رجوع الی اللہ کی توفیق عطا فرمائیں۔''

پس کاش! مجھ کو عمر نوح مل جائے کیونکہ علوم بہت ہیں اور علم جتنا بھی حاصل ہوگا رفعت کا اور فائدہ کا سبب بنے گا۔

سبب پر اکتفا نہ کرنا چاہیے

فصل... عارفین کے قلوب اگر اسباب سے کچھ بھی تعلق کرتے ہیں تو خدا کو غیرت آتی ہے۔ اگرچہ اسباب کو دل میں جگہ نہ دیں کیونکہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لیے سب سے علیحدہ ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی ضرورتوں کا کفیل ہو گیا ہے۔

چنانچہ جب بھی انہوں نے اسباب پر نظر کی تو ان کا اثر مٹا دیا گیا۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا.

''اور جنگ حنین کے دن جب تم کو اپنی کثرت پر ناز ہونے لگا تھا تو اس کثرت نے تمہیں کچھ نہیں بچایا۔''

غور کرو! حضرت یعقوب علیہ السلام کے حال پر اور حضرت یوسف علیہ السلام کے سلسلے میں ان کی احتیاط پر کہ بیٹوں سے فرمایا ''اَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ'' (مجھے ڈر ہے کہیں اس کو بھیڑیا نہ کھا جائے) پھر بیٹے بھی یہی بات لے کر آئے ''اَكَلَهُ الذِّئْبُ'' (اسے بھیڑیا کھا گیا)

اور جب کشادگی کا وقت آیا اور ''یہودا'' یوسف علیہ السلام کی قمیص لے کر چلے تو آپ کو اس کی بو پہلے ہی پہنچ گئی (سبب کی محتاج نہ ہوئی) ''اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ'' (مجھے

یوسف کی پوشیدگی ہو رہی ہے)۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام کا ساقی سے کہنا "اُذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ" (اپنے آقا سے میرا ذکر کر دینا) اس پر آپ سے عتاب ہو گیا اور سات سال مزید قید رہنا پڑا۔ حالانکہ یوسف علیہ السلام کو یقین تھا کہ چھٹکارا اللہ کی مرضی سے ہی ہو سکتا ہے اور اسباب کا اختیار کرنا بھی مشروع ہے مگر غیرت خداوندی نے عتاب فرما لیا۔

اسی قبیل سے حضرت مریم کا قصہ ہے: "وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا" (اور مریم کی کفالت کی زکریا نے) اللہ تعالیٰ کو اس سبب سے تعلق پر غیرت آئی۔ "كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا" (جب بھی مریم کے پاس محراب میں زکریا جاتے ان کے پاس غذا کی چیزیں ہوتے)

اور اسی قبیل سے وہ حدیث ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا:

أَبَى اللّٰهُ أَنْ يَرْزُقَ عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ إِلَّا مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.

"اللہ اپنے مومن بندے کو ایسے ہی مقام سے روزی عطا فرماتا ہے جس کا اسے گمان نہ ہو۔"

لیکن اسباب کی مثال ایسے راستے کی ہے جس پر چلے بغیر چارہ نہیں۔ البتہ عارف اسباب کو دل میں جگہ نہیں دیتا جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کے سامنے اسباب کی اصلی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے جو دوسروں پر مخفی ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسباب دل لگانے کی چیز نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات ان کی طرف میلان پر بھی عارف سے مواخذہ ہو جاتا ہے اگرچہ وہ میلان کو بھی دل سے قبول نہیں کرتا۔ مگر

مقرباں را بیش بود حیرانی

غور کرو حضرت سلیمان علیہ السلام سے عتاب پر جب آپ نے کہہ دیا تھا:

لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى مِائَةِ امْرَأَةٍ تَلِدُ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ غُلَامًا.

"آج رات سو بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر عورت ایک لڑکا جنے گی۔"

اور ان شاء اللہ نہیں کہا تھا کہ کسی عورت کو بھی حمل نہ ہوا۔ البتہ صرف ایک بیوی سے ناتمام بچہ ہوا۔ دراصل مجھ کو ایک ایسی حالت پیش آئی جس میں سبب اختیار کرنے کی ضرورت تھی لیکن اس میں یہ قباحت بھی تھی کہ اس کے لیے بعض ظالم لوگوں سے ملنا اور ان کی خاطر کچھ کہنا پڑتا۔ میں ابھی اسی فکر میں تھا کہ ایک قاری میرے پاس آئے اور انہوں

نے قرآن کی تلاوت کی جس سے میں نے فال لی وہ یہ پڑھ رہے تھے:

وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ۔

"اور ظالموں کی طرف نہ مائل ہو کہ آگ تم کو پکڑ لے اور اللہ کے سوا تمہارے لیے مددگار نہ ہوں گے۔ پھر تمہاری مدد بھی نہ کی جائے گی۔"

میں اپنے خیال کا یہ جواب پا کر مبہوت ہو گیا اور اپنے نفس سے کہا کہ اسے سن لے۔ میں نے اس مدارات کے ذریعے نصرت چاہی تھی تو مجھ کو قرآن کریم نے بتلا دیا کہ اگر میں کسی ظالم کی طرف مائل ہوا تو مجھ سے وہ نصرت ہٹا لی جائے گی جس کے لیے میں ان کی طرف مائل ہو رہا تھا۔

کس قدر خوب ہے اس کے حق میں جس نے مسبب کو پہچانا اور اسی سے تعلق جوڑا کیونکہ وہی نہایت قصوی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

ایمان اور گناہ

مجلس..... مومن گناہوں پر اصرار نہیں کر سکتا۔ ہاں کبھی خواہش غالب ہو جاتی ہے اور شہوت کی آگ بھڑک جاتی ہے تو ذرا اپنے مرتبہ سے نیچے اتر آتا ہے کیونکہ اس کے پاس ایسا ایمان ہے جو گناہوں سے بغض پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا اس سے گناہوں کا پختہ ارادہ ہو سکتا ہے اور نہ فراغت کے بعد دوبارہ کرنے کا عزم ہو سکتا ہے۔ وہ اگر کسی سے ناراض ہوتا ہے تو زیادہ انتقام نہیں لیتا اور لغزشوں سے پہلے ہی توبہ کی نیت رکھتا ہے۔

غور کرو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے حال پر کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے سے دور کرنے سے پہلے ہی توبہ کا بھی عزم کر لیا۔ چنانچہ پہلے کہا "اُقْتُلُوْا يُوْسُفَ" (یوسف کو مار ڈالو) پھر اس کو بڑا گناہ تصور کر کے کہا "اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا" (اس کو کہیں دور دراز علاقہ میں چھوڑ آؤ) پھر ثابت ہوئی تو کہا "وَتَكُوْنُوْا مِنْ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ" (اس کے بعد تم لوگ نیکوکار ہو جانا)

اسی طرح جب آپ کو صحرا میں لے گئے اور حسد کے تقاضے سے قتل کرنا چاہا تو بڑے بھائی نے کہا "لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ" (یوسف کو قتل نہ کرو بلکہ اسے اندھے کنویں میں ڈال دو) اور اس میں بھی یہ خواہش نہیں کی کہ مر جائیں بلکہ "يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ" (اسے کوئی قافلہ لیتا جائے) پھر بھی کیا بھی۔

ان احوال کا سبب یہ ہے کہ ایمان اپنی قوت کے بقدر لوگوں کو گناہوں سے روکتا ہے چنانچہ کبھی تو خیال ہی کے وقت روک دیتا ہے اور کبھی کمزور ہونے کے سبب عزم مصمم کے وقت روکتا ہے اور اگر غفلت غالب ہی ہو جائے اور گناہ صادر ہو جائے تو طبیعت سست پڑ جاتی ہے اس وقت عمل کے لیے اٹھاتا ہے اور کیے پر ندامت کے سبب اس گناہ سے حاصل ہونے والی لذت بہت کم ہو جاتی ہے۔

اپنے علم پر اکتفاء اور خود رائی گمراہی ہے

مجلس... سب سے افضل مشغلہ علم میں اضافہ کرنا ہے کیونکہ جو شخص اپنے علم پر اکتفاء کر لیتا ہے اور اس کو کافی سمجھ لیتا ہے وہ خود رائے ہو جاتا اور اپنی تعظیم اس کے لیے استفادہ سے مانع ہو جاتی ہے۔ پھر درس کے اور بیان کے وقت اس کی خطائیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اب اگر وہ لوگوں کے نزدیک معزز بھی ہوا تو دوسروں کو اس کی غلطی پر ٹوکنے کی جرأت نہیں ہو پاتی۔ (لہٰذا وہ جاہل ہی رہ جاتا ہے)

حالانکہ اگر وہ استفادہ کا اظہار کرتا تو اس کی غلطیوں پر تنبیہ کر دی جاتی ہے اور وہ ان سے رجوع کر لیتا۔

ابن عقیل نے ابو المعالی جوینی کا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوقات کا صرف اجمالی علم ہے تفصیلی نہیں جانتے۔

پتہ نہیں اس مسکین کو کیا شبہ پیش آ گیا کہ اس نے ایسا کہہ دیا۔

اسی طرح ابو حامد نے کہا کہ نزول کے معنی منتقل ہونا اور استواء کے معنی مماسہ ہے میں کہتا ہوں کیسے ان کو قیاس اہل بلاد ان کو فقیہ سمجھا ہے؟ جبکہ انہیں یہی پہچان نہیں کہ اللہ پر کن باتوں کا اطلاق درست

ہے (اور کسی کا نہیں) اگر یہ لوگ اپنی تعظیم کا خیال ترک کر دیتے (اور کسی سے استفادہ کر لیتے) تو مکتب کے بچے بھی ان کی اس بے تدبری سے اور ان کے سامنے اپنی غلطی واضح بھی ہو جاتی۔

اسی طرح ابوبکر بن مقسم بھی ہیں کہ انہوں نے فن قرأت میں "کتاب الاحتجاج" لکھی ہے اس میں اگرچہ بہت سے فوائد بھی ہیں لیکن نقص علم کے سبب خرابیاں بھی ہیں۔ مثلاً جو قرأت ناجائز تھی اس کو بھی جائز لکھ دیا اور مزید خرابی کرتے ہوئے ایسی باتیں بھی لکھ دیں جن سے معنی فاسد ہو جاتا ہے اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فَلَمَّا اسْتَيْأَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا" (پھر یوسف علیہ السلام کے بھائی بن یامین سے مایوس ہو گئے تو تنگ ہو کر سرگوشی کرنے لگے) اس پر لکھا کہ "اس موقع پر "نجیا" کہنا بالکل مناسب ہے جس کا مطلب یہ ہوگا "خَلَصُوْا نُجَبَاءَ بُرَآءَ مِنَ السَّرِقَةِ" (سب کے سب عزت کے ساتھ چوری سے بری ہو کر چھوٹ گئے)

حالانکہ یہ تفسیر قصہ کے نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے کیونکہ جس کو سرقہ کی طرف منسوب کیا گیا (بن یامین) اس کے پاس سے چوری کا سامان برآمد ہو گیا پھر بقیہ بھائیوں کا چھٹکارا کیسے سودمند ہوگا؟ جبکہ قصہ کا سیاق یہ ہے کہ وہ سب سے الگ ہو کر مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے اور باپ کے پاس کیسے لوٹ کر جائیں جبکہ بھائی قید ہو گیا ہے لہٰذا یہاں نجات کے کیا معنی ہوئے؟

اور جس نے ان کی کتاب میں اس طرح کی لغزشوں پر غور کیا بے شمار غلطیاں پاوے گا۔ اگر وہ اپنے وقت کے علماء سے رجوع کر لیتے اور اپنی تعظیم کا خیال چھوڑ دیتے تو ان کو راہ صواب معلوم ہو جاتی مگر آدمی کا اپنے علم پر اکتفاء کرنا جبکہ اس میں خود رائی بھی شامل ہو اپنے کو راہ صواب سے محروم کرتا ہے۔ "نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ"

اے صاحب تقویٰ

مجلس... میں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں غور کیا:

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ۔

"یہ لوگ آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ اسلام لائے کہہ دیجئے کہ اپنے اسلام کا احسان

مجھ پر مت رکھو بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان جتلاتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی۔"

تو اس کے اندر ایک عجیب نکتہ نظر آتا ہے وہ یہ کہ چونکہ ان لوگوں کو اس عقل سے نوازا گیا تھا جس سے انہوں نے بتوں کی خرابی بھی تھی اور اس کا یقین کیا تھا کہ بت عبادت کے لائق نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اپنی عبادتوں کا رخ اس ذات کی طرف پھیر دیا تھا جو تمام مخلوقات کی خالق ہے اس لیے یہ معرفت اس عقل موہوب کا نتیجہ ہوئی جس سے وہ جانوروں سے ممتاز ہوئے ہیں۔ پھر جب اپنی عقل موہوب کی رہبری سے ایمان تک پہنچے تو اس موہوب عقل کو مرتب بھلا بیٹھے اور اس کے عطا خداوندی ہونے سے غافل ہو گئے۔

بھلا سوچو اگر پھل (ایمان) کیسے ان کی ملک ہو سکتا ہے جبکہ درخت (عقل) ان کی ملک میں نہ ہو؟

پس اسی طرح ہر عبادت گزار اور عالم جس نے بیداری اور حفظ کے نور سے فہم کی قوت سے اور عقل کی رہنمائی سے راہ صواب دیکھی ہو اور مطلوب تک پہنچا ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس ذات کا شکر ادا کرے جس نے طبعی تقاضوں کی تاریکی میں اس کے لیے روشنی پیدا فرمائی۔ چنانچہ اسی قبیل سے ان تین آدمیوں کا قصہ بھی تھا جو غار میں داخل ہوئے تو غار کے منہ پر ایک چٹان گر پڑی جس نے ان کے نکلنے کی راہ مسدود کر دی پھر انہوں نے کہا تھا کہ آؤ ہم اپنے اچھے اعمال سے توسل کریں پھر ہر ایک نے اپنا اپنا عمل بیان کیا (اور دعا کی لہٰذا چٹان ہٹ گئی اور یہ لوگ بخیریت واپس آ گئے) یہ لوگ اس وقت اگر غلطیوں سے بچا لینے والی ذات کے انعام پر نظر ڈالتے اور (اپنے اعمال کے بجائے) اس کے اس انعام سے توسل کرتے جو دوسروں کے بجائے خاص انہی پر ہوا تھا تو اس سے بھی ان کی بات خدا تعالیٰ تک پہنچ جاتی لیکن چونکہ انہوں نے اپنے اعمال پر نظر کی اور یہ گمان کرتے کہ ہم نے ہی وہ عمل کیا تھا اس کے بدلے کے منتظر ہوئے اس لیے وہ غیبت ہو گئے اہل حضور نہیں اور ان کی دعائیں اس لیے قبول کی گئیں تاکہ خدا تعالیٰ پر ان کی بیشی کی سنت (احسان جتلانا) ختم ہو جائے۔

اسی طرح وہ صاحب تقویٰ بھی ہے جو اپنے تقویٰ پر نظر کر کے یہ سمجھتا ہے کہ وہ بہت سے

لوگوں سے افضل ہے پھر وہ دوسرے گنہگاروں کو حقیر سمجھتا ہے اور ان پر اپنی بڑائی جتلاتا ہے حالانکہ یہ اس کی طریق سلوک سے اتنی غفلت ہے جو اسے صراط مستقیم سے بھٹکا دیتی ہے۔

میں تجھ سے یہ نہیں کہتا کہ اپنے نفس کی تزکیہ کے لیے فاسقوں سے میل جول کرو نہیں بلکہ باطن میں ان کے افعال سے بغض رکھو اور ظاہر میں ان سے اعراض کرو لیکن اسی کے ساتھ ان کے سلسلے میں تقدیری فیصلوں کو بھی دیکھو کیونکہ اکثر گنہگار اس ذات کی معرفت نہیں رکھتے جس کی وہ نافرمانی کرتے ہیں اور بہت سے قصداً نافرمانی نہیں کرتے بلکہ صرف اپنی خواہش نفسانی کی موافقت کا خیال کرتے ہیں اور ان پر قصداً نافرمانی کرنا بڑا شاق ہوتا ہے اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن پر خدا تعالیٰ کے حلم و عفو کا تصور زیادہ غالب ہے۔ لہٰذا وہ عفو کے شدید یقین کے سامنے اپنے گناہوں کو معمولی خیال کر لیتے ہیں۔

یہ سب چیزیں اگرچہ ان کی طرف سے عذر نہیں ہیں (کہ ان کی بنیاد پر ان کو معاف کر دیا جائے گا) لیکن "اے صاحب تقویٰ! تم ان چیزوں پر غور کرو تاکہ تمہیں اس کا یقین ہو جائے کہ تمہارے خلاف حجت ان کے خلاف حجت سے بڑھی ہوئی ہے کیونکہ تم اس ذات کی معرفت رکھتے ہو جس کی نافرمانی کرتے ہو اور اس گناہ کو جانتے ہو جس کو کرتے جا رہے ہو۔

لہٰذا تم اس پر نظر رکھو کہ قلوب خدا تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ ممکن ہے دائرہ گھوم جائے تو تم منقطع ہو جاؤ اور منقطع واصل ہو جائے۔"

بڑا تعجب ہے اس شخص پر جو کسی بھی بات کو معلوم کر کے ناز کرتا ہے اور اس ذات کو بھولا رہتا ہے جس نے اسے معلوم کرایا اور اس کے جاننے کی توفیق عطا کی۔

اہل کلام، اہل ظاہر اور جاہل اہل تصوف کا فتنہ

مجلس... اس کا یقین رکھو کہ ہماری شریعت کے سارے اصول مضبوط اور سارے قواعد و احکام محفوظ ہیں۔ اس میں نہ کچھ خلل ہے نہ کسی کا کچھ دخل اور یہی حال پچھلی شریعتوں کا بھی تھا لیکن اہل بدعت اور جاہلوں سے دین میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال وہ واقعہ ہے جو نصاریٰ کو پیش آیا کہ جب انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک

پر مُردوں کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے (فاعل کے بجائے) اس خارق عادت فعل پر نظر ڈالی جو کسی انسان کے بس میں نہ تھا۔ لہٰذا ایسے خوارق کے مظہر کو الوہیت کی طرف منسوب کر دیا۔ اگر وہ آپ کی ذات پر غور کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ آپ کا جسم بھی بشری اور فطری تقاضوں کا محتاج تھا اور اتنی سی بات یہ ثابت کرنے کے لیے کافی تھی کہ آپ اللہ بننے کے قابل نہ تھے۔ پھر یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ آپ کے دست مبارک پر جو کچھ ظاہر ہوا وہ کسی اور کا فعل تھا۔

اسی طرح یہ (بدعت یا جہالت) احکام میں بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ نصاریٰ پر ایک ماہ کا روزہ فرض کیا گیا تھا لیکن انہوں نے اپنی رائے سے تیس دن کا اضافہ کر لیا اور اس کو سال کے ایک خاص موسم کے ساتھ مخصوص کر لیا۔

اور یہود نے بھی اصول و عقائد اور احکام و مسائل میں کمی زیادتی کی۔ ہماری اس اُمت کی گمراہیاں بھی انہی قوموں کی ضلالت اور گمراہی کی طرح ہوتی جا رہی ہیں۔ اگرچہ اس میں سے اکثر افراد شرک، شک و شبہ اور شریعت کی کھلی مخالفت سے محفوظ ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اس اُمت کو دوسری اُمتوں کے مقابلے میں زیادہ عقل و فہم عطا ہوئی ہے۔

شیطان نے ان کو یہودیوں اور نصرانیوں کے قریب پہنچا دیا ہے پھر بھی اب تک مجموعی طور پر سب کے غرق کر دینے کی اُمید پوری نہ کر سکا صرف چند فرقوں کو گمراہی کے سمندر میں غرق کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔

چنانچہ ان کی گمراہیوں میں سے ایک یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی کتاب لے کر آئے جس کی صفت یہ بیان کی گئی ہے "مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ" (ہم نے کتاب میں کسی بات کے بیان کرنے میں کچھ کمی اور کوتاہی نہیں کی) اور قرآن کریم کی جن باتوں کا سمجھنا مشکل تھا یعنی جن کے بیان کی ضرورت تھی ان کو اپنے اقوال و افعال سے واضح فرما دیا۔ جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا تھا "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ" (تاکہ آپ لوگوں کے سامنے وضاحت کے ساتھ بیان کریں وہ آیتیں جو ان کی طرف اتاری جا رہی ہیں) پھر آپ نے بیان و تشریح کے بعد فرمایا "تَرَكْتُكُمْ عَلَى بَيْضَاءَ نَقِيَّةٍ" (میں نے تمہیں صاف اور روشن شریعت پر چھوڑا ہے) لیکن ایک قوم آئی

(یعنی اہل کلام) اور اس نے آپ کے بیان و تشریح پر قناعت نہ کی اور آپ کے اصحاب کے طریقہ پر راضی نہ ہوئی بلکہ بحث و تحقیق شروع کی اور کئی فرقوں میں تقسیم ہو گئی۔

چنانچہ ان میں سے کچھ لوگوں نے ان معتقدات کو چھیڑا جن کو لوگوں کے دلوں میں جمانے اور راسخ کر دینے کے لیے صاحب شریعت نے بہت محنت کی تھی لیکن ان لوگوں نے دلوں سے ان کو محو کرنے کی کوشش کی کیونکہ قرآن و حدیث میں اللہ عزوجل کو ایسے اوصاف کے ساتھ ثابت کیا گیا جو اس کے وجود کو دلوں میں راسخ کر دیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ" (پھر وہ عرش پر مستوی ہو گیا) اور آپ کا ارشاد "بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوْطَتَانِ" (بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں) اور یہ ارشاد "وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ" (اور میری آنکھوں کے سامنے بناؤ) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے" "اپنا ہاتھ گنہگاروں کی طرف بڑھاتا ہے" اور "غضبناک ہوتا ہے" وغیرہ یہ ساری نصوص اگرچہ بظاہر تشبیہ کا تصور پیدا کرتی ہیں لیکن ان سے مقصود ایک موجود ذات کو دلوں میں جمانا اور راسخ کرنا تھا پھر جب شریعت نے ان توہمات کو محسوس کیا جو ان نصوص کے سننے سے لوگوں کے دلوں میں راہ پانے لگے تو اسے یہ کہہ کر ختم کر دیا "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ" (اس کے مثل کوئی چیز نہیں)

پھر اس جماعت نے قرآن کریم کے متعلق جو سب سے بڑا معجزہ ہے حدود سے تجاوز کیا حالانکہ شریعت نے اس کے وجود کو بھی دلوں میں راسخ کرنا چاہا ہے چنانچہ فرمایا ہے: "اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ" (یقیناً ہم نے اسے اتارا ہے) "نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ" (اسے روح الامین لے کر اترے) "فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ" (پس چھوڑ دیجئے مجھے اور ان لوگوں کو جو اس کتاب کو جھٹلاتے ہیں) "وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ" (اور یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے اتارا ہے) اور اس کا دلوں میں ہونا یہ ارشاد فرما کر ثابت کیا "فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ" (ان لوگوں کے سینوں میں ہے جنہیں علم سے نوازا گیا) اور مصاحف میں ہونا یہ فرما کر ثابت کیا "فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ" (ہر اعتبار سے محفوظ تختی میں لکھا ہے) اور اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: "لَا تُسَافِرُوْا بِالْقُرْآنِ اِلٰى اَرْضِ

اشغلوا بہ (قرآن شریف ساتھ لے کر حربیوں کے ملک کی طرف سفر نہ کرو)

لیکن انہوں نے کہا کہ قرآن مخلوق ہے اور یہ کہہ کر انہوں نے دلوں سے قرآن کا احترام نکال دیا اور انہوں نے کہا کہ قرآن نازل نہیں ہوا۔ بھلا قرآن کا نزول کیسے متصور ہو سکتا ہے؟ کیا صفت اپنے موصوف سے جدا ہو سکتی ہے۔ مصحف میں تو روشنائی اور ورق ہے۔ گویا شریعت نے جس کی رعایت کرنے کی محنت کی انہوں نے اس کو مٹانے کی کوشش کی۔

اور انہی نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں نہیں ہے اور اس کے حق میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ عرش پر مستوی ہوا اور نہ یہ کہ وہ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے بلکہ اس سے مراد اس کی رحمت کا نزول ہے یہ سب کہہ کر دلوں سے اس چیز کو مٹا دیا جس کو دلوں میں جمانے کا ارادہ کیا گیا تھا یعنی شریعت کے مقصود کے خلاف کیا۔

کچھ اور لوگ پیدا ہوئے (یعنی اہل ظاہر) انہوں نے بھی شریعت کی تحدیدات پر توقف نہ کیا بلکہ اس میں اپنی رائے کو دخل دیا۔ چنانچہ کہا "اللہ عرش پر رہتا ہے" ان سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر قناعت نہ ہو سکی "اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ"

ان کے لیے ان کے سابقین نے بہت سی تحقیقات چھوڑی ہیں اور ملاحدہ نے ان کے لیے بہت سی احادیث وضع کی ہیں اور وہ اس سے ناواقف ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر کن باتوں کا اطلاق و حمل درست ہے اور کن کا نہیں۔ لہٰذا ان احادیث سے خدا تعالیٰ کی صفات ثابت کیں۔ حالانکہ ان حدیثوں میں صحیح احادیث لغت عرب کے توسع کے اعتبار سے وارد ہوئی ہیں لیکن انہوں نے ان کو ظاہر پر محمول کر لیا۔

ان کی مثال ضرب المثل میں رجح نامی ایک شخص جیسی ہو گئی جس کی ماں نے اس سے کہا تھا "احفظ الباب" دروازہ کی حفاظت کرنا اس نے دروازہ اکھاڑا اور لے کر اپنے گھر چلا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی ماں کے گھر میں جو کچھ تھا سب چوری ہو گیا۔ جب ماں کو معلوم ہوا تو اس نے سخت ملامت کی تو آپ فرماتے ہیں کہ تم نے دروازہ کی حفاظت کا حکم دیا تھا یہ تو نہیں کہا تھا کہ گھر کی حفاظت کرنا۔

چونکہ انہوں نے عرش پر کسی عظیم صورت کا تصور باندھ رکھا ہے اس لیے ان نصوص میں تاویلے

کرتے تھے جو اس کے عرش پر موجود کے منافی ہوں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد حدیث قدسی میں ہے:

مَنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُہٗ ھَرْوَلَۃً

"جو میری طرف چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر بڑھتا ہوں۔"

اس پر انہوں نے کہا کہ اس حدیث میں مراد قربت حقیقی نہیں ہے بلکہ مرتبہ کا قرب مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں کہتے ہیں:

اِلَّا اَنْ یَّاْتِیَھُمُ اللّٰہُ فِیْ ظُلَلٍ "مگر یہ کہ اللہ ان کے پاس آ جائے بدلیوں میں"

کہ اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس سے مراد ذات کا آنا ہے۔

پس ان کی مثال "یُحِلُّوْنَہٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَہٗ عَامًا" کہ ایک سال اس کو حلال کرتے ہیں اور ایک سال اسی کو حرام قرار دیتے ہیں۔

اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت کر لی ان کو یہ لوگ صفات کہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے روح اور تنفخ کی نسبت اپنی طرف سے کی ہے۔ اسی طرح انہوں نے یہ ثابت کیا کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اس میں اگر وہ کہتے ہیں کہ ان کو اپنی قدرت سے پیدا کیا تو اس کا انکار مشکل تھا لیکن انہوں نے یہ کہا کہ خلق بالید ایک صفت ہے جو دوسری مخلوقات کے مقابلے میں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے ورنہ پھر آدم کی فضیلت کیا ہوئی؟ مگر آدم کی فضیلت پر نظر کرنے میں انہیں اس بات کی طرف سے ذہول ہو گیا کہ اللہ کے لیے کون سے افعال مناسب ہیں اور کون سے نہیں کیونکہ اس پر مس یعنی چھونے اور آلات کے ذریعے کام کرنے کا اطلاق درست نہیں ہے۔

اور چونکہ حضرت آدم کی صورت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے اس لیے انہوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ پر لفظ صورت کا اطلاق کریں گے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ "آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔"

ان لوگوں نے نہ سمجھا کہ یہ ادھوری حدیث سمجھ لیا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا ارشاد یہ ہے:

اِذَا ضَرَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَجْتَنِبِ الْوَجْہَ وَلَا یَقُلْ قَبَّحَ اللّٰہُ وَجْھَکَ وَلَا وَجْہَ اَشْبَہَ وَجْھَکَ فَاِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ۔

اب اگر اس سے مراد اللہ عزوجل ہیں تو پھر اللہ کا چہرہ اس بحث کرنے والے کے چہرے کے مشابہ ہونا چاہیے اس لیے کہ حدیث ایسی ہی وارد ہوئی ہے۔ "وَلَا وَجْهَهَا اَشْبَهَ وَجْهَكَ"

اور ان لوگوں نے خود حدیث جیسم کی روایت نقل کی "وَاِنَّ آخِرَ وَطْئَةٍ وَطِئَهَا اللّٰهُ بِوَجٍّ" (سب سے آخری روندنا جسے اللہ نے روندا مقام وج میں ہوا) انہیں نہ تاریخ کی خبر نہ غزوات وغیرہ کی اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی "اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ" (اے اللہ! مضر کو سختی کے ساتھ روند ڈالیے) اور نہ وہ یہ جانتے کہ اس سے مراد آخری جنگ ہے جس میں مسلمانوں نے مقام وج میں قتال کیا اور وہ غزوہ حنین ہے۔ اس لیے انہوں نے کہا کہ ہم خبر کو ظاہر پر محمول کریں گے اور مطلب یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کو روندا ہے۔

ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے زمین پر تھا پھر آسمان پر چڑھ گیا اور ایسے ہی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے متعلق کہا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا۔ "اللہ نہیں اکتائے گا تم ہی اکتا جاؤ گے۔"

کہ اللہ کو اکتاہٹ کے ساتھ متصف کرنا جائز ہے۔ یہاں انہوں نے لغت سے بھی جہالت کا ثبوت فراہم کر دیا۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ اگر "حتی" یہاں غایت کے لیے ہوگا تو مدح نہیں ہوگی اس لیے کہ وہ جب کسی بھی وقت اکتا سکتا ہے ملول ہو سکتا ہے تو پھر مدح کیا ہوئی؟ بلکہ یہ ایسے ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

جَلَبَتْ مِنِّيْ هُذَيْلٌ بِخَرْقٍ لَا يَمَلُّ الشَّرُّ حَتّٰى يَمَلُّوْا۔

"قبیلہ ہذیل نے مجھ سے چند ٹکڑے چھین لیے شر نہیں اکتاتا خواہ لوگ اکتا جائیں۔"

یعنی شر نہیں اکتا سکتا چاہے لوگ اکتا جائیں۔

اسی طرح ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے متعلق کہا:

اَلرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ تَتَعَلَّقُ بِحَقْوَيِ الرَّحْمٰنِ

"رحم رحمٰن کی ایک شاخ ہے جو اس کی کوکھ سے لگی ہوئی ہے۔"

کہ کوکھ خدا کی ذات کی صفت ہے۔

اور وہ ایسی احادیث ذکر کرتے ہیں جن کو اگر عقل بھر کے لیے بیان کیا جائے تو

مقبول تر ہوں گی اکثر گمراہ فرقوں نے وضع کر لیا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کی جاتی ہے کہ "اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ملائکہ کو اپنے دونوں ہاتھ اور سینے کے نور سے" اس کو بیان کر کے کہا گیا ہے ہم ظاہر پر محمول کریں گے۔

ان سب کے ساتھ عوام کو خوش کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے لیے اعضاء و جوارح نہیں ثابت کرتے گویا ان کی یہ حالت ہے کہ کہتے ہیں کہ فلاں کھڑا ہے اور نہیں کھڑا ہے۔

اسی طرح ان میں ایک اختلاف یہ ہے کہ اللہ پر اس کا اطلاق کیا جا سکتا ہے کہ وہ بیٹھا ہے یا کھڑا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "قَائِمًا بِالْقِسْطِ" (ٹھیک ٹھیک انصاف کرنے والا) واقعی یہ لوگ فہم میں "عامی" شخص سے بھی بدتر ہیں کیونکہ "قائما بالقسط" میں قائم سے مراد کھڑا ہونے والا نہیں ہو سکتا بلکہ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے "الْأَمِيرُ قَائِمٌ بِالْعَدْلِ" (امیر ٹھیک ٹھیک انصاف کرنے والا ہے)

میں نے ان کے بعض اقوال ذکر کر دیے تاکہ کوئی شخص ان کی طرف مائل نہ ہو جائے۔ ان سے بہت بچ کر رہو ان کے پاس فلسفہ ہے اور نہ ہی عبادت کا ذوق ہے۔

چونکہ راستہ حضرات سلف ہی کا درست ہے (جس پر بے خطر چلا جا سکتا ہے) اس کے باوجود میں تم سے کہتا ہوں کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ "آدمی کے علم میں کمی کی علامت یہ ہے کہ وہ باب دین میں رجال کو حجت بنائے" اس لیے یہ جائز نہیں ہے کہ لوگوں کے نزدیک کسی صاحب عظمت شخصیت سے تم عقائد کے سلسلے میں کچھ سن لو اور فوراً تقلید کرنے لگ جاؤ۔

البتہ اگر تم کسی بڑی شخصیت کے بارے میں ایسی بات سنو جو اصول صحیحہ کے موافق نہ ہو تو (فوراً ان سے بدگمان نہ ہو جاؤ بلکہ یہ) سوچ لو کہ راوی سے غلطی ہوئی ہے اس لیے کہ اس امام کے بارے میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ پکا ماننے سے تم نہیں کہتا اور اگر ہم فرض کر لیں کہ ان کی طرف اس کی نسبت صحیح بھی ہو تو عقائد میں کسی کی تقلید نہیں کی جائے گی۔ حتیٰ کہ حضرات شیخین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بھی نہیں۔ یہی وہ اصل ہے جس پر اپنے دین کی بنیاد رکھنا ضروری ہے لہٰذا کسی بڑی شخصیت کا نام تمہیں وحشت میں نہ ڈالے۔

اس تشریح سے مقصود یہ ہے کہ ہمارا دین ہر طرح سے محفوظ رہنا ہے لیکن کچھ لوگوں

نے اس میں ایسی باتیں داخل کرنے کی کوشش کی ہے جن سے ہمیں نقصان پہنچا۔

چنانچہ جاہل زاہدوں نے بھی دین میں ایسی چیزیں داخل کر رکھی ہیں جو لوگوں کو دین سے دور کر دیں۔ حتیٰ کہ لوگ ان کے افعال کو دیکھ کر (صحیح) طریق و سلوک کو دشوار سمجھنے لگتے ہیں اور اس غلط طریق کی سب سے زیادہ رہنمائی کرنے والے قصہ گو واعظ ہیں کیونکہ عام آدمی جب ان کی مجلس میں پہنچتا ہے جس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اچھی طرح وضو کرنا بھی نہیں جانتا یہ لوگ اس سے جنید کے دقائق اور شبلی کے اشارات بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ لہٰذا یہ شخص اپنے گمان کے مطابق یہ سمجھتا ہے کہ کمال کا طریقہ یہ ہے کہ گوشہ اختیار کرو بال بچوں کے لیے کمانا ترک کرو اور خلوت میں بیٹھ کر حق تعالیٰ سے مناجات کرتے رہو جبکہ اس کا حال یہ ہوتا ہے نماز کے ارکان تک سے ناواقف ہے علم نے ابھی اس کی تادیب نہیں کی ہے اور علماء کی صحبت نے اس کے اخلاق کو سنوارا نہیں ہے اور ایسے شخص کو اپنی خلوت سے کیا ملتا ہے؟ بس وہی جو گدھے اور گھوڑے کو اصطبل سے مل جاتا ہے۔

اور اگر کھانے پینے اور سونے میں کمی کرتے ہوئے اس پر کچھ مدت گزر گئی تو اس کی خشکی اور یبوست بڑھ جاتی ہے پھر ماخولیا اس کے لیے کچھ صورتیں تخیل کر دیتا ہے جنہیں وہ ملائکہ سمجھ بیٹھتا ہے پھر اپنا سر جھکا لیتا ہے اور دست بوسی کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیتا ہے۔

ہم نے کتنے کسانوں کو دیکھا کہ کھیتی وغیرہ چھوڑی اور گوشہ میں بیٹھ رہے پھر اسی کے ہو کر رہ گئے اور تعب و مشقت سے راحت پا گئے۔ اب اگر ان سے کہا جائے کہ مریض کی عیادت کر لیجئے تو کہتے ہیں مجھے اس کی عادت نہیں ہے۔ اللہ کی لعنت ہو ایسی عادت پر جو شریعت کے خلاف ہو۔

اور عوام ان واقعات و حکایات کو دیکھ کر جنہیں یہ قصہ گو بیان کرتے ہیں یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ شریعت کا راستہ یہی ہے جو کچھ بھی ہے جس پر فقہاء کرام ہیں پھر وہ گمراہی میں جا پڑتے ہیں۔

ان جاہل زاہدوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جنہیں اس کی پروا نہیں رہتی کہ شریعت پر عمل ہوا یا نہیں پھر یہ بھی مختلف مسلک کے ہیں۔

بعض تو اباحت کے مسلک پر عمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیخ کا معذرت نہیں کیا

جا سکتا (خواہ خلاف شریعت تصور کرے) اور سماع میں منہمک رہتے ہیں۔

اور بعض اپنی ناموس کی حفاظت کی فکر میں رہتے ہیں۔ لہٰذا بغیر علم کے فتویٰ دیتے ہیں تاکہ یہ نہ کہا جائے "الشیخ لا یدری" (شیخ کو یہ مسئلہ نہیں معلوم)

خود مجھ سے شیخ ابو حکیم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ شریف دعالی جو بڑے بزرگ مشہور ہیں اور لوگ ان کی زیارت کرتے اور ان سے تبرک حاصل کرتے ہیں میں ان کے پاس موجود تھا مجھ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا کہ مطلقہ ثلاثہ کے اگر لڑکا ہو جائے تو کیا وہ حلال ہو جاتی ہے؟ میں نے کہا خدا کی قسم ہرگز نہیں تو مجھ سے شریف دعالی نے کہا۔ خاموش رہو کیونکہ میں نے لوگوں کو یہ مسئلہ بتلایا ہے کہ یہاں سے لے کر بصرہ تک حلال ہو جائے گی (یعنی بالکل حلال ہو جاتی ہے)۔

اور شیخ ابو حکیم ہی نے مجھ سے بیان کیا کہ آزاد بصرہ کے دادا جن پر ظلم کا نام لگا ہوا تھا ان کے پاس ایک عورت آئی انہوں نے اس کا ایک مرد سے نکاح کر دیا اور عدت گزرنے کے متعلق کچھ نہیں پوچھا شہر کے قاضی نے اس عورت پر اعتراض کیا اور دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور نکاح کرنے والے پر نکیر کی۔ ابو حکیم کہتے ہیں کہ وہ عورت ان شیخ سے ملی اور عرض کیا اے میرے آقا! میں جاہل عورت ہوں پھر آپ نے میرا نکاح (اس طرح) کیسے کر دیا؟ تو آپ فرماتے ہیں ان لوگوں کی بات چھوڑو تم تو بالکل پاک صاف ہو۔

اور مجھ سے ایک فقیہ نے بیان کیا کہ ایک عبادت گزار سالہا سال سے نماز میں سجدہ سہو کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھ سے نماز میں سہو نہیں ہوتا بس میں احتیاطاً سجدہ کر لیتا ہوں۔ ان فقیہ نے ان سے کہا کہ تمہاری تمام نمازیں فاسد ہو گئیں کیونکہ تم نے ایک غیر مشروع سجدہ کا اضافہ کر دیا۔

اسی طرح اس تلبیس میں داخل ہونے والی چیزوں میں سے بعض صوفیا کا طریقہ ہے کیونکہ انہوں نے بہت سے ایسے امور اختیار کر رکھے ہیں جو شریعت کے منافی ہیں۔

چنانچہ ان میں جو آزاد بنے ہوئے ہیں وہ بھی ضروریات میں تنگی کرتے ہیں (حالانکہ تنگی نہ کرنی چاہیے) اور پاگل ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ شریعت نہیں ہے۔ میرے

زمانے کے قریب ہی ایک صاحب گزرے ہیں جن کو کثیر کہا جاتا ہے وہ منصور کی جامع مسجد میں داخل ہوئے اور بیان کیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک معاہدہ کیا تھا جسے توڑ دیا۔ لہٰذا میں نے اپنے نفس پر یہ بات لازم کر لی ہے کہ چالیس دن تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا جس شخص نے انہیں دیکھا تھا اس نے مجھ سے بیان کیا کہ "دس دن تو ٹھیک رہے پھر جب وہ چوتھے عشرہ میں تھے مرنے کے قریب پہنچ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ آخر کار چالیس دن پورے ہو گئے پھر جب ان کے حلق میں پانی ڈالا گیا تو ہم لوگوں نے ایسی آواز نکلتی سنی تھی جیسی گرم جگہ میں پانی کے ڈالنے کی آواز ہوتی ہے پھر چند دنوں بعد ان کا انتقال ہو گیا۔"

دیکھو اس مسکین کو اور اس کی حرکت کو جو اس کے جہل نے کرائی۔

اور کچھ ان میں ایسے ہیں جنہوں نے اپنے لیے ہر طرح کے طعام اور ہر طرح کی لذات میں وسعت کر رکھی ہے اور تصوف میں صرف اتنا کرتے ہیں کہ گدڑی اور باریک کپڑے کے ٹکڑے پر قناعت کرتے ہیں۔ تم نہیں دیکھتے کہ کہاں سے کھا رہے ہیں کہاں سے پی رہے ہیں۔ دنیادار شراب پینے والے ریشم پہننے والے امراء سے میل جول رکھتے ہیں تاکہ ان کا دل اور دنیا محفوظ رہے۔

اور کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے طریق عمل کو ایسے ایسے کلمات سے نکالا ہے جن میں سے اکثر ثابت ہی نہیں ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو گانا سنتے اور ناچ دیکھتے اور دوسری تفریحات پر لوٹ پڑتے ہیں لیکن کچھ تو ان میں سے عشق کے مدعی ہیں، کچھ صوفی ہونے کے قائل ہیں اور کچھ لہو و لعب کے طور پر سنتے ہیں۔ حالانکہ یہ چیزیں عوام میں عمومی بگاڑ کا سبب بن جاتی ہیں۔

یہ تشریح لمبی ہوتی جا رہی ہے اور میں نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں ان شاء اللہ بہت عمدہ تفصیل گفتگو پاؤ گے۔ ان میں سے ایک کتاب کا نام "تلبیس ابلیس"[1] ہے۔

ہمارا مقصود یہ ہے کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ شریعت کامل اور مکمل ہے۔ لہٰذا اگر تمہیں کچھ فہم حاصل ہو گی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اتباع کرو گے اور طریق کے مجہول لوگوں کو چھوڑ دو گے اور دین کے سلسلے میں ہر طرح کے

---

[1] اس کا ترجمہ دیوبند سے شائع ہو چکا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ امت کے مختلف طبقوں مثلاً صوفی، فقہاء، محدثین، قضاۃ، علماء، اہل عبادت وغیرہ پر شیطان کن کن راستوں سے حملہ کرتا ہے۔ نہایت مفید کتاب ہے۔ ۱۲ مترجم

دونوں کی تقلید کرو گے۔ اگر تم نے ایسا کر لیا تو اب تمہیں کسی اور وصیت کی ضرورت نہیں۔

اور بہت بچو! ناقصین کے جھوٹ سے متشککین کے حدود سے تجاوز کرنے سے جو ان زاہدوں کی حماقتوں سے جو اس ہوائی کی حرص وطمع سے بے عمل علماء کے اپنے علم کے ظاہر پر پڑے رہنے سے اور جاہل عبادت گزاروں کے عمل سے اور جس شخص کی اللہ تعالیٰ حفاظت اپنے لطف سے تائید فرمادیں تو ہم عنقریب ہمیں بیجا تقلید کے بندھن سے نکال لیں۔ وہ زمانے میں امام اکمل اور سب کا مرجع بنا دیں وہ وہ دعویٰ کرنے والوں کی پرواہ نہیں کرتا ملامت کرنے والوں کی طرف توجہ نہیں کرتا اور اپنی لگام وسیع واضح السبیل کے حوالہ کردیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ لوگوں کو ہر بڑے کی بیجا تقلید کرنے سے محفوظ رکھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع عطا فرمائیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تمام موجودات کا خلاصہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کائنات کا مقصود ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین پر رحمتیں نازل فرمائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے ساتھ ہمیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نصیب فرمائیں۔ (آمین)

تقویٰ

مجلس۔۔۔ زمانہ ایک حالت پر باقی نہیں رہتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

"اور یہ زمانے ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں۔"

چنانچہ کبھی فقر ہوتا ہے اور کبھی غنیٰ کبھی عزت ہوتی ہے کبھی ذلت، کبھی دوست خوش ہوتے ہیں اور کبھی دشمنوں کو ہنسنے کا موقع ملتا ہے۔

سو بڑا ذکی ہے جس نے ہر حال میں ایک ہی چیز سے مدد لی اور وہ ہے اللہ کا تقویٰ کیونکہ اگر ایسا شخص مستغنی ہوگا تو یہ تقویٰ اس کے لیے باعث زینت ہوگا اور اگر محتاج ہوگا تو یہ اس پر صبر کے دروازے کھول دے گا اور اگر اسے عافیت ملے گی تو اس پر نعمت کی تکمیل کا سبب ہوگا اور اگر مبتلا آزمائش ہوگا تو یہ اسے سنوار دے گا۔ تقویٰ کی وجہ سے زمانے کا اتار چڑھاؤ سے کچھ مضرت ہوگا تمام

نہ ملنا سے کپڑوں سے ننگا کردے یا آسودہ یا سیراب کرے یا اسے بھوک میں مبتلا کردے کیونکہ یہ ساری چیزیں منتقل ہوتی اور متغیر ہوتی رہتی ہیں اور تقویٰ جو سلامتی کی اصل ہے ایسا پہریدار ہے جو سوتے شخص سے لغزش کے وقت ہاتھ تھام لیتا ہے اور صدا وسی رہنے پر ساتھ دیتا ہے۔

اور سخت ناپسندیدہ ہے وہ شخص جسے وہ لذت دھوکہ دیدے جو عدم تقویٰ کے ساتھ حاصل ہوتی ہے کیونکہ اس کی لذت ختم ہو جاتی ہے اور اسے محروم چھوڑ کر چل دیتی ہے۔

ہر حال میں تقویٰ کو لازم پکڑو تو پھر تنگیوں میں وسعت دیکھو گے اور مرض میں عافیت کا مشاہدہ کرو گے۔ یہ اس کا نقد تو ہوگا اور اخروی فوائد تو معلوم ہی ہیں۔

گناہوں پر قدرت کے باوجود اس سے بچنا چاہیے

مجلس... میں نے ایک عجیب اور دلچسپ اصل پر غور کیا۔ وہ یہ کہ مومن پر آزمائشیں اس طرح آ پڑتی ہیں یعنی ظاہری لذات اس کے سامنے ایسی حالت میں آتی ہیں کہ اسے ان کے حاصل کرنے پر قدرت بھی ہوتی ہے خاص کر ایسی صورت میں کہ ان کے حاصل کرنے میں کوئی کلفت بھی نہ ہو۔ مثلاً ہر طرح سے محفوظ خلوت میں اپنے محبوب کا مل جانا جو راضی بھی ہو۔

میں نے سوچا سبحان اللہ! یہی وہ موقع ہے جہاں ایمان کا اثر ظاہر ہوگا۔ بھلا دو رکعت نفل پڑھ لینے میں کیا کمال ہے؟ واللہ! حضرت یوسف علیہ السلام کو جو بلندی اور سعادت حاصل ہوئی ایسے ہی مقام پر آزمائے جانے کے بعد۔

میرے بھائی! تمہیں خدا کا واسطہ آپ کی حالت پر غور کرو کہ اگر آپ اپنی خواہش کی موافقت کر لیتے تو آپ کیا ہوتے؟ اور اس حالت کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی حالت کے درمیان اندازہ لگاؤ پھر عقل کی میزان پر اس بھول کا نتیجہ اور اس صبر کا ثمرہ دیکھو۔

لہٰذا ہر خواہش نفس کے موقع پر انجام کو سمجھنے کے لیے اپنے فہم کو تیار رکھو۔ چنانچہ شہوات ولذات کو مومن کے سامنے لایا جاتا ہے لیکن اگر وہ جنگ کی صف میں ان سے اس حال میں ملے کہ نتائج میں غور کرنے والا فکر (فہم وفکر) پیچھے ہٹ چکا ہوگا تو مومن کی شکست یقینی ہے۔ گویا میں ان لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو لذتوں کے جال میں پڑے جبکہ زبان حال ان

سے کہہ رہی تھی کہ بذریعہ جاؤ اور جو کچھ تم نے اپنے لیے پسند کیا ہے اسے بھی روئے رہو لیکن وہ بازنہ آئے انجام کار ندامت اور گریہ کے سوا کچھ نہ ہوا۔

اور اگر کوئی شخص اپنے کو اس پستی سے نکال کر مومن ہو بھی جائے تو وہ ایسے ہی نکلے گا کہ اس کے پورے جسم پر خراشوں کی وجہ سے مرہم پٹی ہوئی ہو گی مگر کتنے لوگ ہیں کہ ان کے قدم پھسلے تو وہ کبھی اٹھ نہ سکے۔

اور جو شخص حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی اس ذلت پر غور کرے گا جس وقت انہوں نے کہا تھا "وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا" (ہم پر صدقہ فرما دیجئے) اسے لغزشوں کی نحوست کا پتہ چل جائے گا اور جو ان کے احوال کو سوچے گا اسے ان کے اور ان کے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے درمیان بون بعید کا اندازہ ہو گا۔ اگرچہ ان بھائیوں کی توبہ قبول ہو گئی ہے لیکن جس کا کپڑا پھٹ گیا ہو اور اس نے پیوند لگوایا ہو وہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا جس کا کپڑا پہلے ہی سے ٹھیک ہو۔ بہت سی ٹوٹ جانے والی ہڈی جڑتی نہیں ہے اور اگر جڑ جاتی ہے تو کمزور رہتی ہے۔

لہٰذا اے میرے بھائی! پسندیدہ چیزوں کے سامنے آنے کے وقت ہوشیار رہو اور اپنے گھوڑوں کو لگاموں سے باندھے رکھو اور جب دل تیزی سے اُٹھنے لگیں تو نتیجہ پر نظر کر کے پہلے ہی سے تیار رہو کیونکہ جب سیلاب آتا ہے تو سوار کو بھی بہالے جاتا ہے۔

قبولیت دعاء میں تاخیر کے وقت وساوس کا علاج

فصل... میں نے ایک عجیب حالت پر غور کیا وہ یہ کہ مومن پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ دعاء کرتا ہے پھر مزید الحاح کے ساتھ دعا کرتا ہے لیکن قبولیت کا کچھ اثر نہیں دیکھتا۔ پھر جب ناامیدی کے قریب ہونے لگتا ہے تو اس کے دل کی طرف دیکھا جاتا ہے۔ اگر وہ تقدیر کے فیصلوں پر راضی ہوا اور اللہ عزوجل کے فضل سے ناامید نہیں ہوا ہوتا ہے تو اس کی دعاء قبول ہو جاتی ہے اس لیے کہ یہی وہ موقع ہے جہاں ایمان شیطان کو دبا دے اور ایسے ہی موقع پر لوگوں کے مرتبے ظاہر ہوتے ہیں۔

چنانچہ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ کیا گیا ہے:

حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ.

"حتیٰ کہ کہنے لگے رسول اور ان کے اصحاب کہ مدد الٰہی کب آوے گی۔"

اور اسی طرح کا معاملہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ ہوا کیونکہ جب آپ کا ایک بیٹا گم ہو گیا اور اس پر ایک مدت بھی گزر گئی تو آپ مایوس نہ ہوئے۔ اس کے بعد آپ کا دوسرا بیٹا بھی چھن گیا لیکن آپ اپنے رب کے فضل سے نا امید نہ ہوئے اور فرمایا:

اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِہِمْ جَمِیْعًا۔ "(امید ہے) پہنچا دے گا میرے پاس ان سب کو۔"

ایسے ہی حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا تھا:

وَلَمْ اَکُنْ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا۔

"اور اے میرے رب! آپ کو پکار کر میں کبھی محروم نہیں رہا ہوں۔"

پس قبولیت کی مدت کو گراں سمجھنے سے بچو اور اس پر نظر رکھو کہ وہ مالک ہے تدبیریں کرنے میں حکمت سے کام لیتا ہے مصلحتوں کا زیادہ جاننے والا ہے اور اس پر بھی نظر رکھو کہ وہ تمہارا امتحان لینا چاہتا ہے کہ تمہارے باطن کو آزمائے اور اس کا بھی خیال رکھو کہ وہ تمہارا تضرع و گریہ و زاری دیکھنا چاہتا ہے اور اس پر بھی غور کرو کہ وہ تمہارے صبر پر تمہیں اجر دے گا (وغیرہ ذالک) اسی طرح یہ بھی سمجھو کہ وہ قبولیت دعا کی تاخیر میں تمہیں اس لیے مبتلا کرتا ہے تاکہ تم ابلیس کے وسوسوں سے جنگ کر سکو۔

ان میں سے ہر ایک تصور اس کے فضل کے گمان کو تقویت پہنچائے گا اور اس کے شکر کی تحریک پیدا کرے گا۔

قوائے جسمانی کی حکمتیں

مجلس... چونکہ آدمی کا بدن مصالح کو حاصل کر کے اور موذی و مضر چیزوں کو دفع کر کے ہی درست رہ سکتا تھا اس لیے اس کے اندر "شہوت" رکھ دی تاکہ نفع کو حاصل کر سکے اور "غضب" رکھ دیا تاکہ مضر اور موذی کو دفع کر سکے۔

اگر کھانے کی خواہش نہ ہوتی تو انسان کھانا نہ کھاتا اور اس کا جسم درست نہ رہ پاتا اس لیے کھانے کا میلان اور اس کی خواہش پیدا کر دی۔ پھر جب اتنی مقدار حاصل ہو جاتی ہے جو اس کے بدن کو قائم رکھ سکے تو خواہش کی شدت ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح پینے کی چیزوں میں پینے کی ہوس میں اور نکاح کے لیے عورتوں میں رغبت ہوتی ہے۔

اور نکاح کے دو فائدے ہیں ایک تو نسل انسانی کا بقاء ہے اور یہی اہم مقصود ہے۔ دوسرا اس جمع شدہ فضلہ (منی) کا نکالنا جس کو روکے رکھنا مضر ہوتا ہے۔

اگر وہ خواہش انسان کے اندر نہ رکھی گئی ہوتی جو اسے نکاح کی طرف مائل کرتی ہے تو کوئی شخص بھی نکاح کی طلب نہ رکھتا پھر نسل کا سلسلہ ختم ہو جاتا اور جمع شدہ مادہ (منی) ضرر پہنچاتا۔

اہل معرفت نے مقصود کو سمجھا ہے جبکہ اہل غفلت ان چیزوں کی طرف شہوت اور خواہش نفس کے ساتھ مائل ہوتے ہیں اور ان کی حکمت نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اوقات ایسے کاموں میں ضائع ہو گئے جن میں کچھ فائدہ نہیں اور جس مقصود کے لیے یہ پیدا کیے گئے تھے وہ ان سے فوت ہو گیا۔ گویا ان کی خواہش نفسانی نے ان کا مال و دولت بھی برباد کیا اور دین و آبرو کو بھی زائل کر دیا۔ یعنی انہیں ضائع کر ڈالا۔

ہم نے کتنے خوش عیشوں کو دیکھا ہے کہ وہ کثرت سے باندیاں خریدتے ہیں تاکہ اپنی طبیعت کو نئی نئی باندیوں کے ذریعے متحرک رکھیں جس کی وجہ سے جلد ہی ان کے قویٰ کمزور پڑ جاتے ہیں اور وہ بیکار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے غصہ کرنے والوں کو دیکھا کہ زیادہ غصہ کر کے حدود سے نکل گئے جس کی وجہ سے اپنے کو اور اپنے محبوب دوستوں کو فنا کر ڈالا۔

پس جس نے یہ سمجھا کہ یہ ساری چیزیں دنیا کی منازل طے کرنے میں بدن کی اعانت کے لیے پیدا کی گئی ہیں محض لذت کے لیے نہیں اور لذت کے ان میں رکھنے کی بس اتنی ہی حیثیت ہے جو اس تدبیر کی ہوتی ہے جس سے نفع اٹھانے میں مدد لی جائے وہ ٹھیک راستہ پر رہا۔ اس لیے کہ اگر ان چیزوں سے مقصود لذت ہوتا تو جانوروں کو انسان سے زیادہ سہل بالحصول نعمتیں نہ ملتیں۔

مبارکباد ہے اس کے لیے جس نے اجسام میں ان قوتوں کے رکھے ہونے کی حکمت کو سمجھا اور خواہشات کی وجہ سے قوت کی حکمتوں کے سمجھنے سے محروم نہیں رہا۔

خواہش نفس اور اس پر قابو کے ثمرات

جو شخص بھی گناہوں کے نتائج کو سوچتا ہے وہ ان سے بچنے کی توفیق پاتا ہے۔ میں نے ایسے لوگوں کے بارے میں غور کیا جنہیں میں جانتا ہوں کہ زنا وغیرہ کا اقرار کرتے ہیں کہ یا وہ

اپنی جسمانی قوت کے دنیا ہی میں ان کے اندر ایسی مرعوبیت پیدا ہو جاتی ہے جس کی حد نہیں
اور ایسا لگتا ہے جیسے انہوں نے ظلمت اور تاریکی کا لباس پہن رکھا ہے جس کی وجہ سے لوگوں
کے دل ان سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اگر کچھ وسعت و فراخی حاصل ہوتی
ہے تو زیادہ تر دوسروں کے مال سے اور تنگی ہوتی ہے تو تقدیر کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں۔ ان
سب خرابیوں کے ساتھ آخرت سے اعراض بھی کیے ہوتے ہیں۔

پھر میں نے رُخ بدلا اور ان لوگوں کے بارے میں سوچا جو خواہشات پر قابو رکھنے
والے ہیں اور حرام کاموں کو چھوڑنے والے ہیں تو ان میں کچھ ایسے ہیں جن کو دنیا میں بھی
صلہ ملا یعنی پُرلطف روزی، آرام دہ قیام گاہ، خوش عیش زندگی اور لوگوں کے نزدیک وجاہت
اور اگر ایسے لوگوں کو تنگی ہوئی تو صبر نے وسعت پیدا کر دی اور رضا بالقضاء (تقدیر کے
فیصلوں پر دل سے راضی رہنا) نے ان کی زندگی خوشگوار بنا دی۔ چنانچہ میں نے ان کی
حالت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب سمجھا:

إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ۔

"بیشک جس نے تقویٰ اختیار کیا اور صبر کو شعار بنایا تو اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے اجر
ضائع نہیں فرمائے گا۔"

دعاء کا دامن کبھی نہ چھوڑو

سمجھدار شخص کو ہر حال میں اپنے مولیٰ کا دامن تھامے رہنا چاہیے اور اس کے فضل کے
دامن سے لپٹا رہنا چاہیے خواہ کسی نافرمانی کا صدور ہو جائے خواہ کوئی طاعت ہو۔ خلوت میں
اس سے اُنس حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اگر وحشت معلوم ہو تو اس کے سبب کو ختم
کرنے کی کوشش کرے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

أَمُسْتَوْحِشٌ أَنْتَ مِمَّا جَنَيْتَ   فَأَحْسِنْ إِذَا شِئْتَ وَاسْتَأْنِسِ

"اگر تمہیں اپنی خطاؤں کی وجہ سے وحشت ہو رہی ہو تو اگر چاہو تو اچھے اعمال کرکے
اس کی انسیت حاصل کر لو۔"

اگر اپنے نفس کو دنیا کی طرف مائل پاتا ہو تو خدا ہی سے دنیا بھی طلب کرے اور اگر آخرت کی طرف مائل دیکھتا ہو تو اسی سے اعمال آخرت کی توفیق کا سوال کرے اور اگر اس دنیا سے جس کی خواہش ہے کسی ضرر کا اندیشہ محسوس کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ سے اپنے دل کی اصلاح اور اپنے مرض کے علاج کی دعا کرے کیونکہ جب دل تحفیف ہو جائے گا تو کوئی ایسی چیز نہ طلب کرے گا جو مضر ہو۔

اور جس کی یہ حالت ہو جائے کہ وہ ہمیشہ آرام کی زندگی میں رہے گا مگر اس کے حصول کے لیے ہمیشہ تقویٰ کا اہتمام ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر خدا تعالیٰ سے صحیح انس نہیں حاصل ہو سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ ارباب تقویٰ ہر چیز سے بے رخی کر سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے گریہ زاری نہیں ترک کرتے۔ تاریخ میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ قتیبہ بن مسلم نے جب ترک کے خلاف صف بندی کی اور ترکوں سے جنگ کرتے ہوئے کچھ وحشت محسوس کی تو پوچھا کہ محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ کہاں ہیں؟ بتلایا گیا کہ میمنہ کے آخر میں اپنی کمان کے سرے پر بازو ٹیکے ہوئے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ (یعنی دعا کر رہے ہیں) قتیبہ نے کہا:

""تمہارا وہ ایک انگلی مجھے ایک لاکھ مشہور تلواروں اور تیز نیزوں سے زیادہ محبوب ہے""

پھر جب ترکوں پر فتح پالی تو محمد بن واسع سے پوچھا کہ آپ کیا کر رہے تھے؟

فرمایا: ""تمہاری کامیابی کیلئے سب سے بہتر ذریعہ اختیار کر رہا تھا۔""

اپنے احوال کو پوشیدہ رکھنا زیادہ مناسب ہے

مجلس.... جس شخص پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں زیادہ ہوں اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ ان میں سے اتنی ہی نعمتوں کا اظہار ہونے دے جتنی خود سے ظاہر ہو جائیں ساری نعمتیں نہ کھول کر رکھ دے۔ اگرچہ نعمت و دولت کے اظہار میں بڑی لذت ہے لیکن حزم و احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ظاہر نہ کیا جائے کیوں کہ نظر بد کا لگنا حق ہے۔

میں نے نعمتوں کے متعلق سوچا تو اندازہ ہوا کہ اس کا اظہار نفس کو بہت بھلا معلوم ہوتا ہے مگر دشواری یہ ہے کہ اگر دوستوں کے سامنے ان کا اظہار کیا جائے تو اس سے اندرونی انتشار کا اندیشہ ہے اور اگر دشمن سے ظاہر کیا جائے تو ظاہری بات ہے کہ نظر لگ جائے گی کیونکہ

اسے حسد ہوتا ہے بلکہ میرے خیال میں حاسد کا شر تو ہر حال میں ضروری ہے کیونکہ مصیبت کی حالت میں اس کا دل ٹھنڈا ہوتا ہے اور خوش بختی میں نظر لگا رہتا ہے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ خوش بخت حضرات اپنے حاسدوں کی ناگواری دیکھنا چاہتے ہیں لیکن پھر انہیں اپنی نعمتوں پر اطمینان نہیں کرنا چاہیے کیونکہ عموماً ان نعمتوں پر حاسدوں کی نظر لگ ہی جاتی ہے۔

اور اپنی ان نعمتوں کو جن سے حاسد کی ناگواری بڑھتی ہے ظاہر کر کے جو لذت حاصل ہوتا ہے اس خرابی کے برابر نہیں قرار دیا جا سکتا جو اس کی نظر لگ جانے سے ہوتی ہے۔

اسی لیے ہر طرح کے معاملات کو چھپا کر رکھنا عقلمند لوگوں کا شیوہ ہے کیونکہ اگر کسی نے اپنی عمر لوگوں کے سامنے ظاہر کی اور وہ زیادہ عمر کا ہوا تو لوگ اسے عقل بڈھا قرار دیں گے اور اگر کم عمر ہوا تو اس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کریں گے اور اگر اپنے معتقدات لوگوں کے سامنے بیان کر دیئے تو مخالفین عداوت کی وجہ سے بد دین قرار دے بیٹھیں گے اور اگر اپنے مال کی مقدار ظاہر کی تو کم ہونے کی صورت میں حقیر سمجھیں گے اور زیادہ ہونے کی صورت میں حسد کرنے لگیں گے۔ انہی تینوں کے سلسلے میں شاعر کہتا ہے:

احْفَظْ لِسَانَكَ لَا تَبُحْ بِثَلَاثَةٍ　　　سِنٍّ وَمَالٍ مَا اسْتَطَعْتَ وَمَذْهَبِ

”زبان پر قابو رکھو اور تین باتیں (خصوصاً) حتی الامکان ظاہر نہ ہونے دو عمر، مال اور مسلک و مشرب)

فَعَلَى الثَّلَاثَةِ تُبْتَلَى بِثَلَاثَةٍ　　　بِمُمَوِّهٍ وَمُمَخْرِقٍ وَمُكَذِّبِ

”کیونکہ ان تینوں کے ظاہر کرنے پر تین الزاموں میں مبتلا ہو گے۔ ایک یہ کہ باتیں بناتے ہو، دوسرے گھڑ لیتے ہو، تیسرے یہ کہ جھوٹے ہو۔“

(میں نے تین چیزیں مثالاً ذکر کر دی ہیں) اسی پر بقیہ باتوں کو قیاس کر لو اور ان بھولے بھالے ہلکے پیٹ والوں جیسے نہ بنو جو اپنے راز سنبھال نہیں پاتے اور ایسے لوگوں کے سامنے اسے افشا کر دیتے ہیں جن کے سامنے اس کا اظہار مناسب نہیں ہوتا۔

”زبان سے بہت سے ایسے کلمے نکل جاتے ہیں جن سے انسان ہلاک ہو جاتے ہیں۔“

اے مسلسل لغزشیں کھانے والے

میں نے ہر اس شخص کو دیکھا جو کسی چیز سے لغزش کھاتا ہے یا بارش میں پھسل جاتا ہے

کہ جس چیز سے پھسلا ہے اسے مؤثر دیکھتا ہے اور یہ فطری اور طبعی جذبہ ہے تاکہ اگر دوبارہ اس پر سے گزر ہو تو اس سے بچ کر چلے اور اگر احتیاط کے ساتھ چلا ہو تو یہ دیکھتا ہے کہ اس سے احتیاط اور حزم کیونکر فوت ہوا۔

(اس پر غور کر کے) میں نے اس سے ایک اشارہ نکالا اور کہا: ”اے وہ شخص! جو بار بار لغزشیں کر رہا ہے کیوں نہیں دیکھتا۔ وہ کیا بات ہے جو تیرے پھسلنے کا سبب بن رہی ہے کہ اس سے بچنے کی کوشش کرے یا اگر احتیاط کے باوجود پھسل گیا ہو تو نفس کے سامنے اس واقعہ کی قباحت کیوں نہیں بیان کرتا؟

کیونکہ عام طور پر مؤثر کو دیکھنے والے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مجھ جیسا شخص باوجود اتنی احتیاط کے کیسے پھسل گیا۔ ہمیں تعجب ہے تجھ پر کہ کیسے تو فلاں فلاں گناہ کے سلسلے میں لغزش کھا گیا؟ اس چمکدار ملمع کاری نے تجھے کیسے دھوکہ دے دیا جس کا باطن تو اپنی عقل سے سمجھ چکا ہے اور جس کا مآل تو فکر کی نگاہ سے دیکھ چکا ہے؟ فانی کو باقی پر کیسے ترجیح دے دی؟ کم قیمت کے بدلے تو نے کیسے بیچ کر دی؟ دو مرتبت کی بیداری کے مقابلے میں نیند کی لذت کو کیونکر اختیار کر لیا؟

افسوس! تو نے جو کچھ بیچا اس کے عوض ندامت کے ایسے بوجھ خرید لیے جسے کوئی مددگار کم نہ کر سکے گا۔ شام کے وقت (ندامت سے) سر جھکنے کا اپنا سامان کر لیا جس کا ختم ہونا بعید ہے اپنے فعل کی برائی پر غم کے ایسے آنسو خرید لیے جو کبھی تھم نہیں سکتے۔ اس وقت کیا حال ہوگا جب تجھ سے بطور سرزنش کہا جائے گا کہ ایسا کیوں کیا؟ کس وجہ سے کیا؟ کس بھروسے پر کیا؟“

افسوس اس شخص پر ہے جس کے صحیفہ کو غرور اور دھوکہ نے پلٹ دیا اور جس کے اعمال تو نے دیکھے ہیں اور ترازو بھی جھکی ہوئی ہے۔

تقویٰ کا ثمرہ

مجلس..... میں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں غور کیا:

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ۔

”سو جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا وہ نہ بھٹکے گا اور نہ بدبخت ہوگا۔“

حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ "ھُدَایَ" سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید ہے میں نے اس تفسیر کو حقیقت پہنچی پایا کہ جس شخص نے بھی قرآن و سنت کا اتباع کیا اور جو کچھ ان میں ہے اس پر عمل کیا تو بلاشبہ وہ گمراہی سے محفوظ ہو رہا اور یقیناً اس کے حق میں آخرت کی محرومیاں ختم ہو گئیں جبکہ وہ اسی حالت پر دنیا سے رخصت ہوا ہو۔

اسی طرح ایسا شخص دنیا کی محرومیوں سے بھی محفوظ رہتا ہے جسے یہ آیت بیان کرتی ہے:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا.

"اور جو اللہ سے ڈرتا اللہ تعالیٰ اس کے لیے (ہر تنگی سے) نکلنے کی راہ پیدا فرما دیں گے۔"

لہٰذا اگر اس کو مصیبت اور شدت میں دیکھو بھی تو کچھ حرج نہیں کیونکہ اس کو جزا کا ایسا یقین حاصل ہے جو شربت تلخ کو شیریں بنا دیتا ہے جبکہ ایسا شخص بھی خوش نصیب ہی ہوتا ہے اور عادت یہی ہے کہ اس پر اس وقت تک کوئی مصیبت نہیں اترتی جب تک کہ وہ تقویٰ سے منحرف نہ ہو جائے۔

رہا وہ شخص جو ہر حال میں تقویٰ اختیار کرنے والا ہو تو اس پر کوئی آفت نہیں آتی اور اس تک کوئی مصیبت نہیں پہنچ پاتی (اکثر ایسا ہی ہوتا ہے)۔

لہٰذا اگر تم کسی ایسے شخص کو پاؤ جس کے پاس تقویٰ کے باوجود بلائیں در پیش ہوں تو عموماً اس کا سبب پہلے کی کوئی غلطی ہوتی ہے جس کی سزا اب دی جا رہی ہے اور اگر ہم فرض کر لیں کہ اس نے کوئی گناہ نہ کیا ہوگا تو پھر یہ بلا و مصیبت اس کے صبر کے سونے کو آزمائشوں کی بھٹی میں ڈال کر تپانے کے لیے ہے تا کہ سرخ اور روشن چمرا بن کر آمد ہو۔ چنانچہ اس وقت وہ شخص عذاب میں مٹھاس محسوس کرتا ہے کیونکہ اسے بلاؤں میں مبتلا کرنے والے کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے تکلیف پر نظر نہیں جاتی۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَحَبَّکَ النَّاسُ لِنَعْمَائِکَ　　وَاَنَا اُحِبُّکَ لِبَلَائِکَ

"لوگ آپ سے آپ کی نعمتوں کے سبب محبت کرتے ہیں اور میں آپ سے آپ کی بلاؤں اور آزمائشوں کی وجہ سے (بھی) محبت کرتا ہوں۔"

گناہ بقدر غفلت

مجلس.... "گناہوں کی بھی لذت تو غفلت میں مدہوش شخص ہی پا سکتا ہے۔"

مومن کو بھی لذت نہیں مل پاتی کیونکہ معصیت سے لطف اندوزی کے وقت ساتھ ساتھ
اس کی حرمت کا علم اور سزا سے نہ بچنے کا خیال بھی تصور میں آجاتا ہے اور اگر اسے خدا کی معرفت
حاصل ہو تو اپنے علم کی نگاہ سے خود مدد کرنے والی ذات کو قریب دیکھتا ہے جس کی وجہ سے عین لطف
اندوزی کے وقت اس کی خوش عیشی بے مزہ ہو جاتی ہے اور اگر خواہش نفسانی کا نشہ غالب رہا تو بھی
ان مذکورہ مراقبات کی وجہ سے قلب مکدر ہو جاتا ہے اگرچہ طبیعت اپنی شہوت میں مشغول رہے
اور یہ لذت بھی تھوڑی ہی دیر کی ہوتی ہے پھر اس کو ایسا نقصان اٹھانے والا سمجھو جس کو
ہمیشہ کی ندامت، مسلسل گریہ و بکا، اور طویل مدت گزر جانے کے باوجود بھی اپنی غلطی پر افسوس
وندامت لازم حال ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اگر اسے اپنی معافی کا یقین بھی ہو جائے پھر بھی
عتاب کا خوف لگا رہتا ہے۔ تف ہے اس گناہ پر، جس کے آثار اتنے برے ہوں اور جس کی
خبریں اس قدر خراب ہوں۔ "ناجائز شہوت کا حصول غفلت کے بقدر ہی ہو سکتا ہے۔"

جاہلوں کا زہد

مجلس... میں ایک دن صبح کے وقت جامع رصافہ میں خلوت کی تلاش میں گیا اور تنہا
ہی اِدھر اُدھر چکر لگانے لگا۔ ابھی میں اس جگہ کے متعلق اور وہاں کے علماء و صلحاء کے بارے میں
سوچ ہی رہا تھا کہ اسی دوران وہاں کچھ ایسے لوگ دکھائی دیئے جو اس مسجد کے مجاور اور ہمیشہ
وہیں رہنے والے تھے۔ ان میں سے ایک سے میں نے پوچھا کہ آپ یہاں کتنے دنوں سے
مقیم ہیں؟ انہوں نے اشارے سے بتلایا کہ تقریباً چالیس سال سے۔ پھر جب میں نے یہ
دیکھا کہ وہ ایسی کوٹھڑی میں رہتے ہیں جو بے انتہا گندی اور کوڑے کرکٹ سے آلودہ ہے اور یہ
اندازہ ہوا کہ وہ اس مدت میں اپنے کو نکاح سے روکے رہے تو میرے نفس کو یہ حالت پسند آنے
لگی اور وہ دنیا کی اور اس میں پھنسنے کی مذمت کرنے لگا لیکن علم نے آگے بڑھ کر نفس پر نکیر کی اور
قوت فہم نے ان چیزوں کے حقائق معلوم کرنے کی کوشش شروع کر دی اور شریعت کے مقاصد
اور مزاج نے بھی اسی کی تائید کی جو علم نے کہا تھا مستدل ہو گیا۔ پھر میں نے نفس سے کہا:
خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ دو قسم کے ہیں: کچھ تو ایسے ہیں جو اپنے نفس سے مجاہدہ کر کے ان

احوال پر صبر کرتے ہیں لیکن ان سے اہل علم اور اہل عمل کی صحبتیں، اولاد کا حصول، مخلوق کی نفع رسانی اور اہل فہم کے ساتھ مشغولی کا نفع فوت ہو جاتا ہے اور کچھ دنوں کے بعد ان کے نفس کی طرف سے ایک ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے جو انہیں وحشی جانوروں کے مشابہ کر دیتی ہے کیونکہ پھر وہ خلوت کو خلوت ہی کے لیے اختیار کرتے ہیں (اور کوئی مقصود نہیں رہتا) اور کبھی طبیعت میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے تو اخلاق بگڑ جاتے ہیں اور کبھی مادہ منویہ کے رکے رہنے سے ایک "سمیت" (زہریلا پن) پیدا ہو جاتی ہے جو بدن اور عقل دونوں کو خراب کر دیتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خلوت کے نتیجہ میں ان کے اندر وسوسے اور اوہام پیدا ہو جاتے ہیں جس سے یہ خیال ہونے لگتا ہے ہم اولیاء میں سے ہیں۔ یہ سوچ کر وہ ان چیزوں سے بے نیازی کرنے لگتے ہیں جن سے انہیں معرفت حاصل ہوتی ہے اور کبھی شیطان ان کے سامنے خیالات کی قبیل سے چند چیزیں متمثل کر دیتا ہے جنہیں وہ کرامات شمار کرنے لگتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ جن احوال و کیفیات میں ہوتے ہیں انہی کو غایت اور مقصود سمجھ بیٹھتے ہیں اور انہیں یہ خبر نہیں ہوتی کہ وہ خدا تعالیٰ کی ناپسندیدگی کے زیادہ قریب ہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات تنہا (بیوی سے علیحدہ) گزارنے سے منع فرمایا ہے اور ان میں ہر ایک تنہائی رات گزارتا ہے۔ اسی طرح آپ نے تبتل (یعنی نکاح نہ کرنا) سے منع فرمایا ہے اور یہ حضرات تبتل ہی کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رہبانیت سے منع فرمایا ہے اور ان حضرات کا فعل رہبانیت ہی معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ لوگ ابلیس کے ان مخفی دھوکوں میں پڑے ہیں جن کے ذریعے وہ لوگوں کو لطیف تدبیروں سے گمراہی کے گہرے گڑھوں میں گرا دیتا ہے۔

اور دوسری قسم ان بوڑھے مشائخ کی ہے جن کے سارے جذبات فنا ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے وہ ہر چیز سے گوشہ نشین ہو گئے ہیں ان میں سے کسی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ گویا یہ پتھروں کی طرح ہیں۔

پہلی قسم کے لوگوں نے تو اپنا تعلق علم و عمل اور کسب معاش وغیرہ سے توڑ رکھا ہے اور ان کی توجہ ان ہوسوں اور تمناؤں کی طرف لگی ہوتی ہے جو ان کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہیں۔ یہ لوگ بینائی

کے بعد اطاعت سے پیش پر راضی ہوئے ہیں اور انہوں نے آزادی کے بعد قید کو پسند کیا ہے۔

یہ سب سن کر نفس نے مجھ سے کہا: میں تمہاری بات نہ سنوں گا کیونکہ تم خوبصورت عورتوں سے نکاح اور پسندیدہ کھانوں کی طرف میلان رکھتے ہو۔ جب تم عبادت گزاروں میں سے نہیں ہو تو ان حضرات پر طعن نہ کرو۔

میں نے کہا اگر تم سمجھنے کی کوشش کرو تو تم سے بیان کروں اور اگر تم احوال کی ظاہری صورتوں کی تقلید کرتے ہو تو پھر تمہارے اندر فہم نہیں ہے۔ خوبصورت عورتیں تو اس لیے مطلوب ہوتی ہیں کہ نکاح سے چند چیزیں مقصود ہوا کرتی ہیں جن میں سے ایک اولاد کا حصول ہے اور ایک مادہ منویہ کا نکالنا تاکہ نفس کو آرام پہنچے کیونکہ اس کا روکے رکھنا موذی اور مضر ہوتا ہے اور یہ مادہ بغیر خوبصورت عورت کے اچھی طرح نکل ہی نہیں سکتا۔ اس کا اندازہ یعنی شرمگاہ کے علاوہ دوسرے مقام میں وطی کرکے ہو سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں مادہ منویہ اس مقدار میں نہیں خارج ہو پاتا جتنا کہ شرمگاہ میں وطی سے ہوتا ہے اور جب وہ مادہ اچھی طرح نکل جاتا ہے اور طبیعت اس کے تقاضا سے فارغ ہو لیتی ہے تب طبیعت حاضر ہوتی ہے۔ جیسا کہ فیصلہ کرنے سے پہلے فیصلہ کرنے والے کو کھانے سے فراغت کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح غصہ کی حالت میں یا پیشاب پاخانہ کے تقاضے کے وقت میں فیصلہ کرنے سے منع کیا جاتا ہے اور جب مادہ منویہ اچھی طرح نکل جاتا ہے تو اولاد بھی مکمل پیدا ہوتی ہے کیونکہ جس نطفہ سے پیدائش ہوتی ہے وہ پورا پورا رحم میں پہنچ جاتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ جب نفس کو اس کی لذت مل جاتی ہے تو وہ اپنے کام اچھی طرح کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسی اونٹنی کہ وہ سفر میں اچھی طرح چارہ دے لیتی ہے اور یہ چیز اس کی چال میں معین و مددگار ہوتی ہے۔

رہے لذیذ اور پسندیدہ کھانے تو وہ شخص بڑا احمق ہے جو لذیذ کھانوں کو محض لذت کے لیے حاصل کرے کیونکہ ان سے مقصود سواری کو درست اور ٹھیک رکھنا ہے تاکہ اس کی فکر مجتمع رہے اور مراد حاصل کر سکے اور لذات کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سواری کو خواہشات کی طرف میلان سے روک لیتی ہے۔

اگر تم دور اول (یعنی حضرت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا دور) کے حالات پر نگاہ ڈالو گے تو اس سے زیادہ عجیب چیزیں دیکھو گے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے

لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو منتخب فرمایا اور آپ بہت خوبصورت تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چار آزاد بیویاں اور سترہ باندیاں تھیں جنہیں چھوڑ کر آپ کی وفات ہوئی اور اس اُمت سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں اور آپ کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار بیویاں تھیں۔

اب اگر کوئی شخص ان روایات کی سند میں خلل کا دعویٰ کرتے ہوئے یا یہ کہے کہ ان حضرات نے (نعوذ باللہ) اپنی خواہشات کو ترجیح دی اور اپنی عمر کی پونجی کو اپنی اغراض میں خرچ کیا حالانکہ ان کے لیے ان کے علاوہ دوسرے مشاغل افضل تھے تو اس نے کاملین پر نقص اور عیب کا الزام لگایا حالانکہ وہ خود اپنے فہم میں ناقص ہے نہ کہ وہ حضرات۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جب سفر فرماتے تھے تو اپنے ساتھ بھنا ہوا گوشت اور فالودہ رکھتے تھے اور ہمیشہ اچھی غذائیں استعمال فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ "جب تم سواری کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو گے تو وہ قاعدے سے کام کرے گی۔"

یہ ساری باتیں جن کو میں نے اشارۃً ذکر کیا ہے اگر تم ان کو ضرورت کے تحت دنیا کا یا نفس کا تقاضا پورا کرنے کے لیے یا دنیوی یا دینی کسی فائدے کے حاصل کرنے کے لیے اختیار کرو تو یہ سب مقاصد صحیح ہیں لیکن ان کی طرف وہ لوگ نہیں مائل ہو سکتے جو چند رکعت پڑھنے کے لیے تھک بیٹھک کر لیتے ہیں اور انہیں نماز کی حقیقت کی خبر نہیں ہوتی اور جو ایسے اشغال واذکار میں لگے رہتے ہیں جن کے اکثر الفاظ بیکار و بے معنی ہیں۔

یاد رکھو! علم سب سے بہترین صفت ہے اور اشرف العبادات ہے اور یہی مناسب باتوں کا حکم دینے والا اور خیر خواہی کی بات بتلانے والا ہے۔ علم کا نافع ہونا تو سب کو معلوم ہے جبکہ زاہد کا زہد (جو محض دکھاوے کا ہو) اس کے دروازے کی چوکھٹ سے آگے نہیں بڑھ پاتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَأَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا خَيْرٌ لَّكَ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ.

"اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے سے ایک آدمی کو بھی ہدایت فرمادیں وہ تمہارے لیے ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔"

اور ذرا اندازہ لگاؤ کہ رسول کو نبی پر کیا فضیلت حاصل ہوتی ہے اور شکاری پرندوں کو غیر شکاری پرندوں پر، اور گارے والی اس مٹی کو جس سے نفع اٹھایا جاتا ہے اس گرد پر جو جھروکوں میں نظر آتی ہے۔

علماء زیادہ وسعت نظری کی وجہ سے مباحات ہی میں رہتے ہیں لیکن اکثر زاہد جاہل ہوتے ہیں جنہیں ترک مباحات کے سبب حاصل ہونے والی دست بوسی اپنا غلام بنائے ہوئے ہے۔

خلوتوں نے ہونے کتنے ایسے علوم کو فوت کرا دیا جن سے دین کی بنیاد درست ہوتی تھی اور کیسی کیسی آفتوں میں مبتلا کر دیا جن سے لوگوں کے دین برباد ہو گئے۔

البتہ علماء کا شر و فتنہ سے کنارہ کش رہنا اور خلوت اختیار کرنا بہتر (بلکہ واجب) ہے جس کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی دے سکتے ہیں۔

گناہوں کے نتائج

مجلس... ہر سمجھدار شخص کے لیے ضروری ہے کہ گناہوں کے انجام سے بچنے کی کوشش کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان کوئی قرابت اور رشتہ داری نہیں ہے وہ تو انصاف کی ترازو لگانے والا اور ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے۔ اگرچہ اس کا حلم گناہوں سے بڑھ کر ہے مگر وہ (قادر مطلق ہے) جب چاہے گا بڑے سے بڑے گناہ معاف کر دے گا اور اگر گرفت کرنا چاہے گا تو معمولی گناہ پر گرفت فرما لے گا۔ لہٰذا اس سے ڈرتے رہو۔

میں نے بہت سے مالداروں کو دیکھا کہ وہ ظلم اور ظاہری و باطنی ہر طرح کے گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں پھر ایسے طریقوں سے برباد کر دیے جاتے ہیں جن کا انہیں تصور بھی نہیں ہوتا ان کی جڑیں تک اکھڑ گئیں اور وہ تعمیریں ٹوٹ پھوٹ گئیں جنہیں انہوں نے اپنی آل اولاد کے لیے بنایا اور مضبوط کیا تھا۔ یہ سب صرف اسی وجہ سے ہوا کہ انہوں نے حق تعالیٰ کے حقوق کو ضائع کر دیا تھا اور گمان یہ باندھا تھا کہ جو کچھ وہ خیرات کر دیتے ہیں وہ ان کے گناہوں کو مٹانے کے لیے کافی ہے۔ لہٰذا ان کے ان خیالات کی کشتی ایک طرف کو جھک گئی جس میں عذاب کا اتنا پانی داخل ہو گیا کہ وہ ڈوب گئے۔

میں نے بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھا جو عالم کہلاتے ہیں کہ انہوں نے خلوتوں میں

حق تعالیٰ کی اپنی طرف نظر و توجہ کو اہمیت نہ دی تو حق تعالیٰ نے جلوتوں میں ان کے تذکرے کی خوبیوں کو مٹا دیا پھر ان کا وجود عدم کے برابر ہو گیا نہ ان کے دیدار اور زیارت میں کوئی لذت رہ گئی اور نہ کسی کے دل میں ان کی ملاقات کا شوق باقی رہا۔

تنہا اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ ہر وقت نگراں ہے اور اس کے عدل کی ترازو میں ایک ایک ذرہ ظاہر ہو جائے گا اور اس کی سزا گنہگار پر تاک لگائے ہوئے ہے۔ اگرچہ تاخیر سے آوے۔

غافل شخص خدا تعالیٰ کی چشم پوشی سے (جو درحقیقت مہلت دینا ہے) گناہوں کے مہمل اور غیر مضر ہونے کا گمان کر لیتا ہے حالانکہ گناہوں کا برا انجام یقینی ہے۔

پس خلوتوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنا باطن سنبھالو اور نیت کی طرف توجہ دو کیونکہ تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک دیکھنے والی آنکھ نگراں ہے۔

خبردار! اس کے حلم و کرم سے دھوکہ میں نہ پڑنا کتنوں کو ڈھیل دی گئی تھی (پھر گرفت ہو گئی) اپنی خطاؤں کا مراقبہ کرتے رہو اور ان کو ختم کرنے کی کوشش میں لگے رہو۔

گناہوں سے پرہیز کرتے ہوئے گریہ وزاری کرنے کے برابر کوئی چیز نافع نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے (معاف کر دیئے جاؤ)

یہ ایک فصل ہے جس میں اگر عبادت گزار غور کرے گا تو اسے نفع ہو گا۔

ایک ایسے بزرگ نے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کا مراقبہ کرتے تھے فرمایا کہ "ایک مرتبہ مجھے ایک ایسے فعل پر قدرت ملی جس میں لذت تھی اور لذت ہی مقصود بھی تھی اور وہ فعل گناہ کبیرہ بھی نہ تھا اس لیے میرا نفس اس کو صغیرہ خیال کر کے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی وسعت پر اعتماد کر کے اس کے کر لینے کا تقاضا کرنے لگا میں نے اپنے آپ سے کہا اگر تم اس موقع پر غالب رہے تو ظاہر ہے تم اپنے مقام پر رہو گے اور اگر تم نے وہ فعل کر لیا تو غور کرو تمہارا کیا مقام رہ جائے گا؟ پھر میں نے اپنے نفس کو ایسے لوگوں کے احوال یاد دلائے جو جلد گیری میں بڑی وسعت کرتے تھے کہ کس طرح ان کے تذکرے ختم کر دیئے گئے اور ان کی طرف سے بجائے نیکی برائی گئی تو ان کا تذکرہ تک کر کے میرا نفس رک گیا اور اپنے ارادے سے باز آ گیا جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے دی۔"

کسی گناہ کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے

مجلس ... بہت سے لوگ ایسے معاملات میں سہل انگاری اور تسامح سے کام لیتے ہیں جنہیں وہ معمولی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اصولی غلطیاں ہیں۔ مثلاً طلبہ و علماء کتاب مانگ کر لیتے ہیں پھر واپس نہیں کرتے یا بعض لوگ کسی کھانے والے کے پاس اس نیت سے جاتے ہیں کہ کھانے کو ملے گا یا ایسی دعوتوں میں شرکت کر لیتے ہیں جن میں ان کو بلایا نہ گیا ہو یا کسی مخالف کی آبروریزی ہوتے دیکھ کر محض اپنی لذت کے لیے اور اس جیسے گناہ کو معمولی خیال کر کے نظر بچا جاتا یا مثلاً حرام موقع پر گناہ کو معمولی خیال کر کے نظر کو آزاد چھوڑ دینا وغیرہ۔

ایسے لوگوں کے ساتھ سب سے کمتر سزا کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو ان لوگوں کے مرتبہ سے جو صحیح و غلط میں تمیز رکھنے والے ہیں نیچے اتار دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی مرتبہ کی بلندی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

کبھی ایسے لوگوں سے زبان حال سے کہا جاتا ہے کہ "اے وہ شخص! جس پر ایک معمولی سی چیز میں بھروسہ کیا گیا تھا لیکن اس نے خیانت کر دی وہ اپنے مرتبہ سے گر جانے کے باوجود اللہ کی رضا کی امید کیسے کر رکھتا ہے؟"

بعض سلف کا قول ہے کہ "میں نے ایک لقمہ تساہل سے کام لیتے ہوئے کھا لیا تو چالیس سال سے آج تک میں پیچھے ہٹا جا رہا ہوں۔"

لہٰذا خدا تعالیٰ سے ڈرو! اور ایسے شخص سے بچو جسے خوب تجربہ ہو چکا ہے کہ ہے ایک ایک فعل کی نگرانی کرو تنہائی و سوچ لیا کرو اور گناہوں سے بچنے والی ذات کی عظمت کو پہچانو اور مصور کی اس پھونک سے ڈرو جسے معمولی سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا اس چنگاری سے بھی بچنے کی کوشش کرو جسے معمولی خیال کیا جاتا ہے کیونکہ کبھی وہ پورے شہر کو جلا ڈالتی ہے۔

یہ مضمون جسے میں نے اشارۃً بیان کیا ہے گو دیکھنے میں مختصر ہے لیکن اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ گویا یہ ایک نمونہ ہے جس کو دیکھ کر دوسرے وہ تمام گناہ بھی سمجھ میں آ جائیں گے جن کو حقیر اور معمولی خیال کیا جاتا ہے۔

علم اور مراقبہ تمہیں ان چیزوں کی معرفت کرا دیں گے جنہیں تم بھول چکے ہو اور تمہیں گناہوں کی نحوست کا اثر بتلا دیں گے بشرطیکہ تم نگاہ بصیرت سے کام لو۔ گناہوں سے بچنے اور نیکیوں کے کرنے کی قدرت اللہ کی توفیق سے ہو سکتی ہے۔

دعا کیسے کریں اور کیا مانگیں؟

مجلس... اپنے نفس کی میں نے ایک عجیب حالت دیکھی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتوں کا سوال کرتا ہے اور اپنی نافرمانیاں بھولا رہتا ہے تو میں نے کہا اے کمینے نفس! کیا تیرے جیسے لوگ بھی سوال کرنے کے لائق ہیں؟ اور اگر کچھ سوال کرنا بھی ہو تو صرف عفو و درگزر کا سوال کرنا چاہیے۔

اس نے پوچھا پھر میں اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کا سوال کس سے کروں؟ میں نے کہا میں تجھے اپنی حاجتوں کے مانگنے سے نہیں منع کرتا بلکہ میرے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ پہلے اچھی طرح توبہ کر لے پھر کچھ مانگ۔ جیسے ہم (شوافع وحنابلہ) سفر معصیت کرنے والے مسافر کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر مردار کھانے پر مجبور ہو جائے تو بھی اس کے لیے کھانا جائز نہیں ہے۔ اگر ہم سے پوچھا جائے گا کہ کیا پھر وہ مر جائے؟ ہم کہیں گے نہیں بلکہ توبہ کرے اور کھائے۔

پس اپنے ان گزشتہ گناہوں کو بھانا کر جن کا نتیجہ ندامت و شرمندگی ہے اپنی حاجتوں کو مانگنے کی جرأت سے متعلق اللہ تعالیٰ کا کچھ لحاظ کر۔

اور اگر تم سچی ندامت کے ساتھ اپنے گزشتہ گناہوں کی اصلاح میں لگ گئے تو تمہاری حاجات و ضروریات خود بخود پوری ہونے لگیں گی کیونکہ حدیث قدسی میں ہے:

مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِي عَنْ مَسْأَلَتِي أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِينَ.

"جسے میرے ذکر نے مجھ سے مانگنے سے روک دیا اسے میں اس سے بہتر نعمتیں عطا کروں گا جو مانگنے والوں کو دیتا ہوں۔"

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ دعا کے لیے اپنے ہاتھ پھیلاتے پھر سمیٹ لیتے اور فرماتے کہ مجھ جیسے شخص کو کچھ مانگنے کا حق نہیں ہے لیکن یہ حال حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ ہی کے ساتھ ان کے قوی المعرفت ہونے کی وجہ سے خاص ہے وہ دعا کے وقت اس حال میں ہوتے تھے جیسے

آپ کے سامنے مخاطب ہوں اس لیے اپنی غلطیوں اور لغزشوں کے خیال سے شرم کرتے تھے جبکہ اہل
غفلت کو سوال اور ان کی دعا میں خدا تعالیٰ سے بعد اور دوری کے موجب ہوتی ہیں۔

لہذا جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے اسے سمجھو اور لغزشوں سے توبہ کرنے میں لگو اور اے
نفس! مجھے تیری دعاؤں پر بھی تعجب ہوتا ہے کیونکہ تو دنیا کی بھی کسی اہم چیز کا سوال نہیں کرتا
بلکہ ضرورت سے زائد فضول چیزیں مانگتا ہے اور کبھی دل اور دین کی درستگی کے لیے دل کی دعا
نہیں کرتا جیسی دنیا کی درستگی اور اصلاح کے لیے کرتا ہے۔

اپنے دل کو سمجھو! کیونکہ تم غفلت اور خوش فہمی کی وجہ سے ہلاکت کے قریب ہو۔

لہذا تو یہ چاہیے تھا کہ اپنی غلطیوں اور لغزشوں کی ندامت تمہیں اپنی ضرورتوں کے سوال سے
روک لیتی۔ چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بہت ڈرنے والے تھے جب ان سے اس
خوف کی شدت کے متعلق پوچھا جاتا تو فرماتے "مجھے یہ خیال اطمینان نہیں ہونے دیتا کہ کہیں
میرے بعض گناہوں کی بنا پر مجھ سے یہ کہہ دیا جائے کہ جاؤ میں نے تمہاری مغفرت نہیں کی۔"

عجب اور کبر کا علاج

مجلس... معرفت سے محرومی کے باوجود معرفت کا دعویٰ بڑا عجیب ہے۔

واللہ خدا تعالیٰ کی معرفت اسی کو حاصل ہے جو اس سے ڈرے اور جو شخص مطمئن ہو وہ
وہ عارف نہیں ہو سکتا۔

زاہدوں میں دیکھا ایسے بھی ہیں جو غفلت میں مبتلا ہیں لیکن دل میں یہ خیال جمائے رکھتے ہیں
کہ ہم ولی محبوب خدا اور مقبول بارگاہ ہیں جس پر لطف یہ کہ کبھی ان پر خدا کے ایسے الطاف و
عنایات ہو جاتے ہیں جنہیں وہ اپنی کرامات سمجھ لیتے ہیں اور اس استدراج کا خیال بھی دل
میں نہیں لاتے جو سارے لطف و کرم کو سمیٹنے والا ہے۔ ایسے لوگ دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں اور
اپنے مرتبہ کو عظیم گمان کرتے ہیں۔ وہ چار معمولی رکعتیں جنہیں وہ ادا کر لیتے ہیں یا وہ
عبادت جس میں وہ لگے رہتے ہیں انہیں اپنے متعلق غلط فہمی میں مبتلا کر دیتی ہیں اور کبھی یہ
گمان باندھتے ہیں کہ ہم روئے زمین کے قطب ہیں اور ہمارے بعد کوئی شخص ہمارا مقام

نہیں پا سکتا۔ لگتا ہے انہیں یہ خبر نہیں ہے کہ ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی میں مشغول تھے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کو نبوت دیدی گئی۔

حضرت زکریا علیہ السلام مستجاب الدعوات تھے اس کے باوصف انہیں آری سے چیر دیا گیا۔

ایک طرف حضرت یحییٰ علیہ السلام کو سید کہا جا رہا تھا اور دوسری طرف ان پر ایک کافر غالب ہو گیا اور اس نے آپ کا سر جدا کر دیا۔

بلعم باعور کے پاس اسم اعظم موجود ہے اس کے باوجود اس کی حالت کتے جیسی ہو جاتی ہے۔

ابھی ایک شریعت پر عمل کیا جا رہا تھا کہ وہ منسوخ کر دی گئی اور اس کا حکم باطل ہو گیا۔

ابھی دیکھو کہ بدن خوب تندرست و توانا تھا کہ اس پر بیماری آ گئی اور اس پر بلائیں مسلط ہو گئیں۔

اور دیکھو ایک عالم سخت مشقتیں برداشت کر کے اس مرتبہ تک پہنچا تھا جس کا وہ خواہش مند تھا کہ اس کے زمانے میں ایک بچہ پیدا ہوتا ہے اور ترقی کر کے اس کے عیوب اور اس کی غلطیوں پر تنقید شروع کر دیتا ہے۔

کتنے خطیب کہا کرتے تھے کہ میرے جیسا کوئی نہیں حالانکہ اگر وہ زندہ رہتے اور جو فصاحت و بلاغت ان کے بعد ظاہر ہوئی اس کو دیکھ لیتے تو اپنے کو گونگا شمار کرتے۔ یہ دیکھو ابن سماک ابن عمار اور ابن سمعون کے مواعظ جو ہمارے بعض تلامذہ کے بھی شایان شان نہیں ہیں اور وہ انہیں خاطر میں نہیں لاتے۔

پھر کیونکر ہم میں سے کوئی شخص اپنے اوپر عجب اور ناز کرے۔ ممکن ہے کہ ہمارے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں جو ہمیں کسی گنتی میں شمار نہ کریں۔

پس کسی بھی مرتبہ پر قرار پانے سے اور کسی بھی مقام کی ملاقات کرنے سے اللہ کا لحاظ کرو اور بیدار مغز بیدار طبیعت شخص کو اپنی طاعت کو معمولی خیال کر کے اور اپنے اوپر زمانہ کی گردشوں اور تقدیر کے فیصلوں کے نافذ ہونے کے خوف سے ہمیشہ لرزتے رہنا چاہیے۔

خوب سمجھ لو! ایسے مصائب کا مراقبہ جن کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے عجب کی گردن توڑ دیتا ہے اور تکبر کی آگ ختم کر دیتا ہے۔

ہر حال میں خدا پر یقین ہو

مجلس... جوانمرد وہ شخص ہے جس نے امن و سلامتی کے زمانے میں اللہ عزوجل کے ساتھ حسن معاملہ کے ساتھ زندگی گزاری۔ یوں اگر اس پر مصیبتوں کے ایام میں زمانہ کی گردشیں نازل ہو جائیں تو یہ ہے کسوٹی۔

بادشاہ مطلق ایک چیز بناتا ہے اور اسے توڑ دیتا ہے بکھیر دیتا ہے اور نعمت چھین لیتا ہے ایسے وقت میں اس کے ساتھ حسن معاملہ اور اس کے فیصلہ پر رضامندی سے انسان کا مرتبہ ظاہر ہوگا کیونکہ جس پر مسلسل نعمتیں ہی برستی رہتی ہوں وہ نعمتوں کے تسلسل کی وجہ سے راضی اور خوش رہے گا اور اگر بلاؤ آزمائش کا اسے ایک جھونکا بھی پہنچ جائے تو وہ اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکتا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "لوگ نعمتوں کی حالت میں ایک دوسرے کے بالکل برابر ہوتے ہیں لیکن جب کوئی مصیبت اترتی ہے تب ایک دوسرے میں فرق ظاہر ہوتا ہے۔"

لہٰذا سمجھدار وہ شخص ہے جو اپنے لیے ذخیرہ تیار رکھے اور توشہ حاصل کرے اور بلا و مصیبت کی جنگ میں مقابلے کے لیے ہتھیار تیار رکھے کیونکہ بلاؤ آزمائش کا سامنا ہونا ضروری ہے اگر زندگی میں نہیں تو موت کے جھٹکے کے وقت تو ضرور ہی سامنا ہوگا اور ایسے وقت میں جبکہ بلاؤ آزمائش اللہ کی پناہ! اتر آوے اور وہ اس معرفت کو نہ پاوے جو رضا یا صبر کا سبب بنتی ہے تو کفر کا خطرہ ہو جاتا ہے۔

خود میں نے ایک ایسے شخص سے جس کو میں صالح اور نیک سمجھتا تھا سنا کہ وہ اپنے مرض الوفات کی راتوں میں کہہ رہا تھا کہ "میرا رب مجھ پر ظلم کر رہا ہے" بس اسی وقت سے میں ہمیشہ لرزتا کانپتا اور زاد سفر کے حصول کے لیے اہتمام کرتا رہتا ہوں۔

ایسی حالت کیوں نہ ہو؟ جب کہ مروی ہے کہ شیطان اس وقت اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ اسی وقت پکڑ لو اگر چھوٹ گیا پھر کبھی اس پر قابو نہ پاسکو گے۔

اور کون سا قلب ہے جو سانس رکنے، گھٹن پیش آنے، جان کے نکلنے اور محبوب و پسندیدہ چیزوں کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی طرف جانے کے وقت جنہیں نہیں جانتا کہ وہ کیا

ہیں ثابت قدم رہ سکتے ہیں؟ جبکہ بظاہر قیر اور آزمائشوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اسی لیے ہم اللہ عزوجل سے ایسے یقین کا سوال کرتے ہیں جو ہمیں اس دن کے شر سے بچائے تاکہ قضا وقدر کے فیصلوں پر ہم صبر کر سکیں یا (ترقی کر کے) رضا کا مرتبہ حاصل کر سکیں اور ہم سارے معاملات کے مالک کی جانب متوجہ ہو کر عرض کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بھی اپنے بڑے بڑے وہ انعامات عطا فرمائے جو اپنے دوستوں کو عطا فرماتا ہے حتیٰ کہ اس کی ملاقات ہم کو اپنی زندگی سے زیادہ محبوب ہو جائے اور تمام معاملات میں اس کی تقدیر پر حوالہ ڈال دینا ہمارے لیے اپنے اختیار سے زیادہ پسندیدہ بن جائے۔

اپنی تدبیروں کے کمال کے اعتقاد سے اللہ کی پناہ کہ جب کوئی معاملہ الٹ جائے تو تقدیر کے فیصلوں پر ناراض ہونے لگیں کیونکہ یہ تو خالص جہالت اور صریح محرومی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے محفوظ رکھیں۔

عرفانِ خداوندی ایک عطیہ ہے

مجلس......دنیا و آخرت میں عارفین سے بہتر زندگی گزارنے والا کوئی نہیں کیونکہ عارف اپنی خلوتوں میں اللہ سے انسیت حاصل کرنے کا خوگر ہوتا ہے۔

اگر اسے نعمتیں ملتی ہیں تو وہ جانتا ہے کہ کہاں سے آئی ہیں اور اگر تلخیاں پیش آتی ہیں تو اس کے پاس پہنچ کر شیریں بن جاتی ہیں کیونکہ اسے چلا کرنے والی ذات کی معرفت حاصل ہوتی ہے اگر وہ کچھ مانگتا ہے اور مقصود کے ملنے میں تاخیر ہوتی ہے تو بس کا بھی مقصود وہی بن جاتا ہے جو تقدیر کا فیصلہ ہو کیونکہ اسے اللہ کی حکمت اور اس کی مصلحت بینی کا علم ہوتا ہے اور اس کی حسنِ تدبیر پر اعتماد ہوتا ہے۔

اور عارف کا حال یہ ہوتا ہے کہ اس کا دل اللہ تعالیٰ کے احسانات کا مراقبہ کرتا رہتا ہے اور اس کی نظروں میں ہونے کا تصور رکھتا ہے اور اس کی طرف یقین کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ پھر اس کی معرفت کی برکت اس کے ایک ایک عضو میں سرایت کر جاتی ہے اور اسے سنوار دیتی ہے۔

فَإِنْ نَطَقْتُ فَلَمْ أَنْطِقْ بِغَيْرِكُمُ ۔۔۔ وَإِنْ سَكَتُّ فَأَنْتُمْ عَقْدُ إِضْمَارِيْ

''اگر بولتا ہوں تو آپ کے سوا کسی اور کی گفتگو نہیں کرتا اور اگر چپ رہتا ہوں تو آپ

ہی میرے دل کے راز ہوتے ہیں۔"

جب اس پر کوئی تکلیف آتی ہے تو اس کی نظر سب سے ہٹ کر مسبب تک پہنچ جاتی ہے۔ لہٰذا وہ اس کی معیت میں خوشگوار زندگی گزارتا ہے۔ اگر چپ رہتا ہے تو اس کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں غور و فکر کرتا رہتا ہے اور اگر بولتا ہے تو وہی باتیں بولتا ہے جن سے وہ راضی ہو۔ اس کا دل بیوی بچوں میں نہیں لگا رہتا اور کسی کی محبت کا دامن نہیں پکڑتا۔ اپنے جسم سے تو وہ مخلوق کے ساتھ رہتا ہے لیکن اس کی روح روح کے مالک کے پاس رہتی ہے۔

کیا وہ شخص ہے جس کو کسی چیز کی کوئی فکر نہیں اور اسے دنیا سے کوچ کے وقت کوئی غم نہ ہوگا قبر میں اسے ذرا بھی وحشت نہ ہوگی اور حشر میں اس پر کچھ خوف نہ ہوگا۔

رہا غیر عارف! تو وہ لغزشیں کرتا رہتا ہے اور مصیبتوں میں چیخ و پکار کرتا رہتا ہے کیونکہ اسے حملہ کرنے والے کی معرفت نہیں ہوتی اور اپنی ضرورت پوری نہ ہونے پر وحشت زدہ ہوتا ہے کیونکہ اسے مصلحت کی معرفت نہیں ہوتی۔ اپنے ہم جنسوں سے مانوس ہو جاتا ہے کیونکہ اسے رب کی معرفت نصیب نہیں ہوتی۔ دنیا کے کوچ سے اس لیے ڈرتا ہے کہ اس کے پاس توشہ نہیں ہوتا اور راستے کی پہچان نہیں ہوتی۔

کتنے علماء اور زہاد ایسے ہیں جنہیں معرفت کا اتنا ہی حصہ ملتا ہے جتنا عام افراد کو ملتا ہے بلکہ کبھی کبھی ایک بدکار عامی معرفت میں ان لوگوں سے بڑھ جاتا ہے۔

عوام میں سے کتنے افراد ہیں جن کو وہ معرفت مل گئی جو باوجود علماء و زاہدین کی کوششوں کے ان کو نہ مل سکی۔ معرفت خداوندی عطیہ اور تقسیم ہے اور اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

تقویٰ اور استحضار

مجلس... اے تقویٰ کے ذریعہ بلند رتبہ حاصل کرنے والے شخص! تجھے خدا کا واسطہ تقویٰ کی عزت کو گناہوں کی ذلت کے عوض نہ بیچ دینا اور شہوت کی دوپہر میں خواہشات کی پیاس پر صبر کرنا اگرچہ تجھ پر سخت ہو اور جلا ڈالے۔ پھر جب صبر کے مرتبے حاصل کر لے تب جو چاہنا خدا سے مانگ لینا کیونکہ یہ اس شخص کا مقام ہے جو اگر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم پوری فرما دیتے ہیں۔

واللہ! اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبر نہ کیا ہوتا تو زمین کو کوڑے سے مارنے کے

لیے ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ کر پاتے اور اگر انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خواہشات کو ترک کرنے کی مشقت نہ برداشت کی ہوتی (جبکہ ان کے عزم ہوا اور وہ واقعہ میں نے سنا کہ اگر اللہ نے مجھے کسی جنگ میں حاضر ہونے کا موقع عطا فرمایا تو دیکھ لے گا میں کیا کرتا ہوں۔ چنانچہ احد کے موقع پر جنگ کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے حتیٰ کہ قتل کردیے گئے۔ پھر صرف اپنی انگلیوں کی پوروں سے پہچانے جا سکے) اگر ان کا ایسا عزم نہ ہوتا تو جس وقت یہ قسم کھائی:

والله لاتكسر سن الربيع. (خدا کی قسم ربیع کا دانت نہیں ٹوٹے گا)

اس وقت چہرے پر اس قدر اطمینان نہ ہوتا۔

تمہیں خدا کا واسطہ! ذرا ممنوعات سے باز رہنے کی حلاوت چکھ کر دیکھو۔ یہ ایسا درخت ہے جس پر دنیا کی عزت اور آخرت کے شرف کا پھل آتا ہے اور جب بھی خواہشات کی طرف تمہاری پیاس بڑھے تو رجاء و امید کے ہاتھ اس ذات کے سامنے پھیلاؤ جس کے پاس مکمل آسودگی کا سامان ہے اور اس سے عرض کرو کہ "یا رب! طبیعت اپنی خشک سالیوں کے سبب صبر سے عاجز ہوگئی ہے اس لیے وہ سال جلدی بھیج دیجیے جس میں لوگوں کی فریاد رسی کر سکوں اور خوب عرق نچوڑوں۔"

تمہیں خدا کی قسم! ان لوگوں کے بارے میں سوچو جنہوں نے اپنی اکثر عمر تقویٰ اور طاعت میں گزاری پھر آخر وقت میں انہیں کوئی فتنہ پیش آ گیا۔ کیا ان کی سواری نے دریا کے گھر پر ٹکر ماری اور وہ جھٹ سے کھاڑی میں ڈوب گئے۔

"واللہ دنیا پر تف ہے نہیں بلکہ جنت پر بھی تف ہے اگر اس کا حاصل ہونا محبوب سے بے رخی کا سبب بننے لگے۔"

عام آدمی اپنے نام اور اپنے باپ کے نام سے پہچانا جاتا ہے اور اہل تقویٰ حضرات نسبت سے پہلے اپنے لقب سے ہی پہچان لیے جاتے ہیں۔

اے وہ شخص! جو ایک لحظہ کے لیے اپنی خواہشات سے صبر نہیں کر پاتا مجھے بتا کہ تو ہے کون؟ تیرا عمل کیا ہے؟ اور تیرا مرتبہ کس مقام تک بلند ہے؟

تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ "مرد" کون ہے؟

واللہ مرد وہ ہے جسے کسی حرام شے پر دسترس حاصل ہو اور تنہائی بھی ہو اور اس کے حصول کی شدید خواہش بھی ہو لیکن اسی حالت میں اس کی نظر اس طرف چلی جائے کہ حق تعالیٰ اسے دیکھ رہے ہیں اس لیے حق تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیز کو سوچنے سے بھی شرما جائے اور اس حیاء کی وجہ سے اس کی خواہش ٹھنڈی ہو جائے۔

تیری حالت تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ تو ہمارے لیے وہی چیزیں چھوڑتا ہے جن کی تجھے خواہش نہیں ہوتی۔ جن میں تیری شہوت پوری نہیں ہوتی یا جن پر تجھے قدرت نہیں ہو پاتی۔

اسی طرح تیری عادت یہ ہے کہ جب تو صدقہ کرتا ہے تو روٹی کا وہی ٹکڑا دیتا ہے جو تیرے کام کا نہیں ہوتا یا ایسے شخص کو دیتا ہے جو تیری مدح سرائی کرے۔

جاؤ دور ہو! تم ہماری ولایت اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک کہ تمہارے معاملات ہمارے لیے خالص نہ ہو جائیں، اچھی چیزیں خرچ نہ کرنے لگو، اپنی خواہشات کو چھوڑ دو اور تکلیف دہ چیزوں پر صبر نہ کرنے لگو۔

اگر تم اپنے کو اجیر (مزدور) سمجھ کر عمل کرتے ہو تو اس کا یقین رکھو کہ تم اپنا ثواب ہمارے پاس ذخیرہ کر رہے ہو اور ابھی سورج غروب نہیں ہوا ہے (جب غروب ہوگا تب مل جائے گا) اور اگر تم محبت کی بناء پر عمل کرتے ہو تو اس اجر کو اپنے محبوب کی رضاء و خوشنودی کے مقابلے میں قلیل سمجھو گے اور ہماری گفتگو کسی غیر سے نہیں ہے۔

حکمت کے اسرار

مجلس...... ایک مرتبہ میں نے اللہ عزوجل کے احکام کی تمام حکمتوں پر مطلع ہونے کے لیے اپنی عقل میں ایک طرح کی منازعت محسوس کی کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ احکام کی حکمتوں میں سے کوئی حکمت اس پر ظاہر نہیں ہو پاتی تو وہ حیران ہو جاتی ہے اور اس موقع پر یہ بھی ہوتا ہے کہ شیطان موقع کو غنیمت جان کر وسوسہ پیدا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بھلا بتاؤ اس میں کیا حکمت ہو سکتی ہے؟

تو میں نے عقل سے کہا اے مسکین! دھوکہ کھانے سے بچو کیونکہ مصنوعات کی مضبوطی دیکھ کر صانع کا حکیم ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی حکمت تم سے مخفی رہ گئی

تو وہ تمہارے ادراک کے قصور کی وجہ سے ہے۔

پھر یہ کہ دنیاوی بادشاہوں کے بہت سے اسرار ہوتے ہیں (جن پر سب کو اطلاع نہیں ہو پاتی) تو تمہاری کیا حیثیت ہے کہ اس کی تمام حکمتوں پر باوجود اپنے ضعف کے مطلع ہوسکو۔ تمہارے لیے تو اجمالی حکمتیں کافی ہیں لہٰذا جو چیزیں تم سے مخفی ہیں ان کے پیچھے پڑنے سے بچو کیونکہ تم بھی اس کے ایک مصنوع ہو بلکہ اس کی مصنوعات کا ایک ذرہ ہو پھر کیونکر تم اس ذات پر حکم چلانے کی جرأت کرتے ہو جس سے تمہارا وجود ہوا ہے اور تمہارے نزدیک جس کا صاحب حکمت اور صاحب سلطنت ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

پس اپنے آلۂ عقل کو اس کی قوت کے بقدر حکمتوں کے معلوم کرنے کے لیے استعمال کرو کیونکہ اس معرفت سے تم کو خدا کا خوف نصیب ہوگا اور جو چیزیں تم سے مخفی ہیں ان سے آنکھیں بند کر لو کیونکہ کمزور نظر والے کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ سورج کی روشنی کا مقابلہ کرے۔

اصلاحِ نفس

مجاہدہ نفس...... سب سے دلچسپ اور عجیب چیز نفس کا مجاہدہ ہے کیونکہ اس میں کچھ نگاری کی ضرورت ہوتی ہے۔

بہت سے لوگوں نے تو علی الاطلاق نفس کی ہر خواہش پوری کرنا شروع کر دی تو اس نے اس کو ایسی حالتوں میں مبتلا کر دیا جو انہیں ناپسند تھیں اور کچھ لوگوں نے اس کے خلاف مبالغہ کیا حتیٰ کہ اسے اس کے حقوق سے بھی محروم کر دیا اور اس پر ظلم کرنے لگے تو ان کے اس ظلم کا اثر ان کی عبادتوں پر پڑا۔

چنانچہ بعض لوگوں نے اسے غذا سے بچایا جس کے نتیجے میں ان کا بدن ضروری امور کی ادائیگی سے بھی عاجز ہو گیا اور بعضوں نے اس کو ہمیشہ خلوت میں رکھا جس کی وجہ سے اس کے اندر وحشت پیدا ہو گئی اور فرض یا نفل ترک کرنے لگے مثلاً مریض کی عیادت یا ماں کی خدمت وغیرہ۔

محتاط وہی شخص ہے جس نے اپنے نفس کو جدوجہد اور اصول کی پابندی سکھلائی۔ اس طرح کہ اگر کسی مباح میں اس کو خواہش ملے تو اس سے آگے بڑھنے کی جسارت نہ کرے اور وہ اپنے نفس کے ساتھ بادشاہ کی طرح رہے کہ وہ جب اپنے کسی غلام کے ساتھ مزاح کرتا

ہے تو وہ غلام اس سے بے تکلف نہیں ہونے پاتا اور اگر بے تکلفی پیدا ہونے لگے تو اسے بادشاہ کی حکومت وسلطنت کی ہیبت یاد آ جاتی ہے۔

چنانچہ محقق بھی اسی طرح رہتا ہے کہ اپنے نفس کو اس کا حصہ دیتا ہے اور نفس پر جو ذمہ داریاں ہیں انہیں پوری پوری وصول کرتا ہے۔

حفظ اوقات

مجلس۔ میں نے بہت لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے اوقات کو مختلف طریقوں سے برباد کیا کرتے ہیں۔ اگر رات لمبی ہوئی تو بے فائدہ باتیں کر کے یا ناول اور فضول قصوں وغیرہ کے مطالعہ میں اور اگر دن لمبا ہوا تو سو کر پورا کرتے ہیں اور دن کے دونوں کناروں (صبح و شام) کے وقت دریا دجلہ کے کنارے یا بازاروں میں گزارتے ہیں۔ میں ایسے لوگوں کو ان لوگوں سے تشبیہ دیتا ہوں جو کشتی میں سوار باتوں میں اس طرح مشغول ہوں کہ کشتی چل رہی ہو اور ان کو کچھ احساس نہ ہو۔

ایسے لوگ بہت کم ملے جنہوں نے وجود کا معنی سمجھا ہو اور درحقیقت یہی وہ لوگ ہیں جو توشہ کی تیاری اور کوچ کی فکر میں ہیں لیکن ان میں بھی آپس میں تفاوت ہے جس کا سبب آخرت میں چلنے والے سکے کے متعلق معلومات کی کمی اور زیادتی ہے۔

کیونکہ جو لوگ بیدار مغز ہیں وہ وہاں چلنے والے سکوں کے متعلق پوری معلومات رکھتے ہیں اس لیے انہیں زیادہ مقدار میں حاصل کرتے ہیں اور جو غافل ہیں انہیں جو ملتا ہے سب لے لیتے ہیں اور بغیر رہبر کے سفر میں نکل پڑتے ہیں۔ پھر کتنے ایسے ہیں جن پر لوٹ پڑ گئی اور وہ مفلس رہ گئے۔ زندگی کے موسم میں اللہ کا لحاظ کرو اور موقع کے فوت ہونے سے پہلے تیاری کر لو۔ علم کو گواہ بناؤ۔ حکمت سے استدلال کرو۔ زمانہ سے مقابلہ کرو۔ لوگوں کے مت تک کرو اور توشہ کا سہارا حاصل کرو۔ قافلہ کا حدی خواں آواز لگا رہا ہے اب جس نے اس کی صدا نہیں سنی وہ ندامت اٹھائے گا۔

علماء اور زاہدوں کا مرض

مجلس۔۔۔ مریض کے حق میں سب سے زیادہ مضر چیز بد پرہیزی ہے اور ہم میں سے ہر ایک خواہش نفس کا مریض ہے۔

پرہیزی اصل دوا ہے کیونکہ بد پرہیزی مرض کو بحال رکھتی ہے۔

اور ارباب آخرت کی بد پرہیزی دو طرح کی ہے۔ ایک تو علماء کی بد پرہیزی ہے یعنی امراء و سلاطین سے ملنا جلنا کیونکہ امراء ان کے یقین کی قوت کو کمزور کرتے ہیں اور جب اختلاط یعنی میل جول زیادہ ہوگا تو یہ اپنے مریدین کے حق میں اپنا اعتبار کھو بیٹھیں گے خود میرا یہ معاملہ ہے کہ جب کسی طبیب کو دیکھتا ہوں کہ وہ بد پرہیزی کرتا ہے اور مجھے احتیاط کا مشورہ دیتا ہے تو یا تو اس کے اس مشورہ میں شک رہتا ہے یا مانتا ہی نہیں ہوں۔

دوسری قسم زاہدوں کی بد پرہیزی ہے جو کبھی تو دنیاداروں سے اختلاط کی شکل میں ہوتی ہے اور کبھی خشوع کا مظاہرہ کر کے اپنی ناموس کی حفاظت کی صورت میں ہوتی ہے تاکہ عوام کا اعتقاد حاصل کر سکیں۔ لہٰذا اللہ سے ڈرو! جزا کو پرکھنے والا دیکھ رہا ہے اخلاص باطن میں ہوتا ہے صدق دل میں ہوتا ہے اور سلامتی کا راستہ اپنے احوال کو چھپا کر رکھنا ہے۔

قول کے بجائے عمل زیادہ موثر ہوتا ہے

صحبتیں... میں نے بہت سے مشائخ سے ملاقات کی جن کے مختلف احوال تھے یعنی وہ اپنے علمی رتبوں میں ایک دوسرے سے کم زیادہ تھے لیکن میرے حق میں نفع بخش صحبت والے وہی عالم ثابت ہوئے جو اپنے علم پر عمل کرنے والے تھے۔ اگرچہ دوسرے علماء علم میں ان سے بڑھے ہوئے تھے۔

میں نے علماء حدیث کی ایک جماعت سے ملاقات کی جو احادیث یاد کرتے تھے اس کی معرفت حاصل کرتے تھے لیکن غیبت کے سلسلے میں چشم پوشی سے کام لیتے تھے یعنی جرح و تعدیل کے بہانے سے غیبت کر لیتے تھے۔ حدیث شریف پڑھانے پر اجرت لیتے تھے اور جواب فوراً دینے کی کوشش کرتے تھے تاکہ اپنی جاہ مجروح نہ ہو خواہ جواب میں غلطی کیوں نہ ہو جائے۔

البتہ حضرت عبدالوہاب الانماطی کی زیارت کا موقع ملا آپ سلف کے طرز پر تھے نہ تو آپ کی مجلس میں کبھی غیبت کی گئی اور نہ آپ حدیث شریف سنانے پر اجرت لیتے تھے۔ میں جب آپ کے سامنے دل کو نرم کرنے والی احادیث کی قرأت کرتا تھا تو آپ رونے

لگتے اور مسلسل روتے رہتے تھے۔ اس وقت باوجود میری صغرسنی کے آپ کا گریہ میرے دل کو متاثر کرتا تھا اور میرے دل میں ادب کی بنیاد قائم کرتا تھا۔ آپ بالکل ان مشائخ کے طرز پر تھے جن کے اوصاف و کمالات کتابوں میں ہی ملتے ہیں اسی طرح شیخ ابو منصور جوالیقی سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ اکثر چپ رہنے والے غور و فکر کے بعد گفتگو کرنے والے بہت پختہ اور محقق تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ کوئی معمولی سوال پوچھا جاتا جس کا جواب بچے بھی فوراً دیتے لیکن آپ اس میں توقف کرتے اور جب شرح صدر ہو جاتا تب بتلاتے بہت روزے رکھنے والے اور بہت خاموش رہنے والے تھے۔

یہ دو حضرات ایسے ہیں ان کی زیارت سے مجھے جتنا نفع ہوا دوسروں سے اتنا نہیں ہو سکا۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ عمل اور فعل سے رہنمائی کرنا قول اور تقریر کی رہنمائی سے زیادہ موثر ہوتا ہے۔

اس کے برعکس میں نے بہت سے مشائخ کو دیکھا جو خلوتوں میں تفریح و مزاح کرتے تھے کہ وہ لوگوں کے دلوں سے نکل گئے اور ان کی اس کوتاہی نے ان کے جمع کردہ علوم کو برباد کر دیا جس کی وجہ سے زندگی میں ان سے انتفاع کم ہو گیا اور وفات کے بعد وہ بھلا دیئے گئے۔ چنانچہ ان کی تصنیفات کی طرف کوئی رخ بھی نہیں کرتا چاہتا۔

"پس عمل پر علم کے سلسلے میں اللہ سے ڈرو کہ یہی اصل اکبر ہے۔"

وہ شخص تو بہت مسکین ہے جس نے اپنی ساری زندگی ایسے علم میں گزاری جس پر عمل نہیں کیا کیونکہ اس سے دنیا کی لذتیں بھی فوت ہوئیں اور آخرت کی بھلائیاں بھی اور وہ اس حال میں پہنچا کہ مفلس تھا اور اس کے خلاف حجت قوی تھی۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْخِذْلَانِ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ۔

اللہ کے مہلت دینے سے دھوکہ نہ کھاؤ

مجلس…… پاکیزہ ہے وہ عظمت اور سطوت والی ذات جس کی معرفت اسی کو حاصل ہے جو اس سے ڈرا اور جو اس کی خفیہ تدبیروں سے مطمئن ہو وہ عارف نہیں ہو سکتا۔

میں نے ایک بڑا امر سوچا کہ اللہ تعالیٰ اس قدر ڈھیل دیتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ بس یونہی چھوڑ دیا ہے چنانچہ تم نافرمانوں کے ہاتھ آزاد دیکھتے ہو گویا انہیں کوئی روکنے

والا نہیں ہے لیکن جب تو سخ زیادہ ہو جاتا ہے اور لوگ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے تب وہ ذات جبار جیسی گرفت فرماتی ہے۔

اور یہ مہلت اس لیے دیتے ہیں تا کہ صابر کا صبر آزمائیں اور ظالم کو ڈھیل دیں۔ چنانچہ صابر اپنے صبر پر جما رہتا ہے اور ظالم کو اس کے برے افعال کا بدلہ مل جاتا ہے اور اس مہلت میں بے انتہا علم بھی پوشیدہ ہوتا ہے جو ہمیں معلوم نہیں ہو پاتا لیکن جب سزا دینے پر آتا ہے تو تم ہر غلطی پر سرزنش دیکھو گے اور کبھی بہت سی غلطیاں جمع ہو جاتی ہیں تو سب کی طرف سے دماغ پھوڑ دینے والا پتھر رہ جاتا ہے۔

بعض اوقات اس طرح کی سزا کا سبب عام لوگوں سے مخفی رہتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں صاحب تو بڑے نیک ہیں پھر ان پر اس مصیبت کی کیا وجہ؟ اس وقت تقدیر جواب دیتی ہے کہ یہ مخفی گناہوں کی سزا ہے جو سب کے سامنے دی جا رہی ہے۔

کس قدر پاکیزہ ہے وہ ذات جو اتنی ظاہر ہے کہ کسی شئی پر ذرا بھی مخفی نہیں اور اتنی پوشیدہ ہے کہ گویا اسے جاننا اور پہچاننا ناممکن ہے۔ اس قدر مہلت دیتا ہے کہ چشم پوشی کی امید بندھ جاتی ہے اور مناقشہ اس طرح کرتا ہے کہ اس کے مواخذہ میں عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔ (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ)

اصلاحِ نفس کے متعلق ایک تنبیہ

مجلس..... علم اور اس کی طرف رغبت اور اس کے شغل کے متعلق سوچا تو اندازہ ہوا کہ اس سے قلب کو ایسی تقویت ملتی ہے جو اسے قساوت کی طرف لے جاتی ہے اور واقعی اگر دل کے اندر وہ وقت اور لمبی آرزوئیں نہ ہوتیں تو علم کا شغل نہایت دشوار ہوتا کیونکہ میں حدیث اس امید پر لکھتا ہوں کہ اس کی روایت کروں گا اور تصنیف اس توقع پر شروع کرتا ہوں کہ اس کو مکمل کروں گا۔

اس کے برخلاف جب عبادت و ریاضت کے باب میں غور کرتا ہوں تو آرزوئیں کم ہوتی دکھتی ہیں دل نرم ہو جاتا ہے آنسو جاری ہو جاتے ہیں مناجات بھلی معلوم ہونے لگتی

ہیں سکینت چھا جاتا ہے۔ گویا میں خدا کے مراقبے کے مقام میں پہنچ جاتا ہوں۔

لیکن علم بعض نفس ہے اس کی جہت قوی ہے اس کا رتبہ بڑا ہے اگرچہ اس سے وہ حالت پیدا ہو جس کا میں نے شکوہ کیا ہے اور عبادات نافلہ و اشتغال تصوف۔ اگرچہ اس کے فوائد بہت ہیں جن کی طرف اشارہ کیا لیکن وہ ان ضعفاء کے احوال کے مناسب ہیں جنہوں نے دوسروں کی ہدایت کے بجائے اپنی اصلاح پر قناعت کر لی ہے اور مخلوق کو رب کی طرف لے جانے کے بجائے گوشہ نشینی اختیار کر رکھی ہے۔ (لیکن خود اپنی اصلاح تو واجب ہے اگر اپنی اصلاح کے بعد آدمی علم کا مشغلہ اختیار کرے تو وہ افضل الاحوال ہے ورنہ صرف مشغلِ علم و تہذیب نفس سے غافل ہو جانا اسوء الاحوال ہے۔ ۱۲)

پس درست اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ علم کا مشغلہ اختیار کرے اور اس کے ساتھ دل کو نرم کرنے والے اسباب سے نفس کو صرف اتنا دیا جاتا رہے جتنا مشغلِ علمی میں حارج نہ بنے۔

چنانچہ میں اپنے قلب کے ضعف اور رقت کی وجہ سے اسے ناپسند کرتا ہوں کہ قبروں کی زیادہ زیارت کروں یا قریب المرگ کے پاس موجود رہوں کیونکہ یہ چیزیں میری فکر کو متاثر کرتی ہیں اور مجھے علم کے مشغلہ سے نکال کر موت کے متعلق سوچنے کے مقام میں پہنچا دیتی ہیں پھر میں ایک زمانہ تک اپنے آپ سے نفع اٹھانے کے قابل نہیں رہ جاتا۔

وہاں میں قول فیصل یہ ہے کہ مرض کا مقابلہ اس کی ضد سے کیا جائے لہٰذا جس کا قلب بہت سخت ہو اور اسے وہ مراقبہ نہ حاصل ہو جو گناہوں سے روک سکے تو اس کا مقابلہ موت کی یاد سے اور قریب الموت لوگوں کے پاس جا کر کرے اور جو رقیق القلب ہو تو اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے مگر اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ کسی چیز میں مشغول ہو جائے جو اسے بہلائے رکھے تاکہ وہ اپنی زندگی سے نفع اٹھا سکے اور جو کچھ دے رہا ہے اسے سمجھ سکے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مزاح فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دوڑ میں مقابلہ فرماتے تھے اور اپنے نفس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ فرماتے تھے۔

اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرے گا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مضمون سے وہی سمجھے گا یعنی بقدر ضرورت نفس کے ساتھ نرمی کرنا جیسا کہ میں نے عرض کیا۔

موت کا استحضار

مجلس... موت کے قریب پہنچ کر اس وقت پتا چلتا ہے ایک عجیب اور دلچسپ امر ہے کیونکہ اس وقت وہ حالت پیدا ہوتی ہے جسے بیان نہیں کیا جاسکتا اور اسے تعلق ہوتا ہے جس کی تحدید دشوار ہے اس لیے کہ وہ اپنے گزشتہ دنوں پر بے حد مغموم ہوتا ہے اور موت کے یقین کے بقدر اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ کاش! اسے چھوڑ دیا جاتا تاکہ وہ مافات کی تلافی کر سکے اور صدق دل سے تائب ہو سکے بلکہ شدت غم کی بنا پر ایسا لگتا ہے کہ مرنے سے پہلے ہی مر جائے گا۔

حالانکہ اگر ان احوال میں سے جو قریب الموت کو پیش آتے ہیں ایک ذرہ بھی عافیت اور صحت کے زمانے میں پا لیا جائے تو مقصود حقیقی تقویٰ پر بآسانی حاصل ہو جائے گا۔

پس عقلمند وہی ہے جس نے اس وقت کا تصور کیا پھر اس کے مطابق عمل کیا اور جسے اس وقت کا سچا تصور نہ ہو سکے وہ اپنی بیداری کے بقدر ہی تصور کرے کیونکہ اتنا مراقبہ بھی اسے خواہشات سے روکنے کے لیے اور عمل کی کوشش پر ابھارنے کے لیے کافی ہے اور اگر کوئی ایسا ہو جس کی آنکھوں میں ہر وقت وہ گھڑی پھرتی رہتی ہو تو وہ اس حالت کا قیدی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب صبح کرتے تو اپنی بیوی سے فرماتے کہ اگر آج میں مر جاؤں تو فلاں مجھے غسل دے اور فلاں اٹھا کر لے جائے۔

اور حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے فرمایا کہ ہمیں ظہر کی نماز پڑھاؤ۔ اس نے کہا اگر ظہر کی پڑھاؤں گا تو عصر کی نماز نہیں پڑھاؤں گا۔ آپ نے فرمایا "اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں امید ہے کہ تم عصر تک زندہ بھی رہو گے طول امل سے اللہ کی پناہ۔"

اور ایک آدمی نے آپ کے سامنے کسی دوسرے کا ذکر غیبت کے طور پر کیا تو اس سے فرمایا "اس وقت کو یاد کرو جب لوگ تمہاری آنکھوں پر روئی کا پھاہا رکھیں گے۔" (جب تم مر جاؤ گے)

اہل سماع اہل سماع

مجلس... کبھی بیدار طبیعت اور بیدار مغز شخص کسی خراب شعر کا کوئی مصرعہ سن کر اس

---

۱ لمبی امید سے [illegible]

سے اشارہ نکالتا ہے اور اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔

چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ایک رقعہ بھیجا جس میں لکھا ہوا تھا کہ میں نے مکہ شریف کے راستہ میں ایک حدی خواں کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا۔

أَبْكِي وَمَا يُدْرِيكَ مَا يُبْكِينِي أَبْكِي حِذَارًا أَنْ تُفَارِقِينِي وَتَقْطَعِي
حَبْلِي وَتَهْجُرِينِي.

"میں رو رہا ہوں اور اے محبوب! تجھے کیا خبر کہ کیوں رو رہا ہوں؟ میرا رونا اس اندیشہ سے ہے کہ کہیں تو مجھے چھوڑ نہ دے اور میرے تعلق کا رشتہ نہ توڑ دے اور مجھ سے جدا نہ ہو جاوے۔"

دیکھو! حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ پر ان شعروں کا کیا اثر ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم کریں اور سمجھنے کی توفیق دیں کہ ان کی یہ آرزو ہوئی کہ حضرت جنید کو بھی اس کی اطلاع ہو جائے جو انہیں معلوم ہوا اور یہ بھی سمجھ لو کہ ایسے اشعار کی اطلاع حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اور کسی کے لیے مفید ہو بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ بہت سے لوگوں میں حس کی کثافت ہوتی ہے اور موٹی سمجھ کے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں نے جب اس طرح کا واقعہ سنا تو کہنے لگے کہ بھلا اس شعر سے کس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے؟ اگر حق تعالیٰ کی طرف ہے تو اس کی طرف مؤنث کے صیغہ سے اشارہ درست نہیں اور اگر کسی عورت کی طرف ہے تو پھر یہ (عورتوں سے اس طرح کا خطاب) زاہدوں کا کام تو نہیں ہے؟

واقعتاً ایسے اشعار اگر اہل غفلت سنیں تو یہ اہل غفلت کی حد کی ہوگی اور یہی وجہ ہے کہ قصیدوں اور گویوں کے اشعار سننے سے منع کیا جاتا ہے کیونکہ ایسے اشعار کو نفسانی تقاضوں پر محمول کیا جاتا ہے اور ہمیں جنید بغدادی اور سری سقطی کہاں میسر ہیں؟" (لہٰذا یہ سماع علی الاطلاق ناجائز ہوا جبکہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سماع سے توبہ کر لیا تھا" کما فی الاحیاء" اور اگر بالفرض ہمیں ان کا کوئی مثل مل جائے تو وہ جو کچھ سنے گا اس کی حیثیت اور اشارہ (یعنی حدود و شرائط) سے واقف ہوگا۔

اور اس کثیف الطبع یعنی بھدی طبیعت والے کا جواب یہ ہے کہ حضرت سری نے اللہ

سے اشارہ نہیں لیا ہے اور لفظ پر اپنے مطلوب کو منطبق نہیں کیا ہے کہ اس کو مذکر یا مؤنث
بنانے کی فکر کرتے بلکہ انہوں نے معنی سے اشارہ نکالا ہے۔ گویا وہ اپنے محبوب حقیقی کو ان
اشعار کے مضمون سے خطاب کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں آپ کے اعراض اور بے رخی
کے اندیشہ سے رو رہا ہوں۔ بس اشارۃً ان کا مقصود ہے۔ لفظ کی تذکیر و تانیث کی طرف
انہوں نے ذرا بھی التفات نہیں کیا۔ اسے خوب سمجھ لو۔

اور بیدار طبیعت حضرات ایسے کلمات سے اشارہ نکالتے رہتے ہیں حتی کہ انہوں نے
ایسے جملے سے اشارہ نکالا ہے جسے بازاری لوگ بولتے ہیں اور لوگ جسے "واہی تباہی بات"
کہا کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے حضرت ابن عقیل کا لکھا ان کے ایک شیخ کا واقعہ پڑھا کہ
انہوں نے ایک عورت کو چیختے ہوئے سنا:

غسلت له طول الليل فركت له طول النهار خرج يعاين
غيري ...... زلق وقع في الطين

"میں نے رات بھر اس کی وجہ سے غسل کیا اور دن بھر کپڑوں سے نجاست کھرچی پھر وہ
میرے سوا دوسری کو دیکھنے نکلا پھسلا اور کیچڑ میں جا گرا۔"

تو اس سے اشارہ نکالا جس کا حاصل یہ ہے کہ اے میرے بندے! میں نے تجھے اچھی
صورت عنایت کی، تیرے حالات درست کیے، تیرا جسم سیدھا بنایا، اس کے باوجود تو دوسری
طرف متوجہ ہو گیا۔ پس مجھے چھوڑنے کے نتائج کا انتظار کر۔

اور ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ایک عورت کو ایسی واہی بات کی قبیل
سے کہتے سنا اور وہ ایسا جملہ تھا جس کا حق میں کافی مدت تک محسوس کرتا رہا۔

كم كنت بالله اقول لك ... لملا التواني غائله . وللقبيح
خميرة ... تبين بعد قليل

"خدا کی قسم میں نے تجھ سے کتنی بار کہا کہ اس سستی کا انجام برا ہے اور برے کام کا ایک
نتیجہ ہے جو تھوڑی مدت میں ظاہر ہو جائے گا۔"

ابن عقیل نے فرمایا کہ "گویا اس نے ہماری دینی کاموں میں سستی و کاہلی چھوڑ دینے

پر ندامت ورسوائی ہے جس کے نتائج کل قیامت میں خدا کے سامنے ظاہر ہوں گے۔"

اہل تقویٰ کا احتساب نفس

مجلس..... بعض مرتبہ کسی دنیاوی چیز کے حصول پر مجھے عزیمت کے بجائے رخصت کی کسی صورت پر عمل کرکے قدرت حاصل ہوگئی۔ لیکن جب بھی کوئی چیز حاصل ہوئی تو کوئی چیز میرے دل سے رخصت ہوگئی اور جب بھی حصول کا کوئی طریقہ مجھ پر روشن ہوا تو اس نے میرے دل میں ایک نئی ظلمت پیدا کردی۔

یہ محسوس کرکے میں نے اپنے نفس سے کہا اے برے نفس! گناہ وہی ہے جسے قلب دھتکارے اور ناپسند کرے جبکہ فرمایا گیا ہے "اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ" اپنے دل سے فتویٰ مانگو۔ لہٰذا اگر سنا دی دنیا کے حصول سے بھی دل میں کچھ کدورت اور میل پیدا ہو تو اس میں تمہارے لیے کوئی خیر نہیں ہے بلکہ اگر جنت بھی ایسے راستے سے حاصل ہو جو دین میں یا اللہ سے تعلق میں مضر ہو جائے تو اس کی لذتیں بھی بیکار ہیں جبکہ کدورت کے بغیر تھوڑے پر سو رہنا بادشاہوں کے تکیے اور مسندوں سے زیادہ سکون بخش ہوگا۔

اس کشمکش میں کبھی میں اپنے نفس پر غالب ہوتا تھا اور کبھی وہ مجھ پر وہ ایسی چیز کے حاصل کرنے کی ضرورت بیان کرتا کہ یہ ضروری ہے اور کہتا کہ میں بقیہ ہر طرح سے آگے کو نہیں بڑھتا ہوں؟

میں نے پوچھا کیا "ورع و تقویٰ اس سے نہیں روکتا"؟

کہا "ہاں اور ورع روکتا تو ہے۔"

میں نے کہا "کیا دل میں اس سے قساوت نہیں پیدا ہوگی؟"

اس نے کہا "ہو جاتی ہے"

میں نے کہا "بس تمہارے لیے ایسے کام میں کوئی بھلائی نہیں ہے جس کا ثمرہ یہ ہو"

پھر ایک دن میں اپنے نفس کے ساتھ خلوت میں تھا تو میں نے اس سے کہا "تیرا برا ہو سن! میں تجھ کو سمجھاتا ہوں اگر تو نے دنیا کا کچھ مال و متاع ایسے طریقہ سے جمع کرلیا جس میں شبہ ہو تو کیا تجھے یقین ہے کہ اسے تو خود خرچ کرسکے گا؟" اس نے کہا نہیں!

میں نے کہا پھر ساری محنت کا حاصل یہ ہوا کہ دوسرے فائدہ اٹھائیں اور تجھے یہاں

کدورت ملے اور وہاں ایسا گناہ جس سے مطمئن نہیں ہوا جا سکتا۔ تیرا ناس ہو!'' وہ چیز اللہ کے لیے چھوڑ دے جس سے ورع وتقویٰ منع کرر ہا ہے اور اس کو چھوڑ کر اللہ کی فرمانبرداری کر۔ لگتا ہے تو یا تو چاہتا ہے کہ صرف وہی چیزیں چھوڑے جو حرام خالص ہوں یا جن کے حصول کا سبب غلط ہو؛ کیا تو نے نہیں سنا کہ جس نے اللہ کے لیے کوئی چیز چھوڑ دی اللہ تعالیٰ اس کا عوض اس سے بہتر عطا فرماتے ہیں۔ کیا تجھے ان لوگوں میں کچھ عبرت نہ ملی جنہوں نے جمع کیا لیکن اسے دوسروں نے سمیٹ لیا اور جنہوں نے آرزوئیں تو باندھیں لیکن اپنی آرزوؤں تک نہیں پہنچ سکے۔

کتنے علماء نے بیشمار کتابیں جمع کیں لیکن خود نفع نہیں اُٹھا سکے اور کتنے نفع اُٹھانے والوں کے پاس دس رسالے بھی نہ تھے؛ کتنے خوش عیش ایسے ہوئے جو دو دینار کے بھی مالک نہیں تھے اور کتنے دولت مند ہوئے جن کی زندگیاں کدورتوں سے پُر تھیں۔

کیا تجھ میں کچھ فہم نہیں کہ ان لوگوں کے احوال پر نظر کرتا جنہوں نے ایک طرف سے رخصت پر عمل کر کے حاصل کیا اور دوسری طرف کئی راستوں سے چھن گئے۔ اکثر ایسا ہو جاتا ہے کہ گھر کے ذمہ دار کو یا کسی اور فرد کو کوئی مرض لاحق ہو جاتا ہے تو اس کے علاج میں رخصت پر عمل کر کے جو کچھ کمایا تھا اس کا کئی گنا خرچ ہو جاتا ہے جبکہ متقی شخص اس مرض سے محفوظ رہتا ہے۔''

یہ تقریر سن کر نفس چیخ پڑا اور کہا کہ ''جب میں شریعت کی حدود سے تجاوز نہیں کرتا تو آپ اس سے زیادہ کیا چاہتے ہیں؟''

میں نے کہا ''میں تجھے بڑے گھاٹے سے روکنا چاہتا ہوں اور تو اپنے حال سے خوب واقف ہے۔''

اس نے کہا ''پھر مجھے بتائیے کہ میں کیا کروں؟''

میں نے کہا ''جو ذات تجھے دیکھ رہی ہے اس کا مراقبہ کر اور اپنے آپ کو تمام مخلوق سے بڑی اور عظیم ذات کے سامنے حاضر تصور کر کہ تو ایسے عظیم بادشاہ کی نگاہوں میں ہے جو تیرے باطن سے جتنا واقف ہے بڑے بڑے لوگ اتنا تیرے ظاہر کو نہیں دیکھ پاتے۔ لہٰذا احتیاط کا راستہ اختیار کر اور یقین کو فروخت کر کے رخصت پر عمل کرنے سے پرہیز کر۔ دنیاوی خواہشات کے عوض اپنا تقویٰ نہ بیچ۔''

اور اگر اس احتیاط سے تیری طبیعت میں کچھ تنگی ہونے لگے تو اس سے کہہ دے کہ ذرا

ٹھہرا ابھی اشارہ کی مدت ختم نہیں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ہی تمہیں اس پرکشش کی طرف لے جانے والے ہیں اور وہی توفیق دے کر اعانت فرمانے والے ہیں۔

پاداشِ عمل ضروری ہے

مجلسی... ارباب مناصب اور امراء کے متعلق برابر سوچتا رہتا ہوں کہ وہ شراب پیتے ہیں کھلے عام گناہ کرتے ہیں ظلم کرتے ہیں اور ایسے افعال کرتے ہیں جو حد لگنے شرعی سزاؤں کا سبب ہیں۔ تو میں سوچتا تھا کہ ایسے مرتبے کے لوگوں پر کیسے وہ جرم ثابت کیا جاسکے گا جو حد کا سبب ہے؟ اور اگر ثابت ہو بھی جائے تو حد ان پر لگانا میں اسے عادتاً ناممکن سمجھتا تھا کیونکہ وہ اپنے عہدوں اور منصب کی وجہ سے احترام کے مقام پر تھے۔

بہت دنوں تک میں یہی سوچتا رہا کہ ان پر جو حد واجب ہے وہ ضائع اور رائیگاں ہو رہی ہے لیکن پھر میں نے دیکھا کہ وہ سزاؤں میں گرفتار کر لیے گئے اور پھر ان پر عجیب عجیب حالات آئے ان کے ظلم کا بدلہ یہ ملا کہ ان کے اموال چھین لیے گئے طرح طرح کی ذلتوں بھاری بیڑیوں اور لمبی قید کے بعد بھی ان پر کئی گنا زیادہ حد وتادیم کی گئی بہت سے تو سخت مصیبتیں دیئے جانے کے بعد قتل کر دیئے گئے۔ تب میں نے یقین کر لیا کہ کسی کو کوئی پوری چھوٹ نہیں چھوڑا جاتا۔

لیکن بہت سی ٹرے روکے کہ سزا آخرت میں ہے۔

بقدر ضرورت مال جمع رکھنا ضروری ہے

مجلسی... سمجھدار آدمی کے لیے شریعت اور عقل کے تقاضے کی وجہ سے اپنے ضروری مصالح کے اسباب حاصل کرتے رہنا ضروری ہے۔

مثلاً مال کی حفاظت اس کی زیادتی کی کوشش اور اس کی رغبت ہے کیونکہ مال انسان کی بقاء کا سبب اور اس کی عزت کا ضامن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں فضول خرچی سے منع کیا گیا ہے۔

چنانچہ فرمایا: ولا تؤتوا السفهاء اموالکم۔

"اپنا مال ناعاقبت اندیشوں کے حوالے مت کرو۔"

اور فرمایا گیا ہے کہ یہ دو چیزوں کا سبب ہے: اَلَّتِیْ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ قِیٰمًا.

"وہ مال جسے اللہ نے تمہاری معاش کا قوام بنایا ہے۔"

اور ارشاد فرمایا: وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ. "بہت زیادہ ہاتھ کھول کر خرچ نہ کرو۔"

اور فرمایا: وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا. "اور بھی فضول خرچی نہ کرو۔"

اور فرمایا: "لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا." "نہ انہوں نے اسراف کیا اور نہ تنگی کی بلکہ انہوں نے درمیان کا معتدل راستہ اختیار کیا۔"

اور مال کی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا. "کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے۔"

اور فرمایا: وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ "اللہ کے راستہ میں خرچ کرو۔"

اور ارشاد فرمایا: يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ. "وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔"

اور ارشاد ہے: لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ. "تم میں سے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا ان کے برابر وہ نہیں ہو سکتے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا۔"

اور اللہ تعالیٰ نے مال کو نعمت اور اس کی زکوٰۃ کو تطہیر قرار دیا ہے۔ فرمایا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ.

"آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر ان کو پاک بنائیے اور اس کے ذریعے ان کا تزکیہ فرمایئے۔"

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ.

"عمدہ اور حلال مال نیک شخص کے لیے بہت خوب ہے۔"

اور فرمایا: مَا نَفَعَنِيْ مَالٌ كَمَالِ اَبِيْ بَكْرٍ. "مجھے ابوبکر کے مال جتنا نفع دوسرے کسی نے نہیں پہنچایا۔"

نیز حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجارت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر سفر میں چلے جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے منع نہیں فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "بقدر کفایت روزی حاصل کرتے ہوئے کی پابندی

دو کمانوں کے درمیان مروں مجھے فی سبیل اللہ غزوہ کرتے ہوئے شہید ہونے سے زیادہ پسند ہے"
اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک بڑی جماعت تجارت کیا کرتی تھی۔

سید التابعین حضرت سعید ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وفات کے بعد بہت سا مال چھوڑا۔ آپ زیتون کا تیل جمع کرکے رکھے رہتے جب بھاؤ چڑھتا تب فروخت کرتے تھے۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے حضرات سلف کی بھی مال کے متعلق ایسی روش رہی۔

پھر یہ بھی ہے کہ حادثات پیش آجاتے ہیں۔ مثلاً بیماریاں ہیں کہ ان میں مال کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایسے وقت میں انسان کو اس کی طلب میں اضطراب و پریشانی لاحق ہوجاتی ہے پھر یہ تو دوا بروئے بدر کرتا ہے یا دین اور یہ بھی ہے کہ مال کے پاس رہنے سے جسمانی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اطباء نے اسے بھی قوت کی ایک دوا شمار کیا ہے اور یہ ایک حکمت ہے جو اللہ نے مال میں رکھی ہے۔

لیکن ان سب کے باوجود کچھ لوگوں نے راحت کی راہ اختیار کی اور توکل کا دعویٰ کرتے ہوئے کہا کہ ہم کوئی چیز روک کر نہیں رکھتے' سفر میں زادِ سفر لے کر نہیں چلتے اور جسم کے لیے رزق تو خود ہی سے آتا ہے حالانکہ یہ شریعت کے خلاف دعویٰ ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے ہیں تو آپ نے زادِ سفر لیا تھا اور خود ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہجرت فرمائی تو زادِ سفر ساتھ میں رکھا۔ پھر ان سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى۔
"توشہ لے کر سفر کیا کرو اور سب سے عمدہ توشہ وہ ہے جو پوری حفاظت کا ذریعہ ہو"

اور یہ متصوفین دنیا سے بغض اور نفرت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھ پاتے کہ کس چیز سے بغض رکھنا چاہیے وہ مال کی مذمت کی کوشش کرتے ہیں اور اسے قبیح قرار دیتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ انہوں نے ذہنی والے سے یہ طریقہ لے لیا ہے جس میں اگر وہ مخلص بھی ہوں تب بھی رہبانیت کی بو آتی ہے۔[1]

1۔ حافظ متصوفین کو ان صوفیاء پر قیاس نہ کریں جن پر علامہ ابن الجوزی نکیر فرما رہے ہیں۔ یہ راہب صوفیاء ہیں جیسے متصوفین سے تعبیر کیا ہے۔ صوفیائے کرام اکثر علمائے ربانیت سے کوسوں دور ہیں۔ ع م

ان کا ایک کھوٹ یہ ہے کہ جب انہوں نے زہد اختیار کر کے شکار کا جال لگایا تو جو کچھ ان کے پاس ہدایہ تحائف آتے ہیں انہیں فتوحات کا نام دیتے ہیں۔

ابن قتیبہ نے غریب الحدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "اَلْيَدُ الْعُلْيَا" کی شرح میں فرمایا ہے "هِيَ الْمُعْطِيَةُ" (دینے والا ہاتھ) اور آگے فرماتے ہیں کہ مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو "اَلْيَدُ الْعُلْيَا" سے مراد "اٰخِذَةٌ" (لینے والا ہاتھ) بتلاتے ہیں۔

میرا خیال یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو مانگنا بھلا معلوم ہوتا ہے اسی لیے یہ اپنی دناءت اور پستی کے لیے اس حدیث کو حجت بنانا چاہتے ہیں لیکن شریعت ان کی تاویلوں سے بری ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے مویشیوں سے شہر تنگ پڑنے لگا تھا تو دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس بہت مال تھا اس کے باوجود موسیٰ علیہ السلام سے اجرت کی زیادتی کی خواہش کی اور فرمایا: فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ. "اگر دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے ہوگا۔"

اور حضرت ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے تھے کہ "جو شخص یہ کہے کہ میں دنیا سے محبت نہیں کرتا وہ کذاب ہے" کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے جب ان کے بیٹے یامین کو مانگا گیا تو آپ نے فرمایا: هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ. "کیا اس کے متعلق میں تم پر اطمینان کرلوں گا؟ (یعنی انکار کر دیا)"

لیکن جب بھائیوں نے عرض کیا: وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ. "ہم ایک اونٹ غلہ زیادہ حاصل کرلیں گے۔" تو فرمایا لیجاؤ۔ بعض سلف کا قول ہے کہ "جس نے دنیا سے بغض ونفرت کا دعویٰ کیا جب تک اس کو ثابت نہ کر دے کذاب (جھوٹا) ہے اور اگر ثابت کر دیا تو مجنون ہے۔"

ان جعلی صوفیوں کی جماعت نے بہت سے لوگوں میں کسب معاش سے نفرت اور وحشت پیدا کر دی حالانکہ وہ انبیاء اور صلحاء کا طریقہ ہے۔

اور ان کے سارے ڈھونگ کا مقصد راحت کے راستہ کی طلب ہے اس لیے یہ "فتوحات" پر اعتماد کر کے بیٹھ رہے۔ جب آسودہ ہو جاتے ہیں تو رقص کرتے اور جھومتے ہیں اور جب کھانا

ہضم ہو جاتا ہے تو پھر کھانا شروع کر دیتے ہیں اور جہاں کہیں بھی کسی مالدار کے متعلق کچھ وقت ملا اس کی تعریف کر کے یا اعتقاد کی کثرت کا مظاہرہ کر کے اس پر اپنی دعوت مقرر کر لیتے ہیں۔

پھر اس سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ وہ اس رقص و سرود کے عبادت اور قربت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ جس نے رقص کے متعلق اللہ کی قربت ہونے کا دعویٰ کیا وہ کافر ہو گیا۔ اگر وہ اسے مباح کہتے تو زیادہ بڑی بات نہ تھی کیونکہ طاعت اور قربت وہ افعال ہوتے ہیں جو شریعت نے بتلائے ہوں اور شریعت میں نہ رقص کا امر کیا گیا اور نہ اسے مستحب کہا گیا۔

مجھے تحقیق کے ساتھ ایک جماعت کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ لوگ امردوں کے چہرے کے سامنے شمع جلا کر اسے گھورتے تھے اور جب ان سے اس کے متعلق کوئی سوال کرتا تو پوچھنے والے کا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ ہم اللہ کی مخلوق سے عبرت حاصل کر رہے ہیں۔
"لا حول ولا قوۃ" اس جماعت پر شیطان چھا چکا ہے اور جدھر چاہتا ہے لے جاتا ہے۔

"اس پر تعجب ہے جو دنیا کی مذمت کرتا ہے حالانکہ سود ہو کر کھاتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ یہ کھانا کہاں سے آیا؟"

جبکہ سلف صالحین ہمیشہ کھانے کے متعلق تحقیق کر لیتے تھے حتیٰ کہ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ خود بھی اور آپ کے اصحاب بھی رات بھر جاگتے رہتے اور کہتے تھے کہ ہم کل کس کے ساتھ کام کریں گے؟

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی غذا کی پاکیزگی میں مشہور تھے اور ورع و تقویٰ میں ان کو بہت اونچا مقام حاصل تھا۔

مگر ایک قوم پیدا ہوئی جو اپنے کو صوفیہ کہلاتی ہے اور ان حضرات سلف (یعنی سچے صوفیاء) کی اتباع کا دعویٰ کرتی ہے اس کے باوجود فلاں اور فلاں (یعنی مشتبہ آمدنی والوں) کا مال کھا لیتی ہے حالانکہ اسے ان اموال کی اصل معلوم نہیں ہے کہ حرام ہے یا حلال اور کہتی ہے "رزقنا" (ہمیں خدا کی طرف سے روزی دی گئی)۔

ایسی حالت پر سخت افسوس ہے کہ کھانے والے کو اس کی پرواہ نہیں ہے کہ کہاں سے کھا

رہا ہے' وہ اپنی خواہشات سے نہ تو باز آتا ہے اور نہ اس میں کمی کرتا ہے اس کی قیام گاہ مطبخ سے خالی نہ رہتی ہو اور کسی رات اس کا مطبخ بند نہ ہوتا ہو۔ مزید برآں وہ ایسے مال سے جاری ہو جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ کہاں سے آرہا ہے اس کا حمام ہر وقت کھلا رہتا ہو' اس کے پاس گویے ایسا دف بجاتے ہوں جس میں جھنجھنے اور گھنگھرو ہوں اور بانسری ہو' اور شعر خوانی میں سعدیٰ ولیلیٰ کے تذکرے ہوتے ہوں' امرد لڑکوں کو شمع کے سامنے بٹھا کر انہیں گھورا جاتا ہو اور ان سب کے بعد دنیا کی مذمت کی جاتی ہو۔ بھلا بتاؤ! ان کے سوا کون ہے جو لوگوں کو لہو و لعب میں مبتلا کرتا ہو اور جس شخص پر ان کا مکر چل جائے وہ ان سے بھی بدتر ہے۔

کس قدر عظیم ہے وہ ذات

مجلس.... سفر حج کے راستے میں مجھے عرب کے بدوؤں سے خوف محسوس ہوا اس لیے ہم لوگ خیبر کے راستے سے چلے' راستے میں دہلا دینے والے ایسے پہاڑ اور ایسے عجیب عجیب راستے نظر آئے جنہوں نے مجھے غرق حیرت کر دیا اور میرے دل میں خالق تعالیٰ کی عظمت بڑھ گئی۔ اس کے بعد جب بھی ان راستوں کی یاد آجاتی ہے تو میرے اندر تعظیم خداوندی کا ایسا جذبہ ابھرتا ہے جو دوسری چیزوں سے نہیں پیدا ہوتا تھا۔ یہ احساس کر کے میں نے نفس کو پکارا کہ ذرا سمندر کی طرف چل اور اس کو اور اس کے عجائب کو فکر کی نگاہ سے دیکھ تو اس وقت تو ایسی بڑی بڑی چیزوں کا مشاہدہ کرے گا جو اس سے بھی عظیم ہیں۔

پھر اس کائنات سے نکل کر اس کی طرف دیکھ تو تجھے یہ کائنات آسمانوں اور افلاک کے مقابلے میں ایسی نظر آوے گی جیسے کسی وسیع میدان میں چھوٹا سا ذرہ ہو۔

مزید آگے بڑھ کر آسمانوں کا چکر لگا اور عرش کے اردگرد گھوم اور جنت و جہنم میں جو کچھ ہے اسے جھانک کر دیکھ۔

پھر ساری کائنات سے نکل جا اور اس کی طرف دیکھ تب تجھے اندازہ ہو گا کہ یہ سارا عالم اس قادر مطلق کے قبضہ میں ہے جس کی قدرت لامحدود ہے۔

پھر اپنی طرف توجہ کر! اپنی ابتداء اور انتہاء کو سوچ' ابتداء سے پہلے تو کیا تھا تجھے اندازہ

ہوگا کہ معدوم شخص تھا اور گلنے سڑنے کے بعد وہ سوچ کر کیسے ہو جائے گا۔

اب بھلا وہ شخص جس نے فکر کی نگاہ سے اپنی ابتدا اور انجام کو سوچ لیا ہو اپنے وجود سے کیسے غافل ہو سکتا ہے؟ اور لوگوں کے دل اس عظیم معبود کی یاد سے کیونکر غافل ہو سکتے ہیں سو اگر لوگ خواہشات کے نشے سے افاقہ میں ہوں (مدہوش نہ ہوں بیدار ہوں) تو اس کے خوف سے پگھل جائیں یا اس کی محبت میں ڈوب جائیں۔

لیکن چونکہ حس کی تقاضوں کا غلبہ ہوتا ہے اس لیے خالق اکبر کی قدرت پہاڑوں کے دیکھنے کے وقت ہی بڑی معلوم ہوتی حالانکہ اگر فہم کے ذریعے حقائق میں غور کیا جاتا تو پہاڑوں کی دلیل سے زیادہ معانی اور حقیقتیں ہی اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔

پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے اکثر مخلوق کو ان مشاغل میں لگا کر جن میں وہ مشغول ہیں اس مقصد سے غافل کر دیا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیے گئے تھے۔

ہر مصیبت کی ایک حد ہے

مجلس.... مصیبت اور آلام کے ختم ہونے کی مدت اللہ تعالیٰ کے نزدیک متعین ہے۔ لہٰذا مبتلائے مصیبت و آلام کو مصیبت کا وقت ختم ہونے تک صبر کرنا چاہیے اگر وقت سے پہلے چیخنا چلانا شروع کرے گا تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

جیسے کسی مریض کا پھوڑا جب تک عضو پر اترا ہے تو ٹوٹ نہیں سکتا۔ لہٰذا اس کے اثر کے ختم ہونے تک صبر ضروری ہوگا۔

"مصیبتوں کے جلد زائل ہو جانے کا مطالبہ جب کہ ان کی ایک متعین مدت ہے کچھ نفع نہیں دیتا ہے اس لیے صبر کے چارہ نہیں۔"

اگرچہ دعا بھی مشروع ہے جلد نفع تو اسی سے ہو سکتا ہے مگر دعا کرنے والے کو جلدی نہیں مچانی چاہیے بلکہ صبر اور دعا کے ذریعہ بندگی اختیار کرے اور اپنے کو حکیم مطلق کے حوالہ کر دے۔ وہاں گناہوں کو چھوڑنے کی کوشش کرے جو مصیبت کا سبب بن سکتے ہوں کیونکہ عامۃً بلا و مصیبت کسی گناہ کی سزا ہوا کرتی ہے۔

اور جلدی مچانے والا تو مدبر حقیقی سے مزاحمت کرنا چاہتا ہے حالانکہ یہ عبودیت اور بندگی کا مقام نہیں ہے۔ ''بلند مقام تو رضاء ہے اور صبر واجب ہے۔''

اور دعاء کی کثرت جو گریہ وزاری کے ساتھ ہو سب سے زیادہ اعتماد کی چیز ہے' اعتراض کرنا حرام ہے اور جلد بازی کا مظاہرہ تدبیر خداوندی سے مزاحمت ہے۔

ان باتوں کو خوب سمجھ لو! مصیبتیں اور بلائیں آسان ہو جائیں گی۔

صبر کے معین تصورات

مجلس.... تمام موجودات میں سب سے مشکل چیز صبر ہے جو کبھی محبوب و پسندیدہ چیزوں کو چھوٹنے پر کرنا پڑتا ہے اور کبھی ناپسندیدہ اور تکلیف دہ حالات کے پیش آنے پر خصوصاً جبکہ تکلیف دہ حالات کا زمانہ طویل ہو جائے اور کشادگی و فراخی سے ناامیدی ہونے لگے۔

ایسے وقت میں مصیبت زدہ کو ایسے توشہ کی ضرورت ہوتی ہے جس سے اس کا سفر قطع ہو سکے اور اس توشہ کی مختلف صورتیں ہیں۔

ایک تو یہ کہ مصیبت کی مقدار کے متعلق سوچے کہ اس کا اور زیادہ ہونا بھی ممکن تھا۔

ایک یہ کہ اپنی حالت کو دیکھے کہ اس کے پاس اس مصیبت سے بڑی بڑی نعمتیں موجود ہیں مثلاً کسی کا ایک بیٹا مر گیا لیکن دوسرا اس سے عزیز بیٹا موجود ہے۔

ایک یہ ہے کہ دنیا میں اس مصیبت کا بدلہ ملنے کی امید رکھے۔

ایک یہ کہ آخرت میں اس پر اجر ملنے کو سوچے۔

ایک یہ ہے کہ ایسے حالات پر جن پر عوام مدح وتعریف کرتے ہیں۔ ان کی مدح وتوصیف کا تصور کر کے لذت حاصل کرے اور حق تعالیٰ کی طرف سے اجر ملنے کے تصور سے لطف اندوز ہو۔

ایک یہ بھی ہے کہ سوچے کہ ہائے واویلا کرنا کچھ مفید نہیں ہوتا بلکہ اس سے آدمی مزید رسوا ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی چیزیں ہیں جن کو عقل وفہم غلط بتلاتے ہیں۔

صبر کے راستہ میں ان تصورات کے علاوہ کوئی اور توشہ کام نہیں آ سکتا۔ لہٰذا صابر کو چاہیے کہ اپنے کو ان میں مشغول کرے ان کے ذریعے اپنی آزمائش کی گھڑیاں پوری کرے اور صحیح صحیح منزل پر پہنچ جائے۔

علم کی فضیلت اور عمل کی ضرورت

مجلس... جو شخص زاہدوں کے مقابلے میں علماء کی فضیلت معلوم کرنا چاہے وہ جبرئیل و میکائیل اور ان فرشتوں کے مرتبے کو دیکھے جو مخلوق سے متعلق کاموں میں مشغول ہیں ان فرشتوں کے مقابلے میں جو عبادت و بندگی کے لیے کھڑے کردو گرجا گھروں میں رہنے والے راہبوں کی طرح ہیں۔

(یعنی اپنے کام کے ساتھ دوسروں کی بھی خدمت کرنا باعث شرف ہے۔ چنانچہ دیکھو کہ ملائکہ میں کون مقرب ترین ہیں، وہ جو صرف عبادت میں لگے ہیں یا وہ جو خدمت پر مامور ہیں۔ اسی طرح انسانوں میں بھی وہی زیادہ اہل شرف ہوگا جو اپنی رعایت کے ساتھ دوسروں کے بھی کام آوے اور مخلوق کی خدمت کرے۔ ۱۲ مترجم)

"سارے فرشتوں کو اللہ کی معرفت کے بقدر خدا کا قرب حاصل ہے۔"

(جیسا کہ انسانوں میں ہوتا ہے) جب ان میں کوئی فرشتہ وحی لے کر گزرتا ہے تو اہل آسمان اس وقت تک کانپتے رہتے ہیں جب تک وہ انہیں خبر پہنچا نہ دے۔

فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ

"پھر جب ان کے دلوں سے دہشت دور ہو جاتی ہے تو پوچھتے ہیں کیا حکم ہے تمہارے رب کا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ جو کچھ فرمایا حق ہے۔"

اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی زاہد کسی حدیث کو سن کر کانپنے لگتا ہے پھر علماء سے اس کی صحت اور اس کا صحیح مطلب معلوم کرنے کی فکر کرتا ہے۔

پس پاک ہے وہ ذات جس نے ایک جماعت کو ایسی خصوصیت سے نوازا جس کے ذریعے اس کو اس کے ہم جنسوں پر شرف بخشا۔ بلاشبہ علم سے زیادہ شرف والی کوئی صفت نہیں ہے اسی کی زیادتی سے حضرت آدم علیہ السلام مسجود ہوئے اور اسی کی کمی کی وجہ سے ملائکہ کو جھکنا پڑا۔ لہٰذا ساری مخلوق میں اللہ رب العزت کا سب سے زیادہ قرب علماء کو حاصل ہے۔

لیکن محض علم کی ظاہری صورت نافع نہیں ہے بلکہ اس کی حقیقت نافع ہے اور حقیقت

تک اس شخص کی رسائی ممکن ہے جس نے اس پر عمل کرنے کے لیے اُسے سیکھا۔ یعنی جب بھی اس کا علم کسی فضیلت کے کام کی طرف رہبری کرے وہ اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرے اور جب کسی نقص سے روکے اس سے بچنے کا اہتمام کرے۔ ایسے وقت میں علم اس پر اپنے راز منکشف کردے گا۔ اس پر اپنا راستہ آسان کردے گا اور وہ اس لوہے کی طرح ہوجائے گا جسے کوئی مقناطیس کھینچ رہا ہو کہ جب مقناطیس میں حرکت ہوگی فوراً یہ بھی حرکت کرے گا (یعنی جب علم کوئی تقاضا کرے گا فوراً یہ شخص اس کا پابند ہوجائے گا)

اور جو شخص اپنے علم پر عمل نہیں کرتا علم اُسے اپنی گہرائی میں جھانکنے نہیں دیتا اپنے راز اس پر نہیں کھولتا اور وہ اس خشک شورہ یلی زمین کی طرح ہوجاتا ہے جس پر خواہ کتنا ہی پانی ڈالا جائے سب جذب کرجاتی ہے اور برگ و بار نہیں لاتی۔

اس مثل کو خوب سمجھ لو اور اپنی نیت درست کرو ورنہ عمر فضول اپنے کو تھکاؤ۔

نفس کو بہلا کر رکھنا چاہیے

مجلس... یاد رکھو ہر چیز میں اعتدال سب سے عمدہ چیز ہے۔ جب ہم دنیا داروں کو دیکھتے ہیں کہ ان پر لمبی لمبی آرزوؤں کا غلبہ ہے بھلائی کے سلسلے میں ان کے اعمال خراب ہوچکے ہیں تو ہم انہیں موت کو قبروں کو اور آخرت کو یاد کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

اور اگر ایسا عالم ہو جو ہر وقت موت کا تصور رکھتا ہے آخرت کی باتیں اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں اور اس کی زبان پر جاری رہتی ہیں تو اب اس کو مزید موت کی یاد دلانے سے اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ وہ بالکل بیکار ہوجائے گا۔

لہٰذا ایسے عالم کے لیے جو اللہ سے ڈرنے والا ہو آخرت کو یاد کرنے والا ہو مناسب یہی ہے کہ اپنے کو موت کے تذکرے سے الگ رکھے تاکہ اس کی آرزوئیں کچھ دراز ہوں پھر وہ تصنیف کرسکے اور دوسرے اعمال خیر انجام دے سکے اور طلب اولاد وغیرہ پر قدرت حاصل کرے کیونکہ اگر وہ موت کی یاد میں لگے گا تو بھلائی سے زیادہ خرابی پیدا ہوگی۔

کیا تم نے سنا نہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دوڑ کا مقابلہ کیا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ آگے بڑھ گئیں اور دوسری مرتبہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سبقت لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزاح بھی فرماتے تھے اور اپنے کو مشغول رکھتے تھے۔

دراصل حقائق کا زیادہ مطالعہ بدن کے فساد کا اور نفس کی گھبراہٹ کا سبب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میرے اوپر خوف کا دروازہ کھول دیا جائے۔ چنانچہ کھول دیا گیا لیکن پھر آپ کو اپنی عقل کے متعلق خطرہ ہوا تو دعا کی کہ یہ حالت واپس لے لی جائے۔

اس اصل میں غور کرو کیونکہ نفس کو بہلا کر رکھنا ضروری ہے۔ اسی میں اس کی درستگی ہے اور توفیق اللہ تعالیٰ ہی دے سکتے ہیں۔ والسلام

بلند حوصلگی کی ترغیب

مجلس..... جو اپنی صاف ستھری فکر کو استعمال کرے گا اس کی فکر اسے اعلیٰ مرتبوں کے حاصل کرنے پر ابھارے گی اور کسی بھی حالت میں نقص یعنی کمی پر راضی ہونے سے باز رکھے گی۔ ابو الطیب متنبی اس کے متعلق کہتا ہے:

وَلَمْ اَرَفِیْ عُیُوْبِ النَّاسِ عَیْبًا کَنَقْصِ الْقَادِرِیْنَ عَلَی التَّمَامِ

"لوگوں کے عیوب میں ان لوگوں کے عیب سے بڑھ کر کوئی عیب نہیں دیکھا جو کمال کے حاصل کرنے پر قدرت کے باوجود کوتاہی کریں۔"

اس لیے سمجھدار شخص کو جہاں تک اس کی رسائی ممکن ہو پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر آدمی کے لیے آسمانوں پر چڑھنا متصور ہوتا تو میں زمین پر رہ جانے کو بدترین نقص قرار دیتا اور اگر نبوت کا حصول اپنی کوششوں سے ممکن ہوتا تو میں اس کے حصول میں کوتاہی کرنے والوں کو پست حوصلہ تصور کرتا۔

مگر چونکہ وہ ممکن نہیں ہے اس لیے کم از کم جو ممکن ہو اسی کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور حکماء وعقلاء کے نزدیک حسن سیرت کی تعریف یہ ہے کہ "انسان کے لیے علم وعمل کے جتنے کمالات ممکن ہوں ان کا انتہائی مرتبہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔"

میں اس تعریف کی کچھ اس کی اجمالی تشریح کرنا چاہتا ہوں کہ جتنی بات میں ذکر کروں اس سے غیر مقلد کو ایک رہنمائی ہو جائے۔

(۱) جسم میں (مرتبہ کمال کے حصول کے لیے شرط ہے کہ) ظاہری صورت آرائی کے اختیار و کسب سے خارج ہے۔ البتہ اس کی تحسین و تزئین اس کی قدرت میں ہے۔ لہٰذا سمجھدار آدمی کے لیے اپنے جسم کو بے ڈھنگی چھوڑ دے رکھنا نہایت بری بات ہے۔ شریعت نے بعض مخصوص اعضاء کی صفائی کا حکم دے کر سارے جسم کی صفائی ستھرائی پر تنبیہ کی ہے۔ چنانچہ ناخن ترشوانے، بغل کے بال لینے اور موئے زیر ناف صاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح بدبو کے خیال سے کچی پیاز اور لہسن وغیرہ کھانے سے منع فرمایا ہے۔ ان پر قیاس کر کے اس کی نظافت اور زینت کا خوب اہتمام کرنا چاہیے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا پتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمدہ خوشبو سے لگ جاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نظافت و طہارت کے اعلیٰ مرتبہ پر تھے۔

لیکن میں اس انتہا پسندی کا مشورہ نہیں دیتا ہوں جس پر وسوسہ کے مریض عمل کرتے ہیں بلکہ میانہ روی اور اعتدال محمود ہے۔

(۲) پھر اس کو چاہیے کہ اپنے بدن کے ساتھ جو اس کی سواری ہے رفق و نرمی کا سلوک کرے اس کی غذا میں اتنی کمی نہ کرے کہ اس کا زور ٹوٹنے لگے اور اتنی زیادہ بھی نہ کر دے کہ ڈکاریں لینے لگے۔ اس میں بھی میانہ روی کا مشورہ دیتا ہوں کیونکہ طاقتور آدمی کی مثال بہتے ہوئے چشمہ جیسی ہے جس میں اس کے مالک کے لیے بھی بیشمار منافع ہیں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔

اور وسوسہ زدہ جعلی زاہدوں کے قول کی طرف توجہ نہ کرے کہ انہوں نے ریاضت بشری ضروریات میں اتنی کمی کر دی جس کی وجہ سے طاعت کی ادائیگی سے عاجز ہونے لگے حالانکہ یہ شریعت کا مطلوب نہیں تھا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے نہ آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا حال یہ تھا کہ جب کھانے کو نہ ملتا تب بھوکے رہتے اور کبھی اپنے پر دوسروں کو ترجیح دے دیتے (حتّیٰ

ایثار کرتے) تب صبر کر لیتے (جس کا حاصل ہوا کہ بلا وجہ قصداً اپنے کو بھوکا رکھنا کوئی کمال نہیں ہے اگر ہوتا تو ثابت ہوتا)۔

اسی طرح اس شخص کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی سواری (جسم) کے لیے چارہ دیکھ بھال کر حاصل کرے۔ ''بعض لقمے ایسے مضر ہوتے ہیں جو بہت سے لقموں سے روک دیتے ہیں۔''

لہٰذا مضر غذائیں نہ استعمال کرے بلکہ جو مناسب ہوں بدن کو لگنے والی ہوں ان کا استعمال کرے اور اس جعلی زاہد کے قول کی طرف ذرا التفات نہ کرے جو کہتا ہے ''میں اپنے جسم تک کوئی پسندیدہ اور مرغوب غذا نہیں پہنچنے دوں گا۔'' کیونکہ دیکھنے کی چیز بس یہ ہے کہ کھانا حلال ہے یا نہیں؟ اور کتنی مقدار کا استعمال مناسب ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے وہ چیزیں منقول نہیں ہیں جسے وسوسہ زدوں نے ایجاد کر رکھا ہے کہ نفس کو علی الاطلاق مرغوب چیزوں سے محروم کر دیا ہے کیونکہ ان حضرات سے جہاں کہیں نہ دینا اور محروم کرنا منقول ہے وہ کسی خاص سبب کی وجہ سے ہے۔ مثلاً اس غذا کے حلال ہونے میں شبہ یا نفس کی عادت خراب ہونے کا اندیشہ (کہ پھر ہر وقت مانگے گا) اور ایسی صورت میں نہ دینا جائز ہے۔

(۳) پھر اس کو تجارت اور کسب معاش میں محنت کرنا چاہیے تا کہ دوسروں پر احسان کر سکے نہ کہ دوسروں کے احسان کا محتاج ہو کر رہے لیکن مال و دولت کا اتنا ہی مرتبہ حاصل کرے جو اس کے مشغلہ علم میں رکاوٹ نہ ہو (بہت زیادہ کی طلب میں نہ رہے)۔

(۴) پھر اس کے بعد مناسب یہ ہے کہ علم میں کمال حاصل کرنے کی کوشش کرے کیونکہ سب سے بڑا نقص تقلید ہے۔ اب اگر اس کی ہمت بلند ہے تو قوت اجتہاد اس کو ایسے مرتبہ تک پہنچا دے گی کہ وہ اپنے لیے بصیرت کے ساتھ ایک مسلک منتخب کر سکے یونہی کسی کی تقلید نہ کرنے لگے۔

''اندھے مقلد کی مثال اس اندھے جیسی ہوتی ہے جسے اس کا قائد جدھر چاہے لے جائے۔''

(اسی لیے جو بالکل اندھے ہیں یعنی عوام کو ایسا رہبر منتخب کرنا چاہیے جس کا سیدھے راستہ پر ہونا یقینی ہو۔ مثلاً امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے خیر القرون پایا ہے اور جو ایک آنکھ والے ہیں یعنی علماء ان کو بھی ایسا رہبر ساتھ رکھنا احوط ہے جو ہر طرف گہری نظر رکھتا

ہے ان لوگوں میں سے نہ ہو جانے جو اندھے اور کانے ہیں اور بار بار ٹھوکریں کھاتے ہوئے چل رہے ہیں ممکن ہے کوئی غار آ جائے اور گر پڑیں اور نظر آنے والے دیکھ سکیں پھر خود بھی گر پڑیں اور اپنے ساتھ بہت سے اندھوں کو بھی لے جائیں۔" (ضلوا فاضلوا ۱۲ مترجم")

(۵) پھر اللہ کی معرفت اور اس کا تعلق پیدا کرنے میں انتہائی مرتبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

حاصل یہ کہ کوئی بھی ایسی فضیلت جس کا حاصل کرنا اس کے بس میں ہو اُسے حاصل کرے بغیر نہ چھوڑے۔

"کسی بھی حالت پر قناعت کر کے بیٹھ رہنا پست حوصلہ لوگوں کی صفت ہے۔"

فَكُنْ رَجُلاً رِجْلُهٗ فِي الثَّرىٰ وَهَامَةُ هِمَّتِهٖ فِي الثُّرَيَّا.

"تم ایسے مرد ہو جس کا پاؤں زمین کی نچلی تہہ میں ہو اور جس کی ہمت کی بلندی ثریا تک ہو۔"

اور اگر تمہارے لیے علماء زہاد میں سے ہر ایک کے مرتبہ سے ترقی کر جانا ممکن ہو تو ترقی کر جاؤ اور ممکن کیوں نہ ہوگا وہ بھی انسان تھے اور تم بھی انسان ہو۔

"جو بھی مراتب کے حصول میں تمہیں لگا رہ پست ہمتی کی وجہ سے تمہیں لگ سکا۔"

یاد رکھو اگر تم مقابلے کے میدان میں ہو تو زمانہ پر لوٹ پڑ رہی ہے اور وہ تمہارے کسل سے دور ہونے کا انتظار نہیں کرتا ہے۔ اب تک جو بھی فوت ہوا کسل اور سستی کی وجہ سے ہوا اور جو کچھ بھی حاصل ہوا کوشش اور عزم پختہ سے ہمت بلند دلوں کے اندر وہی ہی جوش مارتی ہے جیسے ہانڈیوں میں جوش ہوتا ہے۔ اسلاف میں سے کسی نے کہا ہے:

لیس لی مال سوی کری ... فبہ احیا من العلم . قنعت

نفسی بما رزقت ... وتمطت فی العلا ھممی .

"سوائے جدوجہد کے میرے پاس کوئی مال نہیں۔ صرف اسی کے سہارے میری زندگی ہے میرے نفس کو جتنا مل گیا اسی پر قناعت کر لیا اور میری ہمت بلندیوں پر سوار ہے۔"

طلبہ علم کو نصیحت

مجلس... علماء کے حق میں لوگوں سے استغناء کے لیے کچھ مال جمع رکھنے سے زیادہ

نفع بخش کوئی تدبیر نہیں کیونکہ جب فخر کے ساتھ دل اکٹھا ہوتا ہے تو کمال کا سبب بنتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ بعض علماء کرام کے لیے تحصیل علم کی مشغولی کسب معاش سے رکاوٹ ہو جاتی ہے۔ پھر انہیں ضروریات زندگی کی حاجت ہوتی ہے اور زیادہ صبر نہیں ہو پاتا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے راستوں پر چل پڑتے ہیں جو ان کے لیے باعث عیب ہیں۔ اگر چہ وہ اس کا کوئی معقول عذر پیش کریں لیکن ایسا نہ کرنا ان کے حق میں زیادہ بہتر تھا۔

دیکھو! امام زہری رحمۃ اللہ علیہ عبدالملک کے ساتھ اور ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ طاہر بن الحسین کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ معتضد باللہ کے مؤدب بن گئے۔ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کو مدح وزیر سے شروع فرمایا اور بعد کے بعض علماء تو ہارنے بھی ایسے حکمرانوں کے سایہ میں زندگی گزاری جو ظلم و جور میں مشہور تھے۔ یہ حضرات اگرچہ تاویل کرتے ہیں لیکن انہوں نے اپنے دلوں سے نور کمال ایمان سے اس سے زیادہ کھو دیا جتنا انہوں نے دنیا حاصل کی۔

ہم نے بعض صوفیاء و علماء کی ایک بڑی جماعت کو دیکھا کہ وہ حکام کو گھیرے رہتے تھے تاکہ ان سے کچھ حاصل کر سکیں۔ پھر ان میں سے بعض اظہار حق میں نرمی برتتے تھے اور ریاکاری کرتے تھے اور بعض ان کی حدود سے متجاوز مدح کرنے لگے اور بعض منکرات وغیرہ پر سکوت کرتے تھے اس کے علاوہ کچھ اور حرکتیں تھیں اور ان سب کی اصل وجہ فقر تھی تو ہمیں یقین ہو گیا کہ عزت کا کمال اور دینداری سے اجتناب ظالم حکمرانوں سے چھٹکارہ کرنے ہو سکتا ہے۔

لیکن یہ اجتناب و پرہیز دو طرح کے لوگ کر سکتے ہیں یا تو اس کے پاس مال ہو جیسے حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کہ زیتون کے تیل وغیرہ کی تجارت کرتے تھے اور جیسے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہ ان کے پاس بہت سامان تجارت تھا اور جیسے عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ۔

اور یا ایسا شخص ہو جو سخت سے سخت حالات میں صبر کر سکتا ہو جو کچھ مل جائے اس پر قناعت کر سکتا ہو اگرچہ وہ اس کے لیے کافی نہ ہو جیسے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور جب عام افراد کو ان حضرات جیسی صبر کی قوت نہ ان حضرات جیسا مال و دولت میسر ہو گا تو ظاہر ہے کہ آزمائشوں اور آفتوں میں دھرے ادھر بھٹکے گا

بلکہ کبھی دین بھی برباد کر سکتا ہے۔

لہٰذا اے طالب علم! اتنا مال ضرور جمع رکھو کہ لوگوں کے ہاتھ دیکھنے سے مستغنی رہو۔ اس سے تمہارا دین محفوظ رہے گا۔

میں نے عام طلباء کے اندر دینداری زہد اور خشوع کے مظاہر میں جو نفاق دیکھا اور ان پر جو آفت طاری ہوتے دیکھی وہ صرف حب دنیا کی وجہ سے اور حب دنیا کا اکثر سبب فقر ہوتا ہے۔

ہاں اگر کسی کے پاس بقدر کفایت مال ہو پھر وہ اس میں سے کچھ حلال پیدا کر کے مزید مال حاصل کرنا چاہے تو وہ اہل حرص میں شمار ہوگا۔ علماء کے زمرے سے خارج ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہر برے حال سے پناہ میں رکھیں۔

فقہ کی فضیلت

فصل: کسی چیز کی فضیلت کی سب سے بڑی دلیل اس کا نتیجہ اور ثمرہ ہوتا ہے اور جو شخص بھی فقہ کا ثمرہ دیکھے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ افضل العلوم ہے۔

کیونکہ آئمہ مذاہب ساری مخلوق پر فقہ ہی کی وجہ سے فضیلت رکھتے ہیں حالانکہ ان کے زمانہ میں ان سے بڑے قرآن شریف یا حدیث شریف یا لغت عرب کے عالم موجود رہے ہوں گے اور اس کا اندازہ اپنے زمانہ میں اس طرح کر لو کہ تم ایک نوجوان عالم دیکھتے ہو کہ وہ آئمہ کے اختلافی مسائل کی معرفت حاصل کرتا ہے پھر اس کے بعد نئے پیش آمدہ مسائل میں ان کا حکم معلوم کر لیتا ہے جبکہ دوسرے لوگ اس کے علاوہ انہیں معلوم نہیں کر پاتے۔

کتنے ایسے لوگ نظر آتے ہیں جو قرآن کریم یا حدیث شریف کے مباحث میں یا تفسیری معلومات میں یا لغت میں بہت ماہر ہوتے ہیں لیکن اپنی اس مہارت کے باوجود وقتی احکام شریعت بھی معلوم نہیں کر پاتے بلکہ کبھی تو ان باتوں سے ناواقف رہ جاتے ہیں جن کی نماز میں ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے باوجود فقیہ کے لئے ضروری ہے کہ دوسرے علوم سے اجنبی نہ رہے کیونکہ ایسا شخص فقیہ نہیں ہو سکتا بلکہ ہر علم و فن سے کچھ نہ کچھ حاصل کرے پھر فقہ میں اچھی طرح لگ جائے کیونکہ یہی زیادہ آخرت کی عزت کا سبب ہے۔

خواہشات کی پیروی

مجلس...... میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ نجاست کی چھینٹوں سے بچتے ہیں اور غیبت سے نہیں بچتے' صدقہ کثرت سے کرتے ہیں لیکن سودی لین دین کی پرواہ نہیں کرتے' رات میں تہجد کا اہتمام کرتے ہیں لیکن فرض نمازیں قضا کر دیتے ہیں۔

ایسی ہی اور بہت سی چیزیں جن کی فہرست کافی طویل ہے اور جن کا حاصل یہ کہ فروع کی حفاظت کرتے ہیں اور اصول ضائع کر دیتے ہیں۔

میں نے اس کا سبب تلاش کیا تو اندازہ ہوا کہ ایسا دو وجوں سے ہوتا ہے ایک تو عادت ہے دوسرے مطلوب کو حاصل کرنے میں خواہش نفسانی کا غلبہ کیونکہ جب خواہش کا غلبہ ہوتا ہے تو نصیحت کے لیے کان بند ہو جاتا ہے اور نہ مصالح و نقصانات دیکھنے کے لیے نگاہ۔

اور اسی طرح کا وہ واقعہ ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے منادی کی آواز "اِنَّکُمْ لَسٰرِقُوْنَ" (بے شک تم ہی لوگ چور ہو) سنی تو کہنے لگے۔

لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ وَمَا کُنَّا سٰرِقِیْنَ.

"تمہیں تو معلوم ہے کہ ہم اس لیے نہیں آئے کہ شہر میں فساد کریں اور ہم چور بھی نہیں ہیں۔"

تفسیر میں ہے کہ وہ لوگ جب مصر میں داخل ہوئے تو اپنے اونٹوں کے منہ باندھ دیئے تاکہ دوسروں کی چیزیں نہ کھالیں تو گویا ان کے اس کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ تم تو دیکھ ہی چکے ہو کہ ہم نے اپنے اونٹوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے پھر بھلا ہم چوری کیسے کر سکتے ہیں؟

اور یہ بھول گئے کہ اس ورع و تقویٰ یعنی اس احتیاط کے جس کے دو ما تک نہ ہوں اور اس سے پہلے یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالنے اور پھر معمولی قیمت پر فروخت کر دینے کے درمیان کتنا فرق ہے؟

بہت سے لوگ ایسے ہیں جو چھوٹے موٹے معاملات میں تو فرمانبرداری کر لیتے ہیں لیکن بڑے معاملات میں نہیں کرتے اور ان امور میں کر لیتے ہیں جو ہلکے ہوں یا عادت کے مطابق ہوں اسی طرح کھانے پینے کے معاملہ میں صرف ان احکام میں اتباع کرتے ہیں

جس کی وجہ سے اپنی عادات میں بگاڑ نہ آوے۔

ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو سود لیتے ہیں۔ پھر بعض کہتے ہیں کہ جب میں اپنی عمر پوری کر چکا ہوں، میرا لباس اور میری سواری چلی گئی ہے تو اب میرے مخالفین مجھے کس نگاہ سے دیکھیں گے۔

ہم کو ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں جو طہارت حاصل کرنے میں تو وسوسے کے مریض ہیں کہ بہت پانی خرچ کر ڈالتے ہیں لیکن غیبت سے نہیں بچتے۔

بہت سے لوگ اپنی اغراض حاصل کرنے کے لیے الٹی سیدھی تاویلات سے کام لیتے ہیں حالانکہ انھیں یقین ہوتا ہے کہ ان کی اغراض ناجائز ہیں۔ حتیٰ کہ میں نے ایک نیک عبادت گزار شخص کو دیکھا کہ اسے ایک آدمی نے کچھ رقم دی کہ اس سے مسجد بنوا دے۔ اس نے وہ رقم خود استعمال کر لی اور اس کام کی سکوں کے عوض چند ٹکے خرچ کر دیے۔ جب مرنے کا وقت قریب ہوا تو اس کے مالک سے کہنے لگا کہ وہ رقم مجھے معاف کر دو میں نے ایسا ایسا کر لیا تھا۔"

بعض ایسے بھی ہیں جو گناہوں سے اس لیے دور ہیں کہ گناہ ان سے دور ہیں لیکن ان کو اپنی عادت معلوم ہوتی ہے حالانکہ جب قریب پہنچتے ہیں تو اپنے پر قابو نہیں رکھ پاتے۔

ان کے علاوہ لوگوں میں اس طرح کے اور بہت سے عجیب عجیب پہلو ہیں جن کا ذکر طوالت کا سبب ہوگا۔

اور یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ علماء یہود کی بڑی جماعت جو اپنے دین میں بندگی اور فرمانبرداری کا بوجھ برداشت کرتی تھی جب اسلام آیا اور انھوں نے اس کی صحت بھی معلوم کر لی لیکن اپنی ریاست و سرداری کے ختم ہو جانے کے خوف سے اپنی خواہش نفس کا مقابلہ نہ کر سکے۔

اور قیصر کا بھی یہی معاملہ ہوا کہ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق پہچان لیا پھر بھی اپنی خواہش نفس کی وجہ سے اپنی سلطنت نہیں چھوڑ سکا۔

پس اصول کو ضائع کرنے سے پرہیز کرو اور خواہشات کی سواری کو یوں ہی مت چھوڑ دو کیونکہ اگر خواہشات کے مویشی آزاد چھوڑ دیے گئے تو تقویٰ کی کھیتیاں برباد کر دیں گے۔ خواہش نفس کی مثال اس درندے جیسی ہے جس کے گلے میں زنجیر ہو اور وہ بندھا ہوا تو اپنا ہاتھ روکے رہتا ہے لیکن جب اس کے سامنے ایسی خواہشات آ جاتی ہیں جن سے وہ مغلوب

ہو جائے تو زنجیر بھی اسے نہیں روک پاتی اسے توڑ کر بھاگ نکلتا ہے۔

اب کچھ تو ایسے لوگ ہیں جو اپنی خواہشات کو زنجیر میں باندھے ہوئے ہیں (جلدی ٹوٹتی نہیں) اور کچھ لوگ دھاگے سے بندھے ہوئے ہیں (ذرا سی تحریک سے ٹوٹتا ہے) اور اس لیے عقلمند آدمی کو چاہیے کہ خواہشات کے شیطانوں سے بچے اور ایسی چیزوں پر نگاہ رکھے جن سے وہ اپنے دشمنوں پر قابو پا سکے اور اپنی ذات پر نظر رکھے جو قدرت عطا کر سکے۔

دوستی کے متعلق اہم تنبیہ

مجلس... ہر طرح کے لوگوں پر اعتماد اور ہر طرح کے دوستوں سے بے تکلفی سب سے بڑی حماقت ہے کیونکہ سب سے سخت اور سب سے تکلیف دہ وہ دوست ہوتا ہے جو دشمن ہو گیا ہو اس لیے کہ وہ پوشیدہ رازوں سے واقف ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

احذر عدوك مرة واحذر صديقك الف مرة

فلربما انقلب الصديق فكان اعلم بالمضرة

"اپنے دشمن سے احتیاط کی ضرورت ہے لیکن دوست سے ہزار درجہ احتیاط کرو کیونکہ کبھی وہ بدل جاتا ہے تو تم کو نقصان پہنچانے والی چیزوں سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔"

خوب سمجھ لو اگر لوگوں کے اندر دوسروں کی نعمتوں پر حسد کا جذبہ رکھ دیا گیا ہے یا کم از کم رشک اور اپنی رفعت کی خواہش۔ لہٰذا جب وہ شخص جو تمہیں اپنے برابر سمجھتا ہے دیکھے گا کہ تم اس سے اوپر نکل گئے ہو تو لامحالہ متاثر ہوگا اور ممکن ہے کہ حسد شروع کر دے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا جو واقعہ ہوا ہے وہ اسی قبیل کا ہے۔

اگر تم پوچھو کہ پھر انسان بغیر دوست کے کیسے رہ سکتا ہے؟

میں کہوں گا کہ تم ہی بتاؤ! کیا تم نہیں جانتے کہ برابر کا شخص حسد کرتا ہے؟ اور کیا تم نہیں جانتے کہ عوام کسی عالم کے متعلق یہ اعتقاد کر لیتے ہیں کہ وہ مسکراتا بھی نہیں ہے اور وہ دنیوی خواہشات ولذات سے دور رہتا ہے۔ پھر جب مباحات میں اس کا کچھ توسع دیکھتے ہیں تو وہ ان کی نگاہوں سے گر جاتا ہے۔

پس جب عوام کا یہ معاملہ ہے اور خواص کا وہ حال ہے پھر بھلا کس کے ساتھ تمہارا رہن سہن اچھی طرح ہو سکتا ہے؟ واللہ کسی کے ساتھ بھی نہیں۔ حتیٰ کہ اپنے نفس کے ساتھ بھی نہیں کیونکہ وہ بھی بدلتا رہتا ہے۔

لہٰذا مخلوق کی خاطر داری بھی ہو تو ان سے احتراز بھی ہو اور بغیر پکی دوستی کی خواہش اور امید کے تھوڑا بہت تعارف بھی ہو۔

اور اگر دوست بنانا ہی ہے تو ایسے شخص کو بناؤ جو تمہارا ہم رتبہ ہو کیونکہ بہت سے آدمی کو حسد ہونے لگتا ہے اور اس دوست کو عوام کے رتبہ سے بلند ہونا چاہیے جو تمہارے مرتبہ کو حاصل کرنے کی طمع نہ رکھتا ہو۔ اگرچہ ایسے شخص کے ساتھ رہن سہن مستحق بخش نہیں ہے کیونکہ رہن سہن تو علماء کے ساتھ ہونا چاہیے اس لیے کہ ان کے ساتھ اختلاط سے ایسے اشارات اور مفید باتیں معلوم ہو جاتی ہیں جن سے ان کی ہم نشینی بڑی خوشگوار ہو جاتی ہے مگر دشواری یہ ہے کہ ان کے ساتھ مستقل رہنے کی کوئی سبیل نہیں۔

اور اس کو اس طرح سمجھو! کہ اگر تم ذہین و سمجھدار لوگوں کو خادم بناؤ گے تو وہ تمہارے پوشیدہ راز معلوم کر لیں گے اور اگر بیوقوف کو خادم بناؤ گے تو وہ تمہارے کام بگاڑ دے گا۔ لہٰذا صحیح صورت یہ ہے کہ خارجی ضروریات کے لیے سمجھدار و ذہین خادم منتخب کرو اور گھریلو ضرورتوں کے لیے بیوقوف کو تاکہ وہ تمہارا راز نہ معلوم کر سکے۔

لہٰذا ایسے ہی دوستوں پر اکتفا کرو جن کے اوصاف بھی میں نے ذکر کیے۔ پھر بھی (بالکل مطمئن نہ ہو جاؤ) جب ان سے ملو تو احتیاط کی زرہ پہن کر ملو اور جن رازوں کو چھپانا مستحسن ہو انھیں ان کے سامنے مت نہ ہرگز ظاہر کرو ایسے ہی ہو جاؤ جیسا کہ بھیڑیے کے متعلق کہا جاتا ہے:

يَنَامُ بِإِحْدَى مُقْلَتَيْهِ وَيَتَّقِي بِأُخْرَى الْأَعَادِيَ فَهُوَ يَقْظَانُ هَاجِعٌ.

"ایک آنکھ سے سوتا ہے اور دوسری سے دشمنوں سے بچتا ہے تو وہ جاگتا بھی ہے اور سوتا بھی۔"

علماء و طلبہ کیلئے حرز جاں

مجلس.... میں نے چند ایسے علماء دیکھے جنہوں نے اپنی نوعمری اور اپنے شباب کی بہار طلب علم کے مشغلہ میں گزاری جہالت اور اس کی پستی سے نفرت، اور علم اور اس کی

فضیلت کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفوں پر صبر کیا اور ہر طرح کی راحتوں کو ترک کر دیا تھا۔ پھر جب انھیں علم کا اتنا حصہ مل گیا جس نے انھیں دنیاداروں کی سطح سے بلند کر دیا اور صرف دنیاوی معلومات رکھنے والوں سے اونچا کر دیا اور اس کے ساتھ ان کی معاشی حالت بھی تنگ ہو گئی یا وہ لذتیں کم ہو گئیں جن کو وہ اپنے لیے اختیار کرتے تو انہوں نے پست رتبہ اور کم درجہ لوگوں (امراء) سے یہ سب چیزیں حاصل کرنے کے لیے شہروں کا سفر کرنا شروع کر دیا اور پست رتبہ اور پست طبیعت رشوت خور حکام وغیرہ کے سامنے جھکنے لگے۔

ایک مرتبہ ایسے ہی ایک صاحب کو میں نے مخاطب کیا اور کہا کہ:

"تمہارا برا ہو! جہالت سے تمہاری وہ نفرت کہاں ہے جس کی وجہ سے تم رات رات بھر جاگے ہو اور دن بھر پیاسے رہے رہو؟ اب جبکہ تمہیں بلندی حاصل ہو گئی ہے اور اپنے علم سے نفع اٹھانے کا وقت آ گیا ہے تو اب "اسفل السافلین" سب سے نچلے طبقہ میں چلے گئے؟ کیا تمہارے پاس اس نفرت کا کوئی ذرہ نہیں رہ گیا جس کے ذریعے تم کمینوں کے مقام سے اونچے ہوئے ہو؟ کیا تمہارے پاس اتنا علم بھی نہیں رہ گیا جو تمہیں خواہشات کے مقام سے ہٹا لے جائے؟ کیا تمہیں علم سے ایسی قوت نہیں حاصل ہوئی جو نفس کی لگام پکڑ کر اسے برائیوں کی چراگاہ سے کھینچ لے؟

ویسے یہ واضح ہو چکا ہے کہ تمہارا جاگنا اور مشقتیں برداشت کرنا سب دنیا کے حصول کے لیے تھا۔"

"پھر میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم اپنے عمل سے یہ دعویٰ کرتے ہو کہ جو کچھ بھی دنیا تم حاصل کرنا چاہتے ہو اس سے تمہاری نیت طلب علم میں استقامت اور مدد ہے لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر تم (امراء کا کھانا بننے کے بجائے) کسی قسم کا کسب معاش اختیار کرتے جس کے ذریعے دنیاداروں سے استغناء ہو جاتا تو یہ صورت علم میں اضافہ کی کوشش سے بہتر اور افضل ہوتی کیونکہ اگر تمہیں اس چیز کی معرفت ہو جائے جس سے تمہارے دین میں نقص آ رہا ہے تو پھر جس چیز کا تم نے ارادہ کیا ہے (یعنی علم میں اضافہ) اس میں تم علم کا اضافہ نہیں محسوس کرو گے بلکہ یہ خیال کرو گے کہ اس طرح کا سامان علم نفس کے لیے خطرہ ہے اور اس میں اس نے بیماری کی بیماری ہے جو بہت زمانہ تک محفوظ رہی ہے۔ ایک ایسے شخص کے

سامنے جس کی طرف تم جیسے کا التفات بھی مناسب نہ تھا۔"

"اور یہ بھی بعید ہے کہ جب تم یہ سب شروع کرو گے (یعنی امراء سے ملنا وغیرہ) تو بقدر کفایت پر قناعت کر لو گے حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ بقدر کفایت مل جانے کے بعد مانگنے میں کس قدر گناہ ہے اور یہ تو بعید تر ہے کہ حاصل کیے ہوئے مال میں ورع و تقویٰ پر قادر ہو سکو۔"

"(جب تم نے سوال کا سفر شروع کر دیا) تو کون ضامن ہے کہ سلامتی کے ساتھ وطن واپس لوٹ آؤ گے؟ جبکہ چٹیل میدان کتنے ہلاک ہونے والوں کو اپنے جنگلات میں پھینک چکا ہے۔"

اور یہ بھی سوچو کہ جو کچھ تم ان لوگوں سے حاصل کرو گے (یعنی مال) ردی ہو جائے گا اور جو انہوں نے تم کو دے دیا وہ باقی رہ جائے گا۔ یعنی اہل تقویٰ تم پر عیب گیری کریں گے اور تمہارے سر پر جہاد کی اقتداء و پیروی کا الزام ہوگا بلکہ صرف یہ ایک الزام کافی ہوگا کہ خود تم نے دنیا کی جو مذمت بیان کی تھی اس کے باوجود دنیا کی طرف اقدام کیا اور تمہارا عمل علم کے خلاف ہوا۔ خصوصاً اس حالت میں کہ تمہاری عمر کا اکثر حصہ گزر چکا ہے۔"

"جس نے گزشتہ زندگی اچھی گزاری امید کہ اگلی زندگی بھی اچھی ہی گزارے گا۔"

بلند حوصلہ حضرات کیلئے

مجلس.... میں نے حریص آدمی کو دیکھا کہ اس کی حرص اس کے اصل مقصود کو فوت کرا دیتی ہے۔ چنانچہ جو شخص مال اکٹھا کرنے کا حریص ہوتا ہے وہ بہت سا مال حاصل کرنے کے بعد بھی زیادتی کا حریص رہتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ فہم سے کام لیتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ مال سے مقصود اس کو اپنی زندگی میں خرچ کرنا ہے لیکن جب اس نے زندگی مال کے حصول میں خرچ کر دی تو دونوں کا مقصود فوت ہو گیا۔

کتنے ایسے لوگ نظر آئے جنہوں نے مال اکٹھا کر لیا لیکن اس سے نفع نہیں اٹھا سکے بلکہ دوسروں کے لیے چھوڑ گئے اور اپنے کو فنا کر لیا۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

کدودۃ القز ماتبنیہ یھدمھا   وغیرھا بالذی تبنیہ ینتفع

"ایسا شخص ریشم کے کیڑے کی طرح ہے کہ جو کچھ بناتا ہے وہی اس کو ختم کر دیتا ہے

اور دوسرے لوگ اس کے بجائے ریشم سے مستفیض ہوتے ہیں۔"

اسی طرح ہم نے ایک بڑی جماعت کو دیکھا کہ کتابیں جمع کرنے کے حریص ہوتے ہیں اور اپنی اکثر زندگی ان کی کتابت کرانے میں خرچ کر ڈالتے ہیں۔

یہی حال محدثین کا ہے کہ ساری زندگی حدیثیں لکھنے اور سننے میں خرچ کر دیتے ہیں پھر ان میں مختلف قسم کے ہیں۔ بعض تو حدیث کے سیکھنے کا اور اس کی تصحیح کا مشغلہ اختیار کرتے ہیں لیکن شاید وہ کسی نئے پیش آمدہ مسئلہ کا جواب نہیں سمجھ سکتے جبکہ غالباً ان کے پاس صرف ایک حدیث "اَسْلَمُ سَالَمَهَا اللّٰهُ" کے سو (۱۰۰) طرق موجود ہوں گے۔ چنانچہ مجھ سے بعض محدثین کے بارے میں بیان کیا گیا کہ انہوں نے ابن عرفہ کا رسالہ حدیث سو (۱۰۰) اساتذہ سے سنا اور ان کے پاس اس کے ستر نسخے تھے۔

بعض ایسے ہیں جو کتابیں اکٹھی کرتے ہیں انہیں سنتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ ان کتابوں میں کیا ہے نہ ان کی صحت کی خبر رکھتے ہیں اور نہ ان کے معانی سمجھتے ہیں۔ تم انہیں دیکھو گے کہ وہ کہتے ہیں "فلاں کتاب میری سنی ہوئی ہے اور میرے پاس اس کا نسخہ موجود ہے اور فلاں فلاں کتاب میرے پاس ہے۔" لیکن جو کچھ بھی ان کے پاس ہوتا ہے ان میں صحیح و سقیم کے امتیاز کے اعتبار سے ان کو کچھ خبر نہیں ہوتی اور ان کتابوں کی مشغولی انہیں اہم علوم کی طرف توجہ سے روکے رکھتی ہے۔ ان کی وہ مثال ہے جو شاعر حطیہ نے بیان کی ہے:

زوامل للأخبار لا علم عندها ... بمتقنها إلا كعلم الأباعر

لعمرك ما يدري البعير إذا غدا ... بأوساقه أو راح ما في الغرائر

"احادیث و تاریخ کا بوجھ ڈھونے والے ایسے جانور ہیں جنہیں اپنے بوجھ کے متعلق ویسا ہی علم ہوتا ہے جیسا اونٹوں کو ہوتا ہے۔ تمہاری قسم اونٹ صبح و شام سفر کرتا ہے لیکن اسے یہ خبر نہیں ہوتی کہ بوریوں میں کیا ہے؟ اور کتنا ہے؟"

اور انہیں میں تم دیکھو گے کہ کچھ لوگ صرف روایات کی صحت حفظ کی وجہ سے "مفتی [illegible]" بن جاتے ہیں پھر ایسے مسائل کا جواب دینے کی کوشش کرنے لگتے ہیں جن کا ان کو شعور نہیں ہے۔ پس جو فتویٰ دیتے ہیں اس میں غلطی کرتے ہیں اور حقیقی باتوں میں خلط کر دیتے ہیں۔

گزشتہ لوگوں نے سیرت میں اس کا تذکرہ کرتا مگر وہ نہ لکھتے تو بڑے بڑے علماء و خطباء
وعظاء کے ایسے واقعات ذکر کرتا جن سے لوگ عبرت حاصل کرتے۔ ویسے تحقیق پر ان کا
حال پوشیدہ نہیں ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ ایک حدیث میں یوں وارد ہے:

مَنْهُومَانِ لَا يَشْبَعَانِ طَالِبُ عِلْمٍ وَطَالِبُ دُنْيَا.

"دو حریص کبھی آسودہ نہیں ہوتے علم کا حریص اور دنیا کا حریص۔"

میں عرض کروں گا کہ میں عالم سے یہ نہیں کہتا کہ علم سے آسودہ ہو جاؤ اور تھوڑے پر
اکتفا کر لو بلکہ میں اس سے یہ کہتا ہوں کہ اہم علوم کو مقدم کرو۔

کیونکہ عقلمند وہی ہے جس نے اپنی عمر کا ایک اندازہ لگا کر اس کے مطابق عمل کیا۔
اگرچہ عمر کی مقدار معلوم کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے لیکن بنا غالب گمان پر رکھی جاتی ہے
تاکہ اگر وہ اپنے مقصد تک پہنچ جائے تو گویا اس نے ہر مرحلے کے لیے زاد سفر تیار کر رکھا ہے اور
اگر حصول سے پہلے موت آ گئی تو اس کی نیت اسے وہاں تک پہنچا دے گی۔

پس جب سمجھدار شخص کو یہ معلوم ہے کہ عمر تھوڑی ہے اور علم بہت ہے تو پھر فضیلتوں کے
طالب کے لیے یہ بری بات ہے کہ مثلاً صرف حدیث کے سماع اور اس کی کتابت وغیرہ ہی کا
شغل کرے تاکہ سندیں ہر طریق سے حاصل کرے اور سب روایتیں جمع کرے اور غریب روایتوں کی
تلاش کرے کیونکہ چار سو سال گزار کر بھی یہ شخص اپنے مقصود سے فارغ نہیں ہو سکے گا۔ خصوصاً
اگر کتابت حدیث کے شغل میں لگ کر قرآن شریف نہ یاد کر سکے۔ یا صرف علوم قرآن ہی کا مشغلہ
رکھے اور حدیث کی معرفت نہ حاصل کر سکے یا فقہ نہ اختلافی مسائل میں لگ جائے اور ان آیات و
روایات کو نہ جانے جن پر مسائل کا مدار ہے۔ (تو یہ بہت ہی بری بات ہے)

اب اگر وہ پوچھے کہ مجھے یہ بتاؤ کہ تم اپنے لیے کیا اختیار کرتے ہو؟ تو (جواب سے
پہلے) یہ عرض کر دوں گا کہ اصحاب ہمت کے احوال بچپن سے ہی مخفی نہیں رہتے۔ حضرت
سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب میں پندرہ سال کا ہوا تو میرے والد صاحب
نے مجھ سے فرمایا کہ اب تمہارے بچپن کا زمانہ ختم ہو گیا لہٰذا نیکی کا اتباع کر کے اس خیر میں

شامل ہونے کی کوشش کرو۔ میں نے والد صاحب کی اس وصیت کو اپنا قبلہ بنا لیا (یعنی ہمیشہ اس کو پیش نظر رکھا) اور اسی کی طرف متوجہ رہا کبھی اس سے رخ نہیں موڑا۔ پھر جواب دینے سے پہلے اتنا اور بتا دوں کہ جس کے پاس نفرت کا کچھ جذبہ موجود ہو اس کو چاہیے کہ جس کی اور کوتاہی کو دفع کرنا ہے اس میں ہو اس سے نفرت کرے۔ مثلاً اگر نبوت کا حصول کسب سے ممکن ہوتا تو وہ ولایت پر قناعت کو جائز نہ سمجھے یا مثلاً اگر خلیفۃ المسلمین بننا قدرت میں ہوتا امارت اور گورنری پر راضی نہ ہوا ورنہ اگر فرشتہ بن سکتا ہو تو بشر رہنے پر مطمئن نہ ہو۔

حاصل یہ ہے کہ اپنے آپ کو علم و عمل کے ممکنہ کمالات تک پہنچانے کی سعی اور جدوجہد کرتا رہے۔ (اب جواب عرض کرتا ہوں کہ) چونکہ زندگی محدود ہے اور علم کی کثرت معلوم ہے۔ لہٰذا حفظ قرآن شریف سے ابتداء کرے اس طرح کہ ساتھ میں تفسیر پر بھی متوسط درجہ کی اچھی نظر رہے جس سے اس باب کی کوئی چیز مخفی نہ رہ جائے اور اگر قرأت سبعہ اور تجوید بھی پڑھتا رہے تو کیا ہی اچھا!

پھر حدیث میں لگے۔ اول نقل کی حیثیت سے کہ مثلاً صحاح مسانید اور سنن وغیرہ کو نقل کرے پھر حدیث کی معرفت کی حیثیت سے جیسے ضعفاء اور راویوں وغیرہ کی معرفت پھر اس کے اصول پر نظر ڈالے (اور اس کا مشغلہ کرے)

اس باب میں خاص حدیث نے ملکی کتابیں مرتب کر لی ہیں جو طالب کو تعب و مشقت سے بچاتی ہیں۔

پھر تاریخ کا مطالعہ کرے اور اس فن کی ضروری معلومات حاصل کر لے۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے اقرباء کا نسب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا نسب وغیرہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و سوانح معلوم کرے۔

ان سب کے بعد فقہ پر توجہ کرے اور اس میں اولاً مذاہب اربعہ اور ان کے اختلافات پر نظر ڈالے لیکن اختلافی مسائل میں اس کی یہ صورت ہونی چاہیے کہ سب سے پہلے مسئلہ اور جس دلیل پر وہ مشتمل ہو اس کو دیکھے پھر جہاں سے اس دلیل کو ملنے کا گمان ہو مثلاً آیت کی تفسیر یا حدیث یا لغت وغیرہ اس کو وہاں سے حاصل کرے۔ اسی کے ساتھ اصول فقہ اور علم فرائض کا مشغلہ بھی رکھے اور اس کا یقین رکھے کہ فقہ ہی سارے علوم کا مدار ہے۔

عقائد اور معرفت دینیہ میں اتنی دلیل پر تعمق کافی ہے جس سے صانع کے وجود پر استدلال ہو سکے پھر جب صانع کا وجود دلیل سے ثابت کر لے اور یہ معلوم کر لے کہ اللہ تعالیٰ پر کن چیزوں کا اطلاق درست ہے اور کن چیزوں کا نہیں اور یہ بھی ثابت کر لے کہ ارسال ممکن ہے اور رسولوں کی بات قبول کرنا واجب ہے تو گویا اس نے ضروری عقائد حاصل کر لیے۔

اب اگر علم میں اضافہ کے لیے مزید وقت ہو تو فقہ کا ہی شغل اپنا دے کیونکہ یہی سب سے زیادہ نافع ہے اور اگر مزید پیش قدمی کا موقع ہو تو کسی فن میں کتاب تصنیف کرے۔ اس کے ذریعے وہ اپنے پیچھے ایک خلف صالح چھوڑ جائے گا اور اس کے ساتھ حصول اولاد کا سبب (نکاح) اختیار کرنے کی بھی کوشش کرے۔

(جب ان سارے امور سے ایک گونہ فروغ ہو جائے تب اللہ تعالیٰ سے حسن معاملہ کی فکر کرے) پھر اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا ایک گزرگاہ ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ سے تعلق کی طرف توجہ کرے کیونکہ سارے علم کا حاصل اسی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اور جب اس تک کامل معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور اس کی خدمت کے دروازہ پر کھڑا ہوگا تو بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص سچے جذبہ اور اخلاص کے ساتھ کھڑا ہو اور اسے مقام ولایت تک نہ پہنچا دیا جائے۔

"اور جس کے متعلق ارادہ کر لیا جاتا ہے اسے توفیق بھی دی جاتی ہے۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایسی چیزیں ہیں جو لوگوں کی تربیت کرتی ہیں اور ابتدائے طفولیت ہی میں وہ ایک جوہر بھیج دیتا ہے جسے عقل کہا جاتا ہے اور ایک جوہر بھیج دیتا ہے جسے فہم کہا جاتا ہے اور خود ان دونوں کی تہذیب و تادیب کا ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ پھر ان کے لیے اپنے قرب کے اسباب مہیا فرماتا ہے۔

اب اگر کوئی شخص اس تعلق کے لیے مانع بن کر اٹھتا ہے تو ان کی حفاظت فرماتا ہے اور اگر دشمن قصد در پیش ہوتا ہے تو اس سے دفع کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان لوگوں میں سے بنا دیں اور اپنے ترک تعلق سے پناہ میں رکھیں کیونکہ ترک کے بعد کوئی سعی نافع نہیں ہو سکتی۔

خلوت کی حفاظت

مجلس... خلوتوں کی کچھ ایسی تاثیرات ہیں جو جلوت میں ظاہر ہو کر رہتی ہیں۔

کتنے مومن بندے خلوتوں میں اللہ کا احترام کرتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈر کر یا اس کے ثواب کی امید میں یا اس کی عظمت کے خیال سے خواہشات نفسانی کو چھوڑ دیتے ہیں پھر وہ اپنے اس فعل سے ایسے ہو جاتے جیسے عود ہندی کو انگیٹھی میں ڈال دیا گیا ہو اور اس کی خوشبو پھوٹ رہی ہو جسے سارے لوگ سونگھتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ وہ کہاں سے آ رہی ہے۔

خواہشات کو چھوڑنے میں جس قدر مجاہدہ کرے گا اتنی ہی اس کی محبت قوی ہوگی اور جس قدر اپنی مرغوب چیزیں چھوڑے گا اسی قدر اس کی خوشبو بڑھے گی اور جیسے عود مختلف مرتبہ کا ہوتا ہے ویسے ہی اس شخص کے بھی مختلف احوال ہوتے ہیں۔

چنانچہ تم دیکھو گے کہ مخلوق ایسے شخص کی تعظیم کرتی ہے لوگوں کی زبانیں اس کی مدح کرتی ہیں لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ آخر وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں اور حقیقت سے ناواقفیت کی وجہ سے اس کا وصف نہیں بیان کر سکتے۔ پھر اس مدح و توصیف کا نفع ایک اندازے کے مطابق مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے لہذا کچھ لوگوں کا تو ایک طویل مدت تک ذکر خیر کیا جاتا ہے پھر وہ بھلا دیے جاتے ہیں اور کچھ لوگ تقریباً ایک صدی یاد کیے جاتے ہیں پھر ان کا تذکرہ اور مقبرہ پوشیدہ ہو جاتا ہے البتہ کچھ ایسے سردار بھی ہیں جن کا ذکر ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

اس کے برعکس جو شخص مخلوق سے ڈرا اور اپنی خلوتوں میں حق تعالیٰ کا احترام نہیں ملحوظ رکھا تو اس سے اس کے گناہوں کے بقدر بدبو پھوٹتی ہے جسے لوگ ناپسند کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر غلطیاں کم ہوتی ہیں تو زبانوں پر ذکر خیر کم ہوتا ہے البتہ تعظیم باقی رہتی ہے اور اگر زیادہ ہوتی ہیں تو کم از کم یہ معاملہ ہوتا ہے کہ لوگ سکوت کرتے ہیں نہ تو مدح کرتے ہیں نہ مذمت۔

بہت سے خلوت کے گنہگار ایسے ہیں جن کی پستی کا سبب دنیا و آخرت کی شقاوت اور محرومی ہے۔ گویا ان سے کہہ دیا گیا ہے کہ جس چیز کو تم اختیار کیے ہوئے ہو اسی میں پڑے رہو۔ لہذا وہ ہمیشہ اسی خبط میں رہتے ہیں۔

پس اے میرے بھائیو! ان گناہوں پر نظر ڈالو جن کو تم اختیار کیے ہوئے ہو اور جن کی وجہ سے پھنسے ہوئے ہو۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "بلاشبہ بندہ خلوت میں اللہ کی نافرمانی کرتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ مومنین کے دلوں میں اس کا اس طرح بغض ڈال دیتے ہیں کہ اسے احساس بھی نہیں ہو پاتا۔"

جو کچھ میں نے عرض کیا اسے غور سے دیکھو اور جو کچھ ذکر کیا جاتا ہے خوب سمجھو! اپنی خلوتوں اور بھیدوں کو ضائع نہ کرو! اعمال نیتوں پر موقوف ہیں اور بدلہ حسن اخلاص کے بقدر ملے گا۔"

تقدیر کا مقصود

مجلس۔۔ جس نے تقدیر کے فیصلوں کی معرفت حاصل کر لی وہ ان پر ثابت قدم رہ سکتا ہے اور وہ شخص بڑا نادان ہے جس نے ان فیصلوں کے مقابلے کی ٹھان لی کیونکہ فیصلہ کرنے والی ذات کا اس سے مقصود اس کو جھکانا ہوتا ہے لیکن اس نے مقابلہ کی کوشش کی اور بظاہر کامیاب ہو گیا تو اسے جھکنا کہاں پڑا؟!

اس کی مثال اس طرح سمجھو کہ ایک فقیر بھوکا ہوتا ہے اور بقدر ہمت صبر کرتا ہے لیکن جب صبر سے عاجز ہو جاتا ہے تو مخلوق سے سوال کے لیے نکلتا ہے حالانکہ اسے شرم آتی ہے کہ (اس کے سامنے) مخلوق سے سوال کرے۔ اس وقت اگرچہ وہ اپنی اس ضرورت کی وجہ سے معذور ہوتا ہے جس نے اس کو سوال کے لیے مجبور کر دیا لیکن وہ اپنے کو مطلوب الغیر تصور کرتے ہوئے معذرت کرتا اور حیاء کرتا رہتا ہے اور یہی اس سے مقصود بھی ہوتا ہے۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی سے ملنا نہیں پڑا؟ پھر دیکھو کہ پیغمبر مطعم بن عدی کی امان لیے ہوئے۔۔۔ جو کافر تھے۔۔۔ آپ مکہ ایسے نہیں آ سکے۔

پس پاکیزہ ہے وہ ذات! جس نے سارے امور کو اسباب سے متعلق کیا ہے تاکہ عارف کو ضرورت کے وقت سبب اختیار کرنے کے لیے جھکنا پڑے۔

حادثات کسوٹی ہیں

مجلس۔۔ کس قدر پاکیزہ ہے وہ ذات جو اپنے بندوں کو ان کے وطن سے دور

کر کے اور اسباب کے سامنے جھکا کر ان کا صبر آزماتی ہے اور آزمائش کے زمانہ میں ان کے جوہر کو ظاہر کرتی ہے۔

وہ دیکھو! حضرت آدم علیہ السلام کو کہ ابھی ملائکہ انہیں سجدہ کر رہے تھے اور کچھ ہی مدت کے بعد جنت سے نکالے جا رہے ہیں۔

وہ دیکھو! حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے مار کھاتے ہوئے بیہوش ہو ہو جاتے ہیں پھر کچھ ہی دنوں بعد کشتی میں بیٹھ کر نجات پا رہے ہیں اور ان کے دشمن ہلاک ہو رہے ہیں۔

وہ دیکھو! حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے جا رہے ہیں اور چند لمحے بعد سلامتی کے ساتھ نکالے جا رہے ہیں۔

وہ دیکھو! حضرت ذبیح اللہ (اسماعیل علیہ السلام) کو کہ اللہ کے حکم کے سامنے جھک کر (ذبح کے لیے) لٹائے جا رہے ہیں پھر بچا لیے جا رہے ہیں اور مدح باقی رہ جاتی ہے۔

وہ دیکھو! حضرت یعقوب علیہ السلام کی نگاہ حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں ختم ہو گئی ہے پھر وصال کے ذریعے واپس بھی آ گئی ہے۔

وہ دیکھو! حضرت موسیٰ کلیم اللہ بکریاں چرا رہے ہیں پھر ترقی کر کے خدا تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف پا رہے ہیں۔

اور وہ دیکھو! ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کل تک یتیم کہا جا رہا تھا عجیب عجیب حالات! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو الٹ پلٹ رہے تھے کبھی دشمنوں سے کھنچے تھے اور کبھی فقر کے مکاید سے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو جبل حراء سے بھی زیادہ ثابت قدم ہیں۔

پھر دیکھو! فتح مکہ کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد حاصل ہو رہی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے بڑے بادشاہوں اور حکمرانوں تک اپنا لایا ہوا دین پہنچا رہے ہیں۔

پھر دیکھو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جانے والا مہمان آ جاتا ہے اور شدت کرب سے پکار رہے ہیں "واکرباہ" ہائے تکلیف کی شدت۔

پس جس نے دنیا کے سمندر میں غور کیا اور یہ معلوم کر لیا کہ موجیں آپس میں کس طرح ملتی ہیں اور زمانے کے دکھوں پر کیسے صبر کیا جاتا ہے۔ وہ کسی بلاء و مصیبت کے نزول سے

گھبرائے گا نہیں اور کسی دنیوی راحت پر زیادہ مسرور نہیں ہوگا۔

اظہارِ باطن میں اعتدال

مجلس... سمجھدار آدمی کو چاہیے کہ جب اپنے متعلق طاقت و ہمت کا اندازہ لگالے تب عزیمتوں پر عمل کے لیے قدم بڑھائے۔ بعض عزیمتوں پر مخلوق سے چھپا کر پہلے تجربہ کرے کیونکہ اس کا اندیشہ ہے کہ وہ ایسے مقام پر ڈال دیا جائے جس پر وہ جم نہیں سکے گا اور لوٹ آئے یہ انتہائی رسوا ہوگا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے زاہدوں کا ذکر سن کر اپنے عمدہ کپڑے پھینک دیئے معمولی لباس پہن لیے اور ساری مخلوق سے الگ ہو کر گوشے میں بیٹھ رہا اور اس کے دل پر موت اور آخرت کی یاد کا غلبہ بھی ہو گیا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد طبیعت نے ان چیزوں کا مطالبہ شروع کر دیا جن کا وہ عادی تھا۔

ایسے وقت میں کچھ لوگ تو ایک دم سے بے مہار آزادی کی طرف لوٹ جاتے ہیں جیسے بیماری سے اٹھنے والا مریض جو کمزور و نحیف ہو غذا میں وسعت کرنا چاہتا ہے اور کچھ لوگوں کا حال متوسط رہتا ہے تو وہ کبھی ادھر ہوتے ہیں اور کبھی ادھر۔

لہٰذا سمجھداری یہ ہے جو متوسط درجہ کا لباس اختیار کر کے لوگوں سے اپنا حال چھپائے رکھتا ہے نہ اپنے کو نیکوں کی جماعت سے نکالتا ہے اور نہ ہی اہل فاقہ کی جماعت میں داخل کرتا ہے اور اگر عزیمت پختہ ہوتی ہے تو اپنی کوٹھری وغیرہ میں بقدر قوت عمل کر لیتا ہے اور اپنا حال چھپائے رکھنے کے لیے بحال و زینت کا لباس بھی چھوڑ دیتا ہے نہ مخلوق کے سامنے کچھ ظاہر نہیں کرتا اس طرح وہ ریاء سے دور رہتا ہے اور رسوائی سے محفوظ۔

ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جن پر فکرِ الٰہی اور یادِ آخرت کا ایسا غلبہ ہو گیا کہ انہوں نے علمی کتابیں دفن کرا دیں حالانکہ یہ فعل میرے نزدیک بڑی غلطی ہے اگرچہ یہ کام بعض ایک جماعت سے منقول ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے ایک استاد سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا کہ "سب نے غلطی کی۔"

لیکن میں نے تدوین کی ہے کہ ان کی کتابوں میں ضعیف روایتیں بھی تھیں جن میں وہ تمیز نہ

کر سکے۔ جیسا کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا اسی نیت سے کتابیں دفن کرانے کا قصہ منقول ہے یا انہوں نے ان کے اندر اپنی رائے سے کچھ باتیں لکھ لی تھیں چھر ان کو یہ کراہت ہوا کہ ان کی کوئی بات لی جائے۔ اس طرح جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس نیت سے مصاحف جلوا دینے کی تعمیل سے ہو گیا تا کہ غیر جمع علیہ مصاحف سے کوئی چیز نہ حاصل کی جائے۔

مگر یہ تاویل علماء کے حق میں صحیح ہے۔ رہا احمد بن ابی الحواری اور ابن سہاد وغیرہما کا اپنے لکھے ہوئے نسخوں کو دھو کر مٹا دینا تو یہ سخت کوتاہی ہے۔

پس ایسے کام سے بہت بچو جس سے شریعت روکتی ہے اور ایسے کام سے بھی جسے عزیمت سمجھا جا رہا ہو لیکن وہ درحقیقت خطا ہو اور ان احوال کے اظہار سے بھی احتراز کرو جن پر تم پوری طرح قادر نہ ہو کیونکہ ممکن ہے کہ الٹے پاؤں واپس ہو جاؤ۔

اور اپنے اوپر ان اعمال کو لازم کرو جن کی طاقت رکھتے ہو۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

عذاب برزخ سے متعلق ایک حکایت

مجلس..... سب سے بڑا نادان وہ شخص ہے جس نے ایسی دنیا کو آخرت پر ترجیح دے دی جس کے برے انجام سے مطمئن نہیں ہوا جا سکتا۔

ہم نے کتنے بادشاہوں اور دولت مندوں کے متعلق سنا کہ انہوں نے خواہشات نفسانی کے سلسلے میں آزادروی اختیار کی حلال و حرام پر نظر نہیں کی پھر موت کے وقت ان لذتوں سے کہیں زیادہ نادم ہونا پڑا اور حسرتوں کی ایسی تلخیاں برداشت کرنی پڑیں جن کا وہ مقابلہ نہ کر سکے دراں حالیکہ کسی قسم کی کوئی لذت ان کے پاس نہ تھی۔ اگر اتنے ہی پر معاملہ ختم ہو جاتا تو بھی عمر کے لیے کافی تھا جبکہ اس کے بعد دائمی سزا بھی ہو گی۔

دنیا طبیعت کو محبوب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے طلب کرنے والے اور اس کی مرغوب چیزوں کو ترجیح دینے والے پر نکیر نہیں کرتا البتہ یہ کہوں گا کہ اس کو اپنے طریقہ کسب پر نظر رکھنی چاہیے اور یہ دیکھنا ہے کہ اس کے حصول کا کیا طریقہ ہے؟ تا کہ اس

لذت کا انجام ٹھیک رہے ورنہ ایسی لذت میں کوئی خیر نہیں جس کے بعد آگ میں جلنا پڑے۔
کیا ایسا شخص عقلمند کہلائے جس سے کہا جائے کہ ایک سال یہ حکومت کر لو پھر تمہیں قتل کر دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں معاملہ اس کے برعکس ہے یعنی عقلمند وہ ہے جو ایک سال نہیں کئی سال مشقت کی تلخیاں برداشت کرلے تاکہ انجام کار ہمیشہ راحت میں رہے۔

"ایسی لذت سے کیا فائدہ؟ جس کے بعد سزائیں جھیلنی پڑیں۔"

ہم کو بسند متصل ولف ابن ابی ولف کا واقعہ پہنچا انہوں نے بیان کیا کہ اپنے والد صاحب کی وفات کے بعد ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا چلو حاکم شہر نے بلایا ہے میں اس کے ساتھ چل پڑا وہ مجھے ایک ایسے گھر میں لے گیا جس میں ہر طرف وحشت ہی وحشت تھی خوف ہی خوف تھا دیواریں سیاہ تھیں اور دروازے اکھڑے ہوئے تھے پھر اس نے مجھے ایک درجہ اوپر چڑھایا اور ایک بالا خانہ میں لے گیا میں نے دیکھا کہ اس کی دیواروں پر آگ کے اثرات ہیں اور زمین پر راکھ کے اثرات ہیں اور دیکھا کہ میرے والد ننگے بدن اپنا سر گھٹنوں کے درمیان لیے بیٹھے ہیں انہوں نے مجھے تعجب سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ارے دلف تم؟ میں نے کہا جی ہاں! پھر میں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک فرمایا؟

تو انہوں نے یہ پڑھا: ابلغن اهلنا ولا تخف عنهم مالقينا في البرزخ
الخفاق فسئلنا عن كل ما فعلنا فارحموا وحشتي وما قد لاقي.

"ہمارے خاندان والوں تک پہنچا دو ان سے کچھ چھپانا نہیں جو کچھ حالات ہمیں برزخ میں پیش آئے ہیں ہم سے پوچھا گیا جو کچھ ہم نے کیا تھا لہٰذا تم لوگ میری وحشت اور میرے احوال پر ترس کھاؤ۔"

پوچھا سمجھ گئے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! پھر یہ شعر پڑھا:

فلو انا اذا متنا تركنا لكان الموت راحة كل حي، ولكنا اذا متنا
بعثنا ونسأل بعده عن كل شيء.

''اگر مرنے کے بعد ہم چھوڑ دیئے جاتے تو موت زندوں کے لیے راحت کی چیز ہوتی لیکن مرنے کے بعد ہمیں پھر زندہ کیا گیا ہے اور اب ہر چیز کے متعلق پوچھ ہوگی۔''

بلند ہمت طالب علم سے خطاب

لذتیں دو قسم کی ہیں: حسی اور عقلی

حسی لذتوں کا انتہائی مرتبہ اور اعلیٰ درجہ نکاح ہے اور عقلی لذتوں کی قیمت و انتہا علم ہے۔ پس دنیا میں جسے یہ دونوں مرتبے حاصل ہو گئے اسے ساری لذتیں حاصل ہو گئیں۔

میں طالب لذات کو ان دونوں میں سے اعلیٰ افضل کا راستہ دکھانا چاہتا ہوں مگر یہ خوب سمجھ لو کہ ایسے طالب کو جسے اعلیٰ مطلوب سے نوازا جاتا ہے اس کی ایک علامت ہے وہ یہ کہ اسے علو ہمت یعنی بلند ہمتی سے نوازا جاتا ہے اور یہ ہمت بچپن ہی سے پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اسے بچپن ہی سے دیکھو گے کہ وہ بڑے بڑے کام پسند کرتا ہے۔ حدیث شریف میں مروی ہے کہ حضرت عبدالمطلب کا ایک بستر مقام حجر میں بچھا ہوا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بچپن میں جب تشریف لاتے تو اسی بستر پر بیٹھتے (جبکہ دوسروں کی ہمت نہ ہوتی تھی) یہ دیکھ کر حضرت عبدالمطلب فرماتے کہ قسم ہے میرے اس بیٹے کی ایک بڑی حیثیت ہوگی۔

اگر کوئی پوچھے کہ اگر میرے پاس ہمت موجود ہو لیکن میں جس چیز کا طالب ہوں وہ مجھے نہ دی جائے تو کیا تدبیر اختیار کی جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تم ایک راستے سے محروم کر دیئے گئے تو دوسری قسم کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے۔ (اس کو حاصل کرو) پھر یہ تو بہت بعید ہے کہ وہ ذات تمہیں ہمت سے نوازے اور تمہاری اعانت نہ کرے۔ اپنے حال پر نظر ڈالو ممکن ہے اس نے تمہیں کسی نعمت سے نوازا ہو اور تم نے اس کا شکر ادا نہ کیا ہو یا تم کو کسی خواہش نفسانی میں آزمایا ہو اور تم صبر نہ کر سکے ہو۔

یاد رکھو! کہ تم سے بہت سی دنیوی لذتیں اس لیے چھڑا دی جاتی ہیں تاکہ تم علمی لذتوں کو ترجیح دو کیونکہ تم ضعیف و کمزور ہو اس لیے ممکن ہے جمع کی طاقت و قوت نہ رکھتے ہو۔ (بس یہ سمجھ لو کہ) وہ ذات تمہاری مصلحتوں کو تم سے زیادہ جاننے والی ہے۔

بہرکیف! میں تمہارے لیے جس مضمون کو بیان کرنا چاہتا تھا وہ یہ ہے کہ اے نوجوان جو

طلب علم کی ابتداء کرنے جا رہا ہے اس کو چاہیے کہ ہر طرح کے علم کا ایک ایک حصہ حاصل کرلے پھر علم فقہ اہتمام کے ساتھ حاصل کرے۔ تاریخ (اسماء الرجال) کی معرفت میں بھی کوتاہی نہ کرے کیونکہ اس کے ذریعے کاملین کے حالات معلوم ہوتے ہیں اور اگر فطری فصاحت و بلاغت سے نوازا گیا ہو اور اس کے ساتھ لغت و نحو کی مہارت بھی حاصل کرلے تو گویا اس کی زبان ایک تلوار ہے جو سان پر تیز کی گئی ہے۔

ان سب کے بعد اگر علم اسے اللہ کی معرفت اور اس کی اطاعت تک پہنچا دے تو اس کے لیے ایسے دروازے کھول دیے جائیں گے جو دوسروں پہ نہیں کھل سکے۔

پھر اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ سہولت کے ساتھ اپنے اوقات کا ایک حصہ تجارت اور حصول معاش میں بھی لگائے لیکن خود اس میں نہ لگے بلکہ دوسرے کو نائب اور وکیل بنا لے اور اپنے طرز زندگی میں اسراف اور فضول خرچی سے بچتا رہے کیونکہ علمی مشاغل اور اس پہ اس طرح عمل کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے درجے تک پہنچا دے۔ یہ چیزیں ایسا خود اس کو قید کر لیتی ہیں اور بعض اوقات اپنے مرتبے کی لذت بھی اس کو ہر چیز سے مشغول کر لیتی ہے۔

"ہائے وہ حالت اجو تعب سے محفوظ ہو جیا تی ہو۔"

اور ایسا شخص اگر نکاح کی طرف رغبت رکھتا ہو تو باندیوں سے کرے کیونکہ آزاد عورتیں گویا طوق بن جاتی ہیں اور باندیوں سے بھی اس وقت تک عزل کرتا رہے جب تک ان کے اخلاق و عادات اور ان کی دینی حالت کا تجربہ نہ کر لے۔ پھر اگر طبیعت آمادہ ہو تو ان ہی سے اولاد حاصل کرے ورنہ ان کا بدلنا آسان ہے۔ (بدل کر دوسری لے آوے)

اور اگر حرہ یعنی آزاد عورت سے نکاح کرنا چاہے تو پہلے یہ معلوم کرلے کہ وہ اپنے ساتھ دوسری سوکن کو یا باندی سے ہمبستری کو برداشت کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس سے صرف یہ نیت رکھے کہ لذت حاصل ہو انزال کی زیادہ کوشش نہ کرے کیونکہ اس سے قوت پہ اثر پڑے گا اور وہ اپنے اصل مقصد سے عاجز ہو جائے گا۔

یہ حالت حسی اور عقلی لذتوں کی جامع ہے اسے میں نے اشارہ کے طور پہ ذکر کیا ہے لیکن ذہین شخص کی سمجھ اسی سے وہ باتیں بھی سمجھ جائے گی جن کو میں نے ذکر نہیں کیا ہے۔

طلبہ علم کو کچھ نصیحتیں

مجلس: بیٹے تم جانتے ہی ہو کہ متعلم کے لیے ہر وقت مدد حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے۔

(۱) لیکن یہ بڑی غلطی ہے کہ وہ دن و رات ہر وقت اپنا سبق دہراتا رہے اور تکرار و مذاکرہ ہی کرتا رہے کیونکہ اس سے چند دنوں میں سست پڑ جاوے گا یا بیمار ہو جاوے گا۔

ہم کو یہ روایت پہنچی ہے کہ ابوبکر ابن الانباری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کے مرض الموت میں ایک طبیب آیا جب اس کی نظر آپ کی پیشاب کی شیشی پر پڑی تو اس نے کہا کہ آپ ایسا کام کرتے رہے ہیں جو کوئی نہیں کرتا ہوگا۔ پھر باہر نکلا اور لوگوں سے کہا کہ اب ان سے کچھ نہیں ہو سکتا۔

پھر آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کیا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا میں ہر ہفتہ دس ہزار ورق کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔

(۲) اور یہ بھی بڑی غلطی ہے کہ اپنے دل و دماغ پر بہت سی چیزوں یا مختلف علوم و فنون کے مضامین یاد رکھنے کا بوجھ ڈالا جائے کیونکہ دل و دماغ بھی ایک عضو ہے اور جیسے بعض لوگ سو رطل اٹھا لیتے ہیں اور بعض دس رطل بھی نہیں اٹھا پاتے ایسے ہی ذہن بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہر شخص اپنی قوت کے بقدر بلکہ (احتیاطاً) اس سے کم ہی اٹھاوے کیونکہ اگر ایک وقت میں طاقت ختم کر دی تو پھر بہت سے اوقات ضائع کرنے پڑیں گے۔ اس حریص آدمی کی طرح جو چند لقمے زائد کھا لیتا ہے تو پھر بہت سے لقموں سے محروم ہو جاتا ہے۔

بس فیصلہ کی بات یہ ہے کہ طاقت اور قوت کے بقدر علم حاصل کرے اور چوبیس گھنٹوں میں دو وقت تکرار کرے پھر بقیہ اوقات میں اپنے قویٰ کو راحت پہنچا دے۔

(۳) اور مداومت تو سب سے بنیادی چیز ہے کتنے ایسے لوگ ہوئے جنہوں نے یاد کرنے کے بعد اس کا تکرار چھوڑ دیا پھر بھولے ہوئے کو دوبارہ یاد کرنے میں انہیں بہت وقت ضائع کرنا پڑا۔

(۴) حفظ کے لیے زندگی کے بہت سے اوقات ہیں لیکن سب سے بہتر وقت بچپن اور اس کے قریب کا زمانہ ہے۔

مطالعہ و تکرار کے لیے سب سے بہتر وقت صبح فجر سے پہلے اور دن کے شروع کا حصہ ہے یعنی صبح کے اوقات شام کے اوقات سے بہتر ہیں اور بھوک کے اوقات آسودگی کے اوقات سے بہتر ہیں۔

سبزہ زار کے قریب یا نہر کے کنارے یاد کرنا بہتر نہیں ہے کیونکہ وہ دل کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

حفظ کے لیے اوپر کے کمرے نیچے کے کمروں سے بہتر ہیں اور تنہائی اصل ہے اور فکر کو انتشار سے محفوظ رکھنا اصل الاصول ہے۔

(۵) ہفتہ میں ایک دن تکرار کے بجائے آرام کرنا چاہیے تاکہ جو کچھ (ہفتہ بھر میں) یاد ہوا ہے خوب راسخ ہو جائے اور نفس کو قوت حاصل ہو جیسے عمارت کی بنیاد چند دنوں چھوڑ دی جاتی ہے تاکہ مضبوط ہو جائے پھر جس پر عمارت کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

(۶) تھوڑا علم ہمیشہ یاد رکھنا اصل تعلیم ہے۔

(۷) جب تک ایک فن اچھی طرح محفوظ نہ ہو جائے دوسرا فن شروع نہیں کرنا چاہیے۔

(۸) یاد کرنے کے وقت اگر نشاط نہ رہے تو اس وقت چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ نفس کے ساتھ زبردستی کرنا مناسب نہیں ہے۔

(۹) طبیعت اور مزاج کا ٹھیک رکھنا بھی بنیادی چیز ہے کیونکہ حفظ میں غذا کا بھی اثر ہوتا ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "جب سے میں نے حفظ (قرآن و حدیث وغیرہ کا یاد کرنا) شروع کیا ہے سرکہ نہیں کھایا۔"

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ مسائل فقہ کے یاد رکھنے میں کس چیز سے مدد لی جائے؟

آپ نے فرمایا "فکر کو یکسو کرکے"

اور حضرت حماد بن سلمہ نے اسی سوال کے جواب میں فرمایا "غم کو ترک کرکے"

حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "جس نے کپڑے صاف ستھرے رکھے اس کا فکر (تفکر) کم ہوگا اور جس نے خوشبو استعمال کی اس کی عقل بڑھے گی اور جس نے دونوں کو جمع کر لیا اس کی مروت (یعنی آداب جیسے اخلاق حسنہ پر ابھارنے والی قوت) میں اضافہ ہوگا۔

(۱۰) مبتدی طلبہ کے لیے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ حتی الامکان نکاح نہ کریں کیونکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال تک نکاح نہ کیا اور اس سے آپ کا مقصد فکری یکسوئی تھی۔ ہاں اگر تقاضا غالب ہو تو نکاح کر لیں پھر بھی اس میں زیادہ انہماک سے پرہیز کریں تاکہ علمی مطالعہ و تکرار میں پوری قوت حاصل رہے۔

اسنے ہی علوم کو یاد کرنے کی کوشش کرے جتنا محفوظ رکھ سکے کیونکہ عمر تھوڑی ہے اور علم بے پایاں۔ بہت سے لوگ اپنے اوقات ان علوم کے یاد کرنے میں ضائع کر دیتے ہیں جن کے مقابلے میں دوسرے علوم زیادہ اہم تھے۔ علوم اگرچہ سب ہی بہتر ہیں لیکن اہم اور افضل کو مقدم کرنا زیادہ بہتر ہے اور ان میں سب سے افضل مشغلہ حفظ قرآن کا ہے پھر فقہ کا۔ ان دو کے بعد بقیہ علوم تابع کے ہیں۔

اور جس شخص کو صحیح فیصلہ کی طرف رہنمائی کرنے والی بیدار مغزی عطا فرما دی گئی وہ کسی دوسرے رہبر کا محتاج نہیں ہے۔

اور جس نے علم سے اللہ کی رضا کا تصور اور قصد رکھا اس کو اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر طریقہ سے مقصود تک پہنچا دیں گے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ. ''اللہ کا تقویٰ اختیار کرو وہی تمہیں علم سے نواز دے گا۔''

تقویٰ سے متعلق حکایات اور نصیحت

صحیح جلیس جسے ہمیشہ کی عافیت اور دائمی سلامتی کی تمنا ہو اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیے کیونکہ کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جس نے تقویٰ کے خلاف کسی کام میں اپنے کو آزاد چھوڑ دیا ہو خواہ معمولی سی آزادی کیوں نہ ہو اور اسے دیر سویر اس کی سزا نہ ملی ہو۔

یہ بڑے دھوکہ کی بات ہے کہ تم گناہ کرو پھر خدا تعالیٰ سے حسن سلوک دیکھ کر یہ گمان قائم کر لو کہ تم سے چشم پوشی کر لی گئی اور یہ بھول جاؤ۔

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ.

''جو کوئی گناہ کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی۔''

کسی وقت تمہارا نفس تم کو سمجھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمانے والے ہیں۔ بلا

گناہ کرلو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مغفرت کرنے والا ہے لیکن جس کی چاہتا ہے اسی کی مغفرت کرتا ہے۔ میں تمہارے سامنے اس کی وضاحت کرتا ہوں اگر اپنی فکر استعمال کرو گے تو مغفرت کے معنی سمجھ جاؤ گے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے کوئی ایسا گناہ کیا جس کا قصد نہیں تھا نہ کرنے سے پہلے کوئی ارادہ تھا اور نہ کرنے کے بعد دوبارہ کرنے کا خیال ایسے شخص کو اپنے کیے پر تنبیہ ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا تو اس کا وہ فعل اگرچہ وہ اس میں اپنے ارادہ و قصد سے داخل ہوا تو خطا کے حکم میں ہے۔ (یعنی اس کا استغفار کرنا درست ہے) مثلاً اس کے سامنے کوئی خوبصورت آ گیا اور طبیعت کا غلبہ ہوا اس لیے اس نے نگاہ نہیں ہٹائی دیکھتا رہا اور اس وقت لطف اندوزی کی وجہ سے شریعت کی ممانعت کی طرف نظر نہیں کر سکا۔ اس درجہ تک غافل ہو گیا کہ گویا وہ غائب ہے یا نشہ میں ہے۔ پھر جب تنبیہ ہوا تو اپنے فعل پر نادم ہوا اور اس گناہ سے جو میل لگا اس کے دھونے کی تیاری شروع کر دی یعنی اس غلطی کی تلافی کرنا چاہا جس کے بارے میں اس کا گمان یہ ہے کہ وہ بلا قصد ہو گئی ہے اور یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا:

إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ.

"جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو جاتا ہے تو فوراً چونکتے ہیں پھر اچانک ہی وہ بصیرت والے ہو جاتے ہیں۔"

اس کے برخلاف ایک وہ شخص ہے جو مسلسل لغزش کا ارتکاب کرتا ہے۔ بار بار وہی حرکت کرتا ہے اور اس پر اصرار کرتا ہے تو ایسا شخص جانتے بوجھتے ممانعت پر عمل کرنے والا اور مخالفت کا مظاہرہ کرنے والا ہے۔ یعنی ایسے شخص سے عفو و درگزر اس کے اصرار کے بقدر دور ہو جاتا ہے اور یہ بھی بعدی کی علامت ہے کہ اپنے اس اصرار پر سزا کا اندیشہ نہ کرے۔

حضرت ابن الجلاء کا بیان ہے کہ مجھے میرے شیخ نے دیکھا کہ میں عمداً ایک نصرانی نوخیز لڑکے کو گھور رہا ہوں تو فرمایا یہ کیا کر رہے ہو؟ اس کا انجام ضرور دیکھو گے۔ خواہ کچھ مدت گئی اچانک مجھے چالیس سال کے بعد قرآن شریف بھول گیا۔

"سب سے بڑی آزمائش یہ ہے کہ گناہ کے بعد محفوظ رہنے پر دھوکہ ہو جائے کیونکہ سزا میں تاخیر بھی ہوتی ہے۔"

اور سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ انسان کو اس سزا کا احساس نہ ہو یا وہ سزا ایمان سلب کر لینے یا دل کو مسخ کر دینے یا نفس کے لیے بری چیزیں اختیار کرنے کی صورت میں ہو اور اس کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ بدن تو صحیح سلامت رہے اور سارے مقصد حاصل ہوتے رہیں۔

ایک معتبر بزرگ نے بیان کیا کہ میں نے ایک ناجائز موقع سے اپنی نگاہ نہیں ہٹائی بعد میں احساس ہوا تو سزا کا انتظار کرنے لگا۔ چنانچہ مجھ کو ایک لمبے سفر پر مجبور کیا گیا جس کا کوئی ارادہ نہ تھا اور اس میں بہت سی مشقتیں پیش آگئیں۔ پھر ایک عزیز ترین شخص کی موت سے مجھے سزا دی گئی اور ان سب کے ساتھ بہت سی ایسی چیزیں ضائع ہو گئیں جن کی میرے نزدیک بڑی وقعت تھی حتیٰ کہ جب میں نے توبہ کر کے اپنے معاملے کی تلافی کی تب میری حالت درست ہوئی۔

لیکن پھر دوبارہ خواہش ہوئی اور میں نے حرام جگہ سے نظر نہیں ہٹائی تو میرا دل بجھ گیا، رقت قلبی فنا ہو گئی اور پہلے کے مقابلے میں اس مرتبہ بہت زیادہ احوال سلب ہو گئے بلکہ ان مسلوب احوال کے عوض ایسے معاملات مسلط کر دیے گئے جن کا نہ ہونا زیادہ بہتر تھا۔

آخر کار جب میں نے ان احوال میں جو ملے تھے اور ان احوال میں جو سلب ہوئے تھے غور کیا تو اس (غیر محسوس) کوڑے کی تکلیف سے میں چیخ پڑا اور اب میں اپنے ان بھائیوں کو جو ابھی ساحل پر ہیں پکارتا ہوں اور کہتا ہوں کہ:

"اے میرے بھائیو! اس سمندر کی گہرائی سے بچنا، اس کے ظاہری سکون سے دھوکہ مت کھاؤ، ساحل ہی پر رہو اور اپنے کو تقویٰ کے قلعہ میں بند کر لو کیونکہ سزا اچانک ہی آ جاتی ہے۔"

یہ یاد رکھو! کہ تقویٰ کا اہتمام کرنے میں بہت تلخیاں ہیں اور بہت سے مقصد اور پسندیدہ امور ترک کرنے پڑتے ہیں مگر ضرب المثل میں تقویٰ کی مثال پرہیز کی سی ہے جس کا نتیجہ صحت ہے جبکہ بدپرہیزی بسا اوقات ناگہانی موت کا سبب ہو جاتی ہے۔

خدا کی قسم! اگر آزمائش میں مبتلا کرنے والی ذات کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے

تمہیں کتوں کے ساتھ تھوڑے پر سونا پڑے تو بھی یہ اس کی رضا کے مقابلے میں بہت کم ہے اور اگر اس کی بے رخی و اعراض کے ساتھ اپنے سارے مقاصد حاصل کر لو تو بھی تمہاری سلامتی ہلاکت ہو گی، تمہاری عافیت دشواری ہو گی اور تمہاری صحت بیماری ہو گی۔ اس لیے کہ فیصلہ انجام سے ہوتا ہے اور عقلمند وہی ہے جس نے انجام کو سوچا۔

اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے آزمائش کی مدت میں ثابت قدم رہو بہت جلد اس کا زوال ہو جائے گا۔"

مگر ان سب باتوں کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی دے سکتے ہیں اور گناہوں سے حفاظت انہی کی مدد پر اور نیکیوں کی قوت انہی کے فضل پر موقوف ہے۔

کلامی بحثیں عوام کے سامنے مضر ہیں

سہ جلسی... بجمی اہل بدعت کی ایک جماعت بغداد آئی اور عوام کے سامنے تقریر کے لیے منبروں پر چڑھی لیکن ان کی تقریروں میں زیادہ تر بحث اس کی ہوتی تھی کہ "زمین میں اللہ تعالیٰ کا کوئی کلام نہیں ہے یہ مصحف تو کاغذ، کھلونوں اور جلد کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آسمان میں نہیں ہیں اور وہ باندی جس سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تھا کہ اللہ کہاں ہے؟ وہ گونگی تھی اس لیے اس نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان معبودوں میں سے نہیں ہے جن کی زمین میں عبادت کی جاتی ہے اور وہ لوگ کیسے تھے کہاں ہیں وہ "حشویہ" جو کہتے ہیں کہ حرف بھی قرآن ہے اور صوت بھی قرآن ہے؟ تو حضرت جبرئیل کی عبارت ہے۔"

یہ لوگ اس طرح کی تقریریں کرتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے عوام کے سینوں میں قرآن کریم کی عظمت کم ہو گئی اور بعض عوام بھی یہ کہنے لگے کہ ہاں یہ باتیں بالکل درست ہیں ورنہ بھلا کیا قرآن بھی کوئی ایسی چیز ہے جسے حضرت جبرئیل علیہ السلام تھیلے میں ڈالا کرتے تھے؟

(یہ سب دیکھ کر) اہل سنت کی ایک جماعت نے مجھ سے شکایت کی میں نے ان حضرات سے کہا کہ صبر کیجئے کیونکہ اعتراض و شبہات بجھنے ہی سر ابھارتے رہتے ہیں اگرچہ آخر کار ان کا بچا کچھا پاش پاش ہو جاتا ہے (اور یہ سمجھ لیجئے کہ) باطل میں جو نائی ہوتی ہے اور حق میں شوکت اور مضبوطی ہوتی ہے جو بیان کی محتاج ہوتی ہیں اور ہر شہر میں ایسے لوگ ہوتے

جیسے جو بادشاہ کے ملک کی طرح کا جعلی سکہ جانتے ہیں۔

ان میں سے ایک صاحب نے کہا: آخر ہم ان کی باتوں کا کیا جواب دیا کریں؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو حق و صواب تک پہنچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یہ سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق سے مجمل ایمان پر قناعت فرمائی ہے ان کو تفصیل جاننے کا مکلف نہیں بنایا خواہ اس وجہ سے کہ تفصیل کا جاننا ان کے عقائد میں خلل پیدا کر دے گا یا اس وجہ سے کہ قوت بشریہ اس کے جاننے سے عاجز اور درماندہ ہے۔

چنانچہ دیکھئے سب سے پہلی چیز جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے خالق کا اثبات ہے اور قرآن کریم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر خالق کے وجود کی یہ دلیل لے کر اترا کہ اس کی مصنوعات پر نظر ڈالی جائے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَارًا.

"کیا وہ ذات جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس کے درمیان نہریں نکالیں۔۔۔؟"

اور فرمایا: وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ.

"خود اپنی ذات میں (دلائل قدرت) کیوں نہیں دیکھتے؟"

اور اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے وجود پر اپنی مخلوقات سے اور اپنی قدرت پر اپنی مصنوعات سے ہی استدلال فرمایا ہے۔

اس کے بعد اپنے نبی کی نبوت اس کے معجزات سے ثابت فرمائی جن میں سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جسے آپ نے پیش فرمایا اور ساری مخلوق اس کا مثل لانے سے عاجز رہ گئی اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اتنے ہی دلائل پر اکتفا کیا بلکہ پہلی صدی اسی پر گزری کہ عقائد صاف ستھرا اور سدا شدہ تھا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو آئندہ ہونے والی بدعتوں اور اختراعات کا علم تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے دلائل کو خوب واضح کر دیا اور سارا قرآن دلائل سے بھر دیا۔

اور چونکہ قرآن کریم ہی سارے علوم کا سرچشمہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ ہے اس لیے اس کو مؤکد طور پر بیان فرمایا۔ ارشاد ہے:

وَهٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ . وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ.

"یہ ایک بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے اتارا اور ہم یہ قرآن نازل کر رہے ہیں جو شفا ہے۔"

پھر اس کی خبر دی کہ قرآن کریم اللہ ہی کا کلام ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلَامَ اللّٰهِ. "یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں۔"

اور اپنے اس ارشاد سے یہ بتایا کہ وہ ایسا کلام ہے جسے سنا جا سکتا ہے:

حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ "یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔"

اور اس کی خبر دی کہ وہ محفوظ ہے۔

فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ. "وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔"

اور فرمایا: بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ.

"بلکہ وہ قرآن واضح آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں۔"

اور یہ بھی بتلایا کہ وہ لکھا ہوا ہے اور اس کی تلاوت کی جاتی ہے فرمایا:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ

"اس سے پہلے نہ آپ کوئی کتاب تلاوت کرتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے۔"

ان کے علاوہ اور بہت سی آیات جن کے شمار کرنے سے شرح طویل ہو جائے گی اس مضمون کے متعلق ہیں جو قرآن کریم کے ثابت ہونے کو بتلاتی ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس الزام سے براءت ثابت فرمائی کہ یہ قرآن آپ نے اپنی طرف سے پیش کیا ہے۔ فرمایا:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ. "کیا یہ کہتے ہیں کہ محمد نے اسے گھڑ لیا ہے نہیں بلکہ یہ آپ کے رب کی جانب سے واقعی کتاب ہے۔"

اور اگر بالفرض آپ نے ایسا کیا ہوتا تو اس پر وعید سنائی۔

لہٰذا فرمایا: وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ (الآیۃ)

"اور اگر یہ ہمارے اوپر کچھ باتیں بنا کر کہہ دیتے (تو ہم آپ کو پکڑ کر آپ کی شہ رگ کاٹ دیتے)"

اور اس شخص کے متعلق جس نے قرآن کریم کو مخلوق کا کلام بتاتے ہوئے کہا:

اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ. "یہ تو محض بشر کا کلام ہے۔"

فرمایا: سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ. (جلدی میں اسے جہنم میں جھونک دوں گا)

اور جب بھی اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو کسی طرح کا عذاب دیا تو فرشتوں کے ذریعے دیا۔ مثلاً قوم ثمود پر حضرت جبرئیل کی چیخ' قوم عاد پر ارسال ریح' قارون کو دھنسانا' قوم لوط کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کا الٹنا' کعبہ کی تخریب کا ارادہ کرنے والوں پر ابابیل پرندوں کا بھیجنا وغیرہ لیکن قرآن کریم کی تکذیب کرنے والوں کی سزا اپنے ذمہ کرلی۔ چنانچہ فرمایا:

ذَرْنِیْ وَمَنْ یُّکَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اور ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا.

"چھوڑ دیجئے مجھے اور اس کو جو جھٹلاتا ہے اس قرآن کو۔ چھوڑ دیجئے مجھے اور اس کو تنہا جسے میں نے پیدا کیا۔"

اور ایسا محض اس لیے کہ قرآن کریم ہی ساری شریعت کی بنیاد ہے اور یہ گزشتہ تمام شریعتوں کے لیے مثبت ہے کیونکہ تمام اہل مذہب کے پاس سوائے اس قرآن کے اور کوئی چیز نہیں ہے جو ان کے اس مسلک پر دلیل کا درجہ رکھتی ہو جس پر وہ تھے اس لیے کہ ان کی کتابوں میں تحریف ہوگئی۔ (اس تمہید کے بعد اب اصل جواب عرض ہے کہ) ہر شخص خوب جانتا ہے کہ اس کہنے والے کا جس نے کہا "اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ" (یہ تو بشر کا کلام ہے) لفظ "هٰذَا" سے اشارہ اسی کلام کی طرف تھا جو اس نے سنا تھا۔ نیز اہل عقل اور طرز کلام کو سمجھنے والے اہل فہم حضرات سب اس پر متفق ہیں کہ "وَاللّٰهِ" میں ضمیر کا مرجع قرآن کریم ہے اور "تَعْزِزْنِیْ بِهٖ" کی ضمیر بھی قرآن کریم ہی سے کنایہ ہے اور "هٰذَا" "یُکَذِّبُ" میں ایک حاضر اور موجود کی طرف ہی اشارہ ہے۔ یہ ثابت ہے کہ متقدمین میں سے کسی نے بھی نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں اس میں اختلاف نہیں کیا ہے۔

لیکن ان کے بعد شیطان نے بدعت کی فریب کاریاں پھیلا دیں تو ایک گروہ کہنے لگا کہ یہ مصحف جس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے ممکن ہے مخلوق ہے۔ اسی لیے اس کی مدافعت میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے وہ ثابت قدمی دکھلائی جو دوسروں سے نہ ہو سکی اور یہ محض اس لیے تاکہ قرآن کریم سے متعلق کوئی ایسا عقیدہ راہ نہ پکڑے جو اس کی ان عظمتوں

میں جو لوگوں کے دلوں میں تشکیک کی پیدا کردے اور قرآن کریم کی اللہ تعالیٰ سے نسبت ختم کردے اور آپ نے یہ بھی خیال فرمایا کہ ایسی بات ایجاد کرنا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ بیان فرمائی ہو جائز نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ "میں کیسے اس بات کا قائل ہو جاؤں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی؟"

اس ایک بات کے علاوہ اور کسی چیز میں اب بھی اختلاف نہیں ہوا تھا حتیٰ کہ علی ابن اسماعیل اشعری پیدا ہوئے۔ کچھ دنوں تک انہوں نے معتزلہ جیسی بات کہی پھر ان کے سامنے اس کی غلطی ظاہر ہوئی تو یہ دعویٰ کیا کہ کلام ایسی صفت ہے جو نفس کے ساتھ قائم ہو۔ لہٰذا ان کے اس دعویٰ سے یہ ثابت ہوا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے (یعنی مصحف) وہ مخلوق ہے پھر اختلافات ہوتے رہے اور عقائد خبط ہوتے رہے چنانچہ آج تک اہل بدعت انہی اختلافات کے سمندر میں بلا راستے کے گھر رہے ہیں۔

اس (قرآن کے مخلوق ہونے نہ ہونے کے) مسئلہ میں تفصیلی بحث دلائل و شبہات کے ذکر کے ساتھ اصول یعنی عقائد کی کتابوں میں موجود ہے میں ان کا ذکر کر کے طویل نہ کروں گا۔ البتہ حاصل کلام تمہارے سامنے ذکر کرتا ہوں اللہ تعالیٰ نے جس کی ہدایت کا فیصلہ فرمایا ہے اس کے لئے کافی ہوگا۔

اور وہ یہ ہے کہ شریعت نے ہم سے اجمالی ایمان پر قناعت کی ہے۔ ظاہر شریعت کی تعظیم پر اکتفا کیا ہے اور ایسی چیزوں میں غور کرنے سے منع فرمایا ہے جو شبہات پیدا کریں یا جن کا راستہ فہم انسانی کے قدم طے نہ کرسکیں۔ پس جب شریعت نے تقدیر اور اس کے فیصلوں میں غور کرنے سے منع فرمایا ہے تو "مقدِّر" یعنی تقدیر بنانے والی ذات کے اندر غور و خوض کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اور یہ ممانعت انہی وجوہ سے ہے جو ابھی میں نے ذکر کیں کہ اس سے یا تو ایسے شبہات پیدا ہوں گے جو عقائد کو متزلزل کر دیں گے یا بشری طاقت ان کے حقائق کو پانے سے عاجز ہے۔

(اور یہ دیکھو!) کہ جب قرآن کریم کے ظاہر معنی اس کے وجود کو ثابت کرتے ہیں پھر کوئی کہنے لگے کہ قرآن یہاں موجود نہیں ہے تو گویا اس نے ان ظواہر کی تردید کر دی جن

کے اثبات کے لیے اور دلوں میں رائج کرنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت محنت اور مشقت برداشت فرمائی تھی۔

(بھلا بتاؤ) آخر کس بنیاد پر وہ کسی چیز کو حرام اور کسی چیز کو حلال قرار دیتا ہے اور کسی فیصلہ پر قطعی حکم لگاتا ہے جبکہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی کلام نہیں ہے۔ بھلا شبہ اس کے پاس اس کے سوا اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ وہ کہے کہ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا" یعنی اللہ کے فرمانے سے ہی دلیل پکڑے گویا وہ ثابت کر رہی کو ثابت مانے جس کی نفی کر چکا ہے۔

لہٰذا صاحب تو شخص کے حق میں صحیح فیصلہ ظاہر شرع پر رہتا ہے۔

اور اگر کوئی معترض اعتراض کرتے ہوئے کہے کہ (جو ہم پڑھتے ہیں وہ) تمہاری آواز ہے اور (جو مصحف میں نقش ہے) وہ تمہاری تحریر ہے پھر قرآن کہاں ہے؟ تو اس سے کہنا چاہیے کہ ہم اور تم سب ایک ایسی چیز کے وجود پر متفق ہیں جس سے ہم دونوں استدلال کرتے ہیں اور جیسے میں اگر کوئی ایسی چیز ثابت کروں جو حقیقتاً ثابت نہ ہو اس پر تم انکار کر سکتے ہو اسی طرح میں تمہاری اس بات پر انکار کرتا ہوں کہ کس دلیل سے اس چیز کی نفی کرتے ہو جو شرعاً ثابت ہے؟

رہا ان حضرات کا یہ کہنا کہ مصحف میں محض ورق جلد اور لکڑی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ "آدمی" بس گوشت اور خون کا نام ہے۔ تمہارا برا ہو! آدمی کی حقیقت تو روح ہے۔ پس جس نے خون اور گوشت ہی پر نظر کی وہ ظاہر تک محدود رہا۔

اور اگر وہ معترض مخالف کہے کہ مکتوب کتابت کا غیر ہے؟ ہم اس سے کہیں گے کہ اسے بھی ہم تسلیم نہیں کرتے کیونکہ اس کی تحقیق نہ تمہارے نزدیک ثابت ہے نہ تمہارے فریق کے نزدیک۔ اگر کتابت سے مراد تم نے روشنائی اور خط کے نقوش لیے ہیں تو واقعی یہ قرآن نہیں ہے اور اگر تمہاری مراد وہ معنی ہے جو اس خط کے ساتھ قائم ہے تو یہ کتابت نہیں ہے۔

درحقیقت ان مباحث میں غور وخوض مناسب نہیں ہے کیونکہ جب اس سے کمتر چیزوں کی تفصیلی تحقیق ممکن نہیں ہے مثلاً روح وغیرہ جبکہ اس کا وجود کسی حد تک ہمیں معلوم بھی ہے۔ البتہ حقیقت نہیں معلوم ہے تو جب ہم ان کی حقیقتوں سے ناواقف ہیں تو حق تعالیٰ کی صفات کے متعلق تو زیادہ جاہل ہیں۔ اس لیے ضروری ٹھہرا کہ جو چیز یہ حق تعالیٰ کے

شایان شان نہ ہوں ان کی نفی کرتے ہوئے شریعت کی بتائی ہوئی باتوں پر توقف کیا جائے کیونکہ اس میں غور و خوض خبط میں اضافہ کرے گا اور کچھ فائدہ نہیں دے گا بلکہ تحقیق تو ہاتھ آوے گی نہیں البتہ اس چیز کی نفی ہو جاوے گی جو شریعت سے ثابت ہے۔

پس سلف کے طریقہ ہی میں سلامتی ہے۔ والسلام

اسی طرح میں یہ بھی کہتا ہوں کہ عوام کے لیے آیات و حدیث کے ظواہر سے معبود کا وجود ثابت کرنا اس کی تنزیہہ بیان کرنے کے مقابلے میں زیادہ ضروری ہے۔ اگرچہ تنزیہہ بھی ضروری ہے۔

حضرت ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ "عوام کے اعتقاد کے لیے سب سے بہتر قرآن و حدیث کے ظواہر ہیں کیونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اثبات سے مانوس ہوتے ہیں اور اگر اسے ہم ان کے دلوں سے ختم کر دیں تو اس کی مراؤں کا زوال اور اس کی عظمت زائل ہو جائے گی۔"

عوام کا مسلک تشبیہ اختیار کر لینا میرے نزدیک تنزیہہ باری کے مسائل میں گھسنے سے زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ عقیدہ تشبیہ ان کو ثبات باری میں فائدہ دے گا پھر وہ ان چیزوں کی طمع رکھیں گے جن کی طمع دلائی جاتی ہے اور ان چیزوں سے ڈریں گے جن سے خوف دلایا جاتا ہے جبکہ تنزیہہ باری میں غور و خوض نفی باری کی طرف لے جائے گا پھر نہ کچھ اللہ سے طمع ہوگی اور نہ خوف ہوگا۔

اور جو شخص شریعت کے اندر غور کرے گا اسے تشبیہ کے ایسے الفاظ ملیں گے جن کا ظاہر تشبیہ کے سوا اور کوئی معنی نہیں رہتا۔ جیسے دیکھو ایک اعرابی نے سوال کیا کہ کیا ہمارا رب ہنستا ہے؟ جواب میں فرمایا ہاں۔ آپ اس کے سوال سے کچھ متعجب نہ ہوئے۔

بلند ہمت اور پست حوصلہ میں فرق

مجلس... سب سے بڑی آزمائش یہ ہے کہ تمہیں ملی بھتی سے نوازا جائے پھر اس کے مقتضی پر عمل سے رکاوٹیں پیدا کر دی جائیں کیونکہ تمہاری ہمت کا تقاضا یہ ہوگا کہ مخلوق کے احسانات کو گراں سمجھتے ہوئے ان کے عطیوں کے قبول کرنے سے نفرت ہو لیکن

لے یعنی اللہ کو جسم سے پاک سمجھے ہی ہے اور ان چیزوں سے جو اس کے شایان شان نہیں پاک ہے ۱۲ مترجم

وہ تمہیں فقر میں مبتلا کر دے تاکہ تم ان سے قبول کرو، تمہارا مزاج لطیف ہو جاتا ہے اس طرح کہ تم وہی غذائیں استعمال کرو جن کا حصول سہل ہو اور ان کے لیے زائد زیادتی کی ضرورت ہو لیکن وہ تمہاری روزی کم کر دیتا ہے، تمہاری ہمت خرید و خوبصورت عورتوں سے متعلق کر دیتا ہے اور فقر میں مبتلا کر کے ان کے حاصل کرنے کا راستہ بند کر دیتا ہے، علوم کو تمہارا محبوب بنا دیتا ہے اور تمہارے جسم کو اس کے مطالعہ و تکرار کے لیے اور اس کو یاد رکھنے کے لیے قوی نہیں کرتا بلکہ تمہیں اتنے مال سے محروم بھی رکھتا ہے جس سے تم کتابیں خرید سکو، تمہارے شوق کو عارفین و زاہدوں کے درجات حاصل کرنے کے لیے ترقی دیتا ہے اور اس کے ساتھ اور سب دینے سے اختلاط کے اسباب بھی پیدا کر دیتا ہے اور یہ سب بھی آزمائشیں ہیں۔

ہاں! پست حوصلہ شخص جسے شوق ہے، وہ تنگی سے نفرت نہیں ہوتی، نہ ہی بدلے کا خیال بھی دل میں نہیں لاتا، تھوڑے سے علم پر قناعت کیے رہتا ہے، عارفین کے احوال حاصل کرنے کا شوق نہیں رکھتا، ایسے شخص کے لیے کسی حالت کا نہ ہونا تکلیف دہ نہیں ہوتا لیکن جو کچھ وہ پا چکا ہے اس کو اچھا سمجھتا ہے، اور وہ اس حالت میں ویسے ہی خوش رہتا ہے جیسے بچے ٹھیکریوں پر خوش ہوتے ہیں، ایسے شخص پر دنیا میں قیام کا معاملہ کس قدر آسان ہے۔

آزمائش اور مصیبت تو بلند حوصلہ عارف پر ہوتی ہے جس کی ہمت بلند اس کو تمام اضداد کے جمع کرنے کی دعوت دیتی ہے تاکہ کمال کے مراتب چڑھتے رہیں لیکن اس کے قدم کو مقصود تک پہنچنے سے روک دیا جاتا ہے۔

"ہائے وہ مقام! جس کے راستے ہی میں صبر کرنے والوں کا توشہ ختم ہو جاتا ہے" (اور وہ پہنچ نہیں) اگر اس میں آزمائش کو کبھی کبھی غفلت کے حالات پیش آتے جن کی وجہ سے وہ زندہ رہتا ہے تو اس کا ہمیشہ بلند مقامات کو دیکھتے رہنا (اور نہ پہنچ پانا) اس کی ہمت کو ختم کر دیتا اور اس کا مسلسل چلتے رہنا اس کے پاؤں گھس دیتا لیکن کبھی بعض مرادوں تک پہنچ کر فرحت و سرور حاصل کرتا اور کبھی غفلت میں مبتلا کر دیا اس کے لیے زندگی کو آسان کیے ہوتے ہے۔

یہ نہایت نادر مقصود ہے جسے کم ہی لوگ سمجھ سکتے ہیں مگر اس حقیقت تک وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جن کے اندر ذہانت ہو۔

احتیاط بہتر ہے

مجلس... ایک دنیوی غرض کے حاصل کرنے کے لیے غلط تاویل سے کام لیتے ہوئے میرے نفس نے سرکشی کرنا چاہا تو میں نے اس سے کہا کہ:

تجھے خدا کی ذات کا واسطہ! اپنے کو روک کیونکہ سمندر کو عبور کرنے والا ایک ہی مشغلہ میں رہتا ہے یعنی بلاؤں اور آفات کے سمندر میں تیزی کی امواج کی کثرت کی وجہ سے ڈوبنے سے بچاؤ کی فکر میں رہتا ہے۔

جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرو تو اس کے حاصل ہونے کے ذریعے کا اندازہ کر لو اس کے نتائج پر غور کرو اور اس کے ان ثمرات پر جو حاصل ہوں گے نظر ڈالو۔ تب کیے پر پچھتاوا کم ہوگا مگر اس وقت بھی اس سے مطمئن نہ ہو کہ حق تعالیٰ کا غضب اور اعراض نتیجہ میں ملے۔

تف ہے اس چیز پر! جو حق تعالیٰ سے تعلق کو توڑ دے اگرچہ جنت ہی کیوں نہ ہو اور اے نفس! یہ جان لے کہ کوئی چیز بھی اللہ سے چھپی نہیں رہ جاتی میزان عدل میں ایک ایک ذرہ ظاہر ہو جائے گا۔ لہٰذا مردوں اور زندوں کے حالات پر نظر ڈال اور دیکھ کہ کن لوگوں کا تذکرہ خیر کے ساتھ ہوتا ہے اور کن کا شر کے ساتھ اور کن حضرات کا ذکر زیادہ ہوتا ہے اور کن کا کم۔

کتنی پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے اہل خلوت کے سامنے خلوت کا راستہ واضح کر دیا۔ حتیٰ کہ اعمال وغیرہ دیکھے بغیر ان کے دل نیک لوگوں سے متعلق ہونے لگے اور اہل شر سے نفرت کرنے لگے۔

یہ تقریر سن کر ابلیس نے کہا: کیا مخلوق کی وجہ سے تم اپنی مراد چھوڑ دو گے؟ میں نے کہا نہیں۔ اور یہ تو وہ ثمرات ہیں جو بلا نیت حاصل ہو جاتے ہیں جبکہ ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں کہ وہ نیک عمل محض اس لیے چھوڑتا ہے تاکہ اسے "ساقی" کا خطاب دے دیا جائے پھر متقی کا کیا حال ہوگا جس نے اپنے بعد ہمیشہ رہنے والے ذکر کا شرف حاصل کیا ہے۔ اگرچہ اس کی نیت نیک ہی تھی اور جزا کے ترازو میں اپنا پلڑا جھکانا چاہتا ہے:

" سَیَجْعَلُ لَہُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ " یعنی رحمٰن ان کے لیے محبت رکھ دے گا۔"

نفس نے کہا! تم نے تو مجھے عذاب پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ خواہش کو چھوڑ دینا عذاب ہی ہے۔ عقل نے کہا! تمہیں قرض کا عوض ملے گا اور جو چیزیں ترک کرو گے ان کا بدل ملے گا۔

پھر یہ بھی سوچو کہ تم سے عبادت کا کام لیا جا رہا ہے اور اجیر کے لیے مناسب نہیں ہے کہ کام کرنے کے دوران راحت کے کپڑے پہنے اور تنگی کا پورا زمانہ روزہ کا دن ہوتا ہے۔

جو شخص سزا سے ڈرا اس نے خواہشات کو چھوڑا اور جس نے قرب (نیکی) کا قصد کیا اس نے ورع پر عمل کیا۔ صبر میں ایسی حلاوت ہے جو انجام کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔

شہوت سے شکست نہ کھاؤ

مجلس... جس کے نفس نے اس کو حاصل لذت کی طرف کھینچا اور اس کی طرف رغبت نے اسے نتائج میں غور کرنے سے روک دیا جبکہ اس نے عقل کی یہ پکار بھی سنی کہ وہ کہہ رہی ہے کہ "تیرا برا ہو! ایسا نہ کر کیونکہ پھر تو بلندی سے محروم کر دیا جائے گا پستی میں گر جائے گا اور تجھ سے کہہ دیا جائے گا کہ جسے تو نے اختیار کر لیا ہے اسی میں پڑا رہ!

لیکن اس کی خواہش نفسانی نے اسے اپنی طرف متوجہ کیے رکھا اور جو کچھ اس سے کہا جا رہا تھا اس کی طرف اس نے توجہ نہیں کی تو وہ ہمیشہ پستی ہی میں گرتا رہے گا۔

اور اس کی مثال اس کتے جیسے ہوگی جس کی مثل مشہور ہے کہ ایک کتے نے شیر سے درخواست کی کہ اے درندوں کے بادشاہ! میرا نام اچھا نہیں ہے اس کو بدل کر دوسرا نام رکھ دیجئے۔ شیر نے کہا تمہارے اندر خیانت کا مرض ہے اس لیے اس کے سوا کوئی اور نام بہتر نہ ہوگا۔ کتے نے کہا میرا تجربہ کر لیجئے؟ شیر نے اسے گوشت کا ایک ٹکڑا دیا اور کہا کہ کل تک اس کو حفاظت سے رکھو جب تک میں تمہارے لیے دوسرا نام سوچ رہا ہوں۔

(دوسرے وقت) جب کتے کو بھوک لگی تو گوشت کی طرف دیکھا اور صبر کر گیا لیکن پھر جب خواہش نفس کا غلبہ ہوا تو اس نے سوچا کہ بھلا میرے نام میں کیا خرابی ہے؟ "کلب" تو بہت اچھا نام ہے۔ یہ سوچا اور گوشت کھا گیا۔

یہی مثال پست حوصلہ شخص کی ہے کہ تھوڑے سے مرتبہ پر قناعت کر لیتا ہے اور بعد میں

حاصل ہونے والے فضائل پر فوری خواہشات کو ترجیح دے دیتا ہے۔ لہٰذا جب خواہشات کی آتش بھڑکے تو اللہ سے ڈرو اور اس کی فکر کرو کہ کیسے اس کو بجھایا جائے کیونکہ بعض لغزشیں ہلاکت کے کنویں میں گرا دیتی ہیں۔ بعض نشانات مٹتے نہیں ہیں اور کسی مرتبہ کو چھوڑ دینے والا اس کی تلافی نہیں کر پاتا۔ پس فتنہ کے اسباب سے بہت دور رہو کیونکہ اس کے قریب ہونا آزمائش ہے اور ایسے شخص کے محفوظ رہنے کی کوئی توقع نہیں ہوتی۔ والسلام

جہادِ اعظم

مجلس..... میں نے تصور کیا کہ ہمارے لوگ جنگ کے میدان میں ہیں۔ وہ ہمارے شیطان ان کے اوپر خواہشات کے تیر چلا رہے ہیں اور لذت کی تلواریں مار رہے ہیں۔ بدپرہیز لوگ تو پہلے ہی ان سے چت پڑے ہوئے ہیں۔ اور بچاؤ کی کوشش کرنے والے مجاہدہ کی وجہ سے سخت مشقتوں میں ہیں۔ اور چونکہ طویل مدت تک میدانِ جنگ میں رہنے سے زخم لگنا ضروری ہے۔ لہٰذا وہ زخمی بھی ہوتے ہیں اور علاج بھی کرتے ہیں۔ البتہ قتل سے محفوظ رہتے ہیں۔ ہاں چہرے کا زخم ہمیشہ کے لیے عیب ہو جاتا ہے اس لیے مجاہدوں کو اس سے بچنا چاہیے۔ (یعنی ظاہری گناہوں کا اثر دیرپا ہوتا ہے)

دنیا جال ہے

مجلس..... دنیا جال ہے اور جاہل پہلی ہی مرتبہ پھنس جاتا ہے۔ رہا سمجھدار شخص! تو وہ بھوک پر صبر کر لیتا ہے اور دانے سے دور رہتا ہے کیونکہ سلامتی دوری رہنے میں ہے۔
کتنے صبر کرنے والے سالہا سال جدوجہد کرتے رہے لیکن آخرکار شکار ہو گئے۔
لہٰذا (اس جال سے) بہت دور دور رہنے کی کوشش کرو۔ ہم نے بہت سے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو زندگی بھر ٹھیک راستہ پر رہے پھر قبر کے کنارے پھسل گئے۔

اے عاقل! ذرا غور کر!

مجلس..... میرے بھائیو اور میری نصیحت پر کان لگانے والو! اس کا یقین رکھو کہ گناہوں کے اثرات وقتی طور پر بہت برے ہوتے ہیں اور ان کی تلخی ان کی شیرینیوں سے کئی

گناہ بڑی ہوئی ہوتی ہے اور بدلہ دینے والا گھات میں ہے کہ کوئی چیز اس سے چھوٹ نہیں سکتی اور نہ کوئی بھاگ سکتا ہے۔

کیا تفسیر میں یہ روایت ذکر نہیں کی گئی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں میں سے ہر ایک کے بارہ بیٹے ہوئے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے گیارہ ہی بیٹے ہوئے اس لیے کہ انہوں نے زلیخا کی طرف ایک لمحے کے میلان کا بدلہ دیا گیا۔ لہٰذا ایک لڑکا کم پیدا ہوا۔[1]

کس قدر افسوس ہے اس کوڑے سے مار کھانے والے شخص پر جسے درد کا احساس نہ ہو اور اس مار پر بھی جسے اپنی کچھ خبر نہیں ہے اور ان سزاؤں میں ڈوبے شخص پر جسے ان سزاؤں کا احساس نہ ہو۔ میری زندگی کی قسم! سب سے بڑی سزا یہی ہے کہ اس کے سزا ہونے کا پتہ نہ چلے۔

اور کس قدر تعجب ہے اپنے نفس کو مغالطہ دینے والے پر جو اپنے نفس کو اس کی شہوت پوری کر کے خوش کرتا ہے اور اسی کے ساتھ طاعت کر کے اپنے رب کو بھی خوش رکھنا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ "نیکی بھی کرو اور بدی بھی کرو"

تمہارا برا ہو! اپنی تنگی سے خرچ بھی کر رہے ہو اپنی پونجی برباد بھی کر رہے ہو اور اپنے مرتبہ کو عیب بھی لگا رہے ہو۔

"بعض زخم جان لیوا ثابت ہوتے ہیں بعض لغزشیں ہلاک کر دیتی ہیں اور بعض کوتاہیوں کی تلافی نہیں ہو پاتی۔"

تمہارا برا ہو! سوچو تو سہی کس چیز کے منتظر ہو اور کس چیز کے امیدوار ہو؟ اپنی نادانی توبہ اور محفوظ ہدایت کے ساتھ؟ دیکھو وہی چیز ہے جس نے جوانوں کو کمزور کر ڈالا ہے (یعنی آخرت کی سزائیں) ورنہ تو بیوی بچوں اور مال و متاع ان کے دنیا سے جانے کے بعد ان کی سے ملاقات ہوتی ہے۔ (پھر خوف کیسا؟)

ذرا اندازہ کرو کہ جتنی دنیا کی تم امید رکھتے تھے تمہیں حاصل ہوگئی پھر اس کا حاصل کیا نکلا؟ بس وہی جو یہاں مل گیا اور اس نے بھی تمہیں دنیا ہی میں مشغول کر لیا۔

اور یاد رکھو کہ لذت کا آخری گھونٹ مہلک ہوتا ہے لہٰذا تم اسے چھوڑ دو گے یا وہ

۱۔ یہ ایک تفسیر کے مطابق ہے ورنہ ایک تفسیر اس کے خلاف بھی ہے۔ مترجم

تمہیں چھوڑ دے گی۔

"ہائے وہ تلخ گھونٹ (موت) جس کے پانے کے بعد قبر جا ہوگئے کہ کاش نہ پایا ہوتا۔"

"افسوس! فکر سے محروم پر اور گھاٹ پر اترنے سے روک دیئے جانے والے پر جو گھاٹ کو دیکھ بھی رہا تھا۔"

کیا یہ قبریں تیرے ڈرنے کے لیے کافی نہیں ہیں؟ کیا زمانے کی گردشوں میں تیرے لیے کوئی تنبیہ نہیں ہے؟

کہاں ہے کوئی بادشاہ! جس نے اپنی ساری آرزوئیں پوری کرلی ہوں؟ ان کو ان کی قبروں میں پکارا! افسوس وہ اپنے پکارنے والے کی آواز سننے سے بہرے ہیں۔

"اے کل کو کھو دینے والے! اور آئندہ کل میں باقی ماندہ کے متلاشی! عمل میں لگ جا"

کس چہرے سے اپنے رب سے ملے گا؟ کیا لفظ "عتاب" تیرے گناہوں کے مساوی ہوسکتا ہے؟ (نہیں! بلکہ عتاب کے مستحق ہو)

واللہ! عتاب کے بعد جو رحمت ہوتی ہے بسا اوقات اس سے بھی دل کے اندر کا بغض نہیں نکلتا۔ پھر کیا حال ہوگا اگر عتاب کے بعد عقاب (سزا) شروع ہوگیا۔

سند متصل سے ہمیں روایت پہنچی کہ محمد ابن عبدالرحمن بصری نے فرمایا کہ میرے ایک پڑوسی نے حضرت یحییٰ بن اکثم رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

آپ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا گیا اس نے مجھ سے فرمایا اے بڈھے! تیرا ٹھکانا برا ہے۔ میں نے عرض کیا اے میرے پروردگار! آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپ اسی سال کے بوڑھوں کو عذاب دینے سے حیا کرتے ہیں اور میں زمین پر سے جانے کے وقت اسی سال کا تھا۔ ارشاد ہوا میرے رسول نے سچ کہا جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا۔

اور ایک دوسری روایت میں حضرت محمد مسلم خواص رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت یحییٰ بن اکثم رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ رب العزت نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا

اور فرمایا اے گناہ گار بڈھے! اگر تو بوڑھا نہ ہوتا تو تجھے آگ میں ڈال دیتا۔
مقصود اس روایت سے نکالا عبرت سے یہ دیکھنا ہے کہ کیا اللہ کی اس رحمت کی برابری دنیا کی لذت کا کیا ذکر جنت بھی کر سکتی ہے؟
اللہ تعالیٰ ہمیں غافلوں کی غفلت سے بیدار فرما دے اور ہم پر ہر چیز کی حقیقت کو ظاہر فرما دیں تاکہ ہم گناہوں کی خرابیاں دیکھ سکیں اور توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

تقویٰ! کلید کامیابی

مجلس..... میں ایک معاملہ میں ایسی تنگی میں پڑ گیا جو میرے لیے مسلسل غم کا سبب بن گیا۔ میں نے ان غموں سے چھٹکارے کے لیے ہر طرح کی تدبیر کی اور حیلے اختیار کیے لیکن کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ پھر یہ آیت سامنے آئی "وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا." "جو اللہ سے ڈرا اللہ تعالیٰ اس کے لیے (ہر طرح کے ہموم و غموم سے) نکلنے کی سبیل پیدا فرما دیں گے۔"
تو مجھے یقین ہو گیا کہ تقویٰ ہی ہر غم سے نکلنے کا واحد راستہ ہے۔ لہٰذا جونہی تقویٰ کے راستہ پر چلنے کا ارادہ کیا میرے لیے غم سے نکلنے کی سبیل پیدا ہو گئی۔
اسی لیے جس شخص کو بھی توکل کرتا ہو یا کوئی سبب اور ذریعہ اختیار کرتا ہو یا تفکر کرتا ہو تو اسے چاہیے کہ اللہ کے حکم کے تحت رہ کر کرے اور اس کے امر کے مطابق کرے کیونکہ اسی صورت میں ہر بندش کھلے گی۔
اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ سبیل ایسے راستہ سے پیدا ہوتی ہے جس کا اس حیلہ اختیار کرنے والے فکرمند شخص کو اندازہ بھی نہیں ہو پاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.
"اور اس کو ایسے راستے سے عطا فرما دے گا جس کا اسے گمان بھی نہ ہوگا۔"
اور متقی کو اس کا بھی یقین رکھنا چاہیے کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہیں۔ لہٰذا اسباب سے اپنا دل متعلق نہیں رکھنا چاہیے کہ ارشاد باری ہے:
وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ.

"اور جس نے اللہ پر اعتماد کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں کافی ہوگا۔"

قبولیت دعاء میں تاخیر کیوں ہوتی ہے؟

مجلس... اپنی غرض اور مقصد کے آنے میں تیرا الحاح کرنا نہایت قابل تعجب ہے اور جوں جوں اس کی قبولیت میں تاخیر ہوتی ہے تیرا اصرار بڑھتا جاتا ہے۔ حالانکہ تو یہ بھولا رہتا ہے کہ دو میں سے ایک امر کی وجہ سے تو محروم کیا جا رہا ہے۔ نمبر ۱ یا تو تیری ہی مصلحت کی وجہ سے یہ محرومی ہے کہ بعض مرتبہ تیرا پوری ہو جانے والی چیز مضر ہو جاتی ہے۔ نمبر ۲ اور یہ تیرے گناہوں کی وجہ سے کیونکہ گناہگار کی دعا قبولیت سے دور ہوتی ہے۔

لہٰذا قبولیت کے راستے کو گناہوں کے میل سے صاف رکھ! اور اپنی اس غرض پر نظر ڈال جو مانگ رہا ہے کہ آیا وہ تیرے دین کی اصلاح کے لیے ہے یا محض خواہش نفس پوری کرنے کے لیے۔ اگر محض خواہش نفس کے لیے ہو تو اس کا یقین کر کہ قبولیت میں تاخیر تیرے ساتھ لطف اور تجھ پر رحمت ہے اور تیری مثال اس مطالبہ میں اس بچے کی سی ہے جو اپنے لیے کسی مضر چیز کا سوال کرے کیونکہ اس کی رعایت یہی ہے کہ اسے نہ دیا جائے اور اگر تیرے دین کی اصلاح کے لیے ہو تو پھر بھی تاخیر ہی میں بسا اوقات مصلحت ہوتی ہے یا تیرے دین کی صلاح قبول نہ کرنے ہی میں ہوتی ہے۔

"حاصل یہ کہ تیرے لیے اللہ کی تدبیر خود تیری تدبیر سے بہتر ہے۔"

اور کبھی وہ خواہشات سے اس لیے محروم کر دیتا ہے تاکہ تیرا صبر آزمائے۔ پس تو اس کے سامنے صبر جمیل کا مظاہرہ کر جلد ہی (ان شاء اللہ) کامیابی دیکھے گا۔

اور جب تو نے قبولیت واجابت کے راستوں کو گناہوں کے میل سے صاف کر لیا اور قضا و قدر کے فیصلوں پر صبر کر لیا تو یہ سمجھ لے کہ تقدیر کا ہر فیصلہ خواہ منع کا ہو یا عطا کا تیرے لیے بہتر ہی ہوگا۔

موت کے لیے تیاری

مجلس... جس شخص کو یہ پتہ نہ ہو کہ اسے کب موت آ جائے گی اس کو موت کے لیے تیار ہی رہنا ضروری ہے۔ جوانی اور صحت سے دھوکہ نہ کھائے کیونکہ بوڑھے بہت

مرنے والوں کی تعداد کم ہے اور جوانی میں مر جانے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اسی لیے بوڑھے لوگ کم ہوتے ہیں اور کسی نے ایک شعر کہا:

یعمر واحد فیغر قوما   وینسی من یموت من الشباب

"ایک شخص لمبی عمر پا کر پوری قوم کو دھوکہ میں ڈال دیتا ہے اور جتنے جوان مرتے ہیں ان کو بھلا دیتا ہے۔"

اسی دھوکہ کا نتیجہ لمبی لمبی آرزوئیں ہیں جبکہ لمبی آرزوئیں (طول امل) بڑی آفت ہیں کیونکہ اگر ہمیشہ رہنے کی تمنا ہو تو آدمی زیادہ ہی کاہل اور بیکار رہتا ہے اور گناہ کرتے رہنا اور توبہ میں تاخیر کرنا بھی اسی کا نتیجہ ہے۔ شہوات کی طرف جھکنا اور یاد الٰہی کو بھولے رہنا بھی اسی طول امل کا اثر ہے۔

اگر تم قصر امل (آرزوؤں کو کم کرنے بلکہ ترک کرنے) پر قدرت نہ رکھتے ہو تو کم از کم قصیر الامل حضرات (آرزوؤں کو ترک کرنے والے لوگوں) جیسے اعمال ہی اختیار کرو۔ اس طرح کہ جب شام کرو تو دن بھر کے اعمال کا جائزہ لو۔ اگر اس میں کوئی لغزش نظر آوے تو اسے توبہ سے مٹاؤ، کوئی کمی نظر آوے تو استغفار سے اس کی تلافی کرو اور جب صبح کرو تو رات بھر کے اعمال کو سوچ لو۔

خبردار! تسویف اور ٹال مٹول سے بچو کیونکہ ابلیس کا سب سے بڑا لشکر یہی ہے:

وعدلک منک علی مهلة   ومقبل عمرک لم یدبر

"مہلت کے زمانے میں کچھ کر لو جو عمر گزر گئی واپس نہ آوے گی۔"

وخف هجمة لاتقیل العثا   ر تطوی الورود علی المصدر

"اس چیز کے ہجوم سے ڈرو جو لغزش معاف نہیں کرتا اور گھاٹ پر اترنے سے روک دے گا۔"

ومثل لنفسک ای الرعیل   یضمک فی حلبة المحشر

"اور اپنے نفس کے سامنے تصور باندھو کہ تم میدان حشر میں کس گروہ میں ہوگے۔"

نیز اپنے نفس کے سامنے اس کا بھی تصور پیش کرے کہ عمر کوتاہ ہے، مشاغل بہت ہیں اور موت کے وقت کوتاہیوں پر ندامت بہت ہوگی اور کوتاہیوں کی تلافی نہ کر سکنے پر حسرت بھی شدید ہوگی۔

کاملین کے ثواب کے ساتھ اس کا تصور کرو کہ تم ناقص ہو اور جد و جہد کرنے والوں کے ثواب کے ساتھ یہ سوچو کہ تم سست اور کاہل ہو۔

اپنے نفس کو ہر وقت چند نصیحت سناتے رہو اور کسی فکر میں لگائے رکھو کیونکہ نفس کی مثال سرکش گھوڑے کی سی ہے کہ اگر اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی تو پھر اس سے مطمئن نہیں ہو جا سکتا کہ وہ تمہیں کہیں گرا دے گا۔

واللہ! تمہاری خواہشات نے تمہیں گندہ کر دیا ہے اور تمہاری عمر ضائع کر دی ہے۔ اس لیے ذرا سے بچے ہوئے پانی کے بھی ضائع ہونے سے پہلے پہلے اس کی حفاظت کا انتظام کرلو۔

بہت سے محتاط لوگوں کے بازو بھی جال میں پھنس جاتے ہیں اور کتنے کمزور (نشہ میں مست) ملامت کے کنویں میں گر جاتے ہیں۔

(لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم)

اے پریشان حال! سچی توبہ کر

مجلس... بچو! گناہوں سے بچو! کیونکہ ان کے نتائج برے ہیں۔

کتنے گناہ ایسے ہیں جن کے کرنے والے مسلسل پستی میں گرتے رہے۔ اسی طرح گناہ سے ان کے قدم پھسلتے رہے، ان کا فقر بڑھتا رہا، جو کچھ دنیا فوت ہوئی اس پر حسرت بڑھتی رہی جنہوں نے دنیا پالی تھی ان پر رشک ہوتا رہا اور اگر اپنے کیے گناہ کا بدلہ ملنے لگا یعنی اغراض سے محروم ہونے لگی تو تقدیر پر اس کا اعتراض نئے نئے عذاب لاتا رہا۔

"کس قدر افسوس ہے کسی مبتلائے سزا پر! جسے سزا کا احساس نہ ہو اور ہائے وہ سزا! جو اتنی تاخیر سے ملے کہ اس کا سبب بھلا دیا جائے۔"

کیا حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نہیں فرماتے تھے کہ میں نے ایک آدمی کو اس کے فقر پر عار دلایا تو چالیس سال کے بعد خود میں فقر میں مبتلا ہو گیا؟ اور کیا حضرت ابن الجلاء نہیں فرماتے تھے کہ میں نے ایک خوبصورت لڑکے کی طرف دیکھا تو چالیس سال کے بعد قرآن شریف بھول گیا۔ پس اس مردود مرید پر سخت افسوس ہے جسے یہ خبر نہیں ہے کہ سب سے بڑی سزا، سزا کا احساس نہ ہونا ہے۔

پکی توبہ کرو ممکن ہے سزا کا ہاتھ رک جائے اور گناہوں سے خصوصاً خلوت کے گناہوں سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گناہ کرنا بندے کو اس کی نگاہ سے گرا دیتا ہے۔ اپنے اور اس کے مابین کے تعلقات کو سنوارے رکھو جیسا کہ اس نے تمہارے ظاہری احوال کو سنوارا ہے۔

اے گنہگار! اس کی ستاری سے دھوکہ میں نہ پڑ کیونکہ کبھی وہ تیری ستر تک کھول کر رکھ دیتا ہے اور اس کے علم و بردباری سے دھوکہ مت کھا کیونکہ کبھی سزا اچانک آ پہنچتی ہے۔

گناہوں پر جمنے اور قصداً سے اجتناب کا اہتمام کر کیونکہ تیرے حق میں بھی نافع ہو سکتا ہے

''حزن و غم کی غذا کھا اور آنسوؤں کا پیالہ پی''

''غم کی کدال سے تعاجات کے دل کا کنواں کھود تاکہ اس سے ایسا پانی نکلے جو تیرے جرم کی نجاست کو دھو دے''

متقی اور غیر متقی عالم میں فرق

مجلس... میرے بھائیو! اس شخص کی نصیحت سن لو جسے تجربہ اور واقفیت ہے کہ جس قدر تم اللہ کو بڑا مانو گے اسی قدر اللہ تعالیٰ تم کو بڑھا دیں گے اور جتنی تم اس کے مرتبہ کی تعظیم کرو گے اتنی ہی وہ تمہاری عظمت میں اضافہ کرے گا۔

واللہ! میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جنہوں نے اپنی عمریں علم کے مشغلے میں ختم کر دیں حتیٰ کہ بوڑھے ہو گئے لیکن حدود سے تجاوز کیا تو لوگوں کے نزدیک بے وقعت ہو کر رہ گئے لوگ ان کے علمی تبحر اور سخت مجاہدے کے باوجود ان کی طرف التفات بھی نہیں کرتے تھے

اور ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو اپنے بچپن میں اللہ تعالیٰ کا مراقبہ کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دلوں میں ان کا مرتبہ بڑھا دیا حتیٰ کہ لوگوں کے دل ان سے بچ گئے اور وہ ان کی نیکیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے لگے۔

اور ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو استقامت اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے تھے جب تک ثابت قدم رہے تب تک معاملہ ٹھیک رہا اور جب پھسلے تو اللہ کی مہربانیاں بھی ان سے زائل ہو گئیں۔

اگر اللہ کی ستاری عام نہ ہوتی اور کریم کی رحمت سب کو شامل نہ ہوتی تو یہ سب کے سب مخلوق کے سامنے رسوا ہو جاتے مگر اللہ کی عام عادت دیکھ۔ تنبیہ کی ہے اور سزائیں بھی

لطف کی رعایت رکھنی ہے۔ جیسے کہ کہا گیا ہے:

مَنْ كَانَ فِي سَخَطِهِ مُحْسِنًا ۔۔۔ فَكَيْفَ يَكُونُ اِذَا مَا رَضِي

"جو ذات اپنی ناراضگی میں بھی احسان کرتی رہتی ہو جب راضی ہوگی تب اس کے الطاف وعنایات کا عالم کیا ہوگا۔"

ہاں یہ بھی یاد رکھو! کہ عدل وانصاف میں کمی نہیں ہوا کرتی اور جلد دینے والا حاکم ظالم نہیں ہے اور "امین" کے پاس کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی۔

سزا کبھی دیر تک رہتی ہے

مجلس...اے گنہگار! جب تجھے تیری سزا کا احساس ہو تو زیادہ چیخ و پکار مت کر اور بے صبر مت بن۔ تو ہی تو تجھ پر نادم ہوا تو پھر یہ کہ وہ سزا زائل کیوں نہیں ہوئی ممکن ہے تیری توبہ ابھی طرح تمہاری نہ ہو۔

اور کبھی سزا کا زمانہ مرض کی طرح طویل بھی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے ختم کرنے کے حیلے مت تلاش کر حتیٰ کہ خود ہی اس کا وقت پورا ہو جائے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے "فعصی اور فتلقی" کے درمیان ایک طویل مدت گزری تھی۔ لہٰذا اے گنہگار! اتنی مدت صبر کر کہ تیرے آنسو تیرے دل سے نجس کپڑوں کے اندر پہنچ جائیں اور جب غم کا ہاتھ اسے نچوڑ لے اور کل مرتبہ دھلائی ہو جائے تب طہارت اور پاکی کا حکم لگایا جائے گا۔

حضرت آدم علیہ السلام اپنی لغزش پر تین سو سال تک روتے رہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام اپنی آزمائش میں اٹھارہ سال تک رہے اور حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے صاحبزادے حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں اسی سال تک روتے رہے۔

آزمائشوں اور مصیبتوں کی مدتیں متعین ہیں پھر ختم ہو جاتی ہیں۔ البتہ بعض سزائیں موت تک ساتھ لگی رہتی ہیں۔ پس تیرے لیے ضروری ہے کہ تو ہر وقت انابت کی محراب میں رہے۔ علاؤں کے عذاب کی طرح جیسے قلق والی غذا بنا دے۔ اور گریہ وبکا کا پانی پیے۔ بہا

اوقات قبولیت کی خوشخبری سنانے والا آتا ہے جو غم کے یعقوب کی بصارت واپس آ جاتی ہے۔
اور اگر تم غم وحزن کی جیل میں ہی مر گئے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دنیا کا غم آخرت کے غم کی طرف سے کافی ہو جاتا ہے اور اس صورت میں بے حد نفع ہے۔

تائب کے آنسو

مجلس... سمجھدار آدمی کے لیے ضروری ہے کہ گناہوں کے نتائج و آثار سے بچنے کی کوشش کرے کیونکہ اس کی آگ راکھ کے نیچے ہوتی ہے اور سزا میں کبھی تاخیر ہوتی ہے۔ پھر اچانک ہی آ جاتی ہے اور کبھی (تاخیر نہیں ہوتی) تو رائل جاتی ہے اس لیے گناہوں کی جو آگ اس نے روشن کر لی ہے اس کو جلد بجھانے کی فکر کرے" اور آنکھ سے جاری ہونے والے چشمے کے سوا اور کوئی چیز اس کو نہیں بجھا سکتی۔"
امید کہ حاکم (اللہ تعالیٰ) کے فیصلے سے پہلے بدلہ لینے والا فریق (اللہ تعالیٰ) معاف کر دینے پر راضی ہو جائے۔

مراقبہ اور محاسبہ

مجلس... اس شخص پر سخت حیرت ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے کے باوجود اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے جبکہ اس میں خود اس کی بربادی بھی ہے۔
کیا زندگی اسی کے ساتھ نہیں گزر رہی ہے؟ اور کیا دنیا و آخرت سب اسی کی نہیں ہے؟
تف ہے اس ناپسندیدہ کاموں میں رخصت پر عمل کرنے والے پر! جو جس کے ذریعے اپنی محبوب و پسندیدہ چیزیں حاصل کرنا چاہتا ہے۔
اے لذتوں کے طالب! خدا کی قسم جتنا وہ حاصل کرے گا اس سے دو چند اس سے فوت ہو جائے گا۔
اے صاحب ذوق! جو کچھ میں کہنے جا رہا ہوں اس کو توجہ سے سن۔
"زندگی میں جب بھی تو نے لغزش کھائی اور جب بھی کسی حال میں تجھے جھٹکا لگا وہ اللہ کی مخالفت ہی کی حالت میں ہوا۔"

ولا انثنی عزمی عن بابکم الا تعثرت باذیالی۔

"میں تیرے در سے اسی وقت ہٹا ہوں جبکہ میں لغزش کھا کر گر گیا۔"

کہا گیا کہ ایک بزرگ کی وہ حکایت سنی گئی۔ انہوں نے فرمایا کہ "میں نے بیروت کے شہر پناہ کے پاس ایک نوجوان کو اللہ کا ذکر کرتے ہوئے دیکھا۔ اس سے میں نے پوچھا تمہیں کچھ ضرورت ہے؟ اس نے کہا "مجھے جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو دل ہی دل میں اس کا سوال اللہ تعالیٰ سے کر لیتا ہوں اور وہ پوری فرما دیتا ہے۔"

اے اللہ سے تعلق رکھنے والو! تمہیں خدا کا واسطہ غفلت نہ کرو۔ پہریدار کی طرح مراقبے کے دروازے پر حاضر رہو اور اپنے دل میں ناپسندیدہ خیالات کو آنے نہ دو کہ کہیں دل کو فاسد نہ کر دیں۔ اپنے محبوب کی محبوب چیزیں حاصل کرنے کے لیے اپنی اغراض کو چھوڑ دو کیونکہ پھر تو تمہاری اغراض اور تمہیں از خود حاصل ہو جائیں گی۔

حالانکہ میں کہا کرتا ہوں کہ تف ہے ایسے شخص پر جس نے بدلے کے لیے اپنی اغراض کو چھوڑا، کیا بندگی کا یہی طریقہ ہے؟ ہرگز نہیں۔ جب میں مملوک اور غلام ہوں تو میرے لیے مناسب یہ ہے کہ میں اس نیت سے چھوڑوں کہ میرا آقا راضی ہو جائے نہ اس لیے کہ وہ مجھ کو بدلہ دے۔ پس اگر تم محب اور عاشق ہو گئے تو اس کی رضا کے لیے اپنی اغراض کو ترک کر دینے پر وصل کی لذت محسوس کرو گے۔

اے اغراض سے دھوکہ کھائے ہوئے شخص! میری نصیحت قبول کر۔ اگر تو اس کی آزمائشوں کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اسی سے فریاد کر اور اگر اس کے فیصلے کی تکلیف تجھے ستائے تو یہ سمجھ کر تو اس کے سامنے ہے (لہٰذا کوئی نازیبا جملہ منہ سے نہ نکال) اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو اگرچہ آزمائش کی بڑی سختی ہو۔ "خدا کی قسم! عقلمندوں کے نزدیک غلام کا خدمت کی حالت میں مرنا بہت پسندیدہ ہے۔"

میرے بھائیو! میں خود اپنے آپ سے کہہ رہا ہوں اور جسے میرے ساتھ چلنا ہو وہ کھٹ پٹے

کہ" اے نفس! اللہ تعالیٰ نے تجھے تیری امیدوں سے بڑھ کر عطا کیا اور تیرے

مطلوبہ مقام سے زیادہ مرتبہ تک پہنچایا۔ تیری ان برائیوں کی پردہ پوشی کی جن کی بو اگر لوگوں پر ظاہر ہو جاتی تو ان کے مشام چیخ پڑتے۔ پھر آخر اپنی اغراض کے ہونے پر یہ چیخ و پکار کیسی ہے؟ تو غلام ہے یا آزاد؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ تو دار التکلیف میں ہے؟ ایسا اعزاز دعا تو تمام ان لوگوں کے لیے مناسب تھا آخر وہ تیرا معرفت کا دعویٰ کہاں ہے؟"

اس ذات کے بارے میں کیا خیال ہے کہ اگر اس کی طرف سے ایک جھونکا آوے اور تیری بصارت ختم کر دے پھر کیا یہ دنیا تجھے بھلی معلوم ہوگی؟ تجھ پر افسوس ہے تیری وہ بصیرت کمزور ہوگئی جو سب سے عمدہ نعمت ہے اور تجھے یہ پتہ نہیں کہ تو کتنی مرتبہ کہتا ہے کہ "امید کہ ایسا ہوگا" اور "شاید ایسا ہو" جبکہ غلطیوں میں آگے ہی بڑھتا جا رہا ہے۔ زندگی کا سفینہ قبر کے ساحل کے قریب ہو چکا ہے اور کشتی میں تیرے نفع کا کچھ مال نہیں ہے۔

زندگی کے سمندر میں ضعف و کمزوری کی ہوائیں تجھ سے کھلی رہیں جس کی وجہ سے تیرے جوڑ جوڑ الگ ہو گئے اور ایسی حالت میں تو نے وہ کشتی بھی چھوڑ دی جو اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی اور تیری خواہشات کی نگاہ لوٹ لوٹ کر بچپن کی طرف دیکھتی رہتی ہے۔

تجھے خدا کا واسطہ اپنے اوپر دشمنوں کو مت ہنسا کم از کم اتنی احتیاط تو کر اور بڑی بات تو وہ ہے جواب کہتا ہوں کہ تجھے خدا کا واسطہ گھوڑدوڑ کا میدان جیتنے پر اگر تجھے قدرت ہو تو کسی آگے نکل جانے والے کے قدم تجھ سے چھوٹنے نہ پائیں۔ فرصت کا اہتمام کر عقل جیسے دوست کو ساتھ رکھ کر فکر کی تجربوں میں دوڑتا رہ اور شاید اس کے کرشمے تجھے کام دے کر سے باقی ماندہ وقت کی تلافی کر لے۔

"وائے تعجب! جوں جوں عمر اوپر جا رہی ہے تو پیچھے جا رہا ہے اور جیسے جیسے موت حقیقت بنتی جا رہی ہے تو اسے مذاق سمجھنے لگا ہے۔ کیا تو اپنے کو ان لوگوں میں دیکھنا چاہتا ہے جن پر فتنہ کی سہولت رکی گئی اور جن پر ان کی آخری عمر میں آزمائش کا فیصلہ کر دیا گیا حالانکہ تیری شروع کی زندگی اس اخیر کی زندگی سے کافی بہتر تھی اور تیرے جوانی کے احوال اس بڑھاپے کے مقابلے میں بہت عمدہ تھے۔"

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ.

"یہ امثال ہیں جنہیں ہم لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں لیکن اسے اہل علم ہی اچھی طرح سمجھ پاتے ہیں۔"

ہم اللہ تعالیٰ سے اس چیز کا سوال کرتے ہیں جس کے بغیر ہمارا کوئی مطلوب حاصل نہیں ہو سکتا اور وہ اس کی توفیق ہے۔ بیشک وہ دعائیں سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

تقویٰ کا صلہ

صحبلس... علامہ کا ایک ذاتی تجربہ ایک دن مجھے نفس کی ایک ایسی خواہش پوری کرنے پر قدرت ہوئی جو اس کے لیے پیاسے کے حق میں شیریں پانی سے بڑھ کر شیریں تھی۔ تاویل نے کہا: یہاں ورع کے سوا کوئی مانع ہے نہ رکاوٹ جبکہ معاملہ بظاہر عدم جواز کی تعلیم میں تردد میں پڑ گیا۔ آخر کار میں نے نفس کی خواہش پوری کرنے سے انکار کر دیا جس سے اس کو سخت حیرانی ہوئی کیونکہ ممانعت شرعیہ کے علاوہ اور کسی رکاوٹ کے بغیر وہ اپنی ایسی غرض سے محروم کر دیا گیا تھا جو اس کے نزدیک غایت تھی۔ تو میں نے اس سے کہا:

"اے نفس! جس طرف تو جانا چاہ رہا تھا واللہ اس کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی تھی۔"

یہ بن کر اسے غم ہوا تو میں نے پھر اسے پکارا:

"کہ میں تیری کتنی ایسی خواہشات پوری کر چکا ہوں جن کی لذت ختم ہو گئی اور ان کے کرنے پر حسرت و ندامت باقی رہ گئی۔ لہٰذا اپنی اس خواہش اور غرض کے درمیان غور کر۔ کیا لذت کے میدان میں ندامت کے سوا کچھ باقی رہا؟"

نفس نے سوال کیا کہ پھر میں کیا کروں؟ میں نے کہا:

صبرت ولا واللہ مابی جلادۃ   علی ضحب لکن صبرت علی الرغم

"میں بہت ہی صبر کر رہا ہوں حالانکہ مجھ میں سرکشی کی سکت نہیں ہے لیکن مجبوراً صبر کرنا ہی پڑتا ہے۔"

اور اب میں اللہ تعالیٰ کی جناب سے اس عمل پر بہترین بدلے کا منتظر ہوں اور اس مسودہ کا یہ صفحہ اس توقع پر خالی چھوڑتا ہوں کہ اس صبر پر ان شاء اللہ جلد ہی بہتر صلہ ملے گا۔ پھر اسے اس خالی جگہ لکھوں گا چونکہ صبر کا بدلہ کبھی جلد مل جاتا ہے اور کبھی تاخیر سے۔ پس اگر

جلدی مل گیا تو لکھ دوں گا اور اگر تاخیر ہوئی تو یہ سمجھو کہ مجھے اس شخص کے لیے جزائے حسن کے متعلق ذرا بھی شک نہیں ہے جو اپنے رب کے سامنے کھڑا کیے جانے سے ڈرا کیونکہ جب اس نے اللہ کے لیے ایک چیز چھوڑی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کا عمدہ عوض ضرور عطا فرمائیں گے اور واللہ! میں نے اس خواہش کو اللہ ہی کے لیے چھوڑا ہے۔

اور اس کا آخرت کے لیے ذخیرہ بن جانا بھی میرے لیے کافی ہے۔ چنانچہ اگر قیامت کے دن مجھ سے پوچھا گیا کہ ایک دن تم نے اپنی خواہش پر اللہ کی رضا کو ترجیح دی تھی یاد ہے؟ تو میں کہوں گا ہاں مجھے یاد ہے کہ فلاں دن فلاں وقت میں نے ایسا کیا تھا۔

پس اے نفس! اس ذات کی توفیق پر شکر کر جس نے تجھے اس کی توفیق دی ورنہ تیرے علاوہ کتنے لوگ محروم کر دیے گئے ہیں؟ تم بھی اس جیسے کام سے پرہیز کرو اور اس کا تقاضا کو کہ طاعت کی اور گناہوں سے بچنے کی قوت عقل کی نصرت پر موقوف ہے جو نہایت بہتر اور صاحب عظمت ہے۔

وہ واقعہ (جو ابھی اوپر مذکور ہوا اور جس کے لیے صفحہ خالی چھوڑا گیا تھا کہ جب بہتر جلد مل جائے گا تو اس پر لکھوں گا) ۵۶۱ھ کا تھا جب ۵۶۵ھ شروع ہوا تو مجھے اس کا ایسا عوض عطا فرما دیا گیا جو ان موانع اور رکاوٹوں سے محفوظ تھا جن سے ورع و تقویٰ مانع تھا۔

میں نے سوچا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنی خواہش چھوڑنے کا دنیا میں صلہ ملا ہے اور آخرت کا اجر تو اس سے کہیں بہتر ہوگا۔ والحمد للہ

عقل کا حق ادا کرو

مجلس... مباح طریقہ سے دنیاوی لذتوں کے طلب کرنے والے پر میں نکیر نہیں کرتا کیونکہ ہر شخص ان کو ترک کر دینے پر قادر نہیں ہو پاتا۔ البتہ یہ لذتیں اس شخص کے لیے آزمائش ہو جاتی ہیں جو ان کا طالب ہو پھر سب کو یا اکثر کو حرام طریقہ سے حاصل کرے۔ ان کے حصول کی کوشش کرے لیکن اس کی پروا نہ کرے کہ کیسے حاصل ہوئیں۔ پس یہی وہ فتنہ ہے جس میں عقل اپنے حق سے محروم کر دی گئی ہے اور صاحب عقل اپنی عقل سے کچھ نفع نہیں اٹھا سکتا ہے کیونکہ جب بھی اس لذت اور اس کی سزا کو وزن کیا جائے گا تو سزا کا پہلو ذرہ رکھتے ہی فنا ہو جانے والی لذت کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا۔

ہم نے کتنے ایسے لوگ دیکھے ہیں جنہوں نے اپنی خواہشات کو ترجیح دی تو ان کا دین سلب کر لیا گیا۔ ایسے وقت سمجھدار شخص کو تعجب ہوتا ہے کہ کیسے انہوں نے اس چیز کو ترجیح دی جس کے ساتھ بھلائی بھی شدہ تھے اور ایسی سزا میں مبتلا ہو گئے جو ان سے بھی بھاری نہیں ہوتی۔ پس عقل کا حق ادا کرنے کے متعلق اللہ سے ڈرو اور سالک کو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ اپنا قدم کہاں رکھ رہا ہے کیونکہ "بعض چند باز ہلاکت کے کنویں میں گر پڑے ہیں" اور جھگڑا بیداری کی نگاہ کھلی رکھنی چاہیے کیونکہ تم لوگ جنگ کے ایسے میدان میں ہو جس میں یہ پتہ نہیں کہ تیر کہاں سے آ لگے گا۔

اپنی مدد کرو اپنے خلاف (اپنے دشمن کی) مدد کرنے لگو۔

بندگی کی حقیقت

مجلس۔ حق تعالیٰ اپنے بندہ سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں لیکن اس کے ساتھ ایسا معاملہ فرماتے ہیں جیسے کہ اس سے دور اور غائب ہوں۔ چنانچہ اپنے لیے نیت کرنے اور اپنی طرف ہاتھ اٹھانے اور اپنے سے مانگنے کا امر فرمایا۔

اس کی وجہ سے جاہلوں اور کم عقلوں کے دل اسے دور محسوس کرنے لگے۔ پھر ان سے گناہ ہونے لگے ورنہ اگر یہ لوگ اس کے حاضر و ناظر ہونے کا مراقبہ ہو جاتا تو وہ اپنے آپ کو غلطیوں سے بچانے کی کوشش کرتے۔ اس کے برخلاف بیدار طبیعت حضرات چونکہ اس کے قریب ہونے کا تصور رکھتے ہیں اس لیے ان کو اس مراقبہ کا استحضار رہتا ہے اور وہ اپنے کو قابو میں رکھتے ہیں۔

اور اگر حقیقی مراقبہ (مقام شہود) کی نگاہ پر ایک قسم کا پردہ نہ ہوتا تو ہاتھ کھانے سے رک جاتے اور نگاہ کسی طرف دیکھنے پر قادر نہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ اسی قبیل سے ہے:

انه ليغان على قلبي۔ (میرے دل پر ایک غبار سا چھا جاتا ہے)

اور جب مراقبہ سچا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے انس حاصل ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ انس اسی کو حاصل ہوتا ہے جو فرمانبرداری کرتا ہو کیونکہ مخالفت اور نافرمانی سے وحشت پیدا ہوتی ہے جبکہ موافقت اور فرمانبرداری سے اصحاب انس کا انس بڑھتا ہے۔ "کیا خوب ہے اصحاب انس حضرات کی زندگی کی لذت! اور ہائے وحشت زدہ حضرات کی محرومی!"

بندگی محض نماز اور روزہ کا نام نہیں ہے۔ جیسا کہ اکثر نادان سمجھتے ہیں بلکہ بندگی نام
ہے تمام اوامر کے بجا لانے اور تمام ممنوعات ونواہی سے اجتناب و پرہیز کرنے کا۔ یہی
اصل اور قاعدہ کلیہ ہے۔

چنانچہ دیکھو کتنے عبادت گزار محض اس وجہ سے خدا تعالیٰ سے دور ہیں کہ وہ اوامر کی
مخالفت کرکے اور نواہی پر عمل کرکے حصول رضا کو ضائع کرنے والے اور قاعدہ کو توڑنے والے ہیں۔

خوب سمجھ لو اعقل وہ شخص ہے جس نے نفس کے بہی سہی ترازو کی ڈنڈی مضبوط پکڑی
پھر جو واجب ہوا ادا کر دیا اور جو ممنوع تھا اس سے پرہیز کیا۔ ایسے شخص کو اگر زیادہ کی توفیق
ہوئی تو اس نے اسے نفل بنالیا۔ ویسے ان نوافل کا نہ ہونا اس کے حق میں مضرت نہ ہوگا (کیونکہ
وہ حق واجب ادا کرچکا ہے) والسلام

خوشگوار ازدواجی زندگی کا دستورالعمل

مجلس... دنیا ایک صرف آن گزرگاہ ہے اس لیے انسان کو چاہیے کہ تمہ اس کی
لذات کے حاصل کرنے میں مقابلے کے بجائے اس کو پار کرنے کی کوشش کرے۔

ویسے اگر وہ ذبح کی کیفیت اور ذبح کرنے والوں کی گندی حالت نیز چمڑی وغیرہ اتارنے
کے طریقہ کو سوچے تو اسے کوئی کھانے کی چیز اچھی نہ لگے اور اگر وہ اس پر غور کرے کہ لقمہ کس
طرح تھوک شامل کرنے میں چبایا جاتا ہے تو اسے حلق سے نیچے اتارنا گوارا نہ کرے۔

ازدواجی حالات سے تعلق نہیں یا تو مباح لذتوں کے حاصل کرنے سے اس کا مقصد عیش و عشرت
ہوگا یا وقتی ضرورتوں کو پورا کرنا مقصود ہوگا۔ دونوں میں جس کا بھی وہ طالب ہو تو اسے چاہیے کہ وہ
اپنے مطلوب کی حقیقت اور باطن کے متعلق زیادہ نہ سوچے کیونکہ (مثلاً) اگر وہ بیوی کی ستر دیکھے
گا تو اس سے نفرت کرنے لگے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی
ہیں کہ "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر نہیں دیکھی نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری"

اسی لیے سمجھدار شخص کو چاہیے کہ ایک وقت متعین کرکے اس میں بیوی کو پہلے بناؤ سنگار
کرنے کا حکم دے پھر (جب اس کے پاس جائے تو) اس کی ستر سے نگاہ بند کیے رکھے تاکہ

لذت اور لطف تادیر باقی رہ سکے (ورنہ کچھ دنوں میں طبیعت بھر جائے گی اور نفرت ہو جائے گی) اور بیوی کو بھی چاہیے کہ اپنی نگرانی کرے اور شوہر کے سامنے اچھی حالت ہی میں آوے ایسا کرنے سے تادیر راحت باقی رہے گی۔

اس کے برخلاف اگر معمولی اور عام کپڑوں میں آوے گی تو اس کے عیوب ظاہر ہوں گے پھر شوہر کا جی اس سے (بھر جائے گا اور) نفرت کرنے لگے گا اور دوسری بیوی کا مطالبہ کرنے لگے گا اور پھر دوسری بیوی میں بھی یہی صورت پیش آوے گی۔

اور جس طرح بیوی شوہر کے لیے بناؤ سنگھار کرے شوہر کو بھی اپنی بیوی کی خاطر اپنے کو صاف ستھرا رکھنا چاہیے تاکہ تعلقات درست رہیں اور محبت تادیر باقی رہے۔

اور اگر ایسی کوئی صورت جس سے نفس نفرت کرتا ہے ایسے شخص کے ساتھ پیش آ گئی جس کے مزاج میں نفاست ہو تو پھر یا تو وہ بیوی سے بے رخی کرنے لگے گا یا دوسری بیوی لانے کی فکر کرے گا جبکہ بے رخی کی صورت میں اپنی ضرورتوں سے صبر کرنا پڑے گا اور بیوی بدلنے کی صورت میں زیادہ خرچ کی ضرورت پڑے گی اور دونوں صورت تکلیف دہ ہے۔

اور جب تک آدمی ان چیزوں کو نہ برتے جن کو ہم نے بیان کیا نکاح کے معاملہ میں اس کو خوشگوار زندگی نہیں حاصل ہو سکتی اور مناسب طریقہ سے زندگی نہیں گزار سکے گا۔

منعم حقیقی کے حقوق

مجلس۔۔۔ایک بار میرے نفس نے ایک ناجائز کام کے سلسلے میں کشمکش شروع کی اور اس کے لیے طرح طرح کی تاویلات پیش کرکے اس کی کراہت کو ختم کرنا چاہا حالانکہ اس کی ساری تاویلات غلط تھیں اور جو کراہت ظاہر تھی میں نے اپنے دل سے اس وسوسے کے دفع کرنے کے لیے اللہ کی مدد چاہی۔ چنانچہ میں قرآن شریف پڑھنے میں لگ گیا۔ اس وقت میرا ورد سورۂ یوسف تک پہنچا تھا جس نے سورۂ یوسف کھولی لیکن اس وسوسے میں میرا دل کچھ اس طرح ڈوبا ہوا تھا کہ میں پڑھتا چلا گیا مگر کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ پڑھتے پڑھتے جب میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر پہنچا "قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ" (حضرت یوسف علیہ

السلام نے کہا اللہ کی پناہ! بھلا میں عزیز مصر سے خیانت کروں گا جبکہ (وہ میرا مالک ہے مجھے اچھا ٹھکانا دینے والا ہے) تو اچانک میں چونکا ایسا معلوم ہوا جیسے مجھ ہی سے یہ خطاب کیا گیا ہو۔ جب مجھے اس غفلت کی مدہوشی سے افاقہ ہوا تو میں نے اپنے نفس سے پوچھا تو نے کچھ سمجھا؟

وہ (حضرت یوسف علیہ السلام) ایک آزاد تھے غلطاً فروخت کر دیئے گئے تھے پھر بھی انہوں نے اس شخص کے حق کی رعایت کی جس نے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا تھا اور اسے مالک کہا حالانکہ وہ کسی کی ملکیت میں نہ تھے چنانچہ فرمایا "اِنَّهٗ رَبِّیْ" (وہ میرا مالک ہے) پھر اس شخص کی ایذا اور رسوائی سے پرہیز کرنے کا سبب بتلاتے ہوئے مزید یہ فرمایا کہ "اَحْسَنَ مَثْوَایَ" (مجھے اچھا ٹھکانا دینے والا ہے) پھر تو اپنا حال بتا جب کہ تو واقعۃً ایسے مالک کا غلام ہے بدام ہے جس کی بخشش وجود کا فیضان تیرے ابتداء وجود سے مسلسل قائم ہے اور جس نے تیری لغزشوں کی بے حد و بے شمار ستاری فرمائی ہے۔

کیا تجھے یاد نہیں؟ کیسے اس نے تیری پرورش کی، تجھے علم کی دولت سے نوازا، تیری روزی کا انتظام کیا، تجھ سے تکلیفوں کو دور کیا، تجھے بھلائیوں سے سرفراز کیا، تجھے عمدہ طریق کی ہدایت کی اور ہر طرح کے مکاید سے نجات دی اور ظاہری حسن صورت کے ساتھ باطنی جودت ذہن عطا کی اور تیرے لیے علوم کے مدارج و مدارک کس طرح آسان فرما دیئے کہ ذرا سی مدت میں تو نے اتنے علوم حاصل کر لیے جو دوسرے لوگ مدت مدید میں بھی نہ حاصل کر سکے اور تیری مہارت زبان کی جولانگاہ وغور رساں علوم کو فصاحت و بلاغت کے لباس فاخرہ سے آراستہ کیا پھر مزید یہ کہ خلق خدا سے تیرے عیوب کو مخفی رکھا جس کے نتیجے میں انہوں نے تیرے ساتھ حسن ظن کا معاملہ کیا، اس نے تجھے روزی بلا مشقت کے اور بغیر تنگی کے اور بغیر کدورت منت غیر کے عطا فرمائی۔

واللہ! میں نہیں سمجھ پا رہا ہوں کہ تجھ پر ہونے والی کن کن نعمتوں کا تذکرہ کروں؟ حسن صورت اور صحت اعضاء کا یا سلامت طبع اور اعتدال مزاج کا، طبیعت کی لطافت کا ذکر کروں جو ہر طرح کی خست سے پاک ہے یا رشد و خیر کے ان الہامات کا جن کا مورد تو بچپن سے ہوا، یا برائیوں اور لغزشوں سے حفاظت کی تشریح کروں یا اس وصف کی کہ تجھ کو قرآن واحت

اور اتباع آثار کا طریقہ اس طرح محبوب کر دیا گیا کہ کسی بڑی شخصیت کی بے جا تقلید پر مجبور نہیں ہوا اور کسی مبتدع کی جماعت میں تیرا شمول نہ ہوا۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

"اور اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔"

کتنے فتنہ ساز لوگوں نے تیرے لیے دام فریب بچھائے لیکن اس نے تیری حفاظت کی اور کتنے دشمنوں نے تیری عیب جوئی کر کے تجھے تیرے مرتبے سے گرانا چاہا لیکن اس نے تجھے ترقی بخشی، کتنے لوگوں کو آرزوؤں کی شراب نے دھوکا دے کر ان کو پیاسا رکھا لیکن تجھے سیراب کر دیا، کتنے ایسے لوگ ہوئے جو تیرے بعض مقاصد کو بھی حاصل نہیں کر سکے اور انہیں دنیا سے اٹھا لیا اور تجھے زندہ باقی رکھا۔ چنانچہ تیری صبح و شام ہمیشہ اس حالت میں ہوتی ہے کہ تیرا جسم بھی سلامت ہوتا ہے، تیرا دین بھی محفوظ ہوتا ہے اور تیرا علم بڑھتا اور مقاصد پورے ہوتے رہتے ہیں۔ پھر اگر تم کسی مراد سے محروم کر دیئے جاتے ہو تو تمہیں اس پر صبر کی توفیق دے دی جاتی ہے اور اس کے ساتھ محرومی کی حکمت بھی تجھ پر واضح ہو جاتی ہے۔ لہٰذا سر تسلیم خم کیے رہو حتیٰ کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ اس وقت محرومی ہی بہتر تھی۔

اور اگر میں ان نعمتوں کو شمار کرنے بیٹھوں جو مجھے اس وقت یاد آ رہی ہیں تو دفتر بھر جائیں اور تحریر مکمل نہ ہو اور اے نفس! تجھے خوب پتہ ہے کہ جن نعمتوں کا میں نے ذکر نہیں کیا ابھی وہ بہت ہیں اور جن کے ذکر کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے ان کی تفصیل نہیں کی گئی۔

اب سوچو! بھلا وہ کام کرنا کیسے ٹھیک ہو گا جسے حق تعالیٰ ناپسند کرتے ہیں۔

مَعَاذَ اللّٰهِ! اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۔

"اللہ کی پناہ! وہ میرا مالک ہے مجھے اچھا ٹھکانا دینے والا ہے، بے شک ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوا کرتے۔"

حدود کے قریب نہ جانا

فصل... میں نے فتنہ کے قریب جانے سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں دیکھا۔ کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ فتنہ کے قریب جانے والا اس میں پڑ نہ جائے، اور جو بھی کسی حد کے قریب پہنچا

اندیشہ ہے کہ اس میں جا پڑے گا۔

ایک عقلمند کا قول ہے کہ ایک مرتبہ مجھے ایک ایسی لذت کی چیز پر قدرت ہوئی جو بظاہر حرام معلوم ہوتی تھی لیکن اس کے مباح ہونے کا بھی احتمال تھا۔ میں نے اس کے ترک کے لیے نفس سے مجاہدہ کیا تو اس نے کہا چونکہ تم قادر نہیں ہو اس لیے چھوڑ رہے ہو اس کے قریب تو چلو جب اس پر قابو پا جاؤ تب چھوڑ دینا اس وقت تم حقیقتاً تارک ہو گے میں نے ایسا ہی کیا اور اس پر قابو پا کر اسے چھوڑ دیا۔ پھر دوسری مرتبہ بھی ایک ایسی ہی تاویل کر لی جس سے جواز کا پہلو نکلتا تھا۔ اگرچہ دوسرے پہلو کا بھی احتمال تھا لیکن جب میں نے اس کی موافقت کر لی تو میرے دل میں اس اندیشے سے ظلمت پیدا ہو گئی کہ کہیں حرام نہ رہا ہو تب میں نے سمجھا کہ کبھی وہ مجھ پر رخصت اور تاویل کے بہانے سے غالب آ جاتا ہے اور کبھی میں اس پر مجاہدے سے غالب آ جاتا ہوں۔

اور جب میں رخصت کو اختیار کرتا ہوں تو اس سے مطمئن نہیں ہو پاتا۔ سوچتا ہوں کہیں وہ حرام نہ ہو پھر جلدی ہی اس فعل کا اثر دل میں محسوس بھی ہو جاتا ہے۔ پھر چونکہ نفس کی تاویلات پر اطمینان نہیں ہوا اس لیے میں نے سوچا کہ اس کام کی طمع کا دل سے خاتمہ ہی کر دینا چاہیے۔ اس باب میں غور کرنے کے بعد اس کے سوا اور کوئی بات نہیں سمجھ میں آئی کہ نفس سے صاف صاف عہد لیا جائے کہ مان لیا کہ یہ کام قطعی طور پر مباح ہے لیکن قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اب میں یہ کام بالکل نہ کروں گا۔ اس قسم اور اس عہد کے بعد اس کی طمع ختم ہو گئی اور نفس کو اس جیسے عمل سے باز رکھنے کی سب سے بہتر تدبیر یہی ہے کیونکہ اس کی تاویل میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ قسم کو توڑنے اور کفارہ کے ادا کرنے پر مجبور کر دے۔

لہٰذا سب سے عمدہ اور بہتر صورت یہی ہے کہ فتنہ کے اسباب ہی کو ختم کر دیا جائے اور جب جائز رخصتیں ناجائز امور تک پہنچانے لگ جائیں تو بہتر یہی ہے کہ رخصتوں کو ترک کر دیا جائے اور توفیق اللہ عزوجل دیتا ہے۔

نفس کی سرکشی حجاب ہوتی ہے

مجلس... گنہگار کو اگر عین گناہ کی حالت میں اللہ سے غفلت نہ ہو تب تو وہ دشمن

کی مانند ہوتا مگر یہ کہ غفلت نفس اس مرض کے سمجھنے سے حجاب بن جاتی ہے اور اسے صرف
اپنی خواہش پوری کرنے کی دھن ہوتی ہے ورنہ اگر اسے مخالفت خداوندی کا تصور ہوتا تو اس
نافرمانی کے نتیجے میں دین تو سے نکل جاتا لیکن اسے تو صرف اپنی خواہش کی تکمیل پیش نظر
ہے۔ خدا کی مخالفت محض ضمناً اور تبعاً ہوتی ہے۔

اور عموماً یہ حالت اس وقت پیش آتی ہے جبکہ آدمی کسی قصد (گناہ) کے قریب پہنچتا ہے
اور ایسا کم ہوتا ہے کہ آدمی گناہ کے قریب پہنچے اور اس کا ارتکاب نہ کرے۔ اس لیے کہ اس
کی مثال ایسی ہے جیسے آتش گیر مادہ کے قریب آگ لے جانا۔

پھر یہ بھی ہے کہ اگر فقط آدمی اتنا ہوش کر لیتا کہ خواہش ایک لمحہ کے لیے پوری کرے گا
لیکن اس پر سالہا سال حسرت وندامت باقی رہے گی تو کبھی اس کے قریب نہ جاتا اگرچہ اس کو
ساری دنیا کی دولت دے دی جاتی مگر نفس کی سرمستی خیال وہوش کے درمیان حجاب ہو جاتی ہے۔
آہ! کتنی معصیتیں ہیں جو ایک لمحہ میں ختم ہو گئیں لیکن ان کے نتائج و آثار باقی رہ گئے
مگر اسے گمان ہے کہ ان پر ندامت کی گئی تو بھی کچھ باقی رہتی ہے۔

گناہوں سے بچنے کا سب سے بہتر راستہ یہ ہے کہ نفس کے اسباب کو چھوڑ دے اور نہ اس کے
قریب جائے جس نے اس کو سمجھ لیا اور ان سے بچنے کا خوب اہتمام کیا وہ فلاح کے بہت قریب ہے۔

وہ جن کا امتحان سخت ہے

مجلس... آزمائش لوگوں کے مرتبے کے اعتبار سے ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ تم بہت
سے لوگوں کو دیکھو گے کہ جو کچھ دین و دنیا انہیں مل چکی ہے اسی پر راضی اور مطمئن ہیں۔ یہ وہ
لوگ ہیں جنھوں نے نہ تو صبر کے مقامات بلند کا ارادہ نہیں کیا یا یہ کہ انہیں امتحانات اور
آزمائشوں کی تاب نہیں ہے اس لیے ان کے لیے سہولت کی راہ اختیار کی گئی۔

بڑا دوگرا امتحان تو یہ ہے کہ تمہیں ایسی ہمت بلند سے نوازا جائے جو تمہارے حق میں
ورع کامل، حسن اسلام اور مقامات علم کے حصول سے کم پر راضی نہ ہو۔ پھر تمہارے ساتھ یہ
نفس بھی لگا دیا جائے جو مباحات کی رغبت رکھتا ہو اور جس کا دعویٰ یہ ہو کہ مباحات کو اختیار
کرنے ہی سے وہ اپنی فکر مجتمع رکھ سکتا ہے اور اپنے مرض سے شفا پا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں

تمہیں فضائل و کمالات کے حاصل کرنے میں اس علت نفس کی مزاحمت سے دوچار ہونا پڑے گا اور یہ دونوں حالتیں (یعنی ہمت بلند اور نفس کی یہ حالت) بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں اس لیے کہ دنیا اور آخرت آپس میں سوکنیں ہیں۔

اس لیے اس مقام پر واجبات کی رعایت ضروری ہے۔ نیز یہ نفس کو جائز امور میں اتنی گنجائش نہ دے دی جائے کہ کسی واجب تقویٰ سے تجاوز کر جانے کا اندیشہ ہو۔

اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ مباحات کے دروازے کا کھولنا بھی کبھی دین میں بے حد نقصان کا سبب بن جاتا ہے اس لیے پانی کو کھولنے سے پہلے ہی بند خوب مضبوط کر لو اور جنگ سے پہلے ہی زرہ پہن لو اور جو عمل کرنے جا رہے ہو اس میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہی اس کے نتائج پر غور کر لو اور جس چیز سے نقصان کا اندیشہ ہو اگرچہ یقینی نہ ہو اس سے سختی سے احتراز کرو۔

اپنا قیمتی وقت نفیس علوم میں لگاؤ

مجلس:۔ طالب علم کے لیے مناسب یہ ہے کہ حفظ و مذاکرہ کا پورا اہتمام رکھے اس لیے اگر سارا وقت اسی میں صرف ہو تو بہتر ہے لیکن بدن ایک سواری ہے اور سواری کو مسلسل چلاتے رہنے میں سفر کے رک جانے کا اندیشہ ہے۔

اور چونکہ قویٰ تھک جایا کرتے ہیں اس لیے انہیں تجدید نشاط کی ضرورت ہوتی ہے اور چونکہ لکھنا، مطالعہ کرنا اور تصنیف بھی ضروری ہے لیکن علوم کو حفظ کرنا زیادہ اہم ہے اس لیے اوقات کو دونوں پر تقسیم کرنا ضروری ہے۔ پس مناسب یہ ہے کہ یاد کرنا تو صبح و شام کے اوقات میں ہو اور باقی اوقات کو لکھنے، مطالعہ کرنے اور بدن کی راحت اور اس کے حقوق حاصل کرنے کے درمیان تقسیم کر لیا جائے۔

پھر یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ وقت کے ان شرکاء کے درمیان بے انصافی ہو کیونکہ جب ان میں سے کوئی ایک اپنے حق سے زیادہ وقت لے لے گا تو دوسرے کا حق مارا جائے گا اور اس کا غلط اثر ظاہر ہوگا (یہ تنبیہ اس وجہ سے کی گئی کہ) نفس تذکرہ و تکرار سے گھبراتا اور لکھنے، مطالعہ کرنے اور تصنیف کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے کیونکہ یہ مشاغل اس پر آسان بھی ہوتے ہیں اور خواہش کے مطابق بھی۔

آدمی اپنی سواری کو بیکار نہیں چھوڑے گا اور اتنا بوجھ بھی نہ لادے جو اس کے بس سے باہر ہو۔

اور عدل وانصاف ہی سے مقصد کا حصول ممکن ہے۔

اور جو شخص جادۂ مستقیم سے ہٹا اس کی راہ طویل ہوئی۔

اور جس نے ایک منزل کی مدت میں کئی منزلیں طے کر ڈالیں اندیشہ ہے کہ اس سے وہ مقصد ہی فوت ہو جائے جس کے لیے اس نے محنت کی۔ بایں وجود یہ انسان کو تحریص و ترغیب کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ محنت کے مقابلے میں کاہلی اس کو زیادہ دامن گیر ہوتی ہے۔

بہرکیف، طلب علم میں اہم علوم کا اہتمام ضروری ہے کیونکہ مثلاً ایک حدیث کے طالب علم نے اس حدیث "مَنْ اَتَی الْجُمُعَةَ فَلْیَغْتَسِلْ" (جو جمعہ کی نماز میں شرکت کا ارادہ رکھتا ہو اسے غسل کر لینا چاہیے) کو بیس سندوں کے ساتھ یاد کیا۔ حالانکہ حدیث تو ایک سند سے بھی ثابت ہو جاتی تھی تو اس مشغولیت نے اس آداب غسل کی معرفت سے غافل کر دیا۔

زندگی تھوڑی ہے اور اس سے حیثیتی ہے کہ اس کا ایک سانس بھی ضائع کیا جائے۔

اور صحیح فیصلوں کی طرف رہنمائی کے لیے عقل ہی کافی ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے۔

باطن کی درستگی ہی مقبولیت کی اصل ہے

صحیفہ۔ جب عالم کی نیت درست ہوتی ہے تو وہ تکلفات کی مشقت سے بچ جاتا ہے۔ جب کہ بہت سے علماء "لا ادری" (مجھے یہ معلوم نہیں) کہنے سے گھبراتے ہیں اس لیے وہ فتویٰ دے کر اپنے مرتبہ کی حفاظت کرتے ہیں تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ انہیں جواب معلوم نہ تھا۔ اگرچہ انہیں خود اپنے فتویٰ پر یقین واطمینان نہ ہو اور یہ انتہائی بے توفیقی ہے۔

چنانچہ امام مالک ابن انس رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ آدمی نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے فرمایا مجھے معلوم نہیں اس نے عرض کیا میں آپ کے پاس بہت لمبا سفر طے کر کے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا اپنے وطن واپس جاؤ اور وہاں لوگوں سے کہہ دینا میں نے مالک سے یہ مسئلہ پوچھا تھا اور انہوں نے کہہ دیا تھا مجھے معلوم نہیں۔

ملاحظہ کیجئے تم نے اس امر کی دیانت وعقلمندی کو انہوں نے کلفت سے کیسی راحت پائی

اور اللہ عزوجل کے نزدیک بھی محفوظ رہے۔

پھر اگر مقصود لوگوں کے نزدیک جاہ اور مرتبہ ہے تو خیال کرنا چاہیے کہ لوگوں کے دل تو دوسروں کے قبضہ میں ہیں۔ واللہ میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نماز روزہ کا بڑا اہتمام کرتے تھے بکثرت خاموش رہا کرتے تھے اپنی ذات اور لباس سے خشوع کا اظہار کرتے تھے لیکن لوگوں کے دل ان سے نفرت کرتے تھے اور دلوں میں ان کا مرتبہ کچھ بھی نہ تھا۔

اور ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو لباس فاخرہ پہنا کرتے تھے زیادہ نفل وغیرہ بھی نہیں پڑھتے تھے اور خشوع بھی نہ کرتے تھے لیکن دل ان کی محبت پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ میں نے اس کے سبب پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا سبب باطن ہے۔ جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کی نمازیں اور دن کے روزے زیادہ نہ تھے ہاں البتہ باطن ان کا بہت اچھا تھا۔

لہٰذا جس نے اپنا باطن درست کرلیا اس کے فضل کی خوشبو پھوٹے گی اور لوگوں کے دل اس کی خوشبو سے معطر ہو جائیں گے۔ باطن کے بننے میں اللہ سے ڈرو اور اس کا لحاظ رکھو کیونکہ فساد باطن کے ہوتے ہوئے اصلاح ظاہر کچھ مفید نہیں۔

محرومی میں حکمتیں

مجلس..... ایک مرتبہ میں سخت تنگی میں مبتلا ہوا کشادگی اور راحت کے لیے بہت دعائیں کیں لیکن قبولیت میں تاخیر ہوئی جس کی وجہ سے دل میں بیقراری اور گھبراہٹ پیدا ہوئی تو میں نے اپنے نفس سے خطاب کیا۔

تیرا ناس ہو! ذرا تو اپنی حالت پر غور کر کیا تو کسی کا غلام ہے یا مالک؟ تیری تدبیر کسی اور کے ہاتھ میں ہے یا تو خود "مُدَبِّر" ہے؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ دنیا امتحان کا گھر ہے پھر جب تو نے اپنی اغراض کو طلب کیا لیکن پھر خدا کے موافق پر تو نے صبر نہیں کیا تو بتا کیا ہوا؟ اچھا تو تم حق سے ناشناقی اور مقاصد سے محرومی کو بے وجہ اپنے مکلف ہونے کا معنی سمجھ جبکہ تجھ پر مشکل امور آسان اور دشوار چیزیں حل بھی ہو چکی ہیں۔

جب نفس نے میری باتوں پر غور کیا تو اسے تھوڑا سا سکون ہوا۔

میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس ایک اور جواب ہے وہ یہ کہ تو اللہ تعالیٰ سے تو اپنی اغراض کو پورا کرنا چاہتا ہے لیکن تو خود اپنے سے اس کے فرائض و واجبات کو پورا کرنے کا مطالبہ نہیں کرتا حالانکہ یہ سراسر نادانی ہے کیونکہ حق تو یہ تھا کہ معاملہ برعکس ہوتا اس لیے کہ تو غلام و مملوک ہے اور مجبور بندہ، غلام اپنے آپ سے مالک کے حقوق کی ادائیگی کا مطالبہ کرتا ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ مالک کے لیے میری خواہشات کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔

اس جواب سے اسے پہلے سے زیادہ سکون ہوا۔

میں نے پھر اس سے کہا کہ میرے پاس ایک تیسرا جواب بھی ہے وہ یہ کہ تو خود قبولیت دعا میں تاخیر کا سبب بنتا ہے کیونکہ تو نے ہی قبولیت کے راستوں کو گناہوں سے بند کر رکھا ہے۔ اگر وہ راستے کھل جائیں تو فوراً قبولیت کا اثر ظاہر ہو۔ گویا تجھے معلوم نہیں کہ راحت کا سبب تقویٰ ہے؟ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا:

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا۔

"اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے تنگیوں سے نکلنے کی راہ پیدا فرما دیں گے اور ایسی جگہوں سے عطا فرمائیں گے جن کا اسے گمان نہ ہوگا اور جو اللہ سے ڈرے اس کے معاملہ میں سہولت پیدا فرما دیں گے۔"

کیا تو نے سمجھا نہیں کہ طاعت کے الٹنے سے مقاصد الٹ جاتے ہیں؟

آہ غفلت کا بندا جو ہر بندے پر قوی ہے اور مرغوبات کے پل کو آنکھ تک پہنچنے سے مانع ہے۔

یہ جواب سن کر نفس نے سمجھا کہ بات ٹھیک ہے تو اسے اطمینان ہو گیا۔ میں نے پھر اس سے کہا کہ چوتھا جواب بھی ہے۔ وہ یہ کہ تم ایسی چیز مانگ رہے ہو جس کے انجام سے بے خبر ہو۔ ممکن ہے اس میں تمہارا ضرر ہو۔ اس وقت تمہاری مثال اس بخار میں مبتلا بچے کی سی ہے جو حلوہ مانگ رہا ہو حالانکہ تمہارا مربی حقیقی تمہاری مصلحتوں کو خوب جانتا ہے! جیسا کہ اسی نے فرمایا ہے۔

وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ...... الخ

"ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔ الخ"

جب ان جوابات سے نفس کے سامنے حق و صواب واضح ہو گیا تو اس کی طمانیت بڑھ گئی۔

میں نے پھر اس سے کہا کہ میرے پاس پانچواں جواب بھی ہے وہ یہ کہ تیرا یہ مطلوب تیرے اجر کو کم کر دے گا اور تیرا مرتبہ گھٹا دے گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا تجھے نہ دینا درحقیقت دینے ہی کی ایک صورت ہے۔

اور اگر تم اس کے بجائے ایسی چیز کی دعا کرتے جو آخرت سنوارنے والی ہوتی تو تمہارے حق میں بہتر تھا۔

اب تمہارے حق میں بہتر یہی ہے کہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لو۔

نفس نے جواب دیا میں تو تمہاری باتوں کے چمن زار میں آرام پا گیا اور خوب سمجھ گیا۔

تنگی علماء کیلئے وجہ عافیت ہے

فصل... بعض امراء کے دسترخوان پر ہم لوگوں کا جانا ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ ان کے نزدیک علماء ہی سب سے ذلیل ہیں کیونکہ علماء تو ان سے طمع کی وجہ سے تواضع برتتے اور ان کے سامنے جھکتے ہیں لیکن وہ علماء کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اس لیے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ علماء ہمارے محتاج ہیں۔

میں نے اندازہ کیا یہ بات دونوں جماعتوں کے لیے عیب ہے دنیاداروں کے لیے تو اس لیے عیب ہے کہ ان کو علم کی تعظیم کرنی چاہیے تھی لیکن چونکہ وہ اس قدر و منزلت سے جاہل تھے اس لیے اس کی تعظیم نہ کر سکے اور کسب مال کو ترجیح دے بیٹھے۔ پس یہ تو مناسب نہیں ہے کہ ان سے ایسی چیز کی تعظیم کا مطالبہ کیا جائے جس کی قدر و منزلت سے وہ ناواقف ہیں۔

البتہ علماء پر ملامت کرتا ہوں اور ان سے کہتا ہوں کہ تم جن کو علم کا شرف حاصل ہے تمہیں تو بے علموں کے سامنے نہیں جھکنا چاہیے۔

اگر تم ان سے بے نیاز ہوتے تو ذلت ان کا حصہ ہوتی اور ان سے کچھ چاہنا تم اپنے اوپر حرام سمجھتے۔ اور اگر بقدر ضرورت ہی روزی تمہیں حاصل ہے تو پھر ذلت سے حاصل ہونے والے لذائذ فضولیوں کو ٹھکرا کر ذلت سے احتراز کو ترجیح کیوں نہیں دیتے؟

ہاں مگر مجھے خیال ہوتا ہے کہ زائد مال سے پرہیز اور بقدر ضرورت پر صبر کی طاقت عام طور سے نفوس میں نہیں ہے۔ اگر کسی وقت میسر ہو بھی جائے تو اس کو دوام نہیں ہو پاتا۔ اس لیے عالم کے لیے مناسب یہ ہے کہ غنی حاصل کرنے کی کوشش کرے کسب مال میں محنت کرے اگرچہ اس کی وجہ سے طلب علم کا بہت سا وقت ضائع ہو جائے کیونکہ مال کے ذریعے وہ اپنی آبرو (یعنی علم کی عزت) تو بچا سکے گا۔

چنانچہ حضرت سعید ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ روغن زیتون کی تجارت فرماتے تھے اور اپنے بعد بہت سا مال چھوڑ گئے۔

اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سا مال چھوڑا اور انہوں نے مال کو مخاطب کر کے فرمایا "اگر تو نہ ہوتا تو امراء مجھے ہاتھ کا رومال بنا لیتے۔"

اور میری اسی کتاب کی بعض فصلوں میں مال کے شرف پر گفتگو ہو چکی ہے نیز یہ کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علماء بھی مال جمع کرتے تھے اس کی حکمت بیان کی جا چکی ہے۔

اور میں جو طلبہ علم کو اس پر ابھارتا ہوں اس کی وجہ وہی ہے جو میں بیان کر چکا ہوں کہ نفس ہمیشہ قناعت پر جما نہیں رہ پاتا اور ہمیشہ زہد پر صبر نہیں کر پاتا۔ ہم نے کتنے لوگوں کو دیکھا کہ طلب آخرت پر ان کی عزیمت بلند ہوئی تو انہوں نے جو کچھ ہاتھ میں تھا خرچ کر ڈالا پھر عزیمت میں ضعف آیا تو برے طریقوں سے اسے حاصل کرنے میں لگ گئے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ مال جمع کر لیا جائے اور لوگوں سے مستغنی رہا جائے تاکہ دل سے طمع نکل جائے اور علم کی نشر و اشاعت ہر طرح کے کھوٹ کے شائبے سے صاف ہو جائے۔

اور جس نے جید علماء کے حالات پر غور کیا انہیں اسی طریقہ پر پایا کہ وہ کسب مال سے کنارہ کشی کا راستہ وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جن کے نزدیک دین اور عزت کی بربادی بھی ناگوار نہیں ہوتی۔

ایسے لوگوں نے کسب مال چھوڑ کر راحت چاہی اور یہ بھول گئے کہ یہ درحقیقت مشقت ہے جیسا کہ جاہل صوفیاء نے کیا کہ جو کچھ اپنے پاس تھا اسے ختم کر دیا اور توکل کا دعویٰ کرنے لگے اور اس سے بے خبر رہے کہ کسب مال توکل کے منافی نہیں ہے۔

جنہوں نے راحت کی راہ تلاش کی اور لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے کو

ذریعہ معاش بنا لیا۔ لیکن یہ صورت دو وجہوں سے ہوئی۔ ایک تو اپنی آبرو کے سلسلے میں بے غیرتی سے دوسرے علم کی قلت سے۔

شہوت کا غلبہ

مجلس... گنہگاروں کے حالات میں میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ نافرمانی کے ارادے سے گناہ نہیں کرتے وہ تو بس اپنی خواہش پوری کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اور نتیجۃً نافرمانی ہو جاتی ہے۔

میں نے پھر سوچا کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی معلوم ہونے کے باوجود اس پر اقدام کیسے کر لیتے ہیں تو سمجھ میں آیا کہ اس کے بے انتہا کرم اور بے پایاں فضل پر نگاہ رکھنے کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے۔ اگر اس کی عظمت اور ہیبت پر نظر کرتے تو کبھی اس کی نافرمانی کی ہمت نہ کرتے کیونکہ ایسی ذات سے بہت ڈرنا چاہیے جس کے لیے مخلوق پر موت مسلط کر دینا اور اسی طرح جانوروں کو ذبح کے لیے گرا دینا، بچوں کو مبتلاء مرض کر دینا، عالم کو تنگدست اور جاہل کو مالدار بنا دینا ایک معمولی اور روزمرہ کا کام ہے۔

پھر جس کی یہ شان ہو تو گناہ کی طرف قدم بڑھانے والے کو اس سے بہت ڈرنا چاہیے۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ. "اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔"

گناہوں سے بچنے کے لیے اسباب رجاء پر نظر رکھنے کے مقابلے میں اسباب خوف پر نگاہ رکھنا زیادہ مفید ہوتا ہے کیونکہ ڈرنے والا احتیاط کا پہلو اختیار کرتا ہے اور امیدوار شخص طمع کی رسی تھامے رہتا ہے جبکہ معاملہ کبھی امید کے خلاف ہو جاتا ہے۔

استغناء عالم کیلئے تکمیل دین ہے

مجلس... میں نے بہت سے امراء کو دیکھا ہے کہ علماء سے خدمت لیتے ہیں اور تھوڑی سی زکوٰۃ دے کر انہیں ذلیل سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی کے ہاں ختم قرآن وغیرہ کی کوئی تقریب ہوتی ہے تو اسے تلاش ہوتی ہے کہ فلاں صاحب نہیں آئے؟ اور اگر کوئی بیمار

ہوتا ہے تو پوچھتا ہے فلاں صاحب نہیں دکھائی دیئے؟

حالانکہ اس کا سامنا احسان ایک نئے حقیر بے جیسے اس جیسے کے منہ پر رد کر دینا چاہیے۔

افسوس کہ علماء بھی اپنی ضروریات کا بہانہ بنا کر اس ذلت پر راضی ہو گئے ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ علماء اپنے فرض منصبی یعنی علم کی حفاظت سے ناواقفیت ہے جس کا علاج دو تدبیروں سے ممکن ہے۔

(۱) ایک تو تھوڑے پر قناعت ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے:

من رضی بالخل و البقل لم یستعبدہ احد۔

"جس نے سرکہ اور ترکاری پر اکتفا کر لیا اسے کوئی غلام نہیں بنا سکتا۔"

(۲) دوسری تدبیر یہ ہے کہ جو اوقات علم کی خدمت میں لگ رہے ہیں ان میں سے تھوڑا وقت کسب مال میں خرچ ہو کیونکہ یہ عزت علم کا سبب بنے گا۔

اور یہ صورت طلب علم میں پورے وقت لگانے سے بہتر ہے جبکہ اس میں ذلت کا احتمال ہو۔

اور جو بھی اس پہلو پر غور کرے گا جسے میں نے ذکر کیا اور اس کو غیرت کا کچھ پاس بھی ہوگا وہ اپنی روزی میں کفایت شعاری اور اپنے اندوختہ کی حفاظت کرے گا یا بقدر کفایت کمانے کی کوشش کرے گا۔

اور جس کو ان چیزوں سے غیرت نہیں بچاتی علم کی صرف صورت میسر ہے حقیقت نہیں۔

عقل و فہم دین کی اصل ہے

مجلس... تمام معاملات کا مدار عقل پر ہے کیونکہ جس کی عقل کامل ہوتی ہے وہ قوی تر دلیل پر عمل کرتا ہے اور عقل کا فائدہ خطاب خداوندی کو سمجھنا اور حکم کے مقصود پر آگاہ رہنا ہے۔

اور جس نے مقصود کو سمجھ لیا اور دلیل پر عمل کیا اس کی مثال مضبوط بنیاد تعمیر کرنے والے کی ہے۔

میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ بغیر کسی دلیل کے عمل کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات ان کی دلیل لوگوں کی رسوم و عادات ہوتی ہیں حالانکہ یہ بہت بری بات ہے۔

پھر میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ وہ کسی عمل کے ثبوت کے لیے دلیل صحیح کا اتباع نہیں

کرتے جیسا کہ یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے کہ وہ آباء و اجداد کی تقلید کرتے تھے اور جو احکام ان کے سامنے آتے ان میں یہ نہیں دیکھتے تھے کہ صحیح بھی ہے یا نہیں؟ اسی طرح جو خدا کو مانتے تھے لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ اس کے حق میں کس بات کی نسبت درست ہے اور کس کی نہیں۔ چنانچہ اس کی طرف بیٹا منسوب کر دیا اور اس بات کا دعویٰ کیا کہ وہ اپنے احکام میں تبدیلی نہیں کر سکتا۔

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے قاعدے سے نہ تو صانع کے اثبات پر نظر ڈالی اور نہ یہ دیکھا کہ کن امور کی نسبت اس کی طرف درست ہے اور اسی طرح انہوں نے رسالت و نبوت کی صحت کی دلیل پر بھی غور نہ کیا۔

اور درحقیقت اسی قبیل کے وہ لوگ ہیں جو عبادت کرتے ہیں، زہد اختیار کرتے ہیں اور باطل احادیث کو لے کر اپنے بدن کو تھکاتے ہیں لیکن ان کی تحقیق ماہرین علماء سے نہیں کر لیتے۔

اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو دلیل تو مہیا کر لیتے ہیں لیکن اس کا مقصود نہیں سمجھتے۔ اسی قبیل کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی مذمت سنی تو اس سے کنارہ کش ہو گئے اور مقصود کو نہیں سمجھے۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ دنیا اپنی ذات میں مذموم ہے اور نفس سے بھی عداوت ضروری ہے۔ چنانچہ اپنی طاقت سے زیادہ اپنے اوپر مشقتیں ڈالنے لگے اور اپنے نفس کو ہر طرح سے ستانے لگے اس کی لذات و شہوات سے اسے محروم کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ناواقف رہے۔

إِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا. "تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔"

چنانچہ بعض لوگ ایسے بھی ہوئے ہیں جن کا انجام یہ ہوا کہ ان سے فرائض ترک ہوئے، جسم لاغر ہو گیا اور قوی مختل ہو گئے اور یہ سب کچھ مقصود کو نہ سمجھنے اور مراد پر نگاہ نہ رکھنے کے سبب ہوا۔

جیسا کہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ زمین کے اندر مٹکے میں پانی رکھوا دیا کرتے تھے پھر جب وہ گرم ہو جاتا تو وہ پیتے اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ جب تم عمدہ اور مزیدار کھانا کھاتے ہو اور خوب ٹھنڈا پانی پیتے ہو تو بھلا موت اور اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کو کب چاہو گے؟

حالانکہ یہ مقصود سے ناواقفی ہے کیونکہ گرم پانی بدن میں سستی کی کیفیت پیدا کرتا ہے
اور اس سے سیری بھی نہیں ہوتی ہمیں اس طرح اپنے آپ کو ستانے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ
جن معاصی کی جانب نفس دعوت دیتا ہے انہیں چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے اور حدیث صحیح میں
ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ ہجرت کے سفر میں جب ایک
چرواہے سے دودھ ملا تو آپ نے پیالہ پر پانی بہایا یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا پھر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چٹان کے سائے میں بستر
لگایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شیریں پانی لایا جاتا تھا اور ایک موقع پر آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا "اگر تمہارے پاس کسی مشکیزے میں رات کا رکھا ہوا (ٹھنڈا) پانی ہو تو دو
ورنہ (گرم پانی ہی مجبوراً) منہ لگا کر پی لیں گے۔ اگر وہ لوگ رحمۃ اللہ علیہ یہ سمجھ لیتے کہ قطع
مسافت کے لیے اونٹنی کا اچھا چارہ دینا ضروری ہے تو ایسا نہ کرتے۔

کیا تم حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو نہیں دیکھتے کہ انہیں معرفت اور خوف الٰہی
بہت کا حاصل تھا پھر بھی عمدہ غذا کھاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ:

"سواری کے ساتھ جب اچھی طرح رعایت نہ کی جائے گی تو وہ کام نہ کرے گی۔"
شاید بعض لوگ جو میری بات کو تسلیم نہ کریں وہ کہیں کہ یہ تو زاہدوں پر عیب گیری ہے تو میں
ان سے کہتا ہوں کہ آپ علماء کے ساتھ رہیے اور حضرت حسن بصری، حضرت سفیان ثوری،
امام مالک، امام اعظم ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے حضرات کا
طریقہ دیکھئے جبکہ یہ حضرات اسلام کے اصول ہیں۔

اور اپنے دین میں ایسوں کی تقلید نہ کیجئے جن کا علم کم ہو اگرچہ زہد بڑھا ہوا ہو اور ان
کے حالات کو اس پر محمول کیجئے کہ وہ اس کی طاقت رکھتے تھے۔ لہٰذا کسی چیز میں ان کی اقتداء
نہ کیجئے جس کی آپ کو طاقت نہیں کیونکہ ہمارا معاملہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے نفس تو
ہمارے پاس امانت ہے۔ اور اگر آپ میری اس تحریر سے متفق ہیں تو آپ بھی انہی لوگوں
میں داخل ہیں جن پر میں نے نکیر کی ہے۔

یہ مقصود کا مختصر ہے اور اس کی شرح طویل ہو جائے گی۔

روزی کی تقسیم

مجلس... سمجھدار کے لیے ضروری ہے کہ دلیل کا اتباع کرے اور جن تکالیف سے
اس کا تعلق نہیں ہے ان میں غور نہ کرے اس کی مثال یہ ہے کہ دلیل قطعی سے اللہ عزوجل کی
حکمت اس کی مالکیت اور تدبیر ثابت ہے۔ لہٰذا انسان جب کسی ظالم کو رزق سے محروم اور
جاہل کو مالا مال دیکھے تو جس دلیل سے خدا تعالیٰ کی حکمت ثابت ہے اس کا تقاضہ ہے کہ اس
کے سامنے گردن جھکا دی جائے اور خود کو اس حکمت کی معرفت سے عاجز مان لیا جائے۔

بعض لوگوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے ایسا نہیں کیا پھر ذرا غور کرو انہوں نے اللہ
عزوجل پر کیا حکم لگا دیا؟ کیا اس کی تدبیر کے غلط ہونے کا؟ کیا حکمت خداوندی کو تسلیم کر لینا
ان کی عقلوں کا مقتضیٰ نہیں ہے؟ اور کیا ان کی عقلیں بھی اللہ ہی کی عطا کردہ نہیں ہیں؟

پھر خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و تدبیر پر کوئی حکم اس کی مخلوق (عقل) ہی کے
ذریعے کیسے لگ سکتا ہے؟ ایسی مخلوق سے جو اللہ کی نسبت سے ہر چیز کے مقابلے میں کمتر ہے۔

ہمیں ملعون ابن الراوندی کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ ایک پل پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے
ہاتھ میں ایک روٹی تھی جسے وہ کھا رہا تھا۔ کچھ گھوڑے اور ساز و سامان اس پل سے گزرے تو اس
نے پوچھا یہ سب کس کا ہے؟ جواب ملا فلاں غلام کا۔ پھر کچھ گھوڑے اور ساز و سامان گزرے پوچھا
یہ کس کے ہیں؟ جواب دیا گیا اسی غلام کے۔ پھر خود وہ غلام گزرا تو اس نے دیکھا کہ وہ بڑا معمولی
آدمی ہے یہ دیکھ کر روٹی ایک طرف پھینکی اور کہا "اور یہ میری قسمت ہے؟ یہ کوئی تقسیم ہے؟"

اگر یہ معترض سوچتا تو اس کے سامنے کئی باتیں ظاہر ہوتیں۔ کہ لزوماً اللہ تعالیٰ کی ذات سے
اس کو اپنی جہالت اور اس کی شان میں اپنی گستاخی تو معلوم ہو جاتی جس کی معرفت کا وہ مدعی تھا۔
اور سچ پوچھو تو اس جہالت اور گستاخی کے نتیجے میں اس کی معیشت مزید تنگ ہو جانی چاہیے تھی۔

یہ ابلیس کی وراثت ہے کیونکہ اس نے بھی آدم علیہ السلام کی افضلیت کے سلسلے میں
سوء تدبیر کا اعتقاد لیا تھا۔ پس تعجب ہے اس شاگرد پر جو اپنے استاذ سے زیادہ جاننے کا دعویٰ
کرتا ہے اور اس غلام پر جو آقا کے سامنے تکبر کرتا ہے۔

ایسے موقع پر مناسب یہ تھا کہ دلیل صحیح کا اتباع کرتا اور زمانہ کی گردش کی طرف التفات نہ

کرتا یقیناً حاصل کی جانے والی چیزوں میں علم سب سے اشرف ہے اور کچھ جاہلوں نے دیکھا کہ علماء کو دنیوی لذات کم میسر ہیں تو علم ہی کو عیب لگانے لگے کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے لیکن یہ در حقیقت علم کے مرتبہ سے ان کی جہالت ہے۔ دلیل کی پیروی کرنے والا تو گردش زمانہ کی طرف التفات نہیں کرتا کیونکہ مقصد کے فوت ہونے سے ہی امتحان کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

اگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر اس کے سوا اور کوئی دلیل نہ ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے اعراض کیا دنیوی زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تنگ رہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کوئی مال و متاع نہیں چھوڑا اور نہ اپنے اہل بیت کو میراث عطا فرمائی تو یہی چیز کافی دلیل ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دوسرے مطلوب (یعنی منصب آخرت) میں سچے تھے۔

اور جاہل کبھی علماء کی کسی جماعت کو غلطی کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو علم پر عیب لگاتا ہے اور علم کو ناقص گردانتا ہے حالانکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

لہذا سمجھدار کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور عقل کے مشوروں پر عمل کرے یعنی اللہ عزوجل کی فرمانبرداری کرے اور اپنے علم پر عمل کرے اور اسے خوب سمجھے رہنا چاہیے کہ آزمائش مطلوبات سے محرومی پر صبر کرنے میں ہوتی ہے۔

اور دلیل کی پیروی کو لازم سمجھے اگرچہ اللہ عزوجل کوئی معاملہ اس کی خواہش کے خلاف فرمائیں اور توفیق اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔

حضرت آدم اور حضرت یوسف علیہما السلام

مجلس..... میں نے جب سورۂ یوسف پڑھی تو تعجب سے سوچنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر کی مدح فرمائی۔ قرآن میں ان کا قصہ بیان فرمایا اور ایک خاص چیز سے اجتناب کی وجہ سے ان کا مرتبہ بلند کر دیا۔

جب میں نے معاملہ کی حقیقت پر غور کیا تو معلوم ہوا وہ چیز خواہش کی مخالفت ہے۔

میں نے کہا سبحان اللہ! اگر وہ اپنی خواہش کی موافقت کر لیتے تو کیا ہوتے؟ لیکن جب اس کی مخالفت کی تو وہ رتبہ بلند ملا کہ ان کے صبر کی مثال دی جانے لگی اور ان کا مجاہدہ باعث افتخار بن گیا

اور یہ سب محض ایک لمحہ کے صبر کی وجہ سے ہوا۔ کس قدر فخر و عزت کی بات ہے کہ بس ایک ساعت اپنے آپ کو سنبھال لو کہ اپنی خواہش نفس سے جس کا حصول بالکل قریب ہو صبر کر لیا جائے۔

اور اس کے برعکس حضرت آدم علیہ السلام کی حالت اپنی خواہش کی موافقت میں ہے (اگرچہ بظاہر خواہش کی موافقت ہو) اگر (بالفرض) تدارک اور توبہ نہ ہوتی تو ہمیشہ کے لیے ان کے حق میں ایک نقص رہ جاتا۔

ذرا دیکھو! اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔ صبر کا نتیجہ اور خواہش (اگرچہ بظاہر ہو) کا انجام کیونکر مجسم دکھا رہی ہے جس نے تلخ و شیریں دونوں میں تمیز کی۔ چنانچہ اگر اس کی ترازو ٹھیک رہی اور خواہشات کا پلہ جھکا نہیں تو صبر میں نفع ہی نفع اور نفس کی موافقت میں خسارہ ہی خسارہ دیکھے گا۔ اہل عقل کے لیے مخالفت نفس کے سلسلے میں یہی نصیحت کافی ہے جس کی توفیق اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔

استدلالی علم کافی نہیں ہے

مجلس... میں نے محسوس کیا کہ فقہ کی مشغولیت اور حدیث کی سماعت دل کی درستگی کے لیے کافی نہیں ہے جب تک کہ دل میں نرمی پیدا کرنے والی احادیث اور سلف صالحین کے حالات کا مطالعہ نہ کیا جائے کیونکہ انہوں نے قرآن و حدیث کے مقصود کو پا لیا ہے اور اعمال کی ظاہری صورتوں سے نکل کر ان کے معانی کے ذوق آشنا ہو گئے ہیں اور ان کی مراد تک ان کی رسائی ہو چکی ہے۔

میں یہ بات یونہی نہیں کہتا بلکہ اس کا تجربہ کرنے اور اعمال کا ذوق حاصل کرنے کے بعد کہتا ہوں۔ اس لیے کہ میں نے عموماً محدثین اور طلبہ حدیث کو دیکھا کہ ان کی ساری فکر حدیث کی سند عالی کی طلب اور زیادہ سے زیادہ کتابیں اکٹھی کرنے کی رہتی ہے اور فقہاء عموماً بحث و مباحثہ اور مخالف پر غلبہ پانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان چیزوں سے دل کیسے پگھلے گا؟ جبکہ سلف کی جماعت صالح آدمی کی خدمت میں صرف اس کے علم سے استفادہ کے لیے نہیں بلکہ اس کے اخلاق و عادات سیکھنے کے لیے بھی جاتی تھی اور یہ اس واسطے کہ علم کا حقیقی ثمرہ اخلاق اور سیرت ہی تو ہے۔

پس اس کو سمجھو! اور فقہ و حدیث کی تعلیم کے ساتھ سلف صالح کے حالات اور زاہدوں کی سیرت کا بھی مطالعہ کرتے رہو تاکہ اس سے تمہارا دل نرم ہو۔

چنانچہ ہم نے مشہور بزرگان دین میں سے ہر ایک کے حالات و آداب کے متعلق الگ الگ کتاب لکھ دی ہے۔ ایک کتاب حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ایک حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں۔ اسی طرح حضرت ابراہیم بن ادہم حضرت بشر حافی حضرت امام احمد بن حنبل حضرت معروف رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے علماء و زہاد کے حالات پر بھی مستقل کتابیں میں نے تحریر کی ہیں اور مقصود کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں۔

مگر قلت علم کے ساتھ عمل درست نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ دونوں (علم و عمل) قائد اور سائق کے مثل ہیں اور نفس دونوں کے درمیان اڑیل ٹٹو ہے۔ لہٰذا قائد اور سائق دونوں ہی کی محنت اور کوشش سے راستہ طے ہو سکتا ہے۔

ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں سستی سے۔

ورع و تقویٰ میں احتیاط

صحیفہ... میں نے سہولت کے خیال سے ایک مرتبہ ایک ایسا کام کیا جو بعض آئمہ کے نزدیک جائز ہے لیکن اس سے مجھے اپنے دل میں بڑی قساوت کا احساس ہوا اور ایسا لگا جیسے میں بارگاہ حق سے دھتکار دیا گیا ہوں۔ بعد اور دوری کے ساتھ گہری تاریکی محسوس ہوئی تھی۔

میرے نفس نے پوچھا یہ کیوں ہے؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ تم نے فقہاء کے اجماع سے خروج نہیں کیا ہے؟

میں نے کہا اے بدبخت نفس! تیرا جواب دو طرح سے ہے۔ ایک تو یہ کہ تو نے اسکی تاویل کی ہے جس کا تو خود قائل نہیں ہے کیونکہ اگر تجھ سے کوئی دوسرا یہی بات پوچھتا تو کبھی اس کے جواز کا فتویٰ نہ دیتا۔

نفس نے کہا اگر میں اس کے جواز کا منکر ہوتا تو کبھی یہ کام نہ کرتا۔ میں نے کہا لیکن دوسروں کے حق میں تو آپ اس خیال پر راضی نہیں ہے (یعنی دوسروں کے لیے جواز کے قائل نہیں ہو)

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ تجھے اس ظلمت پر خوش ہونا چاہیے کیونکہ اگر تیرے دل میں پہلے سے نور نہ ہوتا تو اس ظلمت کا اثر نہ محسوس ہوتا۔

نفس نے کہا مجھے دل کی اس تازہ ظلمت سے وحشت ہو رہی ہے میں نے کہا تو اب ایسے کام کے نہ کرنے کا عزم کر لے اور یہ سمجھ لے کہ جس کام کو تو نے ترک کیا ہے اس کے جواز پر اجماع نہیں ہے اس لیے اس کا ترک کرنا ورع و تقویٰ میں داخل ہے۔

جھگڑے سے دور رہنا

مجلس... زمانے کے تجربات نے مجھے بتلایا کہ حتی الامکان کسی سے دشمنی کا اظہار نہ کرنا چاہیے کیونکہ کبھی اس شخص سے ضرورت پیش آ سکتی ہے خواہ وہ کسی درجے کا ادنیٰ ہو۔ کبھی انسان تو یہ گمان کرتا ہے کہ اسے ایسے شخص سے ضرورت نہیں پڑ سکتی جیسے زمین پر پڑے ہوئے ایسے تنکے سے جس کی طرف کوئی التفات نہیں کرتا لیکن کتنی حقیر چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اگر حصول نفع کے لیے اس کی ضرورت نہ ہو گی تو دفع ضرر کے لیے اس کی ضرورت ہو سکتی ہے۔

خود مجھے ایسے لوگوں کے ساتھ لطف اور مہربانی کرنے کی ضرورت پیش آئی جن کے ساتھ اس طرح کے معاملے کا مجھے وہم بھی نہ ہوا تھا۔

اور یہ سمجھ لو کہ دشمنی کا اظہار کبھی ایسی ایذاء کا سبب ہو جاتا ہے جس کا پہلے سے اندازہ نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ جس سے دشمنی کا اظہار کیا جاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص تلوار سونتے نشانہ کی تاک میں ہو کسی وقت وہ شخص کوئی نہ کوئی نشانہ دیکھ لیتا ہے تب خواہ کوئی ذرہ بکتر اسے کو چھپائے ہو لیکن دشمن اس نشانہ کو غنیمت سمجھ کر (اس راہ سے حملہ) کر دیتا ہے۔

لہٰذا جسے دنیا میں رہنا ہے اس کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ کسی سے دشمنی کا اظہار نہ کرے جس کی وجہ میں نے بیان کی کہ بعض اوقات لوگوں کو ایک دوسرے سے ضرورت پیش آتی رہتی ہے اور ایک دوسرے سے ایذاء رسانی کی قدرت ہوتی رہتی ہے۔

یہ ایک کارآمد بات ہے جس کا فائدہ تجربات زمانہ سے ظاہر ہو گا۔

کدورتوں سے مخلوط لذتیں

مجلس... میں نے غور کیا کہ شخص ارباب ریز کی فانی لذتوں کو تو دیکھتا ہے لیکن یہ بھول جاتا ہے کہ وہ کیسے حاصل ہوئی ہیں اور اپنے اندر کس قدر آفتیں لیے ہوئے ہیں۔

اس کی شرح یہ ہے کہ اگر تم کسی سلطنت اور حکومت کے والی کو دیکھو اور اس کی نعمتوں پر غور کرو تو انہیں کدورتوں سے مخلوط پاؤ گے۔ اگر خود اس نے شروفتنہ کا قصد نہیں کیا ہوگا تو اس کے کارندوں نے ضرور کیا ہوگا۔

پھر وہ برابر خوف زدہ اور گھبرایا ہوا رہتا ہے، دشمن سے ڈرتا ہے کہ اسے تکلیف نہ پہنچا دے، اپنے عہدے سے اندیشے میں رہتا ہے کہ اسے معزول نہ کر دے اور اپنے بھائی والے سے گھبراتا ہے کہ اس کے خلاف سازش نہ کرے۔ پھر اس کا زیادہ وقت ان سلاطین کی خدمت گزاری میں جن سے کسی قسم کا خوف ہوتا ہے اور ان کے اموال کے حساب میں اور ان کے ان احکام کے نافذ کرنے میں گزرتا ہے جو منکرات سے خالی نہیں ہوتے۔

اور اگر معزول کر دیا گیا تو جو لذتیں حاصل کی تھیں ان سب پر پانی پھر گیا اور وہ لذتیں ڈر سے بھری ہوتی ہیں خود ان میں تو ڈر ہوتا ہے ان کے انجام سے ڈر ہوتا ہے، ان کے چھن جانے کا ڈر ہوتا ہے۔ اور اگر تم کسی تاجر کو دیکھو تو اندازہ کرو گے کہ کتنے شہر مارا مارا پھرا پھر بھی جو کچھ اسے ملا عمر کے ڈھل جانے اور لذت کا زمانہ ختم ہونے کے بعد ملا۔

جیسا کہ ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رئیس اپنی جوانی میں فقیر تھا۔ جب بوڑھا ہوا تو مالدار ہو گیا، بہت سی جائیداد کا مالک ہو گیا، بہت سے ترکی اور دوسرے غلام خرید لیے رومی لونڈیاں خرید لیں، اس وقت اس نے اپنا حال بیان کرتے ہوئے یہ اشعار کہے:

ما كنت أرجوه إذ كنت ابن عشرينا ملكته بعد أن جاوزت سبعينا

"جس چیز کی مجھے بیس سال کی عمر میں آرزو تھی مجھے اس وقت ملی جب میں ستر سے آگے بڑھ چکا ہوں۔"

تطوف بي من الأتراك أغزلة مثل الغصون على كثبان يبرينا

"اب میرے چاروں طرف غزالہ چشم ترکی لونڈیاں اس طرح پھرتی ہیں جیسے کہ درخت کے ٹیلوں پر ٹہنیاں جھومتی ہیں۔"

وخود من بنات الروم رائعة   یحکین بالحسن حور جنة العلیا

"اور رومی خوبصورت شرمیلی باندیاں بھی جو حسن میں جنت کی حورعین کی مانند ہیں۔"

یغمزنني باسا ربع منعمة   تکاد تعقد من اطرافها لبنا

"وہ مجھے اپنی نرم اور نازک انگلیوں سے چھیڑتی ہیں جن میں ان کی نرمی کی وجہ سے گرہ لگانا ممکن لگتا ہے۔"

یغمزن احیانا میت لاحراک به   وکیف یحیین میتا صار مدفونا

"وہ ایک مردے کو زندہ کرنا چاہتی ہیں جس میں کوئی حرکت نہیں رہی۔ بھلا ایسے مردے کو کب جلا سکیں گی جو مدفون ہو چکا ہو۔"

قالوا انینک طول اللیل یحزننا   فما الذی تشتکی قلت الثمانینا

"لوگوں نے کہا تمہاری پوری رات کی آہ و فریاد ہمیں سکون سے سونے نہیں دیتی آخر تمہیں کیا شکایت ہے؟ میں نے کہا بس اسی (۸۰) سال ہونے کی۔"

اور یہ حالت عام طور پر پیش آتی ہے کیونکہ انسان اپنی ساری پسندیدہ چیزیں ایسے ہی وقت جمع کر پاتا ہے جب اس کے کوچ کا وقت قریب ہوتا ہے۔

اور اگر کسی کو عنفوان شباب ہی میں پسندیدہ چیزیں مل گئیں تو اس وقت بچپن معاملات کے سمجھنے اور صحیح لذت کے حصول سے مانع ہوتا ہے کیونکہ بچپن میں اس کی بھی خبر نہیں ہوتی کہ وہ ہے کہاں؟ جب تک کہ بالغ نہ ہو جائے پھر جب بالغ ہوتا ہے تو سارا اہتمام نکاح اور شادی کا ہونے لگتا ہے خواہ جس صورت سے ہو۔

اور اگر نکاح کر لیا اور اولاد ہونے لگی تو پھر یہ اس کی لذتوں میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ اس وقت وہ بیوی اور بچوں کی فکر میں ٹوٹ کر رہ جاتا ہے اور ان کے لیے کمانے کی ضرورت محسوس کرنے لگتا ہے۔

پھر دیکھو کہ وہ ابھی تمیز ہی کے قریب تھا کہ گھاٹا شروع ہو گیا اور اس پر بڑھاپا طاری

ہونے لگا۔ اب وہ خود اپنی ذات سے وحشت محسوس کرنے لگا ہے کیونکہ اسے احساس ہے کہ اب عورتیں اس سے بے رغبت ہو گئی ہیں۔ جیسا کہ ابن المعتز نے کہا ہے:

لقد ابغضت نفسی فی مشیبی　　　فکیف تحبنی الخود الکعاب

"میں نے اپنے آپ کو بڑھاپے میں تھکا ڈالا ہے پھر نرم و نازک دوشیزائیں کیسے مجھے پسند کر سکتی ہیں۔"

اور اسی طرح تم حسین عورتوں سے لطف اندوز ہونے والوں کو نہ دیکھو گے کیونکہ اگر کسی کو یہ نہیں بھی ملتیں تو اسے اتنا مال میسر نہیں کہ اپنے نفس کی تکمیل کر لے اور اگر مال جمع کرنے میں لگا تو حصولِ لذت کا زمانہ گزر گیا اور جب مال بھی ملا حسن و جمال بھی میسر آیا تو بڑھاپا ایک بڑی مصیبت اور ناگواری لے کر آموجود ہوا۔

پھر یہ بھی ہے کہ مالدار آدمی اپنے مال کے سلسلے میں خائف رہتا ہے جن سے معاملہ ہوا ان سے حساب کتاب میں لگا رہتا ہے اور بیشتر یہی کہلاتا ہے کہ فضول خرچی کی اور اگر بخل سے کام لیا اس کا بیٹا اس کی موت کا انتظار کرتا رہتا ہے اس کی بیویاں اس کو پسند نہیں کرتی ہیں حالانکہ وہ بیچارہ اپنے اہل و عیال کی حفاظت میں لگا ہے۔ گویا (دنیا میں) اس کا سارا وقت مشقتوں میں گزرا کیونکہ لذتیں آئیں تو بس ابھر کے لیے اس لیے کوئی خاص لذت حاصل نہ کر سکا اور آخرت میں مالدار اور تاجر ندامت اور شرمندگی کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ "الا ماشاء اللہ۔"

پس خبردار ان نعمتوں کی ظاہری صورت پر مت جاؤ کیونکہ تم اسے دور سے اچھا سمجھتے ہو اگر ان کے قریب جاؤ تو ناپسند کرو گے۔ پھر یہ کہ ان میں دنیا و آخرت کی اتنی مشقتیں ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔ پس بقدر امکان قناعت اختیار کرنا اسی میں دین اور دنیا کی صفائی ہے۔

ایک زاہد کے پاس خشک روٹی تھی اس سے پوچھا گیا کہ تم اسے کیونکر پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا میں اسے رکھے رہتا ہوں یہاں تک کہ میری طبیعت میں اس کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔

ایک مناجات

مجلس.... ایک مرتبہ میرے مسلک کی وجہ سے عوام اور حکام وقت سے ایک طرح

کی دشمنی ہوگئی کیونکہ میں وعظ کی مجلسوں میں یہ نظریہ پیش کرتا تھا کہ "قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور قدیم ہے (ہمیشہ سے ہے) اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب صحابہ سے افضل ہیں۔"

ان حکام میں کچھ تو حضرت ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف مائل تھے اور کچھ روافض کے مذہب کی طرف میلان رکھتے تھے لیکن الحمد للہ میرے خلاف سب متفق ہو گئے۔

ایک دن میں نے باری تعالیٰ سے اپنی مناجات میں عرض کیا۔

میرے آقا! سب کی پیشانیاں آپ کے قبضہ میں ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا الا یہ کہ آپ ہی اس کے ذریعے نقصان پہنچانا چاہیں کیونکہ آپ نے ہی فرمایا ہے۔

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ.

"وہ اپنے سحر سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے اللہ کے فیصلہ کے بغیر۔"

اور آپ ہی نے مصیبت زدوں کا دل یہ فرما کر مضبوط کیا ہے:

قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَنَا.

"کہہ دیجئے ہمیں وہی مصائب پیش آ سکتے ہیں جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیئے ہیں۔"

اب اگر آپ ان حاکموں کے ذریعے ایسا فیصلہ فرمائیں گے جو میری رسوائی کا سبب ہو جائے تو مجھے اپنی ذات سے زیادہ اس مسلک کے متعلق اندیشہ ہے جس کی میں نے نصرت کی ہے کہ کہیں یہ نہ کہا جائے کہ اگر ابن الجوزی حق پر ہوتا تو رسوا نہ کیا جاتا۔

اگر آپ میری کوتاہیوں اور گناہوں پر نظر فرمائیں تو میں رسوائی اور ذلت کا مستحق ہوں مگر میں نے مسلک حق کی نصرت میں زندگی گزاری ہے تو مجھے اس کی پناہ میں داخل فرما دیجئے۔

اور مجھے آپ کے نیک بندوں کی ایک جماعت نے آپ کے حوالے کیا ہے اگر آپ میری حفاظت میری وجہ سے نہ فرمائیں تو ان کی وجہ سے حفاظت فرمائیے۔

میرے آقا میرے دشمنوں کے خلاف میری مدد فرمائیے کیونکہ وہ آپ کی معرفت نہیں رکھتے اور جاہل ہیں۔ آپ سے رخ پھیرے رہتے ہیں جبکہ میں اپنی کوتاہیوں کے باوجود آپ کی طرف منسوب ہوں۔

صوفیاء کی ایک غلطی

مجلس۔ حلاج صوفی کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ سخت گرمی میں سورج کے سامنے بیٹھا کرتے تھے اور ان کے بدن سے پسینہ بہتا رہتا تھا۔ ایک عقلمند کا اُدھر سے گزر ہوا اس نے کہا اے احمق! یا اللہ تعالیٰ کے سامنے قوت کا مظاہرہ ہے۔

کتنی اچھی بات کہی اس عقلمند نے کیونکہ شریعت کے احکام اغراض کی طبیعت کے خلاف ہی تو ہیں! کبھی ان پر عمل کرنے والا صبر سے عاجز ہو جاتا ہے پھر وہ بڑا نادان اور احمق ہے جو اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے لگے یا اللہ تعالیٰ سے ابتلاء کا سوال کرنے لگے۔ جیسا سماعی بیوقوف نے کہا کہ "آپ جیسے چاہیں مجھے آزمالیں۔"

عافیت کی دعاء

مجلس... نیک بخت وہ ہے جو اللہ کے سامنے جھک گیا اور عافیت کا سوال کیا کیونکہ کسی کو صرف عافیت ہی نہیں دی جاتی آزمائش اور بلاء بھی ضروری ہے اس لیے سمجھدار آدمی ہمیشہ عافیت کا سوال کرتا ہے تاکہ عام حالات میں عافیت شامل حال رہے۔ پھر تھوڑی سی بلاء پر صبر آسان ہو۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کو اس کا یقین رہنا چاہیے کہ صرف پسندیدہ ہی چیزیں پانے کی کوئی سبیل نہیں ہے کیونکہ ہر گھونٹ میں اچھو ہوتا ہے اور ہر لقمہ میں کانٹا۔

وکم من یعشق الدنیا قدیما ‏ ‏ ‏ ‏ ولکن لاسبیل الی الوصال

"کتنے لوگ زمانہ دراز سے دنیا کی محبت میں لگے ہیں لیکن اب تک وصال کی راہ نہیں پیدا ہوئی۔"

اور واقعہ تو یہ ہے کہ صبر تقدیری پر ہوتا ہے اور عموماً تقدیری فیصلے خواہش نفس کے خلاف ہوتے ہیں۔ پس سمجھدار وہی ہے جس نے صبر کے سلسلے میں اجر کا وعدہ اور معاملہ کی سہولت دکھا کر اپنے نفس کی خاطرداری کی تاکہ تکلیف کا زمانہ کسی قسم کی شکایت کے بغیر گزر جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ عافیت کا سوال کرتا ہے۔ رہا قوت کا مظاہرہ کرنے والا تو اس نے اللہ کی ذرا بھی معرفت نہیں پائی۔ ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اس کی شان سے ناواقف ہونے سے اور سوال کرتے ہیں اس کی معرفت کا۔ بیشک وہ کریم اور دعا سننے والا ہے۔

غلط تصوف جادۂ صحیح سے انحراف ہے

مجلس... جادۂ صحیح اور راہِ مستقیم صاحبِ شرع صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی طرف لپکنا ہے کیونکہ یہی وہ کامل دین و شریعت ہے جس میں کوئی نقص اور کجی نہیں ہے۔ لیکن بہت سے لوگوں نے زہد اختیار کیا اور اپنے اوپر طاقت سے زیادہ مشقتیں لاد لیں پھر وہ اپنی آخری عمر میں ہوش میں آئے تو اس وقت ان کا جسم لاغر ہو چکا تھا اور بہت سے اہم کام مثلاً علم وغیرہ ان سے فوت ہو چکے تھے۔

اور بہت سے لوگ ظاہری علم کی طرف گئے اور اس کی طلب میں حد سے گزر گئے پھر آخری لمحوں میں ہوش آیا تو علم پر عمل کا وقت کھو بیٹھے تھے۔

جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ علم اور عمل دونوں کا ہے اور اسی کے ساتھ بدن کو راحت پہنچانے کا بھی۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت کی تھی اور ان سے فرمایا تھا:

إِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا۔

"تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔"

دیکھ لیجیے یہ معتدل راستہ اور قول فیصل! رہی محض سختی تو اس کی وجہ سے کتنا ایسا علم ضائع ہو گیا جو اگر حاصل ہو جاتا تو عمل کے ذریعے حاصل کیے جانے والے درجات سے زیادہ درجات کے حصول کا سبب بنتا کیونکہ عالم کی مثال اس شخص کی سی ہے جو راستہ سے واقف ہو اور عابد اس سے ناواقف ہے۔ لہٰذا عابد فجر سے عصر تک چلے اور عالم عصر سے کچھ پہلے چلے تو اس کو پالے گا بلکہ اس سے آگے ہو گا۔

اگر کوئی کہے کہ اس بات کو اور وضاحت سے بیان کرو تو میں کہوں گا کہ عبادت اور بندگی کی ظاہری صورت اللہ کی اطاعت اور اس کے سامنے جھکنا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عابد اس صورت کی حقیقت تک نہیں پہنچ پاتا اس لیے اسے یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ پر ظہور کرامت کا اہل ہو گیا ہے، ہاتھ چومے جانے کا مستحق ہو چکا ہے اور بہت سے

لوگوں سے بہتر ہو گیا ہے اور یہ سب قلت علم کی وجہ سے ہے۔

علم سے میری مراد اصول علم کو سمجھنا ہے نہ کہ کثرت روایات اور اختلافی مسائل کا مطالعہ۔ پس جب عالم نے اصولی باتوں کو سمجھ لیا ہوگا تو اس عابد سے سبقت لے جائے گا اپنے حسن خلق کے ذریعہ، حسن برتاؤ کے ذریعہ اپنی ذات میں تواضع کے ذریعے اور مخلوق خدا کو خدا تک پہنچانے کے ذریعہ جب کہ یہ چیزیں عابد محض پر دشوار ہیں کیونکہ وہ تو اپنی جہالت میں سویا ہوا ہے۔

چنانچہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس نے نکاح کیا پھر اُسے خشکی سوجھی تو اس نے اپنی بیوی کو اس کے مطلوب سے محروم کر دیا اور طلاق بھی نہ دی۔ اس وقت اس عابد کی مثال اس عورت کی طرح ہو جاتی ہے جس نے بلی کو قید کر دیا تھا نہ کھانا دے رہی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ حشرات الارض وغیرہ سے پیٹ بھر لے۔ حالانکہ جو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت پر غور کرے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری مخلوق میں کامل پاوے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر صاحب حق کا حق ادا فرماتے تھے۔ چنانچہ کبھی مزاح فرماتے، کبھی ہنستے، کبھی بچوں سے خوش طبعی فرماتے، کبھی اچھے اشعار سنتے، کبھی گفتگو میں تعریض و تشبیہ کا استعمال فرماتے، ہمیشہ عورتوں کے ساتھ بہتر برتاؤ فرماتے جس پر قدرت ہوتی اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میسر ہوتا اُسے تناول فرما لیتے۔ اگر چہ لذیذ ہو جیسے شہد وغیرہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے میٹھا پانی لایا جاتا تھا۔ بستر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ میں بچھایا جاتا تھا اور اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکیر نہ فرماتے۔

اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق وہ روایت نہیں سنی جسے جاہل صوفیاء اور جاہل زاہدوں نے اختیار کر رکھا ہے یعنی نفس کو علی الاطلاق اس کی خواہشات سے محروم کر دینا۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ککڑی کھجور کے ساتھ کھاتے تھے، بیویوں کا بوسہ لیتے تھے، زبان چوستے تھے، اچھی چیزوں کی خواہش فرماتے تھے۔

رہ گیا جو کی روٹی کھانا، تول کر غذا لینا، بدن کو خشک کر لینا، ہر خواہش کو ترک کر دینا تو یہ سب نفس کو ستانا اور بدن کو ڈھانا ہے جو نہ عقل کا مقتضی ہے اور نہ شریعت میں محمود۔

البتہ بعض اکابر نے تھوڑے پر جو قناعت کی ہے تو اس کے مختلف اسباب ہیں مثلاً کوئی شبہ پیش آ گیا تو تقلیل کر دی یا ایک کھانا دوسرے کھانے میں مل گیا تو احتیاط پر عمل کر لیا۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کا بھی پورا حق ادا فرماتے تھے رات میں قیام فرماتے اور خوب ذکر فرماتے۔

پس تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طریقہ اختیار کرو جو سب سے اکمل ہے اور وہ شریعت ہے جس میں ذرا آمیزش نہیں اور فلاں فلاں زاہد کی روایت کردہ حدیث چھوڑ دو اور ان کے احوال کو دیکھ کر عمل پر محمول کرو اور جہاں تک ہو سکے ان کے لیے عذر تلاش کرو اور اگر کوئی بھی عذر نہ پاؤ (بالکل ہی خلاف شریعت عمل ہو) تو یہ سمجھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ان کے طریق سے اولیٰ ہے اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ساری مخلوق کے مقتدا اور سارے عقلاء کے سردار ہیں۔

"دلوں میں جب بھی بگاڑ آیا شریعت سے انحراف ہی کی وجہ سے آیا۔"

چنانچہ جاہل صوفیاء اور زاہدوں نے بہت سی آفت پیدا کر دی ہیں کیونکہ انہوں نے شریعت کا حلقہ توڑ ڈالا اور اس سے باہر نکل گئے۔ پس ان میں بعضے محبت اور شوق کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ محبوب کی معرفت نہیں رکھتے۔ لہٰذا تم انہیں دیکھو گے کہ چیخ رہے ہیں فریاد کر رہے ہیں کپڑے تار تار کر کے ڈال رہے ہیں حالانکہ وہ اپنے دعویٰ اور اس کے مضمرات کی وجہ سے شریعت سے نکل گئے ہیں۔ اور بعضے ایسے ہیں جنہوں نے اپنے اوپر بھوک اور دائمی روزہ مسلط کر رکھا ہے جبکہ صحیح روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرمایا "صُمْ یَوْمًا وَأَفْطِرْ یَوْمًا" (روزہ ایک دن رکھو اور ایک دن نہ رکھو) انہوں نے عرض کیا میں اس سے افضل صورت کا خواہش مند ہوں آپ نے فرمایا اس سے افضل کوئی صورت نہیں۔

اور ان میں ایسے بھی ہیں جو سیاحت کے لیے نکل پڑے اور اپنے کو جماعت سے محروم کر لیا۔

اور ایسے بھی ہیں جنہوں نے علم کی کتابیں دفن کرا دیں اور گوشہ نشین ہو کر نماز روزہ میں مشغول ہو گئے۔ انہیں یہ خبر نہیں ہے کہ ان کتابوں کا دفن کر دینا کتنی بڑی غلطی ہے کیونکہ نفس غفلت کا شکار ہوتا رہتا ہے اور اسے بار بار تذکیر کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت علم کی کتابیں بہترین مذکر اور ناصح ہیں۔

دراصل ابلیس ہر جماعت میں دنیا سے محبت ہے جہاں سے داخل ہوتا ہے۔ ان کتابوں کے دفن کرا دینے سے اس کا مقصود تو علم کو چھپا دینا ہے تاکہ عابد تاریکی میں رہے۔

تو دیکھو کتنا اچھا جواب دیا ایک عالم نے جب ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ میں چاہتا ہوں کہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاؤں اور وہیں رہوں۔ فرمایا کہ "فوز کلفہ" ہے (یہ ایک عوامی لفظ ہے جس کا معنی ناکارہ پن ہے)

ایسے زاہدوں کی مثال چمگادڑ کی سی ہے کہ انہوں نے اپنے کو لوگوں کی نفع رسانی سے کنارہ کش کر کے دفن کر لیا ہے اور یہ ایک اچھی سی حالت ہے جب کہ کسی خیر میں رکاوٹ نہ ہو مثلاً جماعت کی حاضری میں، جنازہ کے ساتھ چلنے میں اور مریض کی عیادت میں، مگر یہ کمزوروں کی حالت ہے۔

کیونکہ طاقتور وہ ہیں جو علم سیکھتے ہیں پھر دوسروں کو سکھاتے ہیں اور یہی انبیاء علیہم السلام کے مقامات ہیں جب کوئی نیا مسئلہ درپیش آتا ہے تب دیکھو کہ کتنا فرق ہوتا ہے عابد محض اور فقیہ کے درمیان؟

واللہ! اگر سارے لوگ عبادت ہی میں لگ جائیں تو شریعت ضائع ہو جاتی۔

علاوہ ازیں اگر عابد عبادت و بندگی کی حقیقت جانتا ہوتا تو صرف نماز روزہ پر اکتفاء نہ کرتا کیونکہ بعض اوقات کسی مسلمان کی حاجت روائی کی عبادت ایک سال کے روزے سے افضل ہو جاتی ہے۔

بدن سے عمل کرنے میں ظاہری اعضاء استعمال ہوتے ہیں جبکہ علم میں باطنی قوتوں عقل، فکر اور فہم کو استعمال کرنا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے علم اشرف و اعلیٰ ہے۔

اگر کسی کو شبہ ہو کہ میں ہر بیوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے والوں کی مذمت کرتا ہوں اور ان کی عبادت کی نفی کرتا ہوں تو میں کہوں گا کہ میں ان کی مذمت نہیں کرتا بلکہ انہوں نے نئی خرافات پیدا کر لی ہیں۔ مثلاً دعویٰ اور چیخ و پکار اور اسی طرح کی دوسری آفتیں جن کا سبب قلت علم ہے اور انہوں نے اپنے اوپر وہ چیزیں لاد لی ہیں جن کا انہیں حق نہ تھا اور خدا کے حکم کے بغیر ناجائز امور اختیار کر لیے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے بعض لوگ اپنے نفس کو بلا اطلاق ستانے اور اس کی ایذا رسانی کو عبادت سمجھنے لگے ہیں۔ چنانچہ ایک بیوقوف نے کہا کہ میں حمام میں گیا تو مجھے کچھ غفلت ہو گئی۔ میں نے تہیہ کر لیا کہ جب تک اتنی اتنی تسبیح نہ پڑھ لوں گا باہر نہ نکلوں گا۔ پھر

تسبیح پوری کرنے میں دیر لگ گئی (اور ٹھنڈ لگ گئی) جس کی وجہ سے میں بیمار پڑ گیا۔ دیکھو! اس شخص نے اپنے آپ کو ایک خطرے میں ڈال دیا جس کا اسے حق نہیں تھا۔

اور جاہل صوفیہ و زہاد کی ایک جماعت ایسی ہے جنہوں نے صرف ظاہری نماز پر قناعت کر لی ہے اور باطن میں ایسی جہالتوں کے مرتکب ہیں جن کے بیان کے لیے دفتر بھی کافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ زمین کو ان سے پاک فرمائیں اور ان کے مقابلے میں علماء حق کی نصرت فرمائیں (آمین) کیونکہ بے وقوفوں کی بڑی تعداد انہی کے ساتھ ہے۔ اگر کوئی عالم ان پر نکیر کرتا ہے تو عوام جہالت کی پوری قوت کے ساتھ اس پر پل پڑتے ہیں۔

اور بہت سے عبادت گزاروں کو میں نے بڑھیوں کی طرح پایا۔ ایسی ایسی تسبیحات پڑھتے ہیں جن کا زبان پر لانا بھی جائز نہیں ہے اور نماز میں ایسے افعال کرتے ہیں جو کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ خود میرا ایک عبادت گزار کے پاس جانا ہوا تو وہ ایک شخص کو امام بنا کر جماعت کے ساتھ چاشت کی نماز پڑھ رہا تھا اور امام بلند آواز سے قرأت کر رہا تھا میں نے ان لوگوں سے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "صلوۃ النہار عجماء" (دن کی نمازیں سری ہوتی ہیں) بس وہ زاہد ناراض ہو گیا اور کہنے لگا "اس کام کے سلسلے میں ہم پر کتنی نکیر کی جائے گی فلاں آیا اس نے ٹوکا فلاں آیا اس نے نکیر کی! ہم اس لیے زور سے قرأت کراتے ہیں تاکہ نیند نہ آوے۔

میں نے کہا سبحان اللہ! کس نے تم سے کہہ دیا کہ مت سوؤ؟ کیا صحیحین میں حضرت ابن عمرو ابن العاص کی حدیث نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا "قم و نم" (رات میں) نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی سوتے تھے۔ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی رات ایسی نہیں گزری جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے نہ ہوں۔

اور میں نے ہی ایک شخص کو جسے حسین القزوینی کہا جاتا ہے جامع مسجد منصور میں دیکھا کہ وہ مسجد میں مسلسل چل رہا ہے۔ میں نے اس چلتے رہنے کا سبب پوچھا تو جواب دیا تاکہ نیند نہ آئے۔

یہ سب حماقتیں ہیں جن کا سبب قلت علم ہے اس لیے کہ جب نفس کو اس کے حصے کی نیند نہ ملے گی تو عقل میں خرابی آ جائے گی پھر عقل و فہم سے دوری کی وجہ سے عبادت کا مقصد

فوت ہو جائے گا۔ مجھ سے جامع منصور میں رہنے والے ایک صالح شخص نے بیان کیا کہ ایک شخص جس کا نام مشہور ہے وہ ان لوگوں کے پاس جامع منصور میں آیا اور بیان کیا کہ میں نے اللہ سے ایک معاملے میں عہد کیا تھا پھر اسے توڑ بیٹھا تو میں نے اپنی سزا یہ مقرر کی کہ چالیس دن تک پھوٹ کھاؤں گا۔ کہتے ہیں کہ دس دن تو ٹھیک ٹھاک رہا جماعت سے نماز ادا کر لیتا تھا، دوسرے عشرہ میں ضعف کا اثر ظاہر ہوا لیکن پھر بھی اپنا کام کر لیتا تھا۔ تیسرے عشرہ میں بیٹھ کر نماز پڑھنے لگا پھر چوتھے عشرہ میں بالکل پڑ گیا۔

جب چالیس دن پورے ہو گئے تو اس کے لیے شربت دیا گیا اس نے پیا تو ہم نے اس کے حلق میں اس کی آواز اس طرح سنی جیسے جلتے توے پر پانی ڈالا جائے۔ پھر چند دن کے بعد مر گیا۔

میں نے کہا "لا حول ولا . "دیکھو جہالت نے جاہل کا کیا انجام کیا۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا لیکن ہو سکتا ہے معافی ہو جائے۔ اگر کسی کی سمجھ میں آتا اور علماء سے پوچھتا تو علماء اسے بتا دیتے کہ اس پر کفارہ واجب ہے اور جو کچھ اس نے اپنے ساتھ کیا ہے وہ حرام ہے۔ لیکن سب سے بڑی جہالت آدمی کا اپنے آپ کو مستقل سمجھنے لگنا ہے اور یہ سب خرافات تھوڑی تھوڑی کر کے پیدا ہوئیں۔ یہاں تک کہ لوگوں میں راسخ ہو گئیں۔

قرن اول میں ان میں سے کچھ بھی نہ تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم ان چیزوں میں سے کچھ کرتے تھے۔ ان کا دستور یہ تھا کہ وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے آسودگی سے ذرا کم کھاتے تھے اور جب نہ ملتا تو صبر کرتے تھے۔ بس جو اقتدا کا ارادہ رکھتا ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا اور صحابہ کا اتباع کرے کیونکہ اسی میں شفاء ہے اور گوہر مقصود یہی۔

اور سمجھدار آدمی کے لیے یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ کسی ایسی بڑی شخصیت کی بے جا تقلید میں مبتلا ہو جس کا نام مشہور ہو گیا ہو اور کہنے لگے ابو یزیدؒ نے یہ فرمایا اور سفیان ثوریؒ کا یہ فرمان ہے کیونکہ مقلد اندھا ہوتا ہے ورنہ ہم نے کتنے اندھوں کو دیکھا کہ کسی نے ان کو چلنے سے عار محسوس کرتے ہیں۔ جس نے اس مضمون کو سمجھ لیا جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ہمیشہ نقص واقعی کی طلب میں رہے گا جس کی توفیق اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔

الحمد للہ حصہ اول ختم ہوا

مجالس جوزیہ

(حصہ دوم)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

بدعت کی بنیاد فلسفہ اور رہبانیت

مجلس.... ہمارے اس دین کے اندر علم اور عمل دونوں طرف سے داخل ہونے والی بدعتوں پر میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ایسے دو راستوں سے داخل ہوئی ہیں جو اس دین سے پہلے سے موجود تھے اور لوگوں کے دل ان سے مانوس تھے۔

چنانچہ علم اور اعتقاد میں داخل ہونے والی بدعتیں فلسفہ کے راستے سے آئی ہیں۔ اس طرح کہ علماء میں سے ایک جماعت نے ہمارے دین کے سلسلے میں اس پر اکتفا نہیں کی جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قناعت فرمائی تھی۔ یعنی صرف کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر توجہ مرکوز نہیں رکھی بلکہ فلسفہ کے مباحث میں بھی غور و فکر شروع کر دیا پھر وہ اس علم میں داخل ہو گئے جس نے انہیں ان بحثوں میں الجھا کر دیا کہ ان کے عقائد خراب ہو گئے۔

اور عمل کے باب میں داخل ہونے والی بدعتیں رہبانیت کے راستے سے آئی ہیں کیونکہ زاہدوں کی ایک جماعت نے راہبوں سے تقشف اور بدحالی کا راستہ حاصل کیا صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی سیرت پر نظر نہیں ڈالی اور ان لوگوں نے دنیا کی مذمت سنی تو اس کے مقصود کو نہیں سمجھ سکے۔ پھر مقصود کے سمجھنے میں غلطی کے ساتھ علم شریعت سے بعد بھی کی انتہا ہو گئی اس لیے قبیح بدعتیں وجود میں آ گئیں۔

سب سے بڑی خرابی جس سے ابلیس نے ابتداء کی وہ یہ تھی کہ بعض علماء نے جب علم دین سے بے رغبتی کا مشورہ دیا تو انہوں نے اپنی کتابوں کو دفن کر دیا یا پانی سے دھو ڈالا۔ پھر ان کے لیے اپنے گمان کے مطابق عبادت کا گوشہ نشینی پر آمادہ کیا پھر ان کے ایسے باطل دعووں کو جن سے عوام کے دلوں میں بدعت بے ہودگی کے سامنے ظاہر کیا۔ اس طرح سے انہوں نے ان کی خواہشات کو ان کا

مجبور بنا ڈالا اگر انہیں اسی وقت جبکہ انہوں نے کتابوں کو دفن کیا اور علم سے جدا ہوئے احساس ہو جاتا کہ وہ اپنا چراغ بجھانے جا رہے ہیں تو ایسا نہ کرتے لیکن انہیں تو اس دن نہایت لطیف چال چل رہا تھا۔ جب ان سے ان کا علم زمین کے نیچے دفن کرا رہا تھا۔

حالانکہ علم ہی کے ذریعے دونوں راستوں کا فساد معلوم ہو سکتا ہے اور صحیح فیصلہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں علم سے محروم نہ کرے کیونکہ بلاشبہ وہ نور ہے تاریکیوں میں، غم خوار ساتھی ہے تنہائیوں میں اور مددگار دوست ہے ضرورت کے وقت۔

وقت کی قیمت پہچانو

مجلس.... اللہ کی پناہ مانگتا ہوں بیکاروں کی صحبت سے کیونکہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ میرے ساتھ بھی وہ معاملہ کرتے ہیں جس کے خود عادی ہو گئے ہیں یعنی زیارت اور ملاقات کی کثرت اور اپنے اس آنے جانے کو "خدمت" کہتے ہیں۔ یہ لوگ میرے پاس بیٹھنا چاہتے ہیں اور پھر دوسرے لوگوں کی باتیں شروع کر دیتے ہیں جس میں فضول باتیں بھی ہوتی ہیں اور غیبت بھی۔

یہ ایسی چیز ہے جس میں ہمارے زمانے کے اکثر لوگ مبتلا ہیں بلکہ بعض اوقات وہ بزرگ جن کی زیارت کی جا رہی ہے وہ بھی اس کی خواہش کرتے اور اس کی طرف شوق سے مائل ہوتے ہیں کیونکہ تنہائی سے وحشت زدہ ہو جاتے ہیں۔

خاص کر عید اور دوسری تقریبات کے موقع پر تو تم دیکھو گے کہ لوگ ایک دوسرے کے پاس جا کر صرف سلام اور مبارکباد پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ وقت برباد کرنے کا عیب بھی شامل کر دیتے ہیں جس کا ابھی میں نے ذکر کیا۔

لہٰذا جب میں نے دیکھا کہ وقت سب سے قیمتی چیز ہے اور اس کو کسی اچھے کام میں ہی خرچ کرنا چاہیے تو یہ صورت حال ناگوار معلوم ہوئی۔ اب میں دو حالتوں کے درمیان گھر گیا۔ اگر ان پر نکیر کروں اور صاف صاف کہہ دوں تو ایک مانوس طریقہ کو ختم کر دینے سے ان کو وحشت ہوگی اور اگر ان سے ملاقات کو گوارا کروں تو میرا وقت ضائع ہوتا ہے۔

اس لیے اب اپنی کوشش کے بقدر ملاقات کو ٹالتا ہوں اور اگر مجبور ہو جاتا ہوں تو گفتگو میں

اختصار سے کام لیتا ہوں تاکہ جلدی فرصت ملے۔ اس کے ساتھ کچھ ایسے کام میں نے اختیار کر لیے جو ان سے ملاقات کے وقت گفتگو میں حارج نہ ہوتے ہوں تاکہ وہ وقت بھی خالی نہ گزرے۔ چنانچہ ملاقات کے اوقات میں کاغذ کاٹنا، قلم تراشنا، کاپیوں کو درست کرنا وغیرہ شروع کر دیا کیونکہ یہ چیزیں بھی ضروری ہیں اور ان میں کسی فکر یا دل کے حضور کی ضرورت نہیں رہتی تو میں نے ان کاموں کو ملاقات کے وقت کے لیے مقرر کر لیا تاکہ میرے وقت کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم لوگوں کو زندگی کے اوقات کا شرف پہچاننے اور اس کو غنیمت سمجھنے کی توفیق عطا کرے۔ خود میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ زندگی کا مقصد نہیں جانتے کچھ تو ایسے ہیں کہ زیادہ مالدار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مال کمانے سے بے نیاز کر دیا ہے تو یہ لوگ دن بھر بازار میں بیٹھے لوگوں کو دیکھتے رہتے ہیں حالانکہ کتنی برائیاں اور کتنے منکرات سامنے ہوتے رہتے ہیں۔

بعض خالی بیٹھے شطرنج کھیلتے رہتے ہیں اور بعض اپنا وقت بادشاہوں کے قصے کہانیوں مہنگائی اور ارزانی کی گفتگو وغیرہ میں ختم کرتے ہیں۔

ان سب کو دیکھ کر مجھ کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عمر کے شرف اور عافیت کے زمانہ کی قدر پہچاننے کی توفیق نہیں دی حالانکہ اس کی قدر وہی کر سکتا ہے جس کو توفیق خداوندی میسر ہو اور یہ قدر جس دل میں اتار دی جائے۔

وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ۔ "اور اس کو نہیں پا سکتا مگر وہی شخص جس کو بڑا حصہ ملا ہو"

عالم کے مراحل حیات کیلئے مشغل

مجلس.... میں اس رائے کو درست سمجھتا ہوں کہ تصانیف کا نفع تدریس کے نفع سے زیادہ ہے کیونکہ میں پوری زندگی میں چند ہی طلبہ کو پڑھا سکتا ہوں جبکہ اپنی تصنیفات کے ذریعے بے شمار مخلوق کو تعلیم دوں گا جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ لوگ جتنا علم اسلاف کی کتابوں سے پاتے ہیں اتنا اپنے اساتذہ اور مشائخ سے نہیں حاصل کر سکتے۔

لہٰذا عالم کے لیے مناسب ہے کہ اگر اسے مفید تصنیف کی توفیق ملے تو تصنیف کا کام خوب کرے (مفید تصنیف کی قید اس لیے زیادہ کر دی) کیونکہ ہر لکھنے والا شخص مصنف نہیں ہو جاتا کیونکہ مقصود کسی چیز کو صرف جمع کر دینا نہیں ہے خواہ کچھ بھی ہو کسی طرح بھی ہو بلکہ مضامین درحقیقت اللہ تعالیٰ کے راز ہوتے ہیں جن پر وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے مطلع کرتا ہے اور اس کو ان کے بیان کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ لہٰذا بکھرے ہوئے مضمون کو جمع کرتا ہے اور پھر مرتب کر کے ترتیب دیتا ہے یا غیر واضح مضامین کی تشریح کرتا ہے اور یہی مفید تصنیف ہے۔

تصنیف و تالیف کے لیے درمیانی عمر کو غنیمت سمجھنا چاہیے کیونکہ ابتدائی عمر طلب علم کا زمانہ ہے اور آخر عمر حواس کے بیکار ہو جانے کا وقت ہے۔

اگرچہ کبھی عقل و فہم عمر کے اندازے سے پہلے ہی دھوکہ دے دیتے ہیں لیکن وقت کی تعیین عام عادت کو دیکھ کر کی جاتی ہے کیونکہ انسان غیب کا علم نہیں رکھتا ہے۔ لہٰذا حفظ اور طلب علم کے مشاغل چالیس سال کی عمر تک ہوں پھر چالیس کے بعد تصنیف اور تعلیم شروع کرے۔

لیکن یہ مشورہ اس وقت ہے جبکہ وہ اپنے مطلوبہ حفظ اور علوم کا ذخیرہ جمع کر چکا ہو اور مضامین کے اخذ و انتخاب پر قادر ہو چکا ہو ورنہ تو اگر کتابوں کی کمی کی وجہ سے یا ابتدائی عمر میں طلب میں کمزوری کی وجہ سے اب تک مطلوبہ استعداد و ذخیرہ علوم نہ حاصل کر پایا ہو تو شغل تصنیف کو پچاس کی عمر تک مؤخر کر دے پھر پچاس کی عمر سے تصنیف و تدریس کا آغاز کرے ۷۰ سال کی عمر تک پھر ۷۰ سال کے بعد تدریس و تعلیم میں اضافہ کر دے۔ حدیث اور دوسرے علوم کو سنے اور اپنی تصانیف کو درست کرے تاکہ اہمیت کے قابل ہو جائیں اور یہ سب کام ستر کی عمر تک ہو اور جب ستر سے عمر آگے بڑھ جائے تو اپنے اوپر آخرت کی یاد اور کوچ کی تیاری کا خیال غالب کر لے۔ لہٰذا سوائے ایسی تدریس کے جس کو ثواب سمجھتا ہو یا ایسی تصنیف کے جس کی ضرورت پیش آ جائے کیونکہ یہ آخرت کے لیے سب سے بہتر سامان ہیں ہر چیز سے الگ ہو کر اپنے آپ کو نفس کی طرف متوجہ کر دے پھر ساری فکر نفس کی صفائی میں اخلاق کے سنوارنے میں اور لغزشوں کی اچھی طرح تلافی کرنے میں لگا دے۔

اب اگر ان مرتبوں میں سے کسی مرتبہ میں موت آ گئی تو سمجھ لو کہ "مومن کی نیت اس کے عمل

سے بہتر ہے" اور اس مراتب تک پہنچ گیا تو ہم ہر مرحلے کے لیے مناسب مشورہ ذکر کر چکے ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے اپنے لیے کفن بنا لینا چاہیے۔"

جبکہ علماء کی ایک جماعت ۷۰ سال کی عمر کو پہنچ چکی ہے جن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں تو اگر اس عمر کو پہنچ جائے تو سمجھ لے کہ قبر کے گڑھے کے کنارے پر ہے اور اس کے بعد ہر آنے والا دن قابل تعجب ہے۔

اور اگر اس کے اسی (۸۰) سال پورے ہو جائیں تب تو پھر اپنی ساری توجہ اور فکر اپنے اخلاق کی صفائی اور توشہ کی تیاری میں لگائے استغفار کو اپنا ساتھی بنالے اور ذکر کو دوست اور نفس کے محاسبہ میں علم کے افادہ میں اور مخلوق سے ملنے جلنے میں باریک بینی سے کام لے کیونکہ لشکر کے قریب آ جانے کے بعد پیش آنے والے حملے سے حفاظت ضروری ہو جاتی ہے اور کوچ سے پہلے اپنی نشانی اور اثر چھوڑ جانے کی کوشش کرے۔ مثلاً علم کی اشاعت کرے یا کتابوں کی تقسیم یا کچھ مال خرچ کر جائے (جو صدقہ جاریہ بن جائے)

آخری بات یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ جس کو دوست بناتے ہیں اس کو علم عطا فرماتے ہیں اور جس کو "مراد" بنا لیتے ہیں اس کو الہام عطا فرماتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم کو دوست بنا کر ہم پر انعام فرمائے اور ہم سے اپنا رخ نہ پھیرے۔

عبادت کے بجائے رسم' باطن کے بجائے ظاہر

مجلس ... میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کی عادتیں شریعت پر عمل کے مقابلے میں غالب آ گئی ہیں لہٰذا وہ کسی کام کے کرنے سے اس لیے وحشت کھاتے ہیں کہ ان کی عادت کے خلاف ہے شریعت کی ممانعت کی وجہ سے نہیں باز آتے۔

چنانچہ کتنے ایسے آدمی جو بیچے کیے جاتے ہیں خرید و فروخت کرتے ہیں۔ جب ان کو چاندی کے چند ٹکڑے حاصل ہوتے ہیں تو بغیر کسی امام کے مذہب کی رعایت کیے بیچ چاندی کے بدلے بیچ دیتے ہیں (جو سود ہو جاتا ہے) یا رخصت پر عمل کر لیتے ہیں کیونکہ یہی لوگوں کا

عرف ہو چکا ہے علماء سے استفتاء کو دشوار سمجھتے ہیں۔

اسی طرح ہم بہت لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ صلوٰۃ الرغائب تو بہت اہتمام اور پابندی سے پڑھتے ہیں (جو نفل نماز ہے) لیکن فرض نمازوں میں سستی کرتے ہیں ایسے ہی بہت سے بنے ہوئے صوفیوں کو دیکھا کہ لوگوں پر ظلم کرکے ان کا مال کھانے سے نہیں بچتے۔ البتہ غریبوں پر صدقہ کرتے ہیں۔ نیز طرح طرح کے بہانے اور تاویل سے کام لے کر زکوٰۃ نکالنے میں سستی اور لاپرواہی کرتے ہیں۔ پھر جب ان میں سے کوئی شخص وعظ کی مجلس میں حاضر ہوتا ہے تو روتا ہے۔ گویا وہ اس کے ذریعے لوگوں کو بہلاتا ہے اور بعض کچھ مال زکوٰۃ کے نام سے نکال دیتے ہیں تاکہ بقیہ مال کے سلسلے میں لوگوں کو بہکا دیں اور بعض اس کو جانتے ہیں کہ اصل میں حرام ہے لیکن عرف اور عادت کی وجہ سے اس کو چھوڑنا دشوار معلوم ہوتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ طلاق کی قسم کھاتے ہیں پھر قسم ٹوٹ جاتی ہے (اور طلاق پڑ جاتی ہے) لیکن بیوی کو چھوڑنا دشوار سمجھتے ہیں پھر کوئی تاویل کرتے ہیں اور کبھی تاویل میں بھی سستی کرتے ہیں اپنے نفس سے توبہ کا وعدہ کر کے اس بھروسہ پر کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے۔

اور بعض یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت پر عمل کرنے سے معاش میں تنگی ہو جاتی ہے اور یا اس وجہ سے کہ وہ آزادی سے مانوس ہو جانے کی وجہ سے اپنے مانوس طریقوں اور معاملات کو چھوڑنا دشوار سمجھتا ہے حالانکہ لوگوں کے یہی عرف ان کو برباد کرنے والے ہیں۔

میرے پاس ایک اسی (۸۰) سال کی عمر کے بوڑھے آدمی آئے میں نے ان سے ایک دکان خریدی اور معاملہ پکا کر لیا۔ پھر جب ہم لوگ جدا ہوئے تو کچھ دن بعد بھول کر دے دیا۔ میں نے حاکم کے پاس چلنے کو کہا تو اس سے انکار کر دیا تب زبردستی حاضر کر دیا مگر وہ جھوٹی قسم کھا گئے کہ ہم نے فروخت نہیں کی ہے تو میں نے سوچا کہ اب اس پر شریعت نہیں جاری ہو سکتی۔ مزید یہ کہ اس بوڑھے نے میرے اور اپنے درمیان حائل ہونے والے غلاموں کو رشوت دینی شروع کر دی۔

اس وقت میں نے ان عوام کو اس پر عادت اور عرف کا غلبہ ہے۔ دیکھا کہ وہ کسی فقیہ اور مفتی کے قول کی طرف نظر نہیں کرتے بلکہ بعض تو یہ کہتے تھے ابھی اس نے قیمت پر قبضہ نہیں

کیا۔ پھر بیع کیسے درست ہو گئی؟

کوئی یہ کہتا کہ تمہارے لیے بغیر اس کی رضامندی کے اس کی دکان لینا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اور کوئی یہ کہتا کہ تمہارے اوپر ضروری ہے کہ تم معاملہ ختم کردو اقالہ کرلو۔ لیکن جب میں نے اقالہ نہیں کیا تو وہ اور اس کے رشتہ دار میری آبرو کے در پے ہو گئے۔ دراصل اس نے یہ سوچ کر وہ اپنی حیثیت کی حفاظت کر رہا ہے۔ پھر رشوت دے کر شکایت کی اور جھوٹ کے ذریعہ اس کو ایسا ابھر دیا کہ میں دہشت زدہ ہو گیا کیونکہ وہ ظالموں کی ایک جماعت کو رشوت بھی دے چکا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے بھی خوب کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ان کے شر سے بچا لیا۔

پھر میں نے اس بوڑھے پر حاکم کے سامنے گواہ پیش کیے تو بعض دنیا داروں نے حاکم سے کہا کہ میرے حق میں فیصلہ نہ کریں تو باوجود اس کے کہ مدعی کے نزدیک بیع ثابت ہو چکا تھا مگر فیصلہ نہیں کیا۔

اس طرح میں نے جب اس حاکم اور نائب اس سے بھی بڑے حاکم کو دیکھا کہ محض اپنی سرداری کی حفاظت کے لیے صحیح فیصلہ نہیں کرتے ہیں تو میرے نزدیک اس بوڑھے کا فعل جو اس نے اپنے مال کی حفاظت کے لیے کیا تھا ہلکا ہو گیا کیونکہ وہ تو جاہل تھا اور یہ خوب عالم تھے تو اس سے یہ بات کھل گئی کہ ان لوگوں کا شریعت کے مقابلے میں تعصب ہو گیا ہے اور شریعت سے بے رغبتی بڑھ گئی ہوئی ہے

اب اگر کبھی شریعت کی موافقت پائی بھی جاتی ہے تو وہ بے پروائی کے ساتھ یہ عادت اور عرف کی وجہ سے (نہ کہ شریعت کے حکم کی وجہ سے) چنانچہ دیکھو اگر کسی آدمی کو کوڑا بھی مارا جائے کہ روزہ توڑ دے تو نہیں توڑتا عام عادت ہو جانے کی وجہ سے روزہ نہیں توڑ سکتا۔ لیکن لوگوں کی آبرو (غیبت و بہتان کے ذریعے) لوٹ لیتا رہتا ہے کیونکہ اس کا عام چلن ہے اب اسی بوڑھے کو میں نے کتنا دیکھا کہ نماز پڑھتا ہے اور پابندی سے پڑھتا ہے لیکن جب اپنی غرض کو فوت ہوتے ہوئے دیکھا تو شریعت کو ایک کنارے کر دیا۔ اسی طرح ان حکام کو بھی میں کتنا دیکھتا تھا کہ عبادت کرتے ہیں اور علم کی طلب میں رہتے ہیں لیکن جب انہیں اپنی ریاست اور سرداری پر خوف ہوا کہ چھن جانے کی تو دین کا پہلو چھوڑ بیٹھے۔

پھر آخرکار اللہ تعالیٰ نے میری نصرت کی اور حاکم نے خود ہی وہ فیصلہ نافذ کر دیا جو اس نے

نزدیک ثابت ہو چکا تھا اور شریعت کا فیصلہ جاری ہو گیا۔ آخرکار وہ بوڑھا محرومی کے ساتھ مر گیا۔
اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم کو شریعت کی تابعداری اور خواہشات کی مخالفت کی توفیق عطا فرمائے۔

خلوت اور وقارِ علم کی حفاظت

مجلس.... میں سمجھتا ہوں کہ عالم کے لیے خلوت سے بہتر نہ کوئی لذت ہے نہ شرف نہ راحت ہے اور نہ سلامتی اور خلوت ہی کے ذریعے بدن کی اور دین کی سلامتی اور اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے نزدیک کوئی مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے۔
کیونکہ مخلوق کے نزدیک وہ عالم جو ان سے میل جول رکھتا ہو بے قدر ہو جاتا ہے اور اس کی عزت ان کے دلوں میں کم ہو جاتی ہے اور یہی وجہ ہے خلفاء اسلام کی قدر زیادہ ہونے کی کہ وہ لوگوں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔
جب عوام کسی عالم کو دیکھتے ہیں کہ وہ کسی مباح کام میں رخصت پر عمل کر رہا ہے تو ان کے نزدیک وہ بے قدر ہو جاتا ہے اس لیے عالم پر اپنے علم کی حفاظت اور عوام کے نزدیک اس کے مرتبہ کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ بعض سلف کا قول ہے کہ ہم لوگ مزاح اور ہنسی کیا کرتے تھے لیکن جب ہماری اقتدا کی جانے لگی تو اب میں اس کی گنجائش نہیں سمجھتا۔
اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس علم دین کو حاصل کرو اور اس کو بند کر کے رکھو اس میں مذاق کی آمیزش نہ کرو ورنہ لوگوں کے دل اس کو اگل دیں گے۔
عام لوگوں کی رعایت کا انکار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

لولا حدثان قومک فی الکفر لنقضت الکعبۃ وجعلت لھا بابین۔
"اگر تمہاری قوم تازہ تازہ کفر سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو توڑ کر اس کے لیے دو دروازے بنا دیتا۔"

اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نفل کے متعلق فرمایا۔ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ ان کو مکروہ سمجھتے ہیں تو میں نے بھی ان کو چھوڑ دیا۔

خبردار! تم کسی ایسے جاہل کی بات مت سننا جو ان چیزوں کو ریا قرار دے، یہ ریا نہیں ہے بلکہ علم کی حفاظت ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر کوئی عالم لوگوں کے سامنے ننگے سر نکل آوے یا ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا لیے کھاتا ہوا چلا آوے تو عوام کے نزدیک بے حیثیت ہو جائے گا۔ اگرچہ یہ کام مباح ہے لیکن وہ اس بد پرہیز طبیب کے مثل ہو جاتا ہے جو دوسروں کو پرہیز کا مشورہ دیتا ہو۔

لہٰذا کسی عالم کے لیے مناسب نہیں ہے کہ عوام سے گھل مل کر رہے تا کہ خود عوام کا دین مضبوط رہے اور جب کسی مباح کام کا ارادہ کرے تو عوام سے چھپ کر کرے۔

یہی وہ قدر اور عزت ہے جس کو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت ملحوظ رکھا تھا جب انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شام آتے ہوئے دیکھا کہ ایک گدھے پر سوار ہیں اور آپ کے دونوں پیر ایک ہی طرف ہیں تو عرض کیا:

اے امیر المومنین! آپ سے بڑے بڑے لوگ ملنے آویں گے (لہٰذا اپنی ہیئت بدل دیجئے) تو دیکھو آپ نے کیسی اچھی بات ملحوظ رکھی۔

البتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصل کی حفاظت کے لیے حضرت ابو عبیدہ کی تادیب کرنی چاہی۔ اس لیے فرمایا:

ان اللّٰہ اعزکم بالاسلام فمهما طلبتم العز فی غیرہ اذلکم۔

"اللہ تعالیٰ نے تم کو اسلام کے ذریعے عزت بخشی ہے تو جب بھی تم اس کے علاوہ کسی طریقے میں عزت چاہو گے وہ تم کو ذلیل کرا دے گا۔"

مطلب یہ ہے کہ تم کو عزت دین سے حاصل کرنی چاہیے نہ کہ افعال کی ظاہری صورتوں سے اگرچہ صورتوں کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے۔ جیسے کہ آدمی اپنے گھر کے اندر تنہائی میں ننگے بدن رہتا ہے اور جب لوگوں کے پاس آنا چاہتا ہے تو وہ کپڑے (کرتا پاجامہ) ٹوپی اور چادر پہن کر نکلتا ہے اور یہ بناوٹ نہیں ہے نہ تکبر۔

جبکہ حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ غسل فرماتے خوشبو لگاتے۔

پھر حدیث شریف کے درس کے لیے بیٹھتے۔

اے مخاطب خبردار! وہ جو تم دیکھتے ہو کہ علماء بادشاہوں کے دروازوں پر نظر آتے ہیں کبھی اس کی طرف توجہ نہ ہونا کیونکہ خلوت علم اور عالم دونوں کی محافظ ہے اور ایسے علماء حق ان سے نفع نہیں اٹھاتے اس سے زیادہ وہ اپنا کھو بیٹھتے ہیں۔

سید الفقہاء حضرت سعید بن المسیب حاکموں کے پاس نہیں جاتے تھے۔ اس وجہ سے لوگوں نے ان پر اعتراض و تنقید کی ہمت نہیں کی۔

لہٰذا اگر تم لذت اور راحت چاہتے ہو تو اے علم والو! اپنے گھر کے اندر رہو اور (وہاں بھی) اگر اپنے گھر والوں سے کنارہ کش رہو تو تمہاری زندگی اور خوشگوار ہو جائے گی۔ بیوی بچوں سے ملاقات کے لیے ایک وقت متعین کرلو کیونکہ جب انہیں ایک وقت معلوم ہو جائے گا تو پھر اس وقت تم سے ملاقات کے لیے تیاری کریں گے اور اس طرح تمہارا رہن سہن بہتر ہو جائے گا۔

تمہارے گھر میں ایک کوٹھڑی ایسی ہونی چاہیے جس میں خلوت اختیار کرسکو تاکہ اس میں جا کر اپنی کتابوں کی سطروں سے گفتگو کرسکو اور اپنی فکر کے میدان میں دوڑ سکو۔

لوگوں سے ملنے جلنے خاص کر عوام سے ملاقات سے پرہیز کرو۔

اتنی آمدنی حاصل کرنے کی کوشش کرو جو تم کو لالچ سے محفوظ رکھے کیونکہ یہ چیز دنیا میں عالم کے لیے آخری درجہ کی لذت ہے۔

حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ ہم لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں بیٹھتے؟ آپ نے فرمایا: "میں حضرات صحابہ اور تابعین کے پاس جا کر بیٹھتا ہوں" آپ کا اشارہ اس کی طرف تھا کہ کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں (جن میں صحابہ و تابعین کے ارشادات ہوتے ہیں)

جب کسی عالم کو لوگوں سے استغناء اور خلوت کی توفیق مل جاتی ہے اور اس کے پاس ایسا فہم بھی ہوتا ہے جس سے وہ تصنیف و تالیف کا کام کرتے تو سمجھو کہ اس کی لذت کامل ہوگئی اور اگر ایسا فہم بھی مل گیا جو اسے حق تعالیٰ کی معرفت اور اس کی مناجات کی طرف لے جائے تو پھر تو موت سے پہلے ہی وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو ایسی بلند ہمت عطا فرمائے جو کمال کی طرف لے

جائے اور نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔" حق کے حاسدین کے اوپر معدودے چند ہی افراد ہیں۔"

حیات ابن الجوزیؒ کے کچھ گوشے

مجلس..... میں نے درجات کی بلندی کے سلسلے میں لوگوں کے حالات میں غور کیا تو اکثر لوگوں کے حالات میں گھاٹا اور نقصان ہی ثابت ہوا۔

بعض ایسے تھے جنھوں نے جوانی میں خوب گناہ کیے۔ بعض نے تحصیل علم میں کوتاہی کی اور بعض زیادہ سے زیادہ لذتوں کے حاصل کرنے میں ہی لگے رہے۔ پھر سب کے سب اپنے بڑھاپے میں تلافی کرنے کا وقت کھو دینے کی وجہ سے نادم تھے کوئی ان گناہوں کی وجہ سے جو گزر گئے کوئی ان قوتوں کے لیے جو ضعیف ہو گئیں اور کوئی اس فضیلت کے لیے جو ختم ہو گئی۔ اس طرح بڑھاپے کا زمانہ حسرتوں میں گزرتا ہے۔

پھر اگر کسی بڈھے کو گزشتہ گناہوں سے ہوش آ جاتا ہے تو کہتا ہے ہائے افسوس ان گناہوں پر جو مجھ سے سرزد ہوئے اور اگر ہوش نہیں آتا تو پھر ان قوتوں کے فوت ہونے پر افسوس کرتا ہے جن سے لذت حاصل کرتا تھا۔ البتہ جس شخص نے جوانی کا زمانہ علم کے مشغلہ میں خرچ کیا تو بڑھاپے میں اس کے لگائے ہوئے درختوں کے پھلوں پر اس کی تعریف کی جاتی ہے اپنی جمع کردہ تصانیف سے لطف اندوز ہوتا ہے اور علم کے ذریعے حاصل ہونے والی لذتوں کے سامنے بدن کی قوت ہونے والی قوتوں کا کچھ خیال نہیں کرتا اور یہ سب اس لذت کے ساتھ ہوتا ہے جو کسی مقصود کے حاصل کرنے کے لیے غور و فکر کرنے میں ہوا کرتی ہے۔

بعض اوقات وہ عمل اپنے مقصد سے زیادہ خوشگوار معلوم ہوتا ہے جو اس کو حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

اعزّ عند تمنّی وصلها طربا　　　　وربّ امنیۃ احلی من الظفر

"اس کے وصل کی تمنا کے وقت خوشی سے جھومتا ہوں اور بعض تمنائیں کامیابی سے زیادہ شیریں ہوا کرتی ہیں۔"

میں نے اپنے اور اپنے اہل خاندان کی بابت غور کیا جنھوں نے اپنی عمریں دنیا

جیسے پیاسا شیریں پانی کی طرف مائل ہوتا ہے مگر مجھ کو صرف اللہ تعالیٰ کے اس خوف نے ان سے روکا جو مجھ کو اس کے ذریعے حاصل ہوا تھا۔ اگر وہ لغزشیں نہ ہوتیں جن سے کوئی انسان خالی نہیں ہوتا تو مجھ کو تو اپنے اوپر عجب اور ناز کا ڈر ہونے لگا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بچا لیا اور علم عطا فرمایا۔ پھر علم کے اسرار میں سے اپنی معرفت سے نوازا اور اپنے ساتھ خلوت کو پسند پیدا بنایا۔ حتیٰ کہ اگر میرے ساتھ معروفؒ اور بشرؒ بھی رہتے تو (خلوت میں مخل ہونے کی وجہ سے) میں ان کو زحمت خیال کرتا۔

پھر خدا تعالیٰ کا فیصلہ بدلا تو اس نے مجھ کو کوتاہیوں اور غلطیوں میں مبتلا کر دیا۔ حتیٰ کہ میں ساری مخلوق میں سب سے کمتر شخص کو بھی اپنے سے بہتر سمجھنے لگا (یعنی اپنے کو سب سے کمتر تصور کرنے لگا) کبھی تہجد کے لئے اور رات کی مناجات کے لئے اٹھنے کی توفیق رہتی اور کبھی صحت کے باوجود اس سے محروم کر دیتا۔ اس موقع پر اگر عقل کی طرف سے یہ خوشخبری نہ ملتی کہ یہ سب تہذیب و اصلاح کے طریقے ہیں تو میں اچھے اعمال کے وقت عجب میں مبتلا ہو جاتا یا (برے اعمال اور) بے کاری کے وقت مایوس ہو کر بیٹھ جاتا لیکن اس کے فضل کی امید اس کے خوف کے برابر ہوگئی (اور میں ہلاکت سے بچ گیا) بلکہ اچھے اسباب کے قوی ہونے کی وجہ سے کبھی امید ہی زیادہ غالب رہتی ہے۔

کیونکہ میں نے دیکھا کہ جب میں بچہ تھا اس وقت اس نے میری پرورش کی کیونکہ میرے باپ تو بچپن کے زمانہ میں فوت ہو چکے تھے اور ماں نے میری طرف توجہ نہیں کی اور میری طبیعت میں علم کی محبت مرکوز کی پھر وہ مجھ کو اہم سے اہم علم کی طرف لے جاتا رہا اور ایسے ایسے اساتذہ کے پاس پہنچاتا رہا جو سب سے بہتر اور درست علم رکھتے تھے۔ اس طرح میرا معاملہ درست کیا اور جو کسی مرتبہ کسی دشمن نے میرے متعلق کوئی ارادہ کیا تو اس نے اس کو روکا۔

لہٰذا جب میں نے دیکھا کہ اس نے میری مدد کی مجھ کو بصیرت سے نوازا۔ میری طرف سے دفاع کیا اور بڑے بڑے انعامات سے مجھ کو نوازا تو ماضی کے اس برتاؤ کو دیکھ کر مستقبل کے لئے بھی میری امید قوی ہو گئی۔ وعظ و نصیحت کی مجلسوں میں میرے ہاتھ پر دو لاکھ سے زیادہ افراد نے توبہ کی (یعنی بیعت ہوئے) اور دو سو سے زائد افراد مسلمان ہوئے۔ کتنے

متکبروں کی آنکھیں جو کبھی آنسو نہیں بہاتی تھیں میری نصیحت سے بہانے لگ گئیں۔ لہٰذا جو شخص اپنے ایسے انعامات کا تصور کرے اس کو حق ہے کہ وہ ان کی تکمیل کی امید رکھے۔ البتہ کبھی اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں کی طرف نظر توقف کے اسباب سامنے کر دیتی ہے۔

ایک دن میں وعظ کے لیے بیٹھا تو دیکھا کہ میرے ارد گرد دس ہزار سے زیادہ کا مجمع موجود تھا اور ان میں ایک فرد بھی ایسا نہیں تھا جس کا دل پگھل نہ چکا ہو یا اس کی آنکھ آنسو نہ بہا رہی ہو۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے نفس سے کہا ”تمہارا کیا حال ہوگا اگر یہ لوگ نجات پا گئے اور تم ہلاک ہو گئے؟“ یہ سوچ کر میں اپنے وجدانی زبان سے چیخ پڑا اور دعا کی:

”میرے آقا! میرے مولیٰ! اگر آپ نے کل قیامت میں مجھ پر عذاب کا فیصلہ کیا تو میرے عذاب کی ان کو خبر نہ کیجئے گا۔ یہ میری وجہ سے نہیں بلکہ محض اپنے کرم کی حفاظت کے لیے تاکہ یہ لوگ یہ نہ کہیں کہ اسی شخص کو عذاب دیا جا رہا ہے جس نے خدا تعالیٰ تک رہنمائی کی تھی۔

میرے معبود! آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ ابن ابی منافق کو قتل کرا دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔“ (یہ کہہ کر قتل سے پرہیز کیا) لہٰذا اے میرے معبود! میرے سلسلے میں اپنے کرم سے متعلق ان کے حسن اعتقاد کو باقی رکھئے کہ آپ اپنی طرف رہنمائی کرنے والے کے عذاب کی ان کو خبر نہ کیجئے۔

خدا کی قسم آپ کی پناہ! اے میرے پروردگار! صاف ستھرے پانی کے خراب ہو جانے سے۔

لا تبر عوداً انت ریشتہ — حاشا لبانی الجود ان ینقضا

لا تعطشن الزرع الذی نبتہ — بصوب انعامک قد روضا

”کسی لکڑی کو نہ تراشو جس کو تم نے درست کیا ہو۔ محسن کو احسان کرنے کے بعد اس کا توڑنا نہیں چاہیے۔ اس کھیتی کو پیاسا نہ کرو جس کو تم نے اگایا ہو اور جو تمہارے انعام کی بارش سے شاداب ہوئی ہو۔“

لذت تو عشق میں بھی نہیں ہوتی

مجلس... کبھی آدمی پر یہ معاملہ گزرتا ہے کہ جب اس کے پاس کوئی ایسی عورت یا باندی نہیں رہتی جس سے اس کو محبت ہو تو سوچتا ہے کہ دنیا میں وہ کوئی لذت نہیں پا سکتا۔ پھر جب کسی ایسے محبوب کی تصویر بنتا ہے جس سے محبت ہو تو ایک خاص لذت

کا خیال پڑتا ہے اور جب اس کے پاس ایسی بیوی ہو جس کی طرف طبیعت کا میلان نہ ہو تو اپنے آپ کو محروم تصور کرتا ہے چونکہ یہ معاملہ بہت ہی مخفی امور میں سے ہے اس لیے اس کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ "ملکیت میں آنے والی چیز اکتا دینے والی ہوتی ہے۔" جب بھی کوئی انسان ایسی چیز پر جس کی خواہش رکھتا ہو قدرت پاتا ہے تو اس سے اکتا جاتا ہے اور دوسری چیز کی طرف مائل ہو جاتا ہے کبھی تو اس کے ان عیوب کے ظاہر ہو جانے سے جو پہلے مخفی تھے سامنے آ جاتے ہیں یوں کہ کسی نے کہا ہے:

"عشق محبوب کے عیوب سے اندھا ہوتا ہے" اور کبھی اس پر قدرت پا لینے کی وجہ سے کیونکہ انسان کا نفس ہمیشہ ایسی چیزوں کی طرف بڑھتا ہے جن پر اس کو قدرت نہ ہو۔

پھر اگر ہم فرض کر لیں کہ قدرت کے ساتھ محبت باقی رہی تو بلاشبہ ایسا بھی ہو جاتا ہے لیکن یہ محبت قدرت کے بقدر کم ہوگی (یعنی جس قدر قدرت زیادہ ہوگی محبت میں کمی ہوگا) کیونکہ محبت کو بڑھاتی ہے محبوب کی ظلم و زیادتی جو اس کے دور ہونے کے مثل ہے یا پھر موافقت سے اس کی دوری۔

اور اگر سچی محبت ہو ہی گئی تو بھی کچھ نہ کچھ کدورتیں باقی رہ جاتی ہیں۔ مثلاً محبوب کے متعلق اندیشہ لگا رہتا ہے اور بعض محبوبوں کا اپنے عاشق کی طرف میلان کم ہوتا ہے اس لیے بھی تکلف کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا جب انسان کو اس کا علم ہوتا ہے کہ معشوق کا میلان ہماری طرف کم ہے تو اس کو گھٹن سی ہونے لگتی ہے بلکہ نفرت بھی ہو جاتی ہے اور اگر کسی محبوب سے خیانت کا ڈر ہو جائے تو پھر حفاظت اور نگرانی کی ضرورت پڑ جاتی ہے اور اس سے بھی گھٹن بڑھتی ہے۔

اس لیے سب سے بہتر مرتبہ اعتدال ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسی بیوی پسند کرے جس کی طرف طبیعت کا میلان تو ہو لیکن عشق کے مرتبہ تک نہ پہنچا ہو کیونکہ عاشق تو عذاب میں رہتا ہے۔

کبھی ایسا شخص جو عشق سے خالی ہو۔ یہ سوچتا ہے کہ عاشق کو بہت لذت ملتی ہوگی حالانکہ ایسا نہیں ہے کیوں کہ عاشق کا حال وہ ہوتا ہے جو ان شعروں میں بیان کیا گیا ہے:

وما في الأرض أشقى من محب   وإن وجد الهوى عذب المذاق

تراہ باکیا فی کل وقت — مخافة فرقة او لاشتیاق

فیبکی ان نأوا شوقا الیهم — ویبکی ان دنوا خوف الفراق

فتسخن عینه عند التدانی — وتسخن عینه عند الفراق

"روئے زمین میں عاشق سے زیادہ بدبخت کوئی نہیں ہے۔ اگرچہ عشق کی لذت کو شیریں پاتا ہوں۔ تم اسے ہر وقت روتا ہوا دیکھو گے، کبھی جدائی کے خوف سے اور کبھی وصال کے شوق میں۔ چنانچہ اگر محبوب دور ہوتا ہے تو اس کے شوق میں روتا ہے اور اگر قریب ہوتا ہے تو فراق کے خوف سے روتا ہے۔ قرب کے وقت بھی اس کی آنکھ جلتی رہتی ہے اور فراق کے وقت بھی جلتی رہتی ہے۔"

بلند ہمتی

صیقلی۔ کوئی انسان کبھی بھی بلند ہمتی سے زیادہ بڑی مصیبت میں مبتلا نہیں کیا گیا کیونکہ جس کی ہمت بلند ہوتی ہے وہ ہمیشہ بلند مراتب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن کبھی وقت موافقت نہیں کرتا ہے، کبھی اس کے لیے دوسرے اسباب فراہم نہیں کر پاتا اس لیے ہمیشہ ایک عذاب میں رہتا ہے۔

مجھ کو بھی بلند ہمتی کا ایک حصہ عطا کیا گیا ہے اس لیے میں بھی عذاب میں مبتلا ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کاش مجھ کو یہ حاصل نہ ہوتی کیونکہ عقل کی کمی کے بقدر ہی زندگی شیریں ہوتی ہے اور عقل مند تو عقل کی کمی کے ساتھ کسی لذت کو نہیں پسند کرتا ہے۔

میں نے بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھا جو بلند ہمت کہے جاتے ہیں تو غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ ان کی ہمت ایک ہی فن کے ساتھ خاص ہے اور انھیں دوسرے اس سے اہم فن میں نقص کی کوئی پرواہ بھی نہیں ہے۔ متنبی نے کہا،

ولکل جسم فی النحول بلیة — وبلاء جسمی من تفاوت همتی

"ہر مرد کے جسم میں کوئی نہ کوئی مصیبت ہے میرے جسم کی مصیبت میری ہمت کی بلندی ہے۔"

دیکھو تو اس کی انتہائی آرزو حکومت تھی۔

اسی طرح ابو مسلم خراسانی اپنی جوانی کے وقت میں سوتے نہیں تھے جب ان سے اس

کے متعلق پوچھا گیا تو کہا "ذہن صاف ہے، خیالات دور، آرزوئیں کم، نیز لباس پاکیزہ اور سواری کا
موٹا تازہ ہے اور زندگی بے وقوفوں اور نادانوں کی طرح گزر رہی ہے۔"

پوچھا گیا "تو پھر کس چیز سے آپ کی پیاس بجھے گی؟ کہا حکومت پر قبضہ سے!

کہا گیا تو اس کو طلب کیجئے؟ کہا وہ بغیر خطرات کے حاصل نہیں ہو سکتی!

کہا گیا خطرات میں کود جائیے؟ کہا عقل روک رہی ہے!

کہا گیا تو پھر کیا کریں گے؟ کہا میں اپنی عقل کے کچھ حصے کو جہالت سے بدل دوں گا پھر اسی جہالت کے ذریعے ان خطرات میں پڑوں گا جس میں جہالت ہی کے ذریعے کودا جا سکتا ہے اور عقل کو ان چیزوں کے ساتھ رکھوں گا جو صرف عقل ہی کے ذریعے محفوظ رہ سکتی ہیں کیونکہ گمنامی تو موت کی بہن ہے۔"

تو میں نے اس متکلم کا حال دیکھا کہ اس نے سب سے اہم جانب کو نظر انداز کر دیا۔ یعنی آخرت کی جانب اور حکومت حاصل کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا پھر دیکھو کتنی خونریزیاں اور کتنے قتل ہوئے حتیٰ کہ اس نے دنیاوی لذتوں میں سے اپنی کچھ مراد حاصل کر لی لیکن بس میں بھی کہ آٹھ سال سے زیادہ عیش نہ کر سکا۔ اس پر دھوکے سے حملہ کیا گیا جبکہ وہ عقل کی تدبیر بھولا ہوا تھا اور قتل کر دیا گیا۔ پھر آخرت کی طرف بدتر حال میں گیا۔

اور رومی نے کہا۔

ولی الناس من یرضی بمیسور عیشه — ومرکوبه رجلاه والثوب جلده

ولکن قلبا بین جنبی ماله — مدی ینتهی بی فی مراد احده

یری جسمه یکسی شفوفا تربه — فیختار ان یکسی دروعا تهده

"لوگوں میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو معمولی عیش پر راضی ہیں کہ ان کی سواری ان کے پیر ہیں اور ان کا کپڑا ان کی کھال ہے لیکن میرے پہلوؤں کے درمیان ایک دل ہے جس کے لیے کوئی ایسی انتہا نہیں ہے کہ میں اس کے لیے جو حد مقرر کر دوں وہیں رک جائے۔ وہ اپنے جسم کو دیکھتا ہے کہ نرم اور باریک کپڑے پہنائے جا رہے ہیں جو اس کو آرام سے رکھیں تو اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کو ایسی زرہیں پہنائی جائیں جو اس کے جسم سے الگ کر دیا کریں۔"

میں نے اس شخص کو بھی دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان کی ساری حرص دنیوی چیزوں سے متعلق ہے۔

جبکہ میں نے خود اپنی بلند ہمتی کی طرف نگاہ کی تو اس کو عجیب پایا۔ وہ یہ کہ میں علوم میں اتنے علم کا قصد رکھتا ہوں جس کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ میں اس تک نہیں پہنچ سکوں گا کیونکہ میں چاہتا ہوں سارے علوم اپنی تمام قسموں کے ساتھ مجھ کو حاصل ہو جائیں۔

اور میں ہر فن کو پورا پورا حاصل کرنا چاہتا ہوں جبکہ یہ ایسا معاملہ ہے کہ بعض فنون سے ہی ساری عمر تنگ ہو جائے گی۔ لہٰذا اگر میرے سامنے کسی فن میں کوئی بلند ہمت آتا ہے جو اس میں آخری مرتبہ کو پہنچا ہوا ہو لیکن میں اس کو دوسرے فن میں ناقص پاتا ہوں تو اس کی ہمت کو کامل نہیں شمار کرتا۔ مثلاً کوئی محدث ہو جس سے فقہ فوت ہو گئی ہو یا کوئی فقیہ ہو جس سے علم حدیث چھوٹا ہوا ہو۔ غرض یہ کہ میں کسی بھی علم میں کمی پر راضی رہنے کو کم ہمتی قرار دیتا ہوں۔

پھر میں علم پر عمل کے آخری درجہ کو حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ خواہش رکھتا ہوں کہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی پرہیزگاری معروف کرخی کا زہد حاصل ہو جائے جبکہ یہ کتابوں کے مطالعہ مخلوق کے افادہ اور ان کے ساتھ رہن سہن کو باقی رکھتے ہوئے بہت مشکل ہے۔

پھر میں اس کا قصد رکھتا ہوں کہ مخلوق سے استغناء رہے اور ان پر احسان کر کے بلندی حاصل ہو جبکہ علم میں مشغولی کسب مال سے روکتی ہے اور لوگوں کے احسان قبول کرنے سے ہمت بلند منع کرتی ہے۔

پھر جیسے مجھ کو اچھی کتابیں لکھنے کا شوق ہے ویسے ہی اولاد کے حاصل کرنے کی طلب بھی ہے تا کہ میرے مرنے کے بعد میرے دوست رہ جائیں۔ حالانکہ اس کی طلب میں بھی اس دل کی مشغولی چاہیے جو تنہائی اور یکسوئی چاہتا ہے۔

پھر میں خوبصورت عورتوں کو بھی شوق رکھتا ہوں جبکہ اس میں بھی مال کی طرف سے رکاوٹ ہے اور اگر حاصل ہو جائیں تو فکر کے انتشار کا سبب ہوں گی۔

اسی طرح میں اپنے بدن کی درستگی کے لیے طرح طرح کے کھانے اور مشروبات کو بھی حاصل کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میرا جسم نازک تھا اور لطف کا عادی تھا مگر مال کی قلت رکاوٹ ہے اور یہ سب چیزیں اضداد کو جمع کرنے کے مترادف ہیں۔

بھلا بتاؤ! کہاں میں اور کہاں وہ لوگ جن کا میں نے ابھی ذکر کیا جن کی ہمت کی انتہا دنیا تھی

جبکہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ دنیا کی کوئی چیز حاصل کرنے میں دین میں کسی طرح کا کوئی نقصان ہو جائے اور نہ اس پر راضی ہوں کہ میرے علم یا میرے عمل میں سے کسی پر بھی دنیا کو ترجیح دی جائے۔

ہائے میرا قلق! تہجد کی نمازوں پر پرہیزگاری میں کمال کے حاصل کرنے پر جبکہ علوم کا تکرار اور تصانیف کا شغل بھی ساتھ ہے اور بدن کے لیے مناسب غذاؤں کے حاصل کرنے پر!

ہائے افسوس خلوت کی ان مناجاتوں پر! جو لوگوں سے ملاقات اور ان کی تعلیم و تربیت کی وجہ سے مجھ سے چھوٹ رہی ہے اور ہائے تقویٰ کی خرابی! بال بچوں کے لیے ضروریات فراہم کرنے میں! مگر یہ کہ میں اپنی اس سزا پر راضی ہوں کیونکہ ممکن ہے اس عذاب میں میری اصلاح ہو کیونکہ بلند ہمتی ایسے بلند مقامات پر ڈھونڈتی ہے جو اللہ رب العزت سے قریب کرنے والے ہوں۔

کبھی کبھی طلب کے درمیان کی حیرانی مقصود کے لیے رہبر بن جاتی ہے۔ دیکھو! اب میں اپنی سانسوں کی نگرانی کرتا ہوں تاکہ کوئی سانس بے مقصد اور بے فائدہ ضائع نہ ہو۔

اگر میرا ارادہ اپنی مراد کو پہنچ گیا تو کیا کہنا ورنہ تو مومن کی نیت اس کے عمل سے زیادہ بڑی ہے۔

محنت کے بعد راحت بھی

مجلس.... جب میں گزشتہ فصل لکھ چکا تو خیال ہوا کہ اس عزیمت کے راستہ میں پیش آنے والی ایک ضروری چیز اپنے نفس کو یاد دلاؤں اور وہ یہ کہ نفس کے ساتھ لطف اور نرمی کا سلوک ہونا چاہیے۔ لہٰذا اگر کسی موقع پر ایک مرتبہ میں دو منزل طے کر لیا تو ہوسکتا ہے کہ ٹھہر جائے اس لیے راستہ کو ممکن حد تک لطف کے ساتھ طے کرنا چاہیے۔

"جب اونٹنیاں تھک جاتی ہیں تو حدی خواں اٹھ کر ان کے لیے گانے لگتا ہے۔" "محنت کرنے کے لیے راحت حاصل کرنا ضروری ہے" اور موتی کی تلاش میں تیراک کا غوطہ لگانا ایک دشوار کام ہے" مسلسل چلتے رہنا اونٹ کو غمگین کر دے گا جبکہ جنگل دشوار گزار ہو۔

اور جو شخص نفس کے ساتھ لطف کا معاملہ کرنا چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر نگاہ ڈالے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس کے ساتھ لطف کا معاملہ فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھنڈا پانی پسند فرماتے تھے کھانوں میں وہ کھانا

پسند کرتے جو طبیعت کے زیادہ موافق ہوتا جیسے گوشت میں پشت اور دست کا گوشت اور حلوہ اور یہ سب سفر کے راستے میں سواری کے ساتھ رفق ونرمی کا برتاؤ ہے۔

رہا وہ شخص جو اپنی سواری پر ہر وقت کوڑا اُٹھائے رکھتا ہو تو ہوسکتا ہے وہ سفر پورا نہ کرسکے جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان ھذا الدین متین فاوغلو فیه برفق فان للنبت لا ارضا قطع ولا ظھراً ابقی.

''یہ دین مضبوط دین ہے تم لوگ اس میں نرمی کے ساتھ چلو کیونکہ سختی کرنے والا نہ کچھ مسافت طے کرسکتا ہے اور نہ اپنی سواری ہی کو زندہ چھوڑے گا۔''

خوب سمجھ لو! عقل مند آدمی کے لیے ضروری ہے کہ عقل اس کے سامنے جو عیب کھولتی ہے اس کے سلسلے میں اپنے نفس کو مغالطہ دے کیونکہ اگر بیدار طبیعت شخص بیوی کے پاس جانے سے پہلے یہ سوچتا ہے کہ ایسے جسم سے ملنا ہوگا جو گندگی لیے رہتا ہے اور لقمہ نگلنے سے پہلے یہ کہ وہ تھوک میں مل چکا ہے اور اگر کوئی انسان اس کو نکالے گا تو پھینک دے گا یا موت کو اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات کو سوچ لے تو اس کی فوری لذت نفرت سے بدل جائے۔ اس لیے اتنا بہلاوا ضروری ہے کہ انسان اپنی زندگی سے نفع اُٹھا سکے۔ جیسا کہ لبید شاعر نے کہا ہے:

فاکذب النفس اذا حدثتها ان صدق النفس یزری بالامل

''جب میں اپنے نفس سے گفتگو کرتا ہوں تو ایسے جھوٹ بولتا ہوں کہ اگر نفس اس جھوٹ کو سچ مان لے تو طول امل کے عیب میں مبتلا ہوجائے۔''

اور لبستی نے کہا ہے:

افد طبعک المکدود بالھم راحةً تجم وعَلِّلْهُ بشئی من المزح

ولکن اذا عطیته ذاک فلیکن بمقدار مایعطی الطعام من الملح

''فکر سے پریشان طبیعت کو آرام کرکے راحت پہنچاؤ اور اس کو تھوڑے مزاح سے بہلاؤ لیکن جب تم اس کو مزاح کا موقع دو تو اس کا خیال رکھو کہ اتنی مقدار میں دو جتنا کھانے میں نمک ڈالا جاتا ہے۔''

اور ابو علی ابن الخل کہتے ہیں:

وإذا همست فناج نفسك بالمنى   وعداً فخيرات الجنان عدات
واجعل رجاءك دون يأسك   جُنةً حتى تزولَ بهمّك الأوقات
واستر عن الجلساء بثك إنّما   جلساؤك الحسادُ والشمّات
ودع التوقع للحوادث إنّه   للحي من قبل الممات ممات
فالهم ليس له ثبات مثل ما   في أهله ما للسرور ثبات
لولا مغالطة النفوس عقولها   لم تصفُ للمتيقظين حياةً

"جب تم غمگین ہوا کرو تو اپنے نفس کے ساتھ آرزوؤں کا وعدہ کرو کیونکہ جنتوں کی بہترین نعمتوں کا وعدہ ہی تو کیا گیا ہے۔ مایوسی کے بجائے اُمید کو اپنی ڈھال بنائے رہو۔ یہاں تک کہ زمانہ تمہارے غم کو لے کر گزر جائے۔ اپنے غم کو اپنے ہم نشینوں سے چھپاؤ کیونکہ تمہارے بعض ہم نشین حاسد ہوں گے اور بعض مصیبتوں سے خوش ہونے والے۔ حادثات کے واقع ہونے کا وہم ترک کرو کیونکہ ایسا غم موت سے پہلے ہی موت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح کوئی سرور اور خوشی ہمیشہ کے لیے نہیں حاصل ہوتی اسی طرح غم اور فکر بھی باقی رہنے والی چیز نہیں ہے۔ اگر نفس عقل کو بھلاوے میں نہ ڈالتا رہتا تو بیدار طبیعت لوگوں کے لیے زندگی نہایت تلخ ہو جاتی۔

اور انہی کے یہ اشعار بھی ہیں:

بحفظ الجسم تبقى النفس فيه   بقاء النار تحفظ بالوعاء
فباليأس المحض فلا تمتها   فلا تمدد لها طول الرجاء
وعدها في الشدائد بارتخاء   وذكّرها الشدائد في الرخاء
يعد صلاحها هذا وهذا   وبالتركيب منفعة الدواء

"جسم کی حفاظت ہی سے اس کے اندر جان باقی رہے گی۔ جیسے آگ برتن کے ذریعہ محفوظ کی جاتی ہے۔ لہٰذا تکلیف دہ مایوسی سے اپنے نفس کو نہ مارو اور نہ ہی اس کے لیے اُمید کی رسی کو زیادہ دراز کرو۔ مصیبتوں اور سختیوں میں اس سے نرمی اور فراخی کا وعدہ کرو اور فراخی میں اس کو سختیوں کا اندیشہ دلاؤ۔ نفس کی درستگی فلاں دوا اور فلاں دوا سے ہو سکتی ہے

جبکہ دوا کی نافعیت اس کو مرکب کرنے سے ہی ہوتی ہے۔"

بہت سے اسلاف اس نیت سے خضاب استعمال کرتے تھے تاکہ ان کی بوڑھی شکل و صورت سے کسی کو کراہت نہ ہو۔ اگرچہ خضاب لگانے سے بڑھاپا ختم ہونے کا یقین نہیں ہوتا ہے مگر یہ اپنے نفس کو ایک طرح کا بہلاوا ہوتا تھا' لوگوں کے نفس تو ظاہری کو دیکھتے ہیں جبکہ عقل اور فکر باطن کے ساتھ ہوتی ہے۔ لہٰذا نفس کو اتنا بہلاوا ضروری ہے جس سے زندگی کی لذت پوری ہو سکے ورنہ اگر کوئی عالم تعز اہل کے تقاضا پر عمل کرنے لگے تو نہ علم حاصل کر سکے' ورنہ ہی کوئی تصنیف کر سکے گا۔

اس فصل کو اس سے پہلی والی فصل کے ساتھ خوب سمجھو کیونکہ پہلی فصل مرتبہ عزیمت کے بیان میں ہے اور یہ مقام رخصت ہے' تحقیق کے بعد رخصت اور راحت ضروری ہے جبکہ خداتعالیٰ تمہاری صدق طلب' قوت فریاد اور قوت و طاقت سے عاجزی کے بعد تمہارے ساتھ ہیں اور وہی توفیق رساں ہیں۔

قیمتی مشورے

مجلس... آدمی کا قوام دو چیزوں سے ہے حرارت اور رطوبت۔

حرارت کی شان یہ ہے کہ وہ رطوبت کو تحلیل اور فنا کرتی رہتی ہے اس لیے آدمی کو ضرورت ہے کہ فنا ہونے والی رطوبت کا بدل حاصل کرتا رہے۔

(نظام قدرت یہ ہے کہ) پروان چڑھنے والے جسم فنا ہونے والی رطوبت سے زیادہ مقدار میں غذا حاصل کر لیتے ہیں جبکہ اپنی انجام کو پہنچ جانے والے جسم اتنی ہی غذا حاصل کر پاتے ہیں جتنی رطوبت تحلیل و فنا ہوتی ہے اس لیے وہ اپنی غذا سے آسودہ نہیں ہو پاتے۔

لہٰذا پروان چڑھنے والے جوان کو نکاح سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہیے تاکہ اس حفت سے جسم میں طاقت کا ایک ایسا ستون قائم ہو جائے جس کا فائدہ بڑھاپے میں ظاہر ہو اور متوسط یعنی درمیانی عمر والے کے لیے بھی ضرورت سے زائد جماع سے پرہیز ضروری ہے۔ یعنی اگر خرچ ہونے والی مقدار حاصل کر لے تو خرچ کرے اور یہ اپنے اوپر لازم

کرے اس کی حاصل ہونے والی قوت ہی سے خرچ کرے گا ورنہ تو اندیشہ ہے کہ جلد ہی سب قوت ختم ہو جائے گی۔ رہا عمر رسیدہ بوڑھا تو اس کے لیے نکاح (یعنی بیوی سے قربت) کا ترک بہت ضروری ہے۔ خصوصاً جبکہ عمر زیادہ طویل ہو جائے کیونکہ نکاح کرکے اپنا وہ جوہر خرچ کرے گا جس کا بدل کبھی بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

۲- پھر سمجھدار آدمی کو اپنے مال پر نظر ڈالنی چاہیے۔ لہٰذا مال کو اس کے خرچ سے زیادہ کمانے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ زائد مال ناچاری کے وقت کے لیے جمع رہے اور فضول خرچی سے پرہیز کرے کیونکہ خرچ میں اعتدال ہی سب سے مناسب طریقہ ہے۔

۳- پھر بیوی کے مسئلے میں غور کرے وہ اس طرح کہ بیوی سے دو چیزیں مطلوب ہوتی ہیں۔ (۱) اولاد (۲) گھر کا انتظام۔ لہٰذا اگر وہ فضول خرچ ہو تو یہ ناقابل برداشت عیب ہے اور اگر کبھی اس کے ساتھ یا کچھ پیسہ بھی جمع ہو جائے تو پھر اس کو روکے رکھنا بے فائدہ ہے ہاں اگر خوبصورت ہو تو اور بات ہے پھر اگر خوبصورتی کے ساتھ سمجھداری اور پاک دامنی بھی شامل ہو جائے تو اس کو روکے رکھنا درست ہے لیکن اگر خوبصورتی کے ساتھ ایسی ہو کہ اس کی حفاظت اور دیکھ بھال کی ضرورت پڑے تو پھر اس کو چھوڑ دینا ضروری ہے (ورنہ بدنامی کا سبب ہو جائے گی)

رہے نوکر اور غلام تو ایسے غلام حاصل کرنا چاہیے جو شہوت کے غلام نہ ہوں کیونکہ شہوت پرست غلاموں کا آقا اور مالک ان کی شہوت ہوتی ہے۔

اور مالک کو اپنے غلاموں کی طبیعت میں غور کرنا چاہیے کیونکہ بعض ایسے ہوتے ہیں جو اعزاز و اکرام سے عام ہوتے ہیں تو چاہیے کہ ان سے عزت کے ساتھ پیش آئے تاکہ ان کی محبت حاصل کرے اور بعض تو ہین اور تذلیل سے جھکتے ہیں تو ان کی بھی دلداری کرنا چاہیے اپنے غلاموں کی غلطیوں سے چشم پوشی کرنا چاہیے لیکن اگر چشم پوشی ممکن نہ ہو تو نرمی سے ڈانٹے ورنہ حتی الامکان سزا دینے سے پرہیز کرے غلاموں کے لیے آرام و راحت کا بھی ایک وقت مقرر کر دینا چاہیے۔

بڑا تعجب اس شخص پر ہے جو اپنی سواری کے جانوروں کی تو فکر کرتا ہے لیکن اپنے باندی کی خاطرداری بھول جاتا ہے۔

سب سے عمدہ غلام کم عمر بچے ہیں اور ایسے ہی سب سے اچھی بیوی کم سن لڑکی ہے

کیونکہ کم عمر غلام اپنے خریدار (اور کم سن بیوی اپنے شوہر) کے اخلاق جلدی (سیکھ لیں گے اور) جلدی اس کے عادی ہو جائیں گے۔

شوہر کو چاہیے کہ بیوی کے ساتھ ہیبت کے ساتھ رہے اور اس کو اپنے مال کی صحیح مقدار کی خبر نہ ہونے دے کیونکہ عورت کم عقل ہوتی ہے زیادہ خرچ کرنے کا مطالبہ شروع کر دے گی۔

۴- پھر بچوں کا خیال کرے لہٰذا ایسے میل جول سے ان کی حفاظت کرے جو ان کے مستقبل کو برباد کرنے والا ہو اور یہ سمجھ لو کہ اگر بچہ باغیرت اور حیادار ہوگا تبھی اس کے بہتر مستقبل کی توقع کی جاتی ہے۔

بچہ کو علماء اور شرفاء کی صحبت میں لے جانا چاہیے اور جاہلوں اور بیوقوفوں کی صحبت سے بہت دور رکھنا چاہیے کیونکہ طبیعت چور ہوتی ہے (دوسروں کے اخلاق وعادات کو چراتی رہتی ہے)

بچہ کو جھوٹ اور بد اخلاق بچوں کی صحبت سے بہت پرہیز کرانا چاہیے۔ اسی طرح اس کو والدین کی اطاعت کی نصیحت کی جاتی رہے اور عورتوں کے پاس اُٹھنے بیٹھنے سے روکا جائے' پھر جب سن بلوغ کو پہنچ جائے تو ایسی لڑکی سے نکاح کرے جو اس کے علاوہ دوسرے مرد سے ناواقف ہو تا کہ پھر دونوں ایک دوسرے سے فائدہ اُٹھائیں۔

یہ مختصر سی گفتگو امور دنیا کے متعلق تھی (آگے امور دین سے متعلق نصیحت ہے)

۵- علم کے متعلق دستور یہ ہونا چاہیے کہ جب بچہ پانچ سال کا ہو جائے تو اس کو قرآن شریف مسئلہ مسائل اور حدیث شریف کے مشغلہ میں لگا دیا جائے۔ اس طرح کہ اس کو سننے اور سمجھنے والے مضامین سے زیادہ حفظ والے مضامین یاد کرائے جائیں کیونکہ حفظ کا زمانہ پندرہ سال کی عمر تک ہے جب بالغ ہو جاتا ہے تو فکر منتشر ہو جاتی ہے اور حفظ کے لیے کبھی مارے کبھی انعام دے کر بہلائے تا کہ جب بلوغ کی عمر کو پہنچے تو اس کے پاس محفوظ مضامین کا قیمتی ذخیرہ موجود ہو۔

سب سے پہلے بچے کو قرآن پاک خوب عمدہ حفظ کرا دینا چاہیے۔ اس طرح کہ راسخ ہو کر اس کے گوشت پوست میں شامل ہو جائے پھر فن نحو کے ضروری اور بنیادی مسائل جن سے کلام کی غلطیاں سمجھ سکے پھر فقہی مذاہب کی تفصیل۔ پھر ان علوم کے بعد جو علم بھی حاصل کرنا ممکن ہو اس کا حاصل کرنا بہتر ہے۔

اور بچوں کو اصحاب حدیث کی ان عادتوں سے بچنا چاہیے وہ یہ کہ یہ لوگ بہت سے اوقات ان کتابوں کے یاد کرنے میں ضائع کر دیتے ہیں جن میں احادیث مکرر ہیں۔ اس طرح عمر گزر جاتی ہے اور یہ کسی کا فہم نہیں حاصل کر پاتے۔ پھر جب کافی عمر ہو چکی ہے تب فتویٰ کے لیے مسائل کے مطالعہ میں یا قرآن پاک کے یاد کرنے میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس طرح الٹے پاؤں ابتدا کی طرف لوٹتے ہیں کیونکہ عمر کے زیادہ ہو جانے کے بعد حفظ کرنا چاہتے ہیں اس لیے ان کا مقصود پورا نہیں ہو پاتا کیونکہ اہم مضامین کا بچپن میں حفظ کر لینا اصل عظیم ہے۔

ہم نے کتنے ایسے لوگوں کو دیکھا جو بچپنے میں حفظ کو دشوار سمجھ کر اور آسان راستہ کو ترجیح دے کر تحریری مضامین اور کتابوں کی کتابت میں مشغول ہو گئے۔ پھر جب ضرورت کا احساس ہوا تو بڑی عمر میں حفظ کرنے بیٹھے مگر ان کا مقصود حاصل نہ ہو سکا۔

میری ان باتوں کو سمجھنے کے لیے بیداری کی ضرورت ہے اور ساتھ میں اخلاص پر بھی نظر رہے کیونکہ اخلاص کے بغیر ہر عمل بیکار ہے۔

کھیتی کا موسم

مجلس... ۵۷۵ھ کے شروع میں بغداد میں مہنگائی بہت بڑھ گئی جتنا غلہ بازار میں آتا جاتا مہنگائی میں اضافہ ہوتا جاتا۔ چنانچہ لوگ غلہ خریدنے میں ایک دوسرے سے دھکا بازی میں مصروف ہو گئے اس وقت وہ شخص بہت قابل رشک ہوا جس نے پورے سال کھیتی کرنے میں محنت کی تھی اور وہ بہت مسرور نظر آتا تھا۔ جس نے شروع اپریل ہی میں دام بڑھنے سے پہلے پہلے غلہ خرید لیا تھا جبکہ حال یہ تھا کہ غریبوں اور فقیروں نے اپنے گھر کا کل سامان ذلت کے بازار میں ڈال دیا تھا اور بہت سے عزت والوں کی ذلت اور پستی ظاہر ہو گئی تھی۔

تو میں نے اپنے سے کہا: اے نفس! اس حال سے استفادہ کر! اسی طرح وہ شخص بھی جس کے پاس نیک اعمال ہوں گے ضرورت کے وقت قابل رشک ہوگا اور جس کے پاس سوال کیے جانے کے وقت جواب موجود ہوگا بہت مسرور ہوگا اور سخت افسوس ہوگا اس کوتاہی کرنے والے پر جس نے انجام پر نظر نہیں کی۔ لہٰذا تو خود بھی بیدار ہو جا جبکہ تو بہت سے لوگوں

کو آخرت سے متعلق بیدار کر چکا ہے اور کھیتی کے موسم میں جلدی کر جب تک کہ جسم میں روح موجود ہے اور اگر کھیتی نہ ہو تو اپنے اوقات کو (عمل کی پونجی سے) خرید لے اس سے پہلے کہ تنگدستی کا سامنا ہو کیونکہ ان کی ضرورت مندوں کو پیچھا نہیں کرنے دے گی۔

ایک دل سوز تصور

مجلس... مجھ کو ایک ایسی حالت کا تصور ہوا جس نے مجھ کو ہلا ڈالا وہ یہ کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنی بیوی سے ہر طرح سے حسن سلوک کرتا ہے مگر وہ اس سے محبت نہیں کرتی، اپنے دوست سے اچھا برتاؤ کرتا ہے مگر وہ اندر سے نفرت رکھتا ہے۔ بادشاہ کا تقرب حاصل کرنے کی ہر ممکن تدبیر کرتا ہے لیکن بادشاہ اس کو ذرا بھی پسند نہیں کرتا ایسے وقت وہ شخص حیران ہو کر رہ جاتا ہے بتائیے کیا تدبیر کی جائے؟

یہ سوچ کر مجھ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں میرے خالق جل جلالہ کے ساتھ بھی میرا یہی حال نہ ہو کہ میں تو اس سے تقرب حاصل کرنے کی کوشش کروں اور وہ مجھ کو پسند نہ کرے جب کہ ممکن ہے کہ اس نے مجھ کو ازل میں بد بخت لکھ دیا ہو اور اسی تصور سے حضرت حسن بصریؒ ڈر گئے تھے تو فرمایا تھا مجھے ڈر ہے کہ وہ میرے کسی گناہ پر مطلع ہو کر کہیں یہ نہ کہہ دے کہ میں نے تمہاری مغفرت نہیں کی۔"

لہٰذا اب سوائے قلق اور خوف کے کچھ نہیں ہے شاید کہ امید کا سفینہ کنارے پہنچے وقت دریا کے گرداب سے نکل آئے۔

احادیث کی تعداد

مجلس... میرے اور ایک محدث کے درمیان امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے بارے میں کہ "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سات لاکھ حدیثیں صحیح سند سے منقول ہیں" گفتگو ہو گئی۔ میں نے ان سے کہا کہ امام کی مراد اس سے احادیث کے طرق ہیں انہوں نے کہا نہیں بلکہ متون مراد ہیں۔"

تو میں نے کہا کہ اس کا تصور تو بہت مشکل ہے۔

پھر میں نے ابو عبداللہ حاکم کا کلام دیکھا جو اس محدث کی بات کی تائید کرتا ہو رہے۔

انہوں نے اپنی کتاب "المدخل الی کتاب الاکلیل" میں لکھا ہے کہ "کیسے یہ بات درست ہو سکتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی تعداد دس ہزار تک بھی نہیں پہنچتی جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے صحابہ اور صحابیات کی تعداد چار ہزار ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں پھر مدینہ میں بیس سال سے زائد رہے جنہوں نے دوسرے احکام شریعت کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سونا جاگنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک بات کو محفوظ کیا ہے۔"

پھر انہوں نے بھی امام احمد کے اس قول سے استدلال کیا کہ "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سات لاکھ سے زائد حدیثیں صحیح سند سے منقول ہیں" اور اس سے بھی کہ اسحاق بن راہویہ ستر ہزار حدیثیں محض یادداشت سے املا کراتے تھے اور ابو العباس ابن عقدہ نے کہا کہ میں صرف اہلبیت کی تین لاکھ حدیثیں یاد رکھتا ہوں اور ابن عقدہ نے یہ بھی کہا کہ "کوفہ میں ابن کریب کے پاس تین لاکھ حدیثیں تھیں۔"

لیکن میں کہتا ہوں کہ ان اقوال سے حدیث کا متن مراد لینا درست نہیں ہو سکتا اور مجھے تعجب ہے کہ یہ بات کیونکر حاکم پر مخفی رہ گئی جبکہ وہ جانتے تھے کہ معروف مسندوں میں سب سے زیادہ روایات کی جامع امام احمد بن حنبل کی مسند ہے۔ انہوں نے دو مرتبہ ساری دنیا کا چکر لگایا تو ان کو کل چالیس ہزار حدیثیں ملیں جن میں سے دس ہزار مکرر ہیں۔

حنبل بن اسحاق نے کہا کہ ہم کو صالح کو اور عبداللہ کو امام احمد نے جمع کیا اور اپنی مسند پڑھ کر سنائی پھر فرمایا کہ "اس کتاب کو میں نے ساڑھے سات لاکھ حدیثوں سے جمع کیا ہے لہذا جس حدیث میں مسلمان اختلاف کریں تم لوگ اس کی طرف رجوع کرو اگر اس میں وہ حدیث پاؤ تو ٹھیک ورنہ پھر وہ روایت حجت نہیں ہو سکتی۔"

اب یہ بتاؤ کیا کسی ہوشیار معترض پر یہ بات پوشیدہ رہ سکتی ہے کہ سات لاکھ سے جمع کرنے کا مطلب آپ نے غور کیا ہے؟ کیونکہ اگر سات لاکھ سے مراد متن ہوتے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہوتا تو پھر آپ نے کیوں ان کو چھوڑ دیا؟

اور اگر کوئی یہ کہتا ہے تو دیکھو آپ نے اپنی مسند میں بہت ضعیف روایات بھی ذکر کی

ہیں تو کیا (نعوذ باللہ) ساڑھے سات لاکھ میں سے صرف تیس ہزار صحیح ثابت ہو سکیں؟ باقی سب کیسے ضائع ہو گئیں؟ اور کیوں چھوڑ دی گئی جبکہ وہ سب کی سب امام احمد کے زمانہ تک پہنچ چکی تھیں؟ کیا انہوں نے کچھ چھانٹ لیں اور باقی کو پھینک دیا؟ حالانکہ محدثین تو موضوع اور جھوٹی روایتیں سب لکھ لیا کرتے تھے۔

اور ایسے ہی امام ابوداؤد نے فرمایا کہ میں نے کتاب السنن چھ لاکھ حدیثوں سے جمع کی اور یہ کہنا بھی ٹھیک نہیں ہے کہ صحابہ نے تو روایت کیا تھا مگر تابعین نے اس کو نقل نہیں کیا کیونکہ یہ روایات امام احمد تک پہنچی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے سات لاکھ حدیثیں جمع کیں اور یہ روایات یوں ہی فوراً ختم ہو جانے کے لیے نہیں تھیں جبکہ یہ یقینی بات ہے کہ اگر صحیح اور موضوع بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہر روایت جمع کی جائے تو پچاس ہزار تک نہیں پہنچ سکتی پھر باقی روایات کہاں ہیں؟

اور یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ وہ حدیثیں تابعین کا کلام ہے کیونکہ فقہاء نے ہر ایک کا مذہب نقل کیا ہے۔ مدون کیا ہے پھر اس کو اختیار کیا پھر اس کے چھوڑنے کی کوئی وجہ نہیں سمجھ میں آتی۔

لہٰذا ہر ذی ہوش سمجھ سکتا ہے کہ امام احمد کا اشارہ طرق روایت کی تعداد کی طرف ہے اور حاکم کا وہم غلط ہے کیونکہ اگر یہ اعتراض کر کے انہی سے پوچھ لیا جاتا کہ پھر باقی روایات کہاں ہیں؟ تو ان کے پاس کوئی جواب نہ ہوتا۔

مگر سمجھ اور فہم بہت نادر دولت ہے جس کی توفیق انعام کرنے والا خدا ہی دے سکتا ہے اور کچھ اسی طرح کا حال ان لوگوں کی غفلت کا ہے جنہوں نے یہ کہا کہ "امام بخاری نے ان تمام روایات کی تخریج نہیں کی ہے جو ان کے نزدیک صحیح تھیں بلکہ جو روایات پیش کی ہیں وہ بطور نمونہ کے ہیں ورنہ کتاب بہت طویل ہو جاتی۔"

اس مسلک کی طرف ابوبکر اسماعیلی کا رجحان ہے انہوں نے امام بخاری سے یہ جملہ نقل کیا ہے کہ "جو صحیح میں نے چھوڑ دیں وہ زیادہ ہیں۔"

حالانکہ اس سے امام بخاری کی مراد روایات کی سند اور طرق ہیں (نہ کہ متون) جس کی دلیل یہ ہے کہ امام دارقطنی نے جو فن حدیث میں سید الحفاظ ہیں امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر پوری اترنے والی ان روایات کو جمع کرنا چاہا جن کو ان دونوں حضرات نے نہیں ذکر کیا ہے تو چند حدیثیں پیش کر سکے۔ اگر حقیقت وہی ہوتی جو وہ لوگ کہتے ہیں تو کئی جلدیں لکھ

واسطے۔ پھر امام دارقطنی کا یہ کہنا کہ "جو روایات امام بخاری کی شرط پر پوری اترتی ہیں" یہ بھی میرے قول کی دلیل ہے کیونکہ جو شخص نمونہ پیش کرتا ہے اس کی کوئی شرط نہیں ہوتی۔

اور امام دارقطنی کی طرح ابو عبداللہ حاکم نے بھی ایک کتاب جمع کی جس میں وہ روایات ذکر ہیں جو امام بخاری کی شرط پر ہیں پھر اس میں انہوں نے حدیث الطائر بھی ذکر کر دی تو حفاظ حدیث نے ان کے قول کی طرف التفات کرنا چھوڑ دیا۔

پس دیکھو کیسے کم فہم ہیں وہ لوگ جن کو نقل احادیث نے اس باریک بینی سے محروم کر دیا ہے جو حدیث کے باب میں ضروری ہے جبکہ یہ چیز فقہ اور فہم کی کمی سے پیش آئی۔

بخاری اور مسلم نے بہت سے لوگوں کی روایات کو محض اس لیے چھوڑ دیا کہ حدیث میں ان کی مخالفت کی گئی مثلاً اکثر راویوں نے حدیث مختصر بیان کی اور کچھ لوگوں نے اس پر اضافہ کر دیا۔ اب اگر اس جگہ فقہ ہوتی تو یہ جان لیتے کہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔

اور ان حضرات نے کچھ لوگوں کی روایت اس وجہ سے چھوڑ دی کہ وہ ایک شخص سے روایت کرنے میں منفرد ہوئے حالانکہ یہ معلوم ہے کہ ثقہ کا منفرد ہونا عیب نہیں ہے اسی طرح کی اور بھی عجیب عجیب وجوہات ہیں اور یہ سب فہم کی خرابی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اس طریقہ کا التزام نہیں کیا بلکہ انہوں نے کہا کہ "ثقہ کی زیادتی مقبول ہے اور کسی راوی کے متعلق کوئی جرح اس وقت تک نہیں قبول کی جائے گی جب تک کہ اس کا سبب نہ بیان کیا جائے۔"

اور جو شخص بھی فقہاء سے نہیں ملا بلکہ صرف محدثین کے ساتھ محنت کرتا رہا وہ نقصان اٹھائے گا اور اس کا فہم خراب ہو جائے گا۔

پس تمام تعریف اس خدائے برتر کی جس نے ہم پر دونوں حالتوں کا انکشاف فرمایا ہے۔

بدیہی چیزیں

مصنف.... یہ کچھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی طبیعتوں میں کچھ ایسی چیزیں پیدا کر دی ہیں جو کسی دلیل کی محتاج نہیں ہوتیں بلکہ لوگ فطری طور پر ان کو جانتے اور سمجھتے ہیں۔ اگر چہ اکثر لوگ اس کی وجہ بھی طرح تعبیر نہ کر سکیں۔

چنانچہ دیکھو اس نے فطرت میں یہ بات رکھ دی ہے کہ ہر بنی ہوئی چیز کے لیے ایک بنانے والا ضروری ہے، ہر تعمیر کے لیے ایک معمار ضروری ہے، دو ایک سے زیادہ ہے، ایک جسم ایک ہی حالت میں دو جگہ میں نہیں ہو سکتا اور اسی طرح کی اور باتیں بھی ہیں جن کے سمجھنے اور ماننے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اسی طرح دیکھو کہ اس نے اہل عرب کو بغیر قواعد نحو میں غلطی کیے ہوئے صحیح گفتگو کا طریقہ سکھلا دیا ہے۔ لہٰذا وہ مرفوع اور منصوب میں ایسی علامتوں سے فرق کرتے ہیں جو ان کی فطرت اور جبلت میں داخل ہیں۔ اگرچہ اس فرق کی وجہ بیان نہ کر سکیں۔

عثمان بن جنی نے بیان کیا کہ ایک روز میں نے ابو عبداللہ محمد بن العساف عقیلی سے پوچھا تم کیسے کہتے ہو "ضربتُ اخوکَ"؟ انہوں نے کہا میں کہتا ہوں "ضربتُ اخاکَ"۔ میں نے "اخوکَ" رفع کے ساتھ پڑھنے کو کہا تو انکار کر دیا اور کہا کہ میں "اخوک" کبھی نہیں کہہ سکتا۔

پھر میں نے کہا کہ اچھا "ضربنی اخوکَ" کو کیسے پڑھتے ہو تو اس کو "اخوک" مرفوع پڑھا۔ میں نے کہا کہ ابھی تم ہی تو کہتے تھے کہ اخوک (رفع کے ساتھ) میں کبھی نہیں کہہ سکتا تو انہوں نے کہا کہ یہ کیا بات ہوئی؟ کلام کا موقع نہیں بدل گیا؟

یہ واقعہ واضح دلیل ہے کہ اہل عرب کلام کے مواقع کو سمجھتے اور ہر موقع پر اس کے مطابق گفتگو کرتے ہیں جس کی یہ بھی تحقیق نہیں کر دیتے۔

عثمان نحوی نے کہا "زبان" وہ ان آوازوں کا نام ہے جن کے ذریعے ہر قوم اپنے مقاصد کو ظاہر کرتی ہے اور "نحو" کلام عرب کے تمام تصرفات مثلاً اعراب، تثنیہ، جمع، تحقیر، تکسیر وغیرہ میں اہل عرب کے طریقے کو اختیار کرنے کی مشق کرنا تا کہ غیر اہل عرب اہل عرب میں شامل ہو سکیں۔

غفلت اور بیداری

مجلس... میں نے اچھے اور برے لوگوں کے حالات میں غور کیا تو اندازہ ہوا کہ اچھے لوگوں کی نیکی کا سبب عقل و فکر کا استعمال ہے جبکہ برے لوگوں کے بگاڑ کی وجہ عقل کا استعمال نہ کرنا ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ سمجھدار آدمی غور کرتا ہے تو اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ (اس کارخانہ عالم کا) ایک بنانے والا ضرور ہے اور اس کی فرمانبرداری بھی ضروری ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں غور کرتا ہے تو اس کی طبیعت شریعت کے سامنے جھک جاتی ہے لہٰذا پھر وہ اس کی فکر شروع کر دیتا ہے کہ کن چیزوں سے اللہ کا قرب اور اس کی محبت حاصل ہو گی۔

اسی طرح جب اس کو علوم کا تکرار اور مطالعہ دشوار معلوم ہوتا ہے تو اس کے نتیجہ اور ثمرہ کو سوچتا ہے جس سے یہ دشوار کام آسان معلوم ہونے لگتا ہے اور جب رات میں اٹھ کر تہجد پڑھنا مشکل معلوم ہوتا ہے تو اس میں بھی یہی معاملہ کر لیتا ہے۔

اور اگر اس کے سامنے کوئی لذیذ و پسندیدہ چیز آتی ہے تو اس کے انجام پر غور کرتا ہے کہ لذت تو فنا ہو جائے گی جبکہ گناہ اور عار باقی رہ جائیں گے۔ یہ سوچ کر اس کو چھوڑنا آسان ہو جاتا ہے اور جب دل میں اپنے دشمنوں سے انتقام کی خواہش پیدا ہوتی ہے تو صبر کا ثواب سوچتا ہے اور غصہ کی حالت میں کوئی کام کرنے پر غصہ کرنے والوں کی شرمندگی کا خیال کرتا ہے۔

پھر چونکہ اس کا خیال تو ہمیشہ رکھتا ہے کہ عمر تیزی سے گزر رہی ہے اس لیے اس کو غنیمت سمجھ کر بڑی بڑی فضیلتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اپنی آرزو اور مراد تک پہنچ سکے۔

اس کے برخلاف غافل شخص صرف موجود اور سامنے کی چیز پر نظر رکھتا ہے۔ چنانچہ ان میں سے کچھ ایسے ہوئے جنہوں نے مصنوع کی حقیقت اور صانع کے وجود پر غور نہیں کیا تو اس کا انکار کر دیا۔ اسی طرح اپنی نظر اور عقل کا استعمال ترک کیا تو رسولوں اور ان کی لائی ہوئی شریعت کا انکار کر بیٹھے۔ ان لوگوں نے صرف حاضر اور موجود کی طرف نظر کی خود اپنی ابتداء اور انتہاء پر غور نہیں کیا۔ چنانچہ ان کو غذا کی صرف اتنی معرفت حاصل ہے کہ کھائی جاتی ہے حالانکہ اگر غور کر لیتے کہ یہ غذا کیسے پیدا ہوئی؟ اور کیونکر اس کو جسموں کے لیے کھانا بنایا گیا ہے تو بہت سے امور کی حقیقتیں سمجھ جاتے۔

اسی طرح ہر وہ شہوت جو ان کے سامنے آتی ہے یہ لوگ ان کے انجام پر نظر نہیں ڈالتے بلکہ صرف اس کی فوری لذت پر نظر رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان پر کتنی مرتبہ حد لگ جاتی ہے ہاتھ کٹ جاتے ہیں اور رسوائی بھی ہوتی ہے لہٰذا یہ کچھ لوگ سامنے کی لذت کا

حصول بہت سی فضیلتوں کے حصول سے محروم کر کے بہت سی پستیوں میں مبتلا کر دیتا ہے اور وجہ وہی ہے کہ انجام پر نظر نہ ڈالی جائے جبکہ یہ انجام بینی عقل کا کام ہے اور وہ عاقبت نااندیشی خواہش نفس کا کام ہے۔

اللہ عزوجل سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایسی بیداری عطا کرے جو ہمارے سامنے انجام کو روشن کر دے اور ہر چیز کی خوبیاں اور برائیاں کھول دے۔ بلاشبہ وہ اس پر قادر ہے۔

علامہ ابن الجوزیؒ کی ایک دعا اور اُمید

مجلس.... میرے اندر ایسی بلند ہمت پیدا کر دی گئی ہے جو ہمیشہ ہر چیز کا آخری درجہ حاصل کرنا چاہتی ہے۔ میری عمر بڑھ گئی اور میں اپنی مراد تک نہیں پہنچ سکا تو میں نے عمر میں زیادتی' بدن کی قوت اور اپنی مراد تک پہنچنے کے لیے دعا شروع کر دی۔

لیکن عام عادت نے میری اس طرح کی دعا پر نکیر کی اور کہا کہ جو کچھ تم مانگ رہے ہو عام عادت میں نہیں ہے کہ یہ سب کسی ایک شخص کو مل پاتا ہے۔ میں نے کہا میں ایسی قدرت والی ذات سے مانگ رہا ہوں جو کسی عادت کی پابند نہیں ہے جب کہ ایک بلند مرتبہ شخص سے کسی نے کہا کہ مجھ کو آپ سے ایک معمولی ضرورت ہے تو اس نے کہا جاؤ پھر اس کے لیے کوئی معمولی آدمی تلاش کر لو۔ اسی طرح ایک اور شخص سے کسی نے کہا کہ میں آپ کے پاس ایک ایسی ضرورت کے لیے آیا ہوں جو آپ پر بوجھ نہیں بنے گی تو اس نے کہا کہ ایسی معمولی ضرورت کے لیے تم نے گھٹیا لوگوں کا انتخاب کیوں نہیں کر لیا؟ تو جب دنیا کے غیرت مند لوگ ایسا جواب دیتے ہیں تو پھر ہم بے انتہا بخشش کرنے اور قدرت رکھنے والی ذات سے ہی اُمید کیوں نہ باندھیں؟

یہ دعا میں نے ۵۷۵ھ میں کی ہے۔ اب اگر میری عمر دراز کر دی گئی اور میں اپنی مراد تک پہنچ گیا تو اس فصل کو آگے منتقل کروں گا جس کی جگہ میں نے چھوڑ دی ہے اور اپنی مراد تک پہنچ جانے کی اطلاع دوں گا اور اگر ایسا نہ ہو سکا (بلکہ موت آ گئی) تو میرے آقا میری مطلوبوں کو زیادہ جانتے ہیں۔ سخاوت و بخل کی وجہ سے محروم نہیں کرتے ہیں اور ہر کام انہی کی مدد سے ہوتا ہے۔

(علامہ ابن الجوزی کی وفات ۵۹۷ھ میں ہوئی۔ اس طرح وہ اس دعا کے بعد ۲۲ سال زندہ رہے۔ از مترجم)

اخلاص نیت

مجلس... کم ہی لوگ ایسے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرتے ہوں اکثر تو یہی چاہتے ہیں کہ ان کے اعمال لوگوں کے سامنے ظاہر ہوں جبکہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میرا جو عمل ظاہر ہوگیا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

چنانچہ یہ حضرات اپنے کو چھپاتے تھے اور آج کل لوگوں کے کپڑے ان کی شہرت کا سامان بن رہے ہیں۔ حضرت ایوب سختیانی اپنا کرتا اتنا لمبا بنواتے تھے کہ ٹخنوں تک پہنچتا تھا اور فرماتے تھے کہ پہلے کرتا لمبا رکھنے میں شہرت ہوتی تھی لیکن اب چھوٹا رکھنے میں زیادہ شہرت ہوتی ہے۔

لہٰذا یہ خوب سمجھ لو کہ مخلوق سے نظر ہٹا لینا، عمل کے ذریعے جاہ حاصل کرنے کا خیال مٹا دینا، نیت کو درست رکھنا اور اپنے احوال کو چھپا کر رکھنا یہی چیزیں ہیں جنہوں نے ان کو بلندی بخشی ہے جو بلند مرتبہ ہوئے ہیں۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کسی کسی وقت جوتا ہاتھ میں لے کر ننگے پیر چلا کرتے تھے اور گری پڑی چیزوں کو اٹھانے کے لیے نکلا کرتے تھے اور حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ تو ہمیشہ ننگے پیر اور تنہا چلتے تھے اور حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ پڑی ہوئی گٹھلیاں چنا کرتے تھے۔

لیکن آج کل لوگوں کی سرداری اور جاہ ضرورت سے بڑھ گئی ہے حالانکہ جاہ اور سرداری دل میں اسی وقت جگہ پا سکتی ہے جبکہ اس میں غفلت کا بسیرا ہو مخلوق کی طرف نگاہ ہو اور خالق کو بھلا دیا جائے تو ایسے وقت میں آدمی اہل دنیا کے سامنے جاہ کا طالب ہوتا ہے۔

میں نے لوگوں کا ایک عجیب برتاؤ دیکھا حتیٰ کہ اس میں بعض مولوی صورت لوگ بھی شامل ہیں کہ اگر مجھ کو تنہا چلتا ہوا دیکھتے ہیں تو تکبیر کرتے ہیں اگر میں کسی غریب سے ملاقات کو چلا جاؤں تو یہ ان کو ناگوار ہوتا ہے اور اگر میں تبسم کے ساتھ خوش مزاجی سے کسی سے ملاقات کروں تو ان کی نگاہوں سے گر جاتا ہوں تو میں نے سوچا کہ ہائے تعجب! کیا یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا طریقہ تھا؟

اب تو جاہ اور سرداری کے لیے لوگوں کے احوال ناموس اور عزت بن چکے ہیں۔ خدا

کی قسم! تم لوگ خدا تعالیٰ کی نگاہوں سے گر چکے ہو اس لیے اس نے تم کو مخلوق کی نگاہوں سے بھی گرا دیا ہے۔ تنہا کتنے ایسے ہیں جو اپنی ناموس کی حفاظت کے لیے محنت و مشقت کرتے رہے لیکن مخلوق نے ان کی طرف التفات نہیں کیا اور وہ اپنی مراد کو نہیں پا سکے جبکہ حصول مطلب تو فوت ہو ہی گیا تھا۔

پس اے میرے بھائیو! اپنی نیتوں کی اصلاح کی طرف توجہ کرو، مخلوق کے لیے زینت کا خیال چھوڑ دو اور زیادہ کوشش حق پر استقامت کی کرو کیونکہ اسی کے ذریعے حضرات سلف بلندیوں پر چڑھے تھے اور نیک بخت ہوئے اور اس سے بہت بچو جس میں آج کل لوگ مبتلا ہیں کیونکہ وہ حضرات سلف کی بیداری کے مقابلہ میں تنہا اور بیکاری ہے۔

تقدیر کا فیصلہ

مجلس... خدا کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ پہلے سے فیصلہ نہ کر چکے ہوں تو بچے کی تربیت اور اصلاح کے لیے باپ کی کوئی کوشش مفید نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو چاہتے ہیں تو بچپن سے اس کی تربیت کرتے ہیں، سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں، صحیح فیصلہ کی طرف لے جاتے ہیں، جو چیز اس کے لیے مناسب ہو اس کی محبت اور جو شخص مناسب ہو اس کی محبت عطا فرماتے ہیں، غیر مناسب لوگوں اور چیزوں سے نفرت پیدا کر دیتے ہیں، گھٹیا کاموں کو ہیچ بنا دیتے ہیں، برائیوں سے اس کی حفاظت فرماتے ہیں اور جب لغزش کرتا ہے تو اس کو سنبھال لیتے ہیں۔ اس کے برخلاف جب کسی سے نفرت کرتے ہیں تو اس کو چھوڑ دیتے ہیں پھر وہ ہمیشہ لغزش کھاتا رہتا ہے اور ہر حال میں بھٹکتا اور پریشان ہوتا رہتا ہے۔ اس کو بلندیوں کے حاصل کرنے کی ہمت سے نہیں نوازتے ہیں بلکہ برائیوں میں مبتلا کر کے فضیلتوں کے حاصل کرنے سے محروم کر دیتے ہیں۔

اب اگر وہ پوچھے کہ میرے ساتھ یہ سلوک کیوں ہے تو ایک ایسا خطاب جواب دیتا ہے جس کا کوئی جواب نہیں دے سکتا کہ

"بما کسبت ایدیکم" (ان اعمال کی وجہ سے جو تم نے کیے ہیں)

اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایک بڑی دلیل

مجلس... خالق جل شانہ کے موجود ہونے پر ایک بڑی دلیل انسان کی ذات ہی ہے جو نطق کی صفت رکھتی ہے اچھے برے میں تمیز کی صلاحیت رکھتی ہے اور بدن کو اپنے ارادہ کے مطابق حرکت دے سکتی ہے۔

کیونکہ اس ذات انسانی نے اپنی تمام ضروریات کا انتظام کرلیا آسمانوں کی معرفت تک ترقی کرلی جن علوم کا حاصل کرنا ممکن تھا ان کو حاصل کیا تمام مصنوعات میں اس کے بنانے والے کا مشاہدہ بھی کرلیا وہ ان سب کے لیے کوئی پردہ خواہ کتنا ہی موٹا اور دبیز کیوں نہ ہو اس کے لیے حاجب نہیں بن سکا۔ لیکن اس کے باوجود وہ خود اپنی ماہیت اور حقیقت اپنے جوہر اور روح اور اپنے محل اور مقام سے ناواقف ہے۔

آدمی یہ نہیں سمجھتا ہے کہ یہ روح کہاں سے آئی ہے؟ کہاں چلی جائے گی؟ اور اس جسم سے کیسے ملی ہوئی ہے؟

یہ چیز ثابت کرتی ہے کہ اس روح کا ایک پیدا کرنے والا اور اس کی تدبیر کرنے والا ضرور ہے اور یہی چیز کافی دلیل ہے۔

جہل کے متعلق بعض صوفیاء کی ایک غلطی

مجلس... پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے ایسے علماء و فقہاء کے ذریعے سارے انسانوں پر احسان فرمایا جنہوں نے شریعت کا مقصود اور شارع کی مراد سمجھی۔ درحقیقت یہ لوگ شریعت کے محافظ ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بہترین جزاء عطا فرمائیں۔

بلاشبہ شیطان ان حضرات سے خوف کی وجہ سے کنارہ کش ہوکر چلتا ہے کیونکہ یہ اس کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور شیطان ان کو ستانے پر قادر نہیں ہے وہ تو جاہلوں اور کم فہموں کے ساتھ کھلواڑ کرتا ہے۔

اسکا ایک عجیب کھیل یہ تھا کہ اس نے کچھ لوگوں کے اندر علم کے ترک کو پسندیدہ بنادیا۔ پھر انہوں نے صرف ترک علم ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ ایسے لوگوں پر اعتراض اور طعن

بھی شروع کر دیا جو علم میں مشغول تھے حالانکہ کاش وہ اس کو سمجھتے کہ یہ شریعت پر اعتراض تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے "بلغوا عنی" (میری بات دوسروں تک پہنچاؤ) اور خود اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے "بلّغ" (میرے احکام پہنچا دیجئے)

پھر بتاؤ جب کوئی شخص علم کے مشغلہ میں نہیں لگے گا تو لوگوں تک کیسے شریعت کے احکام پہنچ سکے گا؟

وہ شخص اس طرح کے بعض اقوال بعض بڑے صوفیوں سے منقول ہیں۔ مثلاً حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے عباس بن عبدالعظیم سے کہا "اصحاب حدیث کے پاس مت بیٹھا کرو" اور اسحاق بن ضیف سے کہا چونکہ تم صاحب حدیث ہو اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اب دوبارہ میرے پاس نہ آنا" پھر اپنے اس قول کی وجہ بتلائی کہ "حدیث اس شخص کے علاوہ جو حدیث کے ذریعے خدا کا طالب ہو ہر ایک کے لیے فتنہ اور آزمائش ہے اور جب حدیث پر عمل نہ کرتے تھے اس کا شغل ترک کر دینا ہی افضل ہے۔"

حالانکہ ان کی طرف سے یہ بات تعجب خیز ہے ان کو کیسے یہ خیال ہوا کہ طلباء حدیث اس شغل حدیث سے خدا کے طالب نہیں ہیں اور حدیثوں پر عمل نہیں کرتے ہیں؟ کیا عمل کی دو قسمیں نہیں ہیں؟ ایک واجبات و فرائض کا ادا کرنا جس کے چھوڑنے کی گنجائش کسی کو نہیں ہے دوسرے مستحبات و نوافل جن کی ادائیگی لازم اور واجب نہیں ہے جبکہ حدیث میں مشغول ہونا نفل نماز روزوں سے افضل ہے۔

میرا خیال ہے کہ عمل سے ان کی مراد ہمیشہ بھوکا رہنا اور تہجد پڑھنا وغیرہ ہوگی حالانکہ ایسی چیزوں کے تارک کو ملامت کرنا جائز نہیں ہے۔

اور اگر ان کی مراد یہ تھی کہ حدیث کے دوسرے علوم و فنون میں نہ مشغول ہوا جائے تو بھی غلطی ہے کیونکہ حدیث کی تمام بحثیں مفید اور پسندیدہ ہیں۔

بھلا بتاؤ! اگر سب لوگ علم حدیث کی طلب ترک کر دیں تو کیا یہ "بشر" فتوی دیں گے؟ لہٰذا ایسے شخص کے قول کی طرف ذرا التفات مت کرو جو فقیہ نہیں ہیں اور خبردار ان کے نام کی عظمت تمہارے نزدیک رتبہ بڑھا دے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادے گا۔

صرف خدا کی رضا کی فکر کرو

مجلسی.... عقل مند وہی ہے جو اللہ تعالٰی کے حق کا خیال رکھتا ہے اگرچہ مخلوق ناراض ہی ہو جائے کیونکہ جو شخص بھی مخلوق کے حق کا خیال کرتے ہوئے اللہ تعالٰی کا حق ضائع کر دیتا ہے اللہ تعالٰی اس شخص کے دل کو جس کی رضا و خوشنودی کے لیے ایسا کیا گیا ہے پلٹ دیتے ہیں۔ لہٰذا وہ خوش ہونے کے بجائے ناراض ہو جاتا ہے۔

مامون رشید نے اپنے ایک ہم نشین مصاحب سے کہا تھا "میری فرمانبرداری میں اللہ کی نافرمانی نہ کر بیٹھنا کہ پھر وہ مجھ کو تمہارے اوپر مسلط کر دے۔"

جب طاہر بن حسین نے امین کے ساتھ زیادتی کی کہ اس کو قتل کیا پھر اس کا سر سولی پر لٹکایا تو اگرچہ یہ سب مامون کی خواہش سے ہوا لیکن مامون کے دل میں اس کا اثر باقی رہ گیا۔ لہٰذا وہ طاہر کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتا تھا (کیونکہ اس کو اپنے مقتول بھائی امین کی یاد آجاتی تھی)

ایک دن طاہر مامون کے پاس گیا تو مامون رونے لگا۔ طاہر نے پوچھا خدا آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا رکھے آپ کیوں روتے ہیں؟ جبکہ سارے ممالک آپ کے تابع ہو چکے ہیں؟

مامون نے کہا میں ایک ایسی بات کی وجہ سے رو رہا ہوں جس کا ذکر کر دینا ذلت ہے اور دل میں رکھنا غم اور حسرت ہے اور کوئی شخص بھی غم سے خالی نہیں ہو سکتا۔

جب طاہر محل سے نکلا تو مامون کے خادم حسین کے پاس دو ہزار درہم بھیجے اور کہلایا کہ مامون سے معلوم کرو کہ وہ کیوں رو رہا تھا؟ پھر جب مامون نے دوپہر کا کھانا کھایا تو خادم سے کہا حسین! مجھ کو پانی پلاؤ۔ اس نے کہا خدا کی قسم! میں اس وقت تک آپ کو پانی نہیں پلا سکتا جب تک کہ آپ یہ نہ بتا دیں کہ جب کل طاہر آیا تھا تو آپ کیوں رو رہے تھے؟

مامون نے کہا اے حسین! تمہیں کیسے اس کی فکر ہو گئی کہ اس کے متعلق پوچھ رہے ہو؟

اس نے کہا مجھ کو اس کا غم لگا ہوا ہے۔

مامون نے کہا حسین! وہ ایسی بات ہے جو اگر تمہاری زبان سے کسی کے سامنے نکل گئی تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔

حسین نے کہا میرے آقا! بھلا میں نے آپ کا کوئی راز بھی ظاہر کیا ہے؟

تب مامون نے بتلایا کہ "مجھے اپنا بھائی محمد امین اور اس کو پہنچائی جانے والی ذلت یاد آ گئی تھی جس سے آنسوؤں کا تلاطم ہو گیا تو پھر میں نے اس کو بہا کر راحت حاصل کی۔ اب طاہر ضرور میری طرف سے کسی ناگوار معاملہ میں پڑ کر رہے گا۔"

خادم حسین نے یہ خبر طاہر کو پہنچا دی تو طاہر وہاں سے احمد بن ابی خالد کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میرے ساتھ جو احسان کرو گے ضائع نہیں جائے گا۔ اس وقت کسی طرح مجھ کو مامون کی نگاہوں سے غائب کر دو۔"

اس نے کہا ٹھیک ہے میں ایسا کر دوں گا۔

پھر احمد مامون کے پاس گیا اور کہا کہ میں کل پوری رات سو نہیں سکا۔ مامون نے پوچھا کیوں؟ احمد نے کہا اس لیے کہ آپ نے غسان ابن عباد کو خراسان کا حکم بنایا ہے حالانکہ غسان اور اس کے ساتھی بے وقوف اور بزدل ہیں۔ لہٰذا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ترک بے نکل کر کوئی حملہ نہ کر دے پھر اس کو ختم کر ڈالے۔

مامون نے پوچھا کہ پھر تم کس کو مناسب سمجھتے ہو؟ احمد نے کہا طاہر بن حسین کو۔ مامون نے اس سے وعدہ کر لیا پھر طاہر خراسان چلا گیا۔ وہاں جا کر ایک مدت تک ٹھیک رہا پھر اس نے جمعہ کے خطبہ میں مامون کے لیے دعا کرنا چھوڑ دیا۔

تو اس سے ڈاک کے نگراں نے کہا کہ آپ نے امیر المومنین کے لیے دعا نہیں کی۔ طاہر نے کہا غلطی سے ایسا ہو گیا تم اس کو امیر المومنین کے پاس مت لکھنا۔ لیکن پھر دوسرے اور تیسرے جمعہ میں بھی ایسا ہی کیا۔ تو نگراں نے کہا اب تو لکھ دینا ضروری ہے تاکہ مجھ سے پہلے دوسرے تاجر لوگ یہ خبر نہ پہنچا دیں۔ طاہر نے کہا ٹھیک ہے لکھ دو تو اس نے لکھ دیا۔ جب مامون کو اطلاع پہنچی تو اس نے احمد بن ابی خالد کو بلایا اور کہا طاہر کے معاملہ میں تمہارا حیلہ نہیں چل سکا اب میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر تم جا کر اس کو میرے پاس واپس نہیں لائے جیسے کہ اس کو میرے قبضہ سے نکالا تھا تو بلاشبہ تم عبرتناک سزا پاؤ گے۔

ناچار احمد خراسان کی طرف چلے۔ راستہ میں قصداً دیر کرتا اور مرض کا بہانہ کرتا ہوا کافی تاخیر سے مدے پہنچا رے تو وہاں اس کو طاہر کی موت کی خبر ملی۔

اسی طرح میں کہتا ہوں کہ جب راشد بغداد سے نکلا اور لوگوں نے مقتفی باللہ کو حاکم بنانا چاہا تو گواہوں کی ایک جماعت نے گواہی دی کہ راشد خلافت کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔ چنانچہ لوگوں نے اس کو ہٹا کر مقتفی کو والی بنا دیا۔

تو مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ کسی گواہ نے مقتفی کے سامنے اس واقعہ کا ذکر کیا تو مقتفی نے بجائے خوش ہونے کے اس کی مذمت کی اور لوگوں سے کہا کہ "دیکھو یہ بھی ان میں تھا جنھوں نے ابو جعفر کی مخالفت میں حصہ لیا تھا۔"

اس کے برعکس جو شخص حق و صواب کے پہلو کی رعایت کرتا ہے اس سے ناراض ہونے والے آخرکار خوش ہو جاتے ہیں۔

خود مجھ سے وزیر ابن ہبیرہ نے بیان کیا کہ مستنجد باللہ نے اپنی ولی عہدی کے زمانے میں اس کے پاس ایک خط لکھا اور چاہتا تھا کہ یہ خط اس کے باپ کے علم میں نہ آنے پائے۔ ابن ہبیرہ نے جو مستنجد کے باپ کا وزیر تھا کہا کہ میں نے خط لانے والے سے کہا کہ خدا کی قسم! یہ میرے بس میں نہیں ہے کہ میں اسے پڑھ سکوں اور اس کا جواب دے سکوں۔ پھر جب مستنجد باللہ خلیفہ ہو گیا تو میں اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میری سچائی اور اخلاص پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ میں نے آپ کے باپ کے سلسلے میں آپ کی موافقت نہیں کی تھی۔ مستنجد نے کہا تم سچ کہتے ہو وزیر تم ہی رہو گے۔

اسی طرح میرے ایک دوست نے بتایا کہ کچھ لوگ مسترشد باللہ کے خزانچی کے پاس کچھ قرض کے لیے درخواست لے کر گئے۔ مسترشد نے خزانچی سے کہا ان کو قرض دے دو اور جو کچھ یہ ہمارے لیے بطور رہن لاتے ہیں اس کو لے لو۔

پھر قاضی ابن الرطبی کو بلا کر یہ معاملہ ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ ابن الرطبی نے کہا یہ خلاف شرع ہے میں اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ کسی نے کہا بادشاہ تو دیا فیصلہ کر چکے۔ انھوں نے کہا تو میں کیا کروں؟ چنانچہ ایک دوسرا قاضی بلایا گیا اور اس نے خلیفہ کے حکم پر فیصلہ کر دیا۔ جب خلیفہ کو اس کی خبر دی گئی تو اس نے کہا کہ قاضی ابن الرطبی نے جو کچھ کہا اور کیا وہ قابل تعریف ہے اور دوسرے قاضی کی سزا یہ ہے کہ اس کو معزول کر دیا جائے۔

یہ اسی وجہ سے ہوا کہ مسترشد کے سامنے یہ بات ظاہر ہو گئی تھی کہ حق وہی ہے جو ابن طرطبی نے کہا۔

ایسا ہی وہ واقعہ بھی ہے کہ ایک بادشاہ نے چاہا کہ اس کو "شہنشاہ" کا لقب دیا جائے۔ لہٰذا فقہاء اور علماء سے استفتاء کیا۔ سب نے اس کو جائز کہا لیکن ماوردی نے اس کی اجازت نہیں دی جس کی وجہ سے ان کی قدر بادشاہ کے نزدیک بڑھ گئی۔

اور اگر تلاش کیا جائے تو اس طرح کے واقعات بہت سے مل جائیں گے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ اخلاص کے ساتھ خالق کی اطاعت کا قصد کیا جائے۔ اگرچہ مخلوق ناراض ہی ہو جائے کیونکہ مخلوق تو ذلیل ہو کر لوٹ آوے گی۔ البتہ خالق کو ناراض نہ کرے کیونکہ وہ مخلوق کو بھی ناراض کر دے گا پھر دونوں نعمتیں فوت ہو جائیں گی۔ (دنیا کی اور دین کی)

ظاہری صورت اور خاندانی شرافت

مجلس... سمجھدار آدمی جو کسی کو اپنا دوست، اپنا ساتھی یا اپنا شریک بنانا چاہتا ہو یا کسی سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ پہلے اس کے خاندان اور حسب نسب کو دیکھ لے اس کے بعد اس کی شکل و صورت بھی دیکھے کیونکہ اچھی صورت باطن کی درستگی پر دلالت کرتی ہے۔ نسب اور خاندان کا معاملہ تو یہ ہے کہ ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے اور جس کی کوئی اصل نہ ہو اس سے کسی خوبی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

چنانچہ خوبصورت عورت اگر کسی خراب گھرانے کی ہو تو بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ پاکدامن رہ جائے۔ اسی طرح دوست، ساتھی، شریک اور رفیق سب کا معاملہ یہی ہے (کہ اگر خراب گھرانے کے ہوں تو ضرور نقصان دہ ثابت ہوں گے)

بیٹے سن لو! ہمیشہ ایسے ہی شخص کے ساتھ رہنا جس کا خاندان معروف ہو اور جو اپنے خاندان کی بھلائی کا لحاظ رکھتا ہو کیونکہ ایسے شخص کے ساتھ نبھتی ہے اور اگر کبھی امید کے خلاف معاملہ ہو گا بھی تو نادر ہو گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے مشورہ کیا کہ کس کس کو اپنا عامل مقرر کروں؟ تو اس نے کہا دیندار اور صالح لوگ آپ کو نہیں چاہتے ہیں لیکن وہ حکومت کے طالب نہیں ہیں اور دنیادار لوگوں کو آپ نہیں چاہتے ہیں اس لیے آپ شریفوں کا انتخاب

گئے کیونکہ وہ نامناسب کاموں سے اپنی شرافت کو بچائیں گے۔

اسی طرح ابو بکر صولی نے بیان کیا کہ مجھ سے حسین بن یحییٰ نے خود اسحاق سے سن کر بیان کیا ہے کہ اسحاق اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن معتصم نے مجھ کو بلایا اور اپنے ساتھ حمام میں لے گیا جب فارغ ہو کر نکلا تو تنہائی میں مجھ سے کہا: اے ابو اسحاق! میرے دل میں ایک سوال ہے جس کے متعلق میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ میرے بھائی مامون نے کچھ لوگوں کا انتخاب کیا تو وہ شریف ثابت ہوئے اور میں نے بھی ان ہی جیسے لوگوں کو منتخب کیا لیکن وہ شریف نہیں ثابت ہوئے۔ میں نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں؟ معتصم نے کہا کہ مامون نے طاہر اور اس کے بیٹے کو، اسحاق کو اور سہل کے خاندان کو منتخب کیا تھا تو دیکھو کہ وہ کیسے ثابت ہوئے اور میں نے "افشین" کا انتخاب کیا تھا تو تم اس کا انجام دیکھ ہی چکے اور "اشناس" کو منتخب کیا تو وہ بھی کچھ ثابت نہیں ہو سکا اسی طرح "ایتاخ" اور "وصیف" کا حال ہوا۔

میں نے عرض کیا اے امیر المومنین! اگر غصہ سے امان پاؤں تو جواب موجود ہے اس نے کہا کہو۔ میں نے عرض کیا آپ کے بھائی نے خاندان کی طرف نظر کی اور ایسے لوگوں سے کام لیا تو ان کی شاخ شریف ثابت ہوئی اور آپ نے ایسی شاخوں کا انتخاب کیا جن کی کوئی اصل نہیں تھی اس لیے وہ بار آور نہیں ہوئیں یہ سن کر معتصم نے کہا اے ابو اسحاق! اس طویل مدت میں آج تک مجھ کو تمہارے اس جواب سے زیادہ دلی برداشت تکلیف نہیں پہنچی۔ (یعنی اس جواب سے تکلیف تو ہوئی مگر ناگوار نہیں ہوئی گویا اسے پینے کے قابل ہے)

یہ گفتگو تو خاندان کے متعلق تھی رہی شکل و صورت تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ڈھانچہ صحیح ہو یعنی اس میں کوئی ظاہری عیب نہ ہو تو عام طور پر اندر کا حصہ بھی صحیح ہوتا ہے اور باطنی اخلاق بھی درست ہوتے ہیں اور جب ظاہر میں عیب ہو تو اکثر باطن میں بھی عیب ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے شخص سے احتیاط کرنی چاہیے جس میں کوئی عیب ہو مثلاً گنجا ہو یا اندھا ہو یا اس طرح کا کوئی اور عیب ہو کیونکہ عام طور پر ان کے باطن خراب ہوتے ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ ساتھی کے خاندان اور شکل و صورت دیکھنے کے باوجود اس کو ساتھی بنانے سے پہلے تجربہ اور آزمائش بھی ضروری ہے اور احتیاط تو بہر صورت ضروری ہے خواہ وہ ہر معیار پر پورا اترتا ہو۔

تجربہ کی باتیں

مجلس... ضروری ہے کہ سمجھدار آدمی انجام پر نظر رکھنا نہ چھوڑے اور جن چیزوں سے بچنا ممکن ہو ان سے بچنے کی کوشش کرے۔

یہ بڑی بھول ہے کہ آدمی اپنے جسم کی صحت اور اپنے معاش کی موافقت کو دیکھ کر اسی حالت میں مست ہو جائے کیونکہ یہ چیزیں ہمیشہ نہیں رہ سکتیں۔ اس لیے ان کے ختم ہو جانے کا اندیشہ بھی رکھنا چاہیے اور احوال کے بدلنے کے لیے تیار بھی رہنا چاہیے۔

اسی طرح اس لذت کے بارے میں سوچنا ضروری ہے جو خود فنا ہو جاتی ہے اور اس کا گناہ اور عار باقی رہ جاتا ہے اور ایسی کاہلی اور سستی جس کے بعد جہالت باقی رہ جاتی ہے اور ایسی مرادیں جو بغیر لطیف حیلوں اور تدبیروں کے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ خصوصاً جبکہ وہ کسی ذہین شخص سے حاصل کرنی ہو کیونکہ ذہین آدمی ذرا سے اشارہ سے مقصود سمجھ لیتا ہے لہٰذا جو شخص کسی ذہین سے اپنی مراد حاصل کرنا چاہتا ہو اس کو نہایت باریک بینی اور نہایت لطیف حیلہ سے کام لینے کی ضرورت پڑتی ہے اور حیلوں تدبیروں کے موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں میں ایسے بہت سے واقعات موجود ہیں جو ذہن کو جلا بخشتے ہیں جن میں سے کچھ واقعات ہم نے اپنی کتاب الاذکیاء میں بھی ذکر کیے ہیں۔

مثلاً یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شریف آدمی جو نہ کسی کے لیے کھڑا ہوتا تھا اور نہ کسی سے ڈرتا اور لحاظ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کے پاس سے ایک وزیر کا گزر ہوا۔ وزیر نے اس کو سلام کیا تو نہ اس نے جواب دیا نہ اس کے لیے کھڑا ہوا۔ وزیر نے ایک شخص سے کہا کہ جاؤ فلاں سے (یعنی اسی خوددار شریف سے) کہو کہ میں نے اس کے متعلق امیر المومنین سے گفتگو کی ہے اور امیر المومنین نے اس کے لیے ایک لاکھ درہم کا فیصلہ کیا ہے۔ لہٰذا وہ آئے اور اپنے پیسے لیجائے۔ اس آدمی نے شریف کو اطلاع دی تو اس نے کہا "اگر بادشاہ نے میرے لیے کچھ درہموں کا فیصلہ کیا ہے تو میرے پاس بھیجنا چاہیے میں کہتا ہوں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ میں ان درہموں کی خاطر دربار حاضری دے کر اپنے کو جھکاؤں" لہٰذا جب

کسی ذہین آدمی سے واسطہ ہو تو اس سے بہت بچ کر احتیاط سے رہنا چاہیے۔ مختلف حیلوں سے چپکے چپکے اس سے اپنی غرض حاصل کرتا رہے اور اس کا خیال رکھے کہ کیا باتیں اس ذہین سے پیش آسکتی ہیں لہٰذا ان سے بچتا بھی رہے۔

بہت سے ذہین و ذکی حضرات جب کسی ذہین آدمی سے اپنا مقصد پورا ہوتا نہیں پاتے تو مال دے کر اس کی تدبیر میں اختلاف کر کے اس کو شکار کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا اگر اس کی سمجھ کم ہوئی تو جال میں پھنس جاتا ہے اور اگر فطانت میں بڑھا ہوا ہے تو سمجھ جاتا ہے کہ اس چارے کے پیچھے ایک چھپا ہوا جال بھی ہے۔ پھر مزید احتیاط شروع کر دیتا ہے۔

اور سب سے زیادہ قابل اجتناب تو وہ شخص ہے جس کو کوئی تکلیف پہنچی ہو اور وہ بدلہ نہ لے سکا ہو کیونکہ جب تم کسی کو تکلیف پہنچاتے ہو تو سمجھ لو کہ تم اس کے دل میں دشمنی کا ایک بیج بوتے ہو۔ لہٰذا اس بیج کے نکلنے پھوٹنے کو بھول مت اور اگر چہ وہ قسم کھا کھا کر اظہار محبت کرے لیکن اس کی محبت پرست جاؤ اور اگر کبھی اس کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہو تو محتاط ہو کر رہو۔

یہ بھی غفلت کی بات ہے کہ تم کسی کو سزا دو یا اس کے ساتھ کوئی بدسلوکی کرو اور تم یہ جانتے بھی ہو کہ وہ شخص کینہ پرور ہے ان سب کے باوجود جب تم اس کو دیکھو کہ وہ تمہارے سامنے جھک رہا ہے فرمانبرداری کر رہا ہے اپنے کرتوت سے توبہ اور معافی پر آمادہ ہے تو تم اپنی کی ہوئی بدسلوکی کو بھول کر اس کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم کر لو اور یہ سمجھ لو کہ تمہاری بدسلوکی اس کے دل سے مٹ چکی ہو گی حالانکہ ہو سکتا ہے وہ تمہارے لیے آزمائش کی گھڑی کر دے جال لگا دے۔ جیسا کہ "زباء" کے ساتھ "قصیر" کا قصہ ہوا جس کا واقعہ مشہور ہے۔

لہٰذا خبردار اس شخص سے مطمئن مت ہونا جس کو تم نے کبھی ستایا ہو اور اگر کسی وقت ساتھ رہنا ضروری ہی ہو جائے تو باہر باہر سے تعلق رکھو کیونکہ کینے اور سینہ کی جلن سے مطمئن نہیں ہوا جا سکتا ہے۔

اور جب تم اپنے دشمن میں غفلت دیکھو کہ وہ اس طرح کی ہوشیاری نہیں رکھتا ہے تو اس کے ساتھ احسان کر دو وہ تمہاری دشمنی کو بھلا دے گا اور یہ نہیں سمجھ سکے گا کہ تم اس کے برے سلوک کا بدلہ لینے کا خیال دل میں لیے بیٹھے ہو تب تم کو اس پر ایسی قدرت مل جائے گی کہ تم اس سے اپنی سب غرض حاصل کر سکو گے۔

دشمن سے اظہارِ دشمنی کرنا کمزوری اور بے وقوفی کی بات ہے۔ سب سے بہتر تدبیر یہ ہے کہ دشمنوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا رہے۔ یہاں تک کہ ان کا بدلہ توڑنے کا موقع مل جائے کیونکہ اگر بالفرض یہ موقع نہ مل سکا تو نرمی کی وجہ سے آدمی خود ان کے ہاتھوں کی تکلیفوں سے تو محفوظ رہے گا اور یہ بھی فائدہ ہے کہ بعض دشمن تمہارے حسنِ سلوک کی وجہ سے شرمندہ ہوں گے تو ان کا دل تمہاری طرف سے صاف ہو جائے گا۔

بعض سلف کا یہ حال تھا کہ جب ان کو یہ خبر پہنچتی کہ فلاں شخص نے انہیں گالی دی ہے تو وہ اس کے پاس ہدیہ بھیج دیتے اور اس کو تحفہ دیتے۔ اس طرح بہت جلد اس کے شر سے محفوظ ہو جاتے۔ گویا یہ اس کے دل کے بدلنے کی عجیب تدبیر کرتے تھے اور اس کے ذریعہ ان کو اس کا موقع بھی مل جاتا تھا کہ اگر چاہیں تو اس کے خلاف کوئی تدبیر کر سکیں۔

ویسے اگر آدمی کا ذہن انجام پر نظر رکھنے اور غور و فکر کا عادی ہو تو یہی چیز ہر مشکل حادثہ کے وقت رہنمائی کے لیے کافی ہے۔

راز کی حفاظت

مجلس.... میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے راز کے اظہار پر قابو نہیں رکھتے ہیں اور جب لوگوں پر ظاہر ہو جاتا ہے تو پھر ان لوگوں پر خفا ہوتے ہیں جن سے اظہار کیا تھا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ خود تو اس کے روکنے پر قادر نہیں ہو سکے اور ان کو ملامت کرتے ہیں جنہوں نے اس کو چھپایا۔ حدیث شریف میں ہے۔

استعینوا علی قضاء امورکم بالکتمان.

"اپنے امور کی انجام دہی میں اخفاء اور پوشیدگی کے ذریعے مدد حاصل کرو۔"

اصل بات یہ ہے کہ نفس پر کسی راز کو چھپائے رکھنا بڑا شاق ہوتا ہے اس لیے وہ اس کے ظاہر کر دینے کو راحت خیال کرتا ہے خصوصاً جب کہ بیماری یا غم یا عشق کا معاملہ ہو۔

اور ان چیزوں کا افشا کرنا تو پھر بھی غنیمت ہے۔ اصل موقع حفاظت کا یہ ہے کہ آدمی جب کسی سے اپنی کوئی غرض حاصل کرنا چاہتا ہو تو اس کی تدبیر اور حیلہ کو راز میں رکھے کیونکہ مقصد پورا ہونے سے پہلے اس حیلہ کا ظاہر ہو جانا بڑی بدتدبیری ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جب

راز ظاہر ہو جائے گا تو اس کا حیلہ اور مقصود برباد ہو جائے گا۔ لہٰذا جس نے اس قسم کا راز ظاہر کر دیا (وہ قابل ملامت ہے) اس کا کوئی عذر مقبول نہیں ہے۔

دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جنگ میں جانے کا ارادہ فرماتے تو ہمیشہ دوسرے رخ جانے کا خیال ظاہر فرماتے تھے (اس طرح سے دشمن دھوکہ میں رہتا اور آپ اچانک اس کے سر پر پہنچ جاتے اور جنگ میں اس طرح کی چالیں محمود ہیں آپ نے خود ہی فرمایا ہے "الحرب خدعة" جنگ تو دھوکہ ہی کا نام ہے۔ ۱۲)

اگر کوئی کہے کہ میں اپنا راز اپنے معتمد سے کہتا ہوں (تو اس میں کیا خرابی ہے؟) تو اس سے کہا جائے گا کہ (یاد رکھو) جب کوئی بات دو آدمیوں سے آگے بڑھی بس سمجھو کہ وہ کھل گئی اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تمہارا وہ معتمد دوست اس راز کو چھپاتا نہیں ہے۔

ہم نے کتنے واقعات ایسے سنے ہیں کہ بادشاہ نے کسی کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا اور اس کو کسی سے بیان کر دیا۔ پھر وہ بات اس شخص تک پہنچ گئی وہ بھاگ نکلا اور بادشاہ کا مقصد فوت ہو گیا لہٰذا عقلمند آدمی وہی ہے جس کا راز اس کی ذات سے آگے نہ بڑھے چہ جائیکہ خود وہ کسی سے اس کو ظاہر کرے۔

"سب سے بڑی حماقت اپنا راز بیوی اور بچوں سے ظاہر کر دینا ہے۔"

مال بھی ایک راز ہے اور دوسروں کو اس کی خبر لگ جانا بہت سی مصیبتیں لاتا ہے۔ اگر زیادہ ہوا تو چاہیں گے کہ برباد ہو جائے اور اگر تھوڑا ہوا تب بھی اس کے وجود سے ان کو پریشانی لاحق رہے گی اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مال کی کثرت کے اعتبار سے لوگ بھی زیادہ مانگتے ہیں اس طرح خرچ کی زیادتی سے اس مال کو برباد کر ڈالتے ہیں۔

مصیبتوں اور آفتوں کا چھپائے رکھنا بھی راز کی حفاظت کی طرح ہے کیونکہ اس کے اظہار سے دشمنوں کو خوشی ہوتی ہے اور دوستوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔

اسی طرح عمر کی مقدار کا چھپانا بھی مناسب ہے کیونکہ اگر عمر زیادہ ہوگی تو لوگ چاہیں گے کہ بالکل بیکار بڈھا ثابت کریں اور اگر کم ہوئی تو حقیر سمجھیں گے۔

اور وہ غلطی جس میں بہت سے کم فہم مبتلا ہو گئے یہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے درمیان بیٹھ کر کسی امیر حاکم یا بادشاہ کا عیب تذکرہ کرنے لگے پھر یہ بات اس حاکم یا بادشاہ تک

پیچ گئی جوان کی ہلاکت کا سبب بن گیا۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے دوست کا اخلاص کامل سمجھتے ہوئے اپنا راز اس سے بتا دیتا ہے۔ حالانکہ کہا گیا ہے:

احذر عدوک مرة واحذر صدیقک الف مرة

فلربما انقلب الصدیق فکان اعرى بالمضرة

"اپنے دشمن سے تو ایک درجہ احتیاط کرو اور اپنے دوست سے ہزار درجہ کیونکہ کبھی دوست دشمن ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ نقصان پہنچانے کے طریقوں سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔"

بعض لوگ اپنا کوئی راز بیوی یا دوست سے بتا کر اس کے قابو میں آ جاتے ہیں یعنی پھر وہ اس ڈر سے بیوی کو طلاق دینے یا دوست کو چھوڑنے کی جسارت نہیں کر سکتے کہ کہیں ان کا راز ظاہر نہ ہو جائے۔ لہٰذا محتاط شخص وہی ہے جس نے لوگوں کے ساتھ ظاہر کے مطابق معاملہ کیا اور اس کے راز نے اس کے سینہ میں تنگی پیدا نہیں کی۔ اس طرح کہ اگر اس کی بیوی یا کوئی دوست یا خادم اس سے جدا ہو جائے تو اس کے متعلق کوئی ایسا الزام نہ لگا سکے جو اس کو ناگوار ہو۔

سب سے بڑا راز خلوت اور تنہائی ہے لہٰذا محتاط آدمی کو خلوت میں جبکہ کسی کے دیکھنے کا اندیشہ ہو بہت عمل کرنے سے پرہیز لازم ہے۔

اور اصل یہی ہے کہ جس شخص کے پاس روشن عقل ہوگی اس کو ان نصیحتوں سے پہلے خود اس کی عقل ہی صحیح طرز عمل کے متعلق رہنمائی کر دے گی۔

علم کی یادداشت اور اس کا تکرار

مجلس.... میں نے علم کی یادداشت اور اس کے تکرار سے زیادہ دشوار کوئی اور چیز نہیں پائی۔ خصوصاً ایسے علم کا تکرار و مطالعہ جس کے یاد کرنے اور دہرانے میں کوئی لذت نہ ہو جیسے فقہی مسائل۔ اس کے برخلاف شعر اور فن سجع و قافیہ اگرچہ دشوار فن ہیں لیکن ان کے تکرار میں لذت ملتی ہے کم از کم ایک دو بار تو لطف حاصل ہوتا ہی ہے پھر اس کے بعد اگرچہ دشوار معلوم ہونے لگتے ہیں لیکن فقہ کی دشواری سے کم۔

اور یہی حال ان دوسرے فنون کا بھی ہے جو طبیعت کے نزدیک سہل اور پسندیدہ ہیں۔ چنانچہ تم دیکھو گے کہ طبیعتیں حدیث، شعر، تعالیق اور کتابت کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہیں کیونکہ ان میں ہر گھڑی نئی چیزیں سامنے آتی رہتی ہیں جو اس سے پہلے نہیں گزری تھیں (جبکہ فقہ میں روزمرہ کے مسائل اور پرانی بحثیں زیادہ ہوتی ہیں) پس ان کی مثال بہتے پانی کی طرح ہوتی ہے کہ ایک کے بعد دوسرا آتا رہتا ہے۔ اسی طرح جو شخص کتابوں کی نقل و کتابت میں مشغول ہو وہ کتابوں کو صفحہ صفحہ لکھنا یا کوئی کتاب تصنیف کرنا نہیں چاہتا کیونکہ وہ جدت سے لذت بھی پا رہا ہے اور تکرار و اعادہ کی مشقت سے راحت میں بھی ہے۔

لیکن سمجھدار آدمی کو اپنا زیادہ وقت تکرار و مطالعہ میں خرچ کرنا چاہیے۔ خصوصاً بچہ اور جوان کو کیونکہ بچپن اور جوانی کا یاد کیا ہوا ایسا راسخ ہو جاتا ہے کہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ پھر جب تکرار سے تھک جائے تو اس وقت میں نقل و کتابت کا کام کرے۔

اور تکرار کے وقت میں طبیعت کو نقل و کتابت کی طرف جھکنے سے بچائے بلکہ اس پر زور ڈال کر تکرار میں لگائے کیونکہ اگر اس وقت طبیعت کو قابو میں کر لیا تو پھر صبح کے وقت رات بھر چلنے والے کی طرح خوش ہوگا ورنہ پھر تحقیق کی ضرورت کے وقت کسی مفلس کی طرح پشیمان ہونا پڑے گا۔

یاد کرنے کے متعلق یہ نکتہ جاننا ضروری ہے کہ عالم کوئی سبق یاد کرتا ہے اور اس کو دہراتا ہے پھر چھوڑ دیتا ہے اور بھول جاتا ہے تب اس کو یاد کرنے کے لیے پھر سے وقت کی ضرورت پڑتی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ مضبوط یاد کرے اور بار بار دہرائے تاکہ حفظ کا ستون خوب ثابت ہو جائے۔

خلوت

مجلس...میں مخلوق سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی سے زیادہ مفید کوئی اور صورت نہیں جانتا ہوں۔ خصوصاً عالم اور صوفی کے لیے۔ اس لیے کہ لوگوں میں یا تو مصیبت پر خوش ہونے والے ملتے ہیں یا نعمت پر حسد کرنے والے یا پھر نکتہ چینی کرنے والے۔

---

۱ پہلے جب یہ طاقت اور یہ سہولت تھے تو شیوخ حاصل کرنے کا طریقہ یہی تھا کہ کہیں کوئی کتاب مل جاتی تو اس کو خود نقل کر لیتے یا نساخ (کاتب) سے نقل کروا لیتے تھے۔ چنانچہ بعض حضرات عمر کی تحصیل اسی کو سمجھتے تھے۔ جس جگہ کوئی کتاب مل جاتی اس کو نقل کرتے علم بھی حاصل ہوتا اور کتاب بھی۔ اب ظاہر ہے کہ اس نقل میں جو محنت ہے وہ اور کرنے اور دماغ پر بوجھ اٹھانے میں کہاں ہے۔ مترجم

''پس کس قدر بالذت ہے یا خلوت! جو محفوظ ہوتی ہے غیبت کی کدورتوں سے بناوٹ کی آفتوں سے نمائش اور زینت کی حالتوں سے اور وقت کی بربادی کی مصیبتوں سے۔''

پھر یہ بھی دیکھو کہ خلوت میں دل کو فکر کے ساتھ تنہائی ملتی ہے جبکہ میل جول کی صورت میں وہ اس کی طرف توجہ نہیں کر سکتا تھا پھر اس کو (فکر کے ساتھ مل کر) اپنی دنیا اور آخرت کے متعلق تدبیریں سوچنے کا موقع مل جاتا ہے۔ جیسے پرہیز کہ پرہیز کرنے سے معدہ میں آنتوں کو غذاؤں کے ساتھ تنہائی مل جاتی ہے تو وہ ان کو پگھلا دیتی ہیں۔

میں نے اختلاط یعنی میل جول رکھنے والے سے زیادہ بیوقوفی کا کام کرنے والا کوئی نہیں دیکھا کیونکہ وہ لوگوں سے ملاقات اور ان کی گفتگو کے اعتبار سے صرف اپنی موجودہ حالت پر نظر رکھتا ہے اور آئندہ حاصل ہونے والے کمالات سے محروم رہ جاتا ہے جیسے کوئی آدمی جو ایسے سفر کا ارادہ رکھتا ہو جس کی مدت قریب آ چکی ہو (اور کاروان سفر کوچ کے لیے تیار ہو) لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر گفتگو میں مشغول ہو جائے یہاں تک کہ کوچ کا طبل بجا دیا جائے اور یہ زادِ سفر نہ مہیا کر سکے۔

اگر بالفرض خلوت میں اس کے سوا کوئی اور فائدہ نہ ہوتا کہ اس میں زادِ سفر کے متعلق سوچنے کا موقع اور میل جول کے شرور فتن سے حفاظت رہتی ہے تو یہی اتنا فائدہ بھی کافی تھا (جبکہ اس میں اور بہت سے فوائد بھی ہیں)

البتہ یہ خلوت اور گوشہ نشینی درحقیقت علماء اور صوفیاء کے لیے مناسب ہے کیونکہ یہ لوگ گوشہ نشینی کا مقصود سمجھتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ چنانچہ عالم کا حال یہ ہوتا ہے کہ (خلوت میں) علم اس کا ساتھی ہوتا ہے کتابیں اس سے گفتگو کرتی ہیں سلف کے حالات کا مطالعہ اس کی اصلاح کرتا ہے اور گزشتہ زمانہ کے واقعات میں غور و فکر اس پر راز منکشف کرتا رہتا ہے اور اگر وہ اپنے علم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت کاملہ تک پہنچ گیا اور اس کی محبت کے دامن کو تھام لیا تو پھر اس کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے اور وہ ساری کائنات سے رُخ پھیر کر اسی میں مشغول ہو جاتا ہے پھر تو وہ اپنے محبوب کے ساتھ خلوت کی لذت پاتا ہے اور اپنے علم کے تقاضوں پر عمل میں لگ جاتا ہے۔

اسی طرح صوفی کی بندگی اور عبادت (خلوت میں) اس کی غم خوار ہوتی ہے اور اس کا معبود اس کا ہم نشین۔ پھر اگر اس کی نگاہوں کے سامنے خالق کی کچھ تجلیات منکشف کر دی

جاتی ہیں تو وہ مخلوق سے گم ہو جاتا ہے اور مخلوق بھی اس کی نگاہوں سے غائب ہو جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں طبقے صرف ان چیزوں سے کنارہ کش ہوتے ہیں جو ان کے لیے مضر ہوں اس لیے یہ لوگ جماعت کے درمیان رہتے ہوئے بھی خلوت میں رہتے ہیں۔

لہٰذا یہ دونوں گروہ مخلوق کے شر سے محفوظ ہیں اور مخلوق ان کے شر سے نہیں بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ یہ دونوں طبقے عبادت گزاروں کے پیشوا اور سالکین کے لیے نشان راہ ہیں۔ ان کے کلام سے سننے والے نفع اٹھاتے ہیں ان کی نصیحتوں سے آسودہ ہوتے ہیں اور مجلسوں میں ان کی ہیبت قائم ہوتی ہے۔

پس جو چاہتا ہو کہ ان دونوں میں سے کسی کی مثل بہت اختیار کرے تو اس کو خلوت پر صبر کرنا چاہیے۔ اگرچہ طبیعت آمادہ نہ ہو تاکہ یہ ناگواری کی کڑواہٹ ترقی کا شہد پیدا کرے۔

اللہ کی پناہ! اس عالم سے جو عالم سے میل جول رکھتا ہو خصوصاً بادشاہوں اور دولت والوں سے دوستی رکھنے والا جو کچھ تو حاصل کرتا ہے اور کچھ کھوتا ہے بلکہ کچھ لیتا ہے اور کچھ لٹا دیتا ہے لہٰذا اس کو جتنی دنیا حاصل ہوتی ہے اس سے زیادہ اس کا دین ضائع ہو جاتا ہے۔

پھر یہ ذکر کرنا مقصود کے سامنے جھکنے سے اس کی لذت کہاں چلی گئی؟

لہٰذا جو عالم اس کی پرواہ نہ کرے وہ وہی ہو سکتا ہے جس نے علم کا ظاہر پایا ہو اور علم کی مراد نہ سمجھا ہو۔ گویا کہ وہ اپنے علم کے ساتھ جنگل قحط زدہ آبادی اور آرزوؤں کے چٹیل صحرا میں ہلاک ہونے والا ہے۔

اور ایسا ہی ہے بنا ہوا صوفی جو لوگوں سے میل جول رکھے اور بد پرہیزی کرے کیونکہ اس کے قدم ریاضت، عبادت اور ذوق کی طرف اٹھ جاتے ہیں پھر دونوں چیزیں فوت ہو جاتی ہیں نہ تو دنیا ہی کی نعمتیں پوری حاصل ہوتی ہیں اور نہ آخرت کی۔

اللہ رب العزت سے ہم سوال کرتے ہیں ایسی شیریں خلوت کا اور شر سے کنارہ کشی کا جس میں وہ ہم کو اپنی مناجات کے لائق بنا دے اور ہم میں سے ہر ایک کو طلب نجات کی توفیق عطا فرمائے۔ بیشک وہ قریب ہے اور دعائیں قبول کرتا ہے۔

بوڑھوں کو نصیحت

فصل... کتنا بیوقوف ہے وہ شخص جو نہیں جانتا ہے کہ موت کب آ جائے گی اس

کے باوجود موت کے لیے تیاری نہیں کرتا اور سب سے زیادہ احمق اور غافل وہ ہے جو ساٹھ
کی عمر سے آگے بڑھ کر ستر کے قریب ہو چکا ہو کیونکہ ساٹھ اور ستر کا درمیانی حصہ
"معترک المنایا" (موت کا میدان جنگ) کہا جاتا ہے اور جو شخص میدان میں اترتا ہے
تیاری کرتا ہے لیکن یہ اس کے باوجود تیاری سے غافل ہے۔

قال الشباب لعلنا فی شیبنا ندع الذنوب فما یقول الاشیب

"جوان تو کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو امید ہے کہ بڑھاپے میں گناہ چھوڑ دیں گے لیکن
آخر یہ بوڑھے کیا کہتے ہیں؟ (یہ کب چھوڑیں گے؟)

واللہ بوڑھوں کے لیے ہنسی کے کوئی معنی نہیں اور مذاق و تفریح تو عمل تعجب ہے اور جب کہ
دنیا اس کو دھتکار چکی ہے پھر بھی اس کے پیچھے پڑے رہنا قوی کو کمزور اور عقل کو ضعیف بناتا ہے۔

بھلا کیا ساٹھ سال کے بوڑھے کے لیے کوئی اور منزل باقی رہ گئی ہے؟

اگر اس کو ستر کی لالچ ہے تو دیکھو کہ وہ ستر کی عمر تک سخت مشقتوں کے ساتھ پہنچ پاتا ہے
کھڑا ہوتا ہے تو زمین پر ٹیکتا ہے چلتا ہے تو زبان باہر آ جاتی ہے اور بیٹھتا ہے تو ہانپتا ہے دنیا
کی خواہشات کو دیکھتا ہے لیکن ان کو برتنے پر قدرت نہیں رکھتا ہے کیونکہ اگر کھایا تو معدہ کو
ستایا اور ہضم میں دشواری ہوئی اور اگر صحبت کی تو بیوی کو ستایا اور خود بھی بیمار رہا پھر جو قوت
چلی گئی اس کو جلدی واپس بھی نہیں لا سکتا۔ غرض بالکل قیدیوں کی زندگی بسر کرتا ہے۔

اور اگر اسی (۸۰) کی رغبت ہوئی تو سمجھو کہ وہ اس عمر کی طرف بچوں کی طرح گھسٹتا ہے۔

وعشر الثمانین من خاضها فان الملمات فیها فنون۔

"اسی (۸۰) کی دہائی میں جو غور کر کے اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس میں طرح طرح کی مصیبتیں ہیں۔"

بس سمجھدار وہی ہے جس نے زمانہ کی مقدار کو سمجھا (پھر اس کے مطابق معاملہ کیا)
دراصل انسان... جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ بلوغ سے پہلے ایسا بچہ ہوتا ہے جس کو اپنی عمر کا کوئی
اندازہ نہیں ہو سکتا البتہ اس کو سمجھ عطا کی جاتی ہے۔

چنانچہ بعض بچوں میں ایسی سمجھ ہوتی ہے جو انہیں بچپن ہی سے اچھے اخلاق اور علوم کی
تحصیل پر ابھارتی ہے۔

پھر انسان جب بالغ ہو گیا تو اس کو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ خواہشات سے مقابلہ اور علوم کے حصول کا زمانہ ہے۔

اور جب صاحب اولاد ہو جائے تو ان بچوں کے لیے کسب معاش کا زمانہ ہے۔ پھر جب چالیس کے سن کو پہنچ گیا تو سمجھ لے کہ اب اس کی تکمیل ہو گئی ہے۔ اس نے زندگی کے مراحل طے کر لیے اور اب صرف وطن کی طرف سفر کرنا ہی رہ گیا ہے۔

كأن الفتى يرقى من العمر سلما إلى أن يجوز الأربعين وينحط

"نوجوان اپنی زندگی میں اوپر کی طرف ترقی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ چالیس کا سن پار کر لیتا ہے پھر گرنا شروع کر دیتا ہے۔"

لہٰذا چالیس کی عمر پوری کرنے کے بعد اس کو ساری فکر آخرت (وطن اصلی) کے لیے زاد سفر مہیا کرنے کی کرنا چاہیے ہر لمحہ سامنے آنے والی منزل پیش نظر رکھے اور کوچ کے لیے تیاری میں لگ جائے۔ اگرچہ یہ نصیحت تمام عمر والوں کے لیے بھی مناسب ہے لیکن کم عمر والوں سے تلافی کا موقع مل جانے کی امید بھی ہوتی ہے (اگرچہ موہوم سہی) بہ نسبت بوڑھوں کے لیے۔

اور جب ساٹھ کے سن کو پہنچ گیا تو سمجھ لو کہ اب اللہ تعالیٰ ہر لمحہ اس کو مہلت دے رہے ہیں اور وہ اپنی عمر کے خطرناک حصہ میں داخل ہو چکا ہے۔ لہٰذا پوری طرح توشہ سفر جمع کرنے اور سامان سفر مہیا کرنے میں لگ جائے۔ بس یہ سمجھے کہ ہر دن کی زندگی اس کو بطور غنیمت مل رہی ہے اس کو اپنی عمر کا حصہ شمار کرے خصوصاً جبکہ کمزوری بھی طاری ہونے لگے۔

پھر جیسے جیسے عمر بڑھتی جائے عمل کی کوشش اور اہتمام بھی بڑھتا جائے اور جب اسی (۸۰) کی دہائی میں پہنچے تو یقین کر لے کہ اب کوچ کے سوا کچھ نہیں رہ گیا ہے اور اب صرف اپنی کوتاہیوں پر افسوس کیا جا سکتا ہے یا کمزوری کی حالت میں کچھ عبادت۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں ایسی کامل بیداری کا جو ہم سے غفلتوں کی نیند کو دور کر دے اور اپنے عمل صالح کی توفیق کا جس کے ہوتے ہوئے قیامت کے دن شرمندگی سے حفاظت رہے۔ "واللہ الموفق"

علم کلام کا غلو

مجلس... حضرات سلف رحمہم اللہ تعالیٰ جو علم کلام میں گفتگو سے منع فرماتے تھے وہ درحقیقت ایک بڑے خطرے کی وجہ سے تھا اور وہ یہ کہ (اس کی بحثوں میں لگ کر) انسان ایسی چیزوں میں غور و فکر شروع کر دیتا ہے جہاں اس کی نگاہ بصیرت کمزور پڑ جاتی ہے پھر بھی حیران ہو کر مجوب ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب ہم اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر شروع کریں گے تو عقل حیران اور حواس معطل و مبہوت ہو کر رہ جائیں گے کیونکہ یہ کیا ایسی ذات کو جس کی کوئی ابتداء نہ ہو کیسے پہچان سکتے ہیں اس لیے کہ یہ تو صرف جسم جوہر اور عرض کو جانتے ہیں لہٰذا جو چیز اس کے علاوہ ہو اس کو سمجھنا ان کے بس سے باہر ہے۔ اسی طرح اگر ہم باری تعالیٰ کے افعال میں غور و فکر شروع کر دیں تو ہم دیکھیں گے کہ وہ ایک جسم کو مضبوط کرتا ہے پھر اس کو توڑ دیتا ہے اور ہم کو اس کی حکمت معلوم نہیں ہو پاتی ہے۔ لہٰذا سمجھدار آدمی کے لیے بہتر یہی ہے کہ جہاں تک اس کی نگاہ کی رسائی نہ ہو سکے اُدھر جھانکنے کی کوشش نہ کرے۔

جب عقل نے اللہ تعالیٰ کی مصنوعات کو دیکھ کر اس کے وجود کو تسلیم کر لیا اور نبی کی بعثت کو ممکن مان کر معجزات کے ذریعہ اس کو بھی تسلیم کر لیا تو یہ چیز سب ضروری امور کی تصدیق کرنے کی مشقت میں پڑنے سے کافی ہو گئی اور جب اس نے بتایا کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ" تو اتنا کافی ہے۔

اب جو شخص مہارت دکھانا چاہتا ہے اور کہے کہ تلاوت وہی "محدث" ہے یا "غیر محدث" ہے قرأت ہی "مقروء" ہے یا "غیر مقروء" تو وہ بے فائدہ وقت ضائع کر رہا ہے حالانکہ مقصود اس کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا ہے (نہ کہ یہ کلامی بحثیں) چنانچہ یہ قصہ نقل کیا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ نے سارے ملک میں اپنے عمال کے پاس تحریر بھیجی کہ میں تم لوگوں کے پاس آنے والا ہوں لہٰذا یہ کام کر دو وہ کام کرا دو وغیرہ۔ سب حاکموں نے تحریر پاتے ہی کام شروع کر دیا لیکن ایک حاکم تحریر لے کر بیٹھ گیا اور یہ تحقیق شروع کی کہ تو بادشاہ سلامت نے اس کو کس روشنائی سے لکھا ہے؟ اور کھڑے ہو کر لکھا ہے یا بیٹھ کر؟ وہ یہی تحقیق کرتا رہا یہاں تک کہ بادشاہ آ گیا اور یہ اس کے فرمان پر عمل نہیں کر سکا تو بادشاہ نے سب کو انعام دیئے جانے کا فیصلہ کیا اور اس کو قتل کرا دیا۔

سچی اور جھوٹی لذتیں

مجلس... طالبانِ دنیا دنیا کی سچی لذتوں سے غافل ہیں کیونکہ سچی لذت تو علم کے شرف میں ہے، عفت کی خوبی میں ہے، پرہیز کی خودداری میں ہے، قناعت کی عزت میں ہے اور مخلوق پر احسان وکرم کرنے کی شیرینی میں ہے۔

رہا کھانے اور نکاح سے لذت کا حصول تو یہ لذت سے ناواقف شخص کا کام ہے کیونکہ نکاح اور کھانا خود مقصود نہیں ہوتے (یعنی ان میں کوئی ذاتی خوبی نہیں ہوتی) بلکہ یہ بدن میں طاقت اور اولاد کے لیے ہوتے ہیں۔

پھر یہ سوچو کہ نکاح میں کون سی لذت ہے؟ مباشرت سے پہلے تو لذت ملتی نہیں ہے اور مباشرت کے وقت بھی ایک قلق حاصل ہوتا ہے اور اس کے بعد تو ایسا لگتا ہے جیسے کوئی لذت حاصل ہی نہ ہوئی ہو اور نتیجہ میں بدن کی کمزوری الگ ہے۔

اسی طرح ضرورت سے زائد مال جمع کرنے میں کیا لذت ہے؟ کیونکہ وہ اپنے جمع کرنے والے کو غلام بنائے رکھتا ہے۔ ساری ساعت اس کی حفاظت اور اس کے متعلق اندیشوں میں گزرتی ہے اور تھوڑا مال زیادہ کی طرف رغبت پیدا کرتا رہتا ہے۔

اور یہی حال کھانے کی لذت کا بھی ہے کہ بھوک کے وقت عمدہ اور معمولی کھانے سب برابر ہو جاتے ہیں۔ پھر اگر زیادہ کھالو تو جان کے لیے خطرہ ہو جاتا ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: فتنہ کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔

۱۔ عورتیں: یہ تو شیطان کا بچھایا ہوا جال ہیں۔

۲۔ شراب: یہ اس کی تیز دھار تلوار ہے۔

۳۔ دینار و درہم: یہ دونوں اس کے زہر میں بجھے ہوئے تیر ہیں''۔

لہٰذا جو عورتوں کی طرف مائل ہوا اس کی زندگی صاف ستھری نہیں رہ سکتی جس نے شراب پسند کی وہ اپنی عقل سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا اور جس نے دینار و درہم کو پسند کیا وہ ساری زندگی ان کا غلام ہو کر رہے گا۔

خدا تعالیٰ کے اوصاف اور افعال عقل سے ماوراء ہیں!

مجلس... عقائد کے حصے میں گمراہی کا اصل سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ کو مخلوق کے احوال پر قیاس کر لیا گیا۔

فلاسفہ نے جب دیکھا کہ کسی چیز کا بغیر کسی دوسری چیز کے (خود بخود) پیدا ہو جانا محال ہے تو عالم کے قدیم ہونے کے قائل ہو گئے اور جب ان کو ہر ہر چیز کا احاطہ دشوار معلوم ہوا تو کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا اجمالی علم رکھتا ہے تفصیلی نہیں جانتا۔ اسی طرح جب دیکھا کہ پارہ پارہ ہو کر یہ جسم ختم اور فنا ہو جاتا ہے تو اس کے دوبارہ پیدا کیے جانے کا انکار کر بیٹھے اور کہا کہ ”دراصل صرف روحیں اپنے اصل معدن کی طرف لوٹیں گی۔“ (جسم نہیں کیونکہ وہ تو فنا ہو چکا ہے)

اور جس نے بھی خالق کی صفت کو مخلوق کی صفات پر قیاس کیا ہے وہ کفر کی راہ پر چل پڑا ہے۔ چنانچہ فرقہ مجسمہ (جو اللہ کے لیے جسم ثابت کرتا ہے ہاتھ پیر اور تمام اعضاء انسانی کو ثابت مانتا ہے) اس مصیبت میں پڑ گیا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اوصاف کو ان چیزوں کے ساتھ مان لیا جو عقل میں آ سکیں۔

یہی حال اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور انتظام کا ہے کہ جس نے اس کو اپنی عقل عادی کی کسوٹی پر رکھا وہ حیوانات کے ذبح کو پسند نہیں سمجھتا، بیماریوں کو برا سمجھتا ہے اور بے وقوف کی مالداری اور عقل مندی کی تنگی کو حکمت کے خلاف جانتا ہے حالانکہ یہ مخلوق کے درمیان اچھائی یا برائی کا معیار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بلند تر ایسی ہے کہ انسانی عقل اس کی حکمت تک رسائی نہیں پا سکتی۔

ہاں البتہ عقل کے نزدیک اس کا وجود، اس کی سلطنت، حکومت اور حکمت ثابت ہو چکی ہے تو اب مخلوق کی عادات کے مطابق اس کے فیصلوں کی وجہ سمجھنے کی کوشش کرنا جہالت ہے۔

کیا تم سب سے پہلے معترض ابلیس کو نہیں دیکھتے؟ کیسا اس نے مناظرہ کیا اور کہا ”انا خیر منہ“ جبکہ اس کے خلیفہ ابو العلاء معری کا قول ہے۔

رأى منك ما لا يشتهي فتزندقا

”اس نے تجھ سے اپنی خواہش کے خلاف دیکھا تو تیرے دین سے پھر گیا۔“

بھلا دیکھو! ہم اس کے اقوال اور فیصلوں کی توجیہ تو کر نہیں سکتے پھر اس کی ذات کے متعلق کوئی فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں؟ اور اس کے معاملہ کو اپنے حالات پر کیسے قیاس کر سکتے ہیں؟

پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ اور چچا کے متعلق دعا کرتے ہیں اور وہ قبول نہیں کی جاتی، بھوکے تڑپتے ہیں حالانکہ ساری دنیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب قتل کیے جا رہے ہیں حالانکہ نصرت اور مدد آپ کے رب کے قبضہ میں تھی تو کیا عقل حیرت میں نہیں رہ جاتی ہے؟

لہٰذا ایسے مالک (اور حکیم) پر ہم کو اعتراض کی کوئی مجال نہیں جس کی حکمت ثابت ہو چکی ہے اور جس کی حکومت قائم ہے۔

فضیلت بقدر محنت

مجلس.... میں نے ایک عجیب نکتہ سوچا کہ نفیس اور قیمتی چیز دنیا کی ہو تو اس کا راستہ ہمیشہ بہت لمبا اور اس کی تحصیل میں بہت مشقت ہوتی ہے۔

مثلاً علم جو سب سے زیادہ قابل شرف نعمت ہے بغیر تعب و مشقت راتوں کی بیداری، بار بار تکرار و مطالعہ اور راحتوں و لذتوں کی قربانی کے حاصل نہیں ہوتا ہے۔ ایک فقیہ نے فرمایا کہ کئی سال تک میں "کھچڑا"[1] کھانے کی خواہش کے باوجود کھا نہیں سکا کیونکہ جس وقت وہ بازار میں فروخت ہوتا تھا اسی وقت میرے سبق میں حاضری کا ہوتا تھا۔

یہی حال مال و دولت کی تحصیل کا بھی ہے کہ اس میں طرح طرح کے خطرات، سفر اور مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اسی طرح سخاوت و بخشش کے شرف میں بھی محبوب چیزوں کو خرچ کرنے میں نفس سے مجاہدہ کی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی سخاوت کے نتیجہ میں فقر تک کی نوبت آ جاتی ہے۔

اور یہی معاملہ شجاعت و بہادری کا ہے کہ بغیر جان کو خطرات میں ڈالے ہوئے

---

[1] یہاں لفظ "فالوذج" کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ اصل میں "ہریسہ" اس کھانے کو کہتے ہیں جو گوشت، ہڈی اور گیہوں ڈال کر تیار کیا جاتا ہے چونکہ ہمارے ہاں اس طرح کے کھانے کو "کھچڑا" کہتے ہیں اس لیے یہ ترجمہ کیا گیا ورنہ اس کھچڑے کو ہمارے ہاں "حلیم" بھی کہتے ہیں۔ مترجم

شجاعت کی شہرت نہیں حاصل ہو سکتی۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

لولا المشقة ساد الناس کلهم الجود یفقر والاقدام قتال۔

"اگر مشقت نہ ہوتی تو سب لوگ بڑے ہو جاتے، سخاوت فقر لاتی ہے اور اقدام جنگ ہے۔"

اور آخرت میں ثواب حاصل کرنا بھی اسی قسم میں داخل ہے کیونکہ وہ بندگی اور کوشش کے بقدر خرچ کیے جانے والے مال کی وقعت کے بقدر اور اپنے موقع پر دل کو بے صبری اور شکایت سے روک لینے کے بقدر ہی بڑھتا اور زیادہ ہوتا ہے۔

"زہد اور تصوف" میں بھی خواہش نفس سے صبر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور "پاکدامنی" بھی بغیر شہوت کے ہاتھوں کو روکے ہوئے نہیں حاصل ہوتی۔ اگر حضرت یوسف علیہ السلام نے مشقت نہ برداشت کی ہوتی تو آپ کو "ایہا الصدیق" نہ کہا جاتا۔

اور اللہ کے بہت سے بندے ایسے ہوتے ہیں جو ان تمام فضیلتوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ہر علم و فن کو آخری درجہ تک حاصل کرتے، ہر عمل میں پوری کوشش کرتے اور ہر طرح کی نیکیوں پر مداومت کرتے ہیں پھر اگر ان کے بدن ان اعمال اور علوم کے کی تحصیل سے کمزور ہو جاتے ہیں تو ان کی نیتیں کام کرتی ہیں۔ اور اعمال میں وہ سبقت کرنے والے ہوتے ہیں۔

پھر یہ کہ ان کا سب سے کامل حال یہ ہوتا ہے کہ یہ اپنے اعمال پر نگاہ نہیں رکھتے بلکہ ان کو کامل ہونے کے باوجود حقیر خیال کرتے اور کوتاہیوں پر معذرت کرتے رہتے ہیں اور بعض اس پر اضافہ کرتے ہیں کہ ان اعمال نیک میں مشغول پر شکر بھی ادا کرتے ہیں جبکہ بعض حضرات اپنے اعمال کو کسی درجہ میں بھی نہیں رکھتے کیونکہ وہ اپنے اور اپنے تمام اعمال کو (اپنا تصور کرنے کے بجائے) اپنے آقا و مولیٰ کا تصور کرتے ہیں۔

ان باہمت حضرات کے برعکس کاہلوں، سستوں اور شہوت پرستوں کا حال ہے کہ اگر یہ لوگ دنیا کی قریبی لذتوں میں مشغول ہوئے تو ہر تعب و مشقت سے زیادہ بڑی مصیبت یعنی افسوس، حسرت اور غم میں جلد ہو جا پڑیں گے۔

جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر اور حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے صبری پر غور کیا اس کے سامنے صبر اور بے صبری کا فرق، ورنفع اور نقصان ظاہر ہو جائے گا۔

جب میں نے سمندر سے موتی حاصل کرنے کو سوچا تو معلوم ہوا کہ سخت مشقتوں کے بعد ہی اس کا حصول ممکن ہے۔

اور اس مثال پر غور کرنے سے بہت سی مثالیں سمجھ میں آ سکتی ہیں۔

پس صاحب توفیق وہی شخص ہے جس نے عمل کے موسم کو مختصر اور اس کے بدلے کے زمانہ کو بے انتہا طویل دیکھ کر ایک ایک لمحہ کو کام میں لانے کا ارادہ کر لیا اور ہر فضیلت کے حصول کی فکر میں لگ گیا کیونکہ اگر کوئی فضیلت چھوٹ گئی تو پھر اس کی تلافی کا کوئی موقع نہیں رہتا ہے۔

کیا حدیث شریف میں نہیں ہے کہ آدمی سے کہا جائے گا کہ "پڑھتا جا اور چڑھتا جا تیری منزل وہی ہے جہاں تو آخری آیت پڑھے گا"۔ اب اگر آدمی تو عمدے سے اس کو سوچے تو فوراً قرآن کریم حفظ کرنے کا ارادہ کرے گا۔

یقین کا معیار

مجلس...بھلا وہ شخص کیا مومن ہوا جس نے ظاہری عبادات ادا کیں اور ظاہری گناہوں سے بچا رہا۔ سچا مومن تو وہی ہے جس کا یقین پختہ ہو جس کے دل میں اعتراض نہ کھٹکتا ہو جس کی طبیعت وسوسوں کو دل میں جگہ نہ دیتی ہو اور جب بھی آزمائش اس پر سخت ہو اس کا ایمان بڑھ جائے اور فرمانبرداری مضبوط ہو جائے۔

جب بھی دعا کرے اور قبولیت کا اثر نہ دیکھے اس وقت اس کا دل یہ سوچ کر مطمئن رہے کہ میں خدا کا مملوک ہوں اور مالک کو اپنے مملوک میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہوتا ہے۔

کیونکہ اگر اس کے دل میں کوئی اعتراض پیدا ہوا تو وہ بندگی کے مقام سے نکل جائے گا اور مناظرہ پر آمادہ ہو جائے گا۔ جیسا کہ ابلیس کے ساتھ ہوا حالانکہ مضبوط ایمان کا اثر آزمائش کی سختی کے وقت ہی ہوتا ہے۔

آدمی دیکھتا ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کی شخصیت پر ایک بدکار بادشاہ مسلط ہو کر آپ کو ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے اور آپ ذبح کر دیئے جاتے ہیں تو دل میں سوچتا ہے کہ جس ذات نے آپ کو نبی بنایا اس نے اس موقع پر کیا دفاع کیا؟

اسی طرح وہ تمام مواقع ہیں جہاں نبیوں اور مومنوں پر کافروں کو غلبہ ملا۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اس وقت کوئی دفاع نہیں ہوا۔ جب اکثر لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ قدرت خداوندی دفاع سے عاجز تھی تو یہ کفر ہو گیا۔ اور اگر اس کا یقین کیا کہ قدرت دفاع پر قادر تھی لیکن کیا نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کبھی مومنوں کو بھوکا رکھتے، کافروں کو آسودہ کرتے ہیں، فرمانبرداروں کو عافیت دیتے ہیں فرمانبرداروں کو بیمار کر دیتے ہیں تو ملک کے اختیار کے سامنے جھکنے اور اس کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا اگرچہ وہ فیصلہ دل میں رہ جاوے تو پڑے۔

دیکھو! حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام گم ہو گئے تو آپ اسی (۸۰) سال تک روتے رہے لیکن مایوس نہیں ہوئے پھر دوسرے بیٹے بن یمین بھی گم ہو گئے تو (مایوس ہونے کے بجائے)

فرمایا: عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا۔
"ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو واپس لائیں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے لئے بددعا کی تو چالیس سال کے بعد قبولیت کا اثر ظاہر ہوا حالانکہ وہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کراتا رہا۔ لیکن قدیم اور عظیم قدرت نے اس کا دفاع نہیں کیا۔ اسی طرح فرعون نے اسلام لانے والے جادوگروں کے ہاتھ کاٹ دیئے اور ان کو سولی پر چڑھا دیا (مگر قدرت اس کو ڈھیل دیتی رہی)۔

سخت مصیبتیں کسی بڑے مرتبہ والے پر اترتی ہیں مگر ان سے اس کی فرمانبرداری اور رضا میں اضافہ ہی ہو۔ یہی وہ موقعہ ہے جب "رضوا عنہ" کا مطلب واضح ہوتا ہے اور ایسے ہی مواقع پر ایمان و یقین کی قوت ظاہر ہوتی ہے جس کو چند کلمات میں لکھا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "عافیت میں سب برابر رہتے ہیں البتہ جب مصیبت اترتی ہے تب مراتب کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔"

کلامی مشغول کے نقصانات

فصل... عوام کے حق میں سب سے نقصان دہ جماعت متکلمین کی ہے کیونکہ عوام

ان کی گفتگو اور ان کی بحثوں کو اپنے عقائد میں داخل کر لیتے ہیں۔

کتنی بری بات ہے کہ ایک عامی شخص جو نہ نماز کے ارکان سے واقف ہے اور نہ خرید و فروخت اور سود کے مسائل سے "متکلم" کی مجلس میں حاضر ہوتا ہے تو بجائے اس کو نماز میں سستی سے روکے اور سود سے چھٹکارے کی صورت بتلائے۔ اس سے کہتا ہے کہ قرآن تو تم اللہ کی ذات ہے اور جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ (قرآن نہیں ہے بلکہ الفاظ اور کاغذ کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے) مخلوق ہے۔ یہ یہ کہ اس عامی کے دل سے قرآن کی عظمت نکال دیتا ہے پھر اس کو جھوٹے دعوی میں قرآن سے حلف اٹھانے میں کوئی تکلف نہیں ہوتا۔

برا ہو اس متکلم کا! کاش اس کو کچھ فہم ہوتی تو سمجھ لیتا کہ اللہ رب العزت نے کچھ ایسے ظاہری مشاہدات مقرر کر دیے ہیں جن سے انسانی طبیعتیں مانوس و مطمئن ہو سکیں۔ مثلاً کعبہ جس کو اپنا گھر کہا اور عرش پھر اس پر اپنے استواء کا ذکر کیا۔

اسی طرح اپنی صفات میں ہاتھ، کان، آنکھ کا ذکر کیا۔ آسمان دنیا پر نزول کو بتلایا۔ اپنے ہنسنے کا ذکر کیا۔ یہ سب محض اس لیے تاکہ انسانی طبیعتیں ان سے مانوس ہو جائیں حالانکہ خدا تعالیٰ کی بے مثال ذات ان اعضاء سے پاک ہے۔ اسی طرح اس نے قرآن کی عظمت پیدا کرنے کے لیے بے وضو شخص کو اس کے چھونے سے منع کر دیا۔ لیکن پھر یہ معاملہ متکلمین تک پہنچا تو انھوں نے (اس قدر اس کی بے توقیری کی کہ) اس کے اوراق سے استنجا تک جائز کہہ دیا اس لیے یہ لوگ شریعت کے دشمن ہیں کہ شریعت جس کی تعظیم دلوں میں بٹھانا چاہتی ہے یہ اس کی عظمت کو مٹانا چاہتے ہیں۔

بھلا کیا کلامی بحثوں میں غلو سے حقیقتوں کی ایسی معرفت ممکن ہے جس کے خلاف ہونا ناممکن ہو اور دور ہو! اگر ایسا ہوتا تو متکلمین کے درمیان اختلافات نہ ہوتے۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین نے اس موضوع پر کچھ کلام نہیں کیا؟ اگر چہ ان کو بعض اصول سے واسطہ پڑا۔ پھر حضرات فقہاء علیہ الرحمہ کا دور آیا تو انھوں نے کلامی بحثوں میں لگنے سے منع فرمایا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس کے نتیجے میں کیا حاصل ہوگا اور کیا کھو جائے گا۔ لہٰذا جس شخص نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے عقیدے پر اکتفا نہیں کیا اور کلامی بحثوں کے

چھوڑنے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ و امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (نیز امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) کے مسلک پر قناعت نہیں کی تو وہ کچھ کمی نہیں ہے۔ خواہ کوئی بھی ہو ہم کو خدا کا واسطہ! ذرا سوچو تو سہی کیا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:

لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا (سود مت کھاؤ)

کی وجہ سے ہم پر سود کا چھوڑنا واجب نہیں ہوا؟ اور کیا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى (زنا کے قریب نہ جاؤ)

کی وجہ سے زنا کا ترک ضروری نہیں ہو گیا؟ پھر "قراءت اور مقروء" کی وحدت، اور "حلول" "قدیم اور حادث" کی بحثوں سے ہم کو کیا فائدہ ہے؟ اگر کہا جائے کہ عقیدے کی درستگی تو ضروری ہے تو ہم کہتے ہیں کہ حضرات سلف کا طریقہ سب سے واضح راستہ ہے۔ وہ یہ کہ ہم کوئی عقیدہ قطعاً نہیں اختیار کرتے جب اس کو دلیل سے ثابت کرتے ہیں لیکن یہ دلیل جوہر، عرض اور جزء لا یتجزیٰ سے نہیں حاصل ہوتی بلکہ بے ضرورت مباحث سے الگ ہو کر اس کو عقل کی موافقت کے ساتھ نقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں اور یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔

موت کی حقیقت

مجلس: عام عادت کے مطابق میں بھی بیوی بچوں میں سے کسی کے مرنے پر غم میں مبتلا ہو جاتا تھا اس لیے کہ جب یہ تصور آتا کہ قبروں میں یہ جسم گل جاتے ہیں تو غم اور افسوس ہوتا۔

پھر میری نگاہ اس سے چند ایسی احادیث پر پڑی جو اس سے پہلے بھی گزر چکی تھیں مگر میں ان میں غور نہیں کرتا تھا۔ ایک حدیث میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

انما نفس المؤمن طائر تعلق في شجر الجنة حتى يرده الله عز وجل الى جسده يوم يبعثه.

"مومن کی روح کو پرندہ بنا کر جنت کے درخت پر چھوڑ دیا جائے گا۔ پھر جس دن اللہ تعالیٰ اس جسم کو دوبارہ اٹھائیں گے تو وہ روح اس میں واپس کر دیں گے۔"

میں نے سوچا کہ پھر تو یہ موت کا سفر راحت اور آرام کی طرف ہوتا ہے اور بدن کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے کیونکہ وہ ایک سواری کے مثل ہے جو جدا ہو کر خراب ہو جاتی ہے پھر دوبارہ

اٹھانے ہونے کے وقت ہی فنا کر دی جائے گی۔ لہٰذا اس کے سڑ گل جانے کی فکر فضول ہے۔
اب طبیعت کو اس خیال سے پرسکون ہونا چاہیے کہ روحیں راحت کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔ لہٰذا زیادہ غم نہ ہو اور اس تصور سے بھی کہ جلد ہی دوستوں سے ملاقات ہونے والی ہے۔
البتہ چونکہ عام طور پر لوگ ظاہری صورت سے بھی تعلق رکھتے ہیں اس لیے اس پر افسوس ہو سکتا ہے کیونکہ انسان کی نگاہ تو اس خوبصورت جسم ہی پر پڑتی ہے جو اب ختم ہو گیا ہے۔ لہٰذا تسکین ہو جاتی ہے مگر یہ جسم تو آدمی نہیں ہے یہ تو آدمی کی سواری ہے جبکہ روحیں (باقی رہیں گی) خراب نہیں ہوں گی اور جسم کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔
اس بات کو تم اس پر قیاس کرو کہ جب تم اپنا کوئی دانت نکال کر کسی گڑھے میں پھینک دیتے ہو تو کیا پھر پوری زندگی میں تمہیں کچھ خبر ہوتی ہے کہ اس دانت پر کیا گزری؟ بس جسم کا معاملہ بھی اسی دانت کی طرح ہے کہ روح کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس کو کیا پیش آیا۔ لہٰذا اپنے محبوب کے جسم کے سڑ گل کر چورہ چورہ ہو جانے سے غم اور افسوس کسی طرح مناسب نہیں ہے۔
بلکہ روحوں کی راحتوں کو پھر ان کو نیا جسم مل جانے کو اور جلد ہی آپس میں سب کی ملاقات کو سوچو کیونکہ یہ سب سوچنے سے غم ہلکا ہو جائے گا اور معاملہ آسان معلوم ہوگا۔

راز اور مسلک

مجلس.... کسی بھی عقل مند آدمی کے لیے تنہائی میں کوئی ایسی گفتگو کرنا جس کے بارے میں یہ سوچ نہ چکا ہو کہ اگر یہ بات سب کے سامنے ظاہر ہو جائے گی تو کیا نقصان ہوگا اور کیا فائدہ ہوگا مناسب نہیں ہے۔
کیونکہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کسی دوست پر اعتماد کر کے اس کے سامنے بادشاہِ وقت کے متعلق کوئی بات کہہ دیتا ہے پھر کسی ذریعہ سے بادشاہ کو اطلاع ہو جاتی ہے اور وہ اس کو قتل کرا دیتا ہے یا کسی دوسرے دوست کے متعلق کچھ کہا جو اس کو پہنچ گیا پھر اس کا نقصان پیش آیا۔
اور جیسے راز کی حفاظت ضروری ہے اسی طرح اپنا مسلک بھی چھپانا دانش مندی ہے کیونکہ اس کے اظہار سے سوائے دشمنی اور عداوت کے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ چنانچہ معتقد باللہ کے زمانہ میں جب شریف ابو جعفر نے اشعری کی مخالفت کی تو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیئے گئے۔ یہاں تک

کر مر گئے جبکہ انہوں نے ان کو قید کرنے کا مقصد صرف قتلوں کو روکنا اور دنیا کی اصلاح تھا کیونکہ بادشاہ کے نزدیک کسی مذہب کے تعصب سے زیادہ قتل کو ٹالنا اور دنیا کی اصلاح اہم ہے۔

حکمت خداوندی اور انسانی عقل

مجلس... میں نے بہت سے عاقلوں کو دیکھا کہ خدا تعالیٰ کے فیصلوں پر ناراض ہوتے ہیں پھر ان میں بعض کمزور ایمان والے اعتراض کرنے لگتے ہیں اور بعض تو کفری باتیں کہہ جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جو کچھ فیصلے ہو رہے ہیں ناقص اور عبث ہیں اور کہتے ہیں کہ پیدا کرنے کے بعد پھر فنا کر دینے سے کیا فائدہ ہے؟ اور جو ذات ہماری تکالیف سے بے نیاز ہے اس کی طرف سے آزمائش اور ابتلا کیوں ہے؟

ایک مرتبہ ایک ایسے ہی شخص سے جو اس طرح کے اشارے کر رہا تھا میں نے کہا کہ اگر تمہارا دل اور عقل ٹھکانے ہو تو میں تم سے گفتگو کروں اور اگر تم بغیر سوچے سمجھے محض عصبیت کو دیکھ کر بولتے رہو گے تو پھر تمہارے ساتھ گفتگو ضائع ہوگی۔ تمہارا بھلا ہو! اپنی عقل حاضر کرو اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں غور سے سنو!

کیا یہ بات ثابت نہیں ہو چکی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ (ہم سب کے اور ساری کائنات کے) مالک ہیں؟ اور مالک کو اپنے مملوک میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہوتا ہے؟ اور کیا یہ ثابت نہیں ہو چکا ہے کہ وہ حکیم ہیں اور حکیم کوئی فیصلہ فضول نہیں کرتا ہے؟

میں سمجھتا ہوں کہ اس کے حکیم ہونے کے متعلق تمہارے دل میں کچھ اور خیال ہے کیونکہ ہم نے جالینوس کی روایت سنی ہے کہ اس نے کہا "میں نہیں جانتا کہ وہ حکیم ہے یا نہیں؟" اور اس کے اس کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے دیکھا کہ یہ جسم مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیا جاتا ہے تو خالق کے حال کو مخلوق کے حال پر قیاس کر لیا کہ اگر کوئی آدمی کوئی چیز بنائے اور پھر بلا وجہ توڑ دے تو اس کو حکیم نہیں کہا جاتا (اس طرح خدا تعالیٰ بھی نعوذ باللہ) اگر جالینوس موجود ہوتا تو اس کا جواب یہ تھا کہ اس سے پوچھا جاتا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ اس کا توڑنا حکمت سے خالی ہوتا ہے؟ اور کیا تم کو اس نے جو عقل دی ہے اس کا عطا کرنے والا وہی نہیں ہے؟ پھر کیا جو ذات تمہاری عقل کی عطا کرنے والی ہے خود ہی اس سے محروم رہے گی؟

درحقیقت یہی مصیبت ابلیس کو بھی پیش آئی تھی کہ اپنی عقل کے زور پر خدا تعالیٰ کی حکمت کی نکتہ چینی کرنے لگا تھا حالانکہ اگر وہ سوچتا تو اس کو معلوم ہو جاتا کہ عقل سے نوازنے والا عقل سے بلند تر ہوگا اور اس کی حکمت ہر حکیم کی حکمت سے کامل ہوگی کیونکہ اس نے اپنی حکمت بالغہ سے تمام حکیموں کی عقلوں کو پیدا کیا ہے۔

یہ وہ مضمون ہے کہ جب کوئی منصف مزاج آدمی اس میں غور کرے گا تو اس کا شک دور ہو جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے ارشاد:

اَلَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ. "کیا تمہارے لیے تو لڑکے اور خدا کے لیے لڑکیاں؟"

میں اسی طرح کے جواب کا اشارہ کیا ہے کہ کیا وہ اپنے لیے تو "ناقصات" کو تجویز کرے گا اور تم کو "کاملین" عطا کرے گا۔

لہٰذا ہمارے لیے اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ وہ ذات جو فیصلے بھی ہم پر کرے ہم اس کے سمجھنے سے اپنے کو عاجز تصور کریں اور یہ کہیں کہ یہ فیصلہ ایک حکیم اور دانا ذات کا فیصلہ ہے جس سے ہم سے اس کی حکمت نہیں ظاہر کی۔

اور یہ کوئی قابل تعجب بات نہیں ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کشتی توڑے جانے اور خوبصورت لڑکے کے قتل کی حکمت مخفی رکھی گئی تھی۔ پھر جب حضرت خضر علیہ السلام نے آپ سے اس کی حکمتیں بیان کیں تب آپ کو یقین ہوا۔ لہٰذا انسان کو اپنے خالق کے ساتھ کم از کم ویسا ہی تصور کرنا چاہیے جیسا حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ ہوا۔

غور کرو کیا ایسا نہیں ہے کہ ہم دسترخوان پر قسم قسم کے عمدہ کھانے سجے ہوئے دیکھتے ہیں۔ پھر دیکھتے ہیں کہ وہ کاٹے جا رہے ہیں چبائے جا رہے ہیں اور معدہ میں پہنچا کر خراب کیے جا رہے ہیں لیکن محض اس وجہ سے کہ ہم اس کی ایک باطنی اور مخفی مصلحت سے واقف ہیں۔ اسی طرح کے افعال کو عجوبہ نہ ورنہ ان پر نکیر کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے افعال میں کوئی ایسی باطنی مصلحت نہ مانی جائے جس کو ہم نہ جان سکے ہوں؟

سب سے بڑا نادان وہ مملوک غلام ہے جو اپنے آقا کے راز پر مطلع ہونے کا مطالبہ کرے کیونکہ اس کی ذمہ داری تو بس فرمانبرداری ہے اس کو اعتراض اور سوال کا کیا حق؟

اگر ان آزمائشوں میں جن کو طبیعتیں ناگوار سمجھتی ہیں صرف یہی حکمت ہوتی کہ ان کی وجہ سے عقلوں کو خالق کا یقین دلا کر اس کے سامنے جھکایا جائے تو کافی ہوتا۔

میں نے ایک عجیب نکتہ سوچا اور ممکن ہے کہ موت سے مقصود یہی ہو کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ایسے غیب میں ہیں جس کو انسانی حواس محسوس نہیں کر سکتے تھے۔ اب اگر یہ جسم موت کے ذریعے توڑا نہ جاتا تو انسان کو خیال ہو سکتا تھا کہ وہ بغیر کسی کے بنائے ہوئے خود بخود پیدا ہو گیا ہے لیکن جب اس پر موت طاری ہوئی تو اس نے اس روح کو پہچانا جس کو بدن میں رہنے کی وجہ سے نہیں پہچان سکتا تھا۔ پھر روح کے کوچ کرنے کے بعد عجیب عجیب حالات کا مشاہدہ کیا' پھر جب دوبارہ روح بدن میں واپس کی جائے گی تو بداہتہً اس کو یقین ہو جائے گا کہ کوئی ایسی ذات موجود ہے جس نے یہ روح بدن میں واپس لوٹائی ہے پھر وہ دنیا میں اپنے حالات کو یاد کرے گا کیونکہ جیسے جسم دوبارہ بنائے جائیں گے دنیوی یادداشتیں بھی لوٹا دی جائیں گی۔ تو ایک کہنے والا کہے گا:

اِنَّا کُنَّا قَبْلُ فِیْٓ اَھْلِنَا مُشْفِقِیْنَ۔

''اس سے قبل ہم اپنے گھرانہ میں ڈرنے والوں میں سے تھے۔''

پھر جب دنیا میں آخرت سے متعلق کیے گئے وعدوں کو پورا ہوتا دیکھے گا تب تو اسے پورا پورا یقین ہو جائے گا۔

اور یہ واقعہ ہے کہ یہ یقین دوسروں کی موت اور زندگی سے نہیں حاصل ہو سکتا تھا بلکہ اس کے حصول کے لیے اپنا مشاہدہ ضروری تھا۔

پھر جب انسان کو ذات خداوندی کے وجود کا یقین ہو جائے گا تب اس کے لیے ایسا جسم بنا دیا جائے گا جو ہمیشہ رہے گا اور ایسی جنت میں سکونت اختیار کرے گا جس کو ختم نہیں ہونا ہے۔

حاصل یہ کہ اس یقین اور اعتقاد کے ذریعے ہی وہ اس لائق ہو سکے گا کہ اس کو خدا تعالیٰ کی معیت نصیب ہو کیونکہ وہ اس کے وعدوں پر ایمان لایا تھا' اس کی آزمائشوں پر صبر کیا تھا' اس کے فیصلوں پر اعتراض کے بجائے سر جھکا دیا تھا اور دوسروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کی تھی۔ چنانچہ ایسے ہی انسان سے کہا جائے گا:

اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔

"لوٹ جا اپنے رب کے پاس راضی اور پسندیدہ ہو کر پس داخل ہو جا میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔"

رہے شک کرنے اور انکار کرنے والے قرآن کے لیے جہنم میں جانا اور رہنا ثابت ہو چکا ہے کیونکہ انہوں نے دلیلوں کو دیکھا مگر ان سے فائدہ نہیں اٹھایا، خدائے دانا حکیم سے مقابلہ کیا اور اس پر اعتراضات کرتے رہے۔ لہٰذا ان کے کفر کی نحوست نے ان کے قلوب کو بگاڑ دیا اور وہ اسی حالت پر رہ گئے جس پر تھے۔ پھر جب انہوں نے دنیا میں دلیلوں سے فائدہ نہیں اٹھایا تو موت اور دوبارہ اٹھائے جانے سے بھی ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ چنانچہ ان کے دلوں میں خباثت کے باقی رہ جانے کی دلیل یہ ارشاد ہے۔

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ۔

"اور اگر وہ لوٹائے گئے تو پھر وہی کرنے لگیں گے جس سے منع کیے گئے تھے۔"

لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں ایسی عقل جو اپنی حد پر رہے اپنے خالق اور موجد پر اعتراض نہ کرنے لگے۔

بربادی ہو اعتراض کرنے والے کی! کیا اس کا اعتراض تقدیر کے فیصلوں کو ٹال سکتا ہے؟ پھر بھلا سوائے رسوائی اور ذلت کے کیا فائدہ ہوا۔ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس شخص سے جس کو اس نے رسوا کر دیا۔

مصیبت کے بعد راحت

فصل... صاحب ایمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ بیماری یا موت کے نزول سے گھبرائے۔ اگرچہ طبیعت پر تو یہ بات چھا جاتی ہے لیکن جتنا ہو سکے صبر کی کوشش کرنا چاہیے خواہ یہ سوچ کر کہ مشقتوں پر اجر حاصل ہوگا اور خواہ تقدیر پر رضا کو حاصل کرنے کے لیے جبکہ مصیبت کیسی ہی ہو تھوڑے سے وقت کے لیے ہوتی ہے پھر ختم ہو جاتی ہے۔

چنانچہ جو شخص کسی بیماری میں مبتلا رہ چکا ہو وہ صحت کے زمانے میں ان گھڑیوں کو سوچے جن میں وہ مبتلا تھا کہ آخر وہ تکلیفیں کہاں ہیں؟ مصیبت زائل ہو گئی اور ثواب لکھا جا چکا ہے۔

جیسے حرام لذتیں فنا ہو جاتی ہیں اور ان کا گناہ باقی رہ جاتا ہے اور تقدیر پر ناراضگی کا زمانہ گزر جاتا ہے لیکن اس کا عتاب باقی رہ جاتا ہے۔

موت سوائے اس کے اور کیا ہے کہ تکلیفیں اتنی بڑھ جائیں جس کے تحمل سے انسان عاجز ہو جائے پھر وہ تکلیفیں بھی زائل ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا بیمار کو یہ تصور کرنا چاہیے کہ روح کے نکل جانے کے بعد راحت ہو جائے گی تاکہ وہ بیماری جس میں وہ مبتلا ہے ہلکی ہو جائے جیسے کڑوی دوا پیتے وقت یہ تصور رکھتا ہے کہ اس کے بعد صحت حاصل ہو جائے گی۔

اور جسم کے سڑ گل جانے کو سوچ کر بھی گھبرانے کے کوئی معنی نہیں کیونکہ یہ سڑنا اور گلنا سواری کو پیش آ رہا ہے گا سوار تو (باقی رہے گا پھر) جنت میں جائے گا یا جہنم میں۔

لہٰذا اس بات کا پورا اہتمام کرنا چاہیے کہ رکاوٹوں کے پیش آنے سے پہلے ہی فضائل اور درجات میں اضافہ کر لے کیونکہ نیک بخت وہی ہے جس کو عافیت کے زمانے کی قدر کی توفیق مل جائے اور عافیت کے وقت میں افضل سے افضل عمل کو حاصل کرتا رہے۔

خوب سمجھ لو کہ یہاں جس قدر فضائل حاصل کیے جائیں گے جنت میں اسی کے بقدر مراتب حاصل ہوں گے جبکہ عمر تھوڑی ہے اور فضائل بہت ہیں لہٰذا جلد از جلد فضیلتوں کے حصول کی کوشش میں لگ جانا چاہیے۔

ہائے کس قدر طویل ہوگی یہاں کی مشقتوں کے بدلے میں وہاں کی راحت ہائے کیا خوب ہوگی۔ یہاں کے غمزدوں کے لیے وہاں کی فرحت اور ہائے کس قدر زیادہ ہوگی یہاں کے جتنا آلام کے لیے وہاں کی مسرت!

جب بھی خیال آ جاتا ہے کہ جنت میں ہر لذت ہمیشہ رہے گی نہ اس میں کوئی کدورت شامل ہوگی اور نہ کبھی ختم ہوگی تو پھر ہر مصیبت اور سختی ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے۔

غفلت کی حقیقت

مجلس.... ایک دن ہم ایک ایسے نوجوان کے جنازہ میں شریک ہوئے جو اس دنیوی زندگی کی بہترین متاع تھا تو میں نے دیکھا کہ اس موت کی وجہ سے زیادہ تر حاضرین دنیا کی مذمت، دنیا میں لگ کر مطمئن ہو جانے والوں کی عیب گیری اور موت کی تیاری سے

غفلت کرنے والوں کی برائی میں مشغول ہیں تو میں نے کہا: ہاں تم ٹھیک کہتے ہو لیکن مجھے
وہ بات بھی سوجھی جو تم نے اب تک نہیں آئی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ کچھ آدمی کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ موت قریب آ گئی ہے تو اس
کی عقل کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ عمل میں جلدی کرے اور خوف کی وجہ سے قلق میں مبتلا ہو جائے۔
چنانچہ بہت سے لوگوں کو یہ حال پیش آیا تو حیران ہو کر صحراؤں میں نکل گئے کئی کئی دن فاقہ میں
گزار دیئے راتوں کو سونا چھوڑ دیا قبرستانوں میں رہنے لگے پھر بہت جلد ہلاک ہو گئے۔

اور خدا کی قسم! جس چیز سے ڈر کر انہوں نے ایسا کیا وہ ان افعال سے بھی زیادہ کی
مستحق تھی لیکن وہی عقل جس کا تقاضا یہ قلق تھا اسی کو ہم دیکھتے ہیں کہ ہم کو ایسی بات بتاتی
ہے جس سے سکون حاصل ہو۔ چنانچہ کہتی ہے کہ یہ بدن اس لیے بنایا گیا ہے تاکہ روح کے
لیے سواری کا کام کرے جیسے اونٹنی کہ اپنے سوار کو لیے رہتی ہے اور اونٹنی کے ساتھ نرمی اور
مہربانی کا ضروری ہونا ظاہر ہے تاکہ سفر مقصود طے ہو سکے۔ لہٰذا عقل کے نزدیک ہر دم بے کنا
اور ہمیشہ قلق اور حسرت میں مبتلا رہنا پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ اس سے بدن کو نقصان پہنچے گا
پھر مقصود کا بڑا حصہ فوت ہو جائے گا۔

بعض کہیں گے کہ ایسا ہو سکتا ہے جبکہ آدمی کی تخلیق تو بہت لطیف اور نازک ہے اگر وہ چکنائی
چھوڑ دے تو اس کا دماغ خشک ہو جائے گا ہمیشہ جاگتا رہے تو خشکی غالب آ جائے گی اور ہر
دم غمگین رہے تو دل بیمار ہو جائے گا اس لیے بدن کے ساتھ مہربانی ہو ایسی چیزیں استعمال
کرے جو اس کو درست رکھیں اور دل کے ساتھ ایسی تدبیروں کا جو مضر غم اور حسرت کو دور
کریں ضروری ہے کیونکہ مضر چیز جب زیادہ دن رہ جاتی ہے تو ہلاکت جلدی لاتی ہے۔

پھر شریعت بھی وہی کہتی ہے جو عقل کا کہنا تھا۔ چنانچہ کہتی ہے:

ان لنفسک علیک حقا، وان لزوجک علیک حقا فصم وافطر وقم ونم

"بیشک تمہاری جان کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے لہٰذا روزہ بھی رکھو اور
ناغہ بھی کرو رات میں عبادت بھی کرو اور سوؤ بھی۔"

اور کہتی ہے: کفی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت.

"انسان کے گنہگار ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ جو لوگ اس کی پرورش میں ہوں ان کو ضائع کر دے۔"

اور نکاح کی ترغیب دیتی ہے حالانکہ ہمیشہ تنگی اور حسرت میں رہنے اور دل و دماغ خشک ہو جانے کا نتیجہ ہوتا ہے کہ آدمی بیوی کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کی طرح چھوڑ دے۔ اسی طرح اس قلق کے ساتھ علم میں مشغولی کی بھی کوئی صورت نہیں ہے۔

اور جسے بھی میری اس تقریر کی سچائی میں شبہ ہو اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر نظر ڈالنی چاہیے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خوف کی مقدار کی تعدیل کرتے تھے۔ لہٰذا مزاح بھی فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دوڑ میں مقابلہ کرتے تھے نکاح کی کثرت فرمائی اور بدن کی رعایت کرتے ہوئے بات کا رکھا ہوا (ٹھنڈا) پانی گوشت اور شیرینی پسند فرماتے تھے۔

پھر یہ بھی ہے کہ اگر ایک قسم کی غفلت ساتھ میں نہ رہتی تو علماء تصنیف کا کام نہ کر سکتے علوم یاد نہ کیے جاتے اور حدیثیں لکھی نہ جاتیں۔ اس لیے کہ جو یہ سوچے گا کہ ممکن ہے آج میں مر جاؤں وہ کیسے لکھنے کا یا حفظ کرے گا اور کیا تصنیف کرے گا۔

لہٰذا موت سے غفلت اور بیماری میں کمی جو تم دیکھ رہے ہو اس سے گھبراؤ نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نیک نعمت ہے جس کے ذریعے دنیا کا نظام قائم ہے اور دین کے معاملات درستگی سے چل رہے ہیں۔

لہٰذا اگر غفلت اس قدر بڑھ جائے کہ گناہ ہونے لگیں نفس کا محاسبہ چھوٹ جائے اور اوقات توشۂ آخرت جمع کرنے کے علاوہ دوسرے کاموں میں ضائع ہونے لگیں تو بلاشبہ مذموم ہے کیونکہ غفلت جب بڑھ جاتی ہے تو گناہ پر آمادہ کر دیتی ہے۔

اور اگر اتنی ہو جتنا کھانے میں نمک ہوتا ہے تو اتنی مقدار ضروری ہے لیکن اگر زیادہ ہو جائے تو کھانے کو خراب کر دیتی ہے۔

ماحصل یہ کہ غفلت تو اچھی چیز ہے جبکہ اتنی ہی ہو جس کو ہم نے بیان کیا۔ البتہ جب زیادہ ہو جائے تو یقیناً مذموم ہے پس جو میں نے بیان کیا اس کو خوب سمجھو اور یہ نہ کہو کہ فلاں بہت

بیدار ہے کہ رات بھر سوتا نہیں ہے اور فلاں غافل ہے کیونکہ رات کا اکثر حصہ سوتا رہتا ہے کیونکہ جس غفلت سے بدن اور دل کی درستگی حاصل ہوتی ہو وہ قابل مذمت نہیں ہوتی ہے۔ والسلام

اخلاص کبریت احمر ہے

مجلس..... لوگوں کے ساتھ اجتماع وہی پسند کر سکتا ہے جو خالی ہو کیونکہ جس کا دل حق تعالیٰ میں مشغول ہوتا ہے وہ مخلوق سے بھاگتا ہے۔

اور جب دل اللہ تعالیٰ کی معرفت سے خالی ہو جاتا ہے تو مخلوق کے خیال سے بھر جاتا ہے پھر آدمی مخلوق ہی کے لیے عمل کرتا ہے مخلوق ہی کی وجہ سے کرتا ہے اور ریاء کے ذریعے ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس حال میں کہ اسے اپنی ہلاکت کی خبر بھی نہیں ہوتی۔

میں جب ایسے بعض لوگوں کو دیکھتا ہوں جو تصوف اور فقر کا لبادہ اوڑھے ہیں تو باوجود بہت مالدار ہونے کے ایسے کپڑے پہنتے ہیں جو ایک دنیادار کا بھی نہیں ہوتا حالانکہ نفس کے گھوڑے کو پسندیدہ کھانوں کے میدان میں چراتے ہیں اور تکبر اور خود پسندی کے تقاضوں پر عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا دنیاداروں کا قرب حاصل کرتے ہیں اور اہل علم کی تحقیر کرتے ہیں اور علماء کے پاس جانے کے بجائے دنیا داروں سے ملنے جاتے ہیں اور نذرانوں کو محض اس وجہ سے ٹھکرا دیتے ہیں تاکہ ان کا زہد مشہور ہو۔ چنانچہ تم انہیں دیکھو گے کہ اپنی ناموس کی پرورش کرتے ہیں اس حال میں کہ مکر و فن میں لومڑی کی طرح ہوتے ہیں اور اپنی اغراض کی طرف لپکنے میں تیز رفتار کتے کی طرح۔

تو سوچتا ہوں کہ سبحان اللہ! ان کا سارا زہد کپڑوں میں ہے۔ بتاؤ کیا تم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا؟

ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ علی عبدہ.

"یعنی اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندوں پر دیکھنا پسند فرماتے ہیں۔"

اور پناہ مانگتا ہوں اللہ کی اپنے آپ پر نگاہ ڈالنے سے اور مخلوق پر نظر رکھنے سے کیونکہ جس نے اپنے آپ پر نگاہ کی وہ کبر میں مبتلا ہوا اور متکبر احمق ہوتا ہے کیونکہ انسان

جس چیز پر بھی تکبر کرتا ہے وہ دوسرے کے پاس اس سے زیادہ ضرور ہوتی ہے۔ اور جس نے مخلوق پر نظر رکھی اور مخلوق سے دکھاوا کیا وہ بے خبری میں ان کی عبادت کر رہا ہے۔

زاہد وہ بندہ جو اللہ عزوجل کے لیے عمل کرتا ہے تو وہ مخلوق سے دور رہتا ہے اور اگر مخلوق خود اس کے قریب آنا چاہے تو بظاہر کچھ ایسے کام کر کے اپنے حال کو چھپاتا ہے جس کی وجہ سے لوگ دور ہی رہیں۔ ہم نے بعض ریاکاروں کو دیکھا جو حقیقت سے بے خبر ہیں کہ بازار میں چلنے سے دوستوں کی کثرت سے اور خود کسی چیز کے خریدنے سے پرہیز کرتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ میں تو بازاری لوگوں کے اختلاط کو ناپسند کر رہا ہوں حالانکہ وہ اس سے عام لوگوں کے درمیان اپنا مرتبہ بڑھانا چاہتا ہے کیونکہ اگر سب سے میل جول رکھتا تو اس کا مرتبہ گھٹ جاتا اور دوستی بھی ختم ہو جاتی۔

جبکہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ ایک دوا فروش کی دکان پر مجلس میں بیٹھا کرتے تھے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سامان خود خریدتے تھے اور اس کو خود لے جاتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب امیر المومنین تھے آپ خود بازار میں آئے اور کپڑا خریدا۔

اور حضرت طلحہ بن مصرف جو اہل کوفہ کے بہت بڑے عالم تھے جب لوگوں نے آپ پر زیادہ ہجوم کیا تو آپ حضرت اعمش کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے پڑھنا شروع کر دیا۔ (جب لوگوں نے یہ دیکھا) تو وہ حضرت اعمش کی طرف مائل ہو گئے اور حضرت طلحہ کو چھوڑ دیا۔

اس کو دیکھو خدا کی قسم یہ کبریت احمر اور اکسیر اعظم ہے۔ وہ اکسیر نہیں جس کو کیمیا میں اکسیر سمجھا جاتا ہے (بلکہ اصلی اکسیر یہی ہے) اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ایسا ہی ہونا چاہیے۔

پس جس کی حالت اس کے برعکس ہے وہ مخلوق کی عبادت میں لگا ہے اور اپنے ظاہر سے لوگوں کو دھوکہ دے رہا ہے جبکہ حضرات سلف کے سوا اکثر لوگ اس آفت میں مبتلا ہیں۔

الذی طباء فلاۃ ما عرفن بھا مضع الکلام و لا صبغ الحواجیب

"جنگل کے ہرنوں پر میں قربان ہوتا ہوں جو چبا چبا کر بات کرنے اور ابروؤں کے رنگنے کے ہنر سے ناواقف ہیں۔"

چند بدترین گناہ

مجلس... گناہ تو سبھی برے ہیں لیکن بعض بعض سے زیادہ بدتر ہیں۔

چنانچہ زنا ایک بدترین گناہ ہے کیونکہ اس سے بیوی برباد ہو جاتی ہے اور نسب بدل جاتا ہے لیکن پڑوسی کی بیوی سے زنا اس سے زیادہ برا ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کون گناہ سب سے بڑا ہے؟" فرمایا "اللہ کے لیے کسی کو شریک ٹھہرانا جبکہ اسی نے تجھ کو پیدا کیا ہے: میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟ فرمایا "اس ڈر سے اپنے بچے کو قتل کر دینا کہ وہ روزی میں تیرا شریک ہو جائے گا!" میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا گناہ ہے؟ فرمایا: "اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا"

اور امام بخاری نے اپنی التاریخ میں حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لان یزنی الرجل بعشر نسوۃ ایسر من ان یزنی بامراۃ جارہ ولان یسرق من عشرۃ ابیات ایسر علیہ من ان یسرق من بیت جارہ۔

"آدمی کے لیے دس عورتوں سے زنا کر لینا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے اور دس گھروں میں چوری کر لینا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ پڑوسی کے گھر میں چوری کرے"

اور یہ اسی وجہ سے ہے کہ اس میں اللہ عزوجل کی نافرمانی کے ساتھ پڑوسی کے حق کو توڑنا ہے۔

انہی بدترین گناہوں میں سے بوڑھے کا زنا کرنا بھی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

ان اللہ یبغض الشیخ الزانی.

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ بوڑھے زناکار سے نفرت فرماتے ہیں۔"

کیونکہ اس کی طبیعت کی شہوت ختم ہو چکی ہے یعنی شہوت میں اتنی قوت نہیں رہ گئی ہے جو اس کو مغلوب کر سکے اس کے باوجود وہ اس شہوت کو ابھارنے کی کوشش کر رہا ہے لہٰذا اس کی نافرمانی سرکشی بن گئی ہے۔

ایسے ہی مرد کا ریشم پہننا اور سونا استعمال کرنا بھی ان گناہوں میں سے ہے جو سرکشی اور عناد کے مشابہ ہیں۔ خصوصاً بوڑھے مرد کا زینت کے لیے سونے کی انگوٹھی پہننا کیونکہ یہ ایک بےلذت کام ہے اور بدترین گناہ ہے۔

اسی طرح کے گناہوں میں مخلوق کے سامنے خشوع اور زہد کا اظہار اور ریاکاری کرنا بھی ہے کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ سے نگاہ ہٹا کر گویا مخلوق کی عبادت کرنا ہے۔

ایسا ہی ایک گناہ جبکہ آدمی مالدار بھی ہو صریح سود کا معاملہ کرنا ہے (کیونکہ محتاج تو اضطرار کا عذر بھی رکھتا ہے مگر غنی مالدار کو کیا اضطرار ہے؟)

اور برے حالات میں سے ایک حال یہ ہے کہ بوڑھے آدمی کی بیماری کا زمانہ طویل ہو جائے لیکن وہ گناہ سے توبہ نہ کرے' لغزش کی معذرت نہ کرے' دین اور قرض ادا نہ کرے اور حقوق کی ادائیگی کی وصیت نہ کرے۔

ایک بدترین گناہ یہ بھی ہے کہ چور یا ظالم توبہ کریں لیکن ظلم اور چوری کا مال واپس نہ کریں' زکوٰۃ اور نماز میں کوتاہی کرنے والے توبہ تو کریں لیکن قضا نماز اور زکوٰۃ ادا نہ کریں۔

ایک بدترین گناہ یہ بھی ہے کہ آدمی بیوی کی طلاق کی قسم کھا کر اس کو توڑ دے پھر بھی بیوی کے ساتھ رہن سہن باقی رکھے۔ یہ چند گناہ ہیں جن کو میں نے ذکر کیا اسی پر اور گناہوں کو قیاس کر لو اور ان میں جو بدترین ہیں وہ مخفی نہیں ہیں۔

ان گناہوں میں اور دوسری قباحتوں سے قطع نظر بذات خود اللہ تعالیٰ سے عناد اور سرکشی کی قباحت معلوم ہوتی ہے جس کی وجہ سے ایسا کرنے والا لعنت اور دائمی سزا کا مستحق ہو سکتا ہے۔

اور میں تو سمجھتا ہوں کہ شراب پینا بھی اسی طرح کے (بےلذت اور عنادی) گناہوں میں داخل ہے کیونکہ شراب اپنی ذات میں خود مرغوب نہیں ہوتی ہے نہ اس کی بُو اچھی ہوتی ہے نہ مزہ (جیسا کہ لوگ ذکر کرتے ہیں) بلکہ اس کی لذت (جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے) تلخ گھونٹ اُتار لینے کے بعد ہی ملتی ہے۔ پھر ایسے گناہ پر اقدام جس کی طرف خود طبیعت نہ مائل ہوتی ہو بلکہ محض اس لیے کیا جائے تاکہ لذت تک پہنچ سکیں' سرکشی ہی ہو سکتا ہے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ایسا ایمان عطا فرمائیں جو اس کی نافرمانی اور

ہمارے درمیان رکاوٹ بن جائے اور ایسے کاموں کی توفیق دیں جو اس کو پسند ہوں کیونکہ ہمارا وجود اسی سے ہے اور اسی کے لیے ہے۔

کبر اور تواضع

مجلس.... میں نے اکثر علماء اور صوفیاء کو پرکھا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے اندر کبر کا مرض رکھتے ہیں۔ چنانچہ کسی کی نظر اس پر ہے کہ یہ میرا مرتبہ ہے اور وہ مجھ سے اوپر جا رہا ہے اور کوئی اپنے کو بہتر سمجھنے کی وجہ سے غریب بیمار کی مزاج پرسی سے پرہیز کر رہا ہے۔

حتیٰ کہ کچھ ایسے لوگوں کو جن کی طرف تعظیم کے اشارے کیے جاتے ہیں میں نے دیکھا کہ ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ مجھ کو امام احمد بن حنبل کے چبوترے ہی میں دفن کیا جائے حالانکہ جانتا ہے کہ (وہ چبوترہ قبروں سے پُر ہے لہٰذا) اس میں مُردوں کی ہڈیوں کا ٹوٹنا لازم آئے گا۔ پھر یہ بھی ہے کہ وہ اپنے کو اس صدارت کے مقام کا اہل بھی سمجھ رہا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ مجھ کو میری اس مسجد کے پہلو میں دفن کرنا اس خیال سے کہ مرنے کے بعد اس کی قبر بھی حضرت معروف کرخیؒ کے مزار کی طرح زیارت گاہ بن جائے گی۔

حالانکہ یہ کبر ایک نہایت مہلک خصلت ہے جس کو لوگ نہیں جانتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من ظن انہ خیر من غیرہ فقد تکبر۔ "جس کا یہ گمان ہوا کہ وہ دوسرے سے اچھا ہے وہ کبر میں مبتلا ہو گیا۔"

جب کبھی میں نے کم ہی لوگوں کو دیکھا جو اپنے کو ایسا نہ سمجھتے ہوں حالانکہ اس شخص پر سخت تعجب ہے جو اپنے کو کچھ سمجھتا ہو بھلا بتاؤ کس بناء پر وہ اپنے کو ایسا سمجھتا ہے؟ اگر علم کی بناء پر تو بہت سے علماء علم میں اس پر سبقت لیجا چکے ہیں اور اگر عبادت پر ناز ہے تو اس سے بڑے عبادت گزار بھی گزر چکے ہیں اور اگر مال کی بناء پر ناز ہے تو مال اپنی ذات میں خود کوئی فضیلت کی چیز ہی نہیں ہے۔ اب اگر وہ کہتا ہے کہ میں نے اتنا جان لیا ہے جتنا میرے زمانہ میں دوسرا کوئی نہیں جانتا۔ لہٰذا کوئی شخص مجھ سے آگے نہیں ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ اے پورے قرآن کے حافظ! ہم تم سے یہ نہیں چاہتے کہ تم اپنے کو حفظ میں آدھے حافظ کے برابر سمجھو یا اے عالم تم اپنے کو علم میں عامی کی طرح سمجھو بلکہ ہم تو تم کو اس سے بچانا چاہتے ہیں کہ تم اپنے علاوہ کسی

بھی ایمان والے سے بہتر تصور کرو اگرچہ اس کا علم تم سے کم ہو[1] کیونکہ وجہ بہتری کی ظاہری علم
اور عبادت سے نہیں ہوتی بلکہ حقیقت اور باطن کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

اور جو شخص بھی اپنی عادتوں، خصلتوں اور اپنے گناہوں کو دیکھے گا اسے اپنے گناہ اور
اپنی کوتاہیاں یقین کے ساتھ معلوم ہو جائیں گی جب کہ دوسرے کے متعلق ان کا یقین نہیں
ہے صرف شک اور احتمال ہے (پھر کیسے اپنے کو بڑا سمجھنے کی حماقت کرتا ہے؟)

● حاصل یہ کہ یہ انتہائی عجیب قسم سے کہ ناپاک قطرے سے پیدا ہو کر آگے بڑھنے پر اکڑتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ سچا مومن ہمیشہ اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز
رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ آپ کی وفات کے بعد ہم لوگ آپ کو رسول پاک صلی اللہ علیہ
وسلم کے حجرہ شریف میں دفن کریں گے تو آپ نے فرمایا "مجھ کو شرک کو چھوڑ کر باقی تمام
گناہوں میں آلودگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملنا زیادہ پسند ہے اس کے مقابلہ میں کہ میں
اپنے کو اس کا (حجرہ شریف میں مدفون ہونے کا) اہل سمجھوں۔"

اسی طرح ہم کو یہ روایت پہنچی کہ ایک راہب نے خواب میں دیکھا کہ "فلاں اسکافی"
تجھ سے بہتر ہے تو وہ اپنے عبادت خانہ سے نکل کر اس اسکافی کے پاس پہنچا اور اس کے عمل
کے متعلق پوچھا لیکن اس نے کوئی خاص عمل نہیں ذکر کیا۔ پھر اس راہب سے خواب میں کہا
گیا کہ اس کے پاس واپس جاؤ اور پوچھو کہ یہ تمہارے چہرہ کی زردی آخر کس وجہ سے ہے؟
وہ آیا اور پوچھا تو اس نے کہا "میں نے جب بھی کسی مسلمان کو دیکھا تو اس کو اپنے سے بہتر
سمجھا" تو اس سے کہا گیا کہ وہ اپنے اسی وصف کی وجہ سے بلند ہو گیا ہے۔

مبتلائے غضب کے ساتھ برتاؤ

مجلس.... جب تم اپنے ساتھی کو دیکھو کہ غصہ میں نامناسب باتیں بکنے لگا ہے تو تم کو
چاہیے کہ اس کی باتوں کا کچھ خیال نہ کرو اور ان باتوں کی وجہ سے اس کا مؤاخذہ بھی نہ کرو کیونکہ
اس کی حالت نشہ میں مست آدمی کی طرح ہوتی ہے جو کچھ اس کی زبان پر آ رہا ہے

[1] حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ اپنے کو اس سے کم سمجھے جو نہیں ہے بلکہ یہ تو حقیقت
ہے جو فضل بخشا گیا ہے کیونکہ فضیلت آخرت کا پتہ نہیں کہ کون افضل ہے۔ ۱۲ جامع

اس کی خبر نہیں ہے بلکہ تم اس کے حال پر صبر سے کام لو اور اس کو کچھ اہمیت مت دو کیونکہ اس پر شیطان غالب آ گیا ہے طبیعت میں ہیجان پیدا ہو گیا ہے اور عقل پردہ پوش ہو گئی ہے۔

اور اگر تم بھی اس پر غصہ کرنے لگے یا اس کے برتاؤ کے مطابق جواب دینے لگے تو تمہاری مثال اس عقلمند کی طرح ہو جائے گی جو کسی پاگل کے منہ لگے یا اس صحت مند کی طرح ہو گی جو کسی بیہوش پر غصہ کرے۔ لہٰذا قصور تمہارا ہی ہو گا۔

تم کو تو چاہیے کہ اس پر ترس کھاؤ اور دیکھو کہ کیسا اس پر تقدیر کا فیصلہ غالب ہوا ہے اور وہ طبیعت کا کھلونا بن گیا ہے اور اس کا یقین رکھو کہ جب ہوش میں آئے گا تو اپنے الفاظ اور برتاؤ پر شرمندہ ہو گا اور تمہارے صبر کی قدر کرے گا اور ترس کھانے کا کم سے کم تقاضا یہ ہے کہ اس کو ایسے وقت میں اتنی دیر کے لیے چھوڑ دو جس میں وہ راحت پا جائے (یعنی جو کچھ وہ بک رہا ہے اس کو سہہ لے یہاں تک کہ اس کا غصہ اتر جائے)

باپ کے غصے کے وقت بھی بیٹے کو اور شوہر کے غصے کے وقت بیوی کو ایسا ہی برتاؤ کرنا چاہیے کہ جو کچھ بھی کہے سہہ لیا جائے تاکہ بخار اس کا نکل جائے اس کو کچھ اہمیت نہ دی جائے پھر دیکھنا جلد ہی وہ شرمندہ ہو کر معذرت کرنے لگے گا۔

اور اگر اس کی حالت اور گفتگو کا مقابلہ کیا گیا تو دشمنی جڑ پا جائے گی پھر جو کچھ نشہ میں ہوا تھا اس پر ہوش کی حالت میں بدلہ لیا جائے گا۔

چنانچہ اکثر لوگ اس معاملہ میں صحیح طریقے سے ہٹے ہوئے ہیں جب کسی مبتلاءِ غضب کو دیکھتے ہیں تو جو کچھ وہ کرتا یا کہتا ہے اس کا جواب دینے لگتے ہیں حالانکہ یہ حکمت اور عقل کے تقاضے کے خلاف ہے۔ حکمت کا تقاضا تو وہی ہے جو میں نے ذکر کیا۔

وما یعقلہا الا العالمون. (اور اس کو صرف اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں)

تجربہ کی ایک بات

مجلس... دنیا میں اس سے بڑھ کر بیوقوف کوئی شخص نہیں ہے جو کسی کے ساتھ کوئی ایسا برا سلوک کرے جس کے بارے میں جانتا ہو کہ اس کی تکلیف اس شخص کے دل میں اتر گئی

ہے پھر دونوں بظاہر صلح کرلیں تو یہ شخص دل میں یہ سوچے کہ صلح کی وجہ سے اس بدسلوکی کا اثر مٹ گیا۔ خصوصاً بادشاہوں کے معاملہ میں (یہ سوچ کر مطمئن ہو جانا اول درجہ کی بیوقوفی ہے) کیونکہ ان کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص ان سے بلند نہ ہو سکے اور ان کی کوئی غرض اور خواہش ٹوٹنے نہ پاوے۔ لہٰذا جب اس طرح کا کوئی معاملہ ہوتا ہے تو (جب تک وہ بدلہ نہ لے لیں) ختم نہیں ہوتا ہے۔ اس کی مثال میں ابو مسلم خراسانی سے عبرت حاصل کرو کہ جب اس نے منصور کے حاکم بننے سے پہلے اس کی ناقدری کی تو یہ چیز منصور کے دل میں اُتر گئی چنانچہ حاکم بن کر اس کو قتل کرا دیا اور جو بھی تاریخ کا مطالعہ کرے گا اس کو بہت سے لوگوں کے متعلق اس طرح کا معاملہ مل جائے گا۔

لہٰذا جس نے کبھی کسی حاکم کے ساتھ کوئی بدسلوکی کی ہو اس کو حتی الامکان اس کے ہاتھ میں پڑنے سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ پھر اگر چھٹکارا چاہے گا تو نہ پا سکے گا اس وقت اس کو اپنے ترک اجتناب پر ندامت ہوگی اور اس وقت جو ذلت و رسوائی اور تکالیف پیش آویں گی ان سے زیادہ تکلیف اس حسرت اور افسوس کی ہوگی کہ کاش کسی پیاسے کے ساتھ رہ لیتے لیکن اس سے محفوظ رہتے۔

اور یہی معاملہ برابر کے دوستوں کے درمیان بھی ہے کہ اگر تم نے ان میں سے کسی کو ستایا ہو اور اس کا اثر اس کے دل پر پڑا ہو تو پھر اس کی محبت پر بھروسہ نہ کرنا کیونکہ تم کو ستانا اور بدلہ لینا ہی اس کا نصب العین ہے۔ لہٰذا جب تک حیلہ کے ذریعے بدلہ نہیں لے لے گا اس کا دل صاف نہیں ہوگا۔ صرف انہی سے میل جول رکھو جن پر تم نے صرف احسان کیا ہو کیونکہ جب اس نے تم سے صرف خیر کا برتاؤ دیکھا ہے تو یہ بات اس کے دل میں بیٹھ جائے گی اور یہی معاملہ لڑکے، بیوی اور تمام معاملہ کرنے والوں کے ساتھ ہونا چاہیے (کہ اگر ان میں کوئی کسی کو ستائے تو اس کی ظاہری محبت سے دھوکہ نہ کھائے)

اور اسی نصیحت کے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ کسی سے دشمنی کا اظہار نہ کرو اور نہ کسی کے متعلق کوئی غیبت کرو کیونکہ ممکن ہے کہ اس کو حکومت مل جائے پھر وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال لے اور کبھی اس سے کوئی ضرورت پیش آ جائے تو آدمی اسے پورا نہ کرا سکے۔

حاصل یہ کہ سمجھدار شخص وہی ہے جو ہر ممکن حالت کا تصور رکھتے ہوئے دل کی نفرت و

محبت کو چھپائے ہی رکھے (ظاہر کر کے کسی فتنہ میں نہ پڑے) بلکہ ایسے لوگوں کی مدارات کرے جو دل میں اس سے غصہ اور کینہ دبائے ہوئے ہیں۔

عقل کا ایک مشورہ ہے اگر قبول ہو جائے۔

پیش بینی

مجلس.... "جو شخص اپنی مہمات ہو یا پیش آنے والے حالات کے لیے تیاری نہ کرتا ہو اس کی عقل میں کمی ہے۔"

اور اس کو تمام معاملات میں دیکھو مثلاً جوانی سے دھوکہ کھائیں ہے کہ گناہوں پر اصرار کیے جا رہا ہے اور توبہ کو ٹال رہا ہے حالانکہ ممکن ہے کہ اچانک موت آ جائے اور کوئی آرزو پوری نہ کر سکے۔

اسی طرح اگر علم کے یاد کرنے میں ٹال مٹول سے کام لے کیونکہ اس سے مہلت (وقت) گزر جائے گا اور مقصود حاصل ہونے سے رہ جائے گا۔ ایسے ہی کوئی شخص کسی کار خیر کا یا اپنی کچھ زمین وقف کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے پھر اس کو ٹالتا رہتا ہے یہاں تک کہ اچانک موت آ جاتی ہے۔

لہذا عقلمند وہی ہے جس نے آئندہ پیش آنے والے حالات کی تصویر کشی میں احتیاط کے پہلو کو لیا پھر اس کے مطابق عمل کیا کیونکہ اگر موت نے مہلت دی تو کچھ نقصان نہیں ہوا اور اگر اندیشہ ہی ثابت ہو گیا تو وہ محفوظ رہے گا۔

اور دنیوی امور سے متعلق اس کی مثال یہ ہے کہ آدمی حاکم کے قریب ہو مثلاً پھر وہ سرپرستی میں بادشاہ کا مقرب ہو اور اس نے کسی ماتحت سے بدسلوکی کی تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دور بدل گیا اور وہ دشمن غالب آ گیا۔ تب وہ اس سے انتقام لے لیتا ہے۔ ایسے ہی اپنے کسی دوست سے یہ سوچ کر دشمنی کر لینا کہ وہ مجھ سے کمتر ہے کیونکہ ممکن ہے اس کا مرتبہ اونچا ہو جائے۔

پھر وہ اس کی گزشتہ بدسلوکی کا پورا پورا بدلہ لے جتنی زیادتی بھی کر سکے اسی لیے عقلمند وہی ہے جو پیش آنے والے معاملات کو سوچ کر کسی سے دشمنی کا اظہار نہ کرے یعنی اگر دونوں کے درمیان کوئی موجب عداوت واقعہ پیش آ جائے تو اپنی دشمنی کو چھپا لے۔ پھر اگر حملہ کرنے پر پوری قدرت مل جائے تو اتنا انتقام لے لے جتنا شرعاً جائز ہو ورنہ معاف کر دینا دنیوی زندگی کے خوشگوار ہونے کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

اور اسی وجہ سے بیکار آدمی کو خادم بنانا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اگر یہ کچھ کرے گا تو وہ کام مخدوم کا سمجھا جائے گا۔

میں نے پیش بینی کے چند نمونے ذکر کیے ہیں انہی پر تمام حالات کو قیاس کرلو۔

خلوت کی لذت

مجلس.... انسان دنیا میں جتنی ترقی کرتا جاتا ہے آخرت میں اس کا مرتبہ اتنا ہی گھٹتا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

چنانچہ فرمایا: **واللّٰه لاینال احد من الدنیا شیئًا الا نقص من درجاته عنداللّٰه وان کان عنده کریما.**

''خدا کی قسم آدمی دنیا سے جو کچھ حاصل کرتا ہے اس کا اتنا حصہ آخرت میں کم ہوجاتا ہے اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو۔''

لہٰذا نیک بخت وہی ہے جو قدر ضرورت پر قناعت کرلے کیوں کہ وقت کی قیمت اس سے کہیں زیادہ بلند ہے کہ اس کو دنیا کی طلب میں ضائع کیا جائے۔ ہاں اگر پرہیزگاری کے ساتھ کمایا ہو اس نیت سے کہ اپنے کو لالچ سے بچائے' اہل خیر کی مدد کرے اور محتاجوں کو صدقہ دے سکے تو ایسے شخص کا کمانا اس کی بیکاری سے بہتر ہے۔

اور اگر مالی ترقی اس نیت سے ہو کہ حکمرانوں کے ساتھ ملنا جلنا ہوگا تو پھر ایسے شخص کا دین محفوظ رہ جانا بہت مشکل ہے۔ اگر بظاہر محفوظ نظر بھی آتا ہو تو انجام تو خطرناک ہی ہے۔ ابو محمد تمیمی نے کہا کہ جس دن ''قائم بامر اللہ'' کی وفات ہوئی مجھے شریف ابو جعفر پر بہت رشک آیا کہ انہوں نے قائم بامر اللہ کو غسل دیا پھر آستینیں جھاڑتے ہوئے نکلے اور بغیر کسی کی پرواہ کیے جا کر مسجد میں بیٹھ گئے جبکہ ہم لوگ گھبراہٹ میں مبتلا تھے کہ نہ جانے اب ہم لوگوں پر کیا مصیبت آوے۔ دیکھو یہ اس وجہ سے ہوا کہ یہ تمیمی بادشاہ سے متعلق تھے۔ اس کے لیے رسائل لکھتے تھے تو اب اس قرب کے انجام سے ڈر رہے تھے۔

اسی طرح بہت سے علماء کو دیکھا کہ انہوں نے حکمرانوں سے میل جول رکھا تو ان کا انجام برا ہوا۔ بھلا اس گوشہ نشین سے بڑھ کر بلند اور خوشگوار زندگی کس کی ہوگی جو نہ حکمرانوں

سے ملتے ہو اور نہ اس بات کی پروا کرتے ہو کہ اس کا کھانا عمدہ ہے یا نہیں کیونکہ اس کو بھی روٹی کا
ایک ٹکڑا اور پانی کا ایک پیالہ نصیب ہو ہی جاتا ہے (یعنی پیٹ بھر جاتا ہے) اور اس کے
ساتھ وہ اس سے محفوظ بھی ہے کہ کوئی شخص اس کو تکلیف دہ فقرہ کہے یا شریعت یا مخلوق اس پر
حکمرانوں کے پاس جانے کے سلسلے میں عیب گیری کرے۔

اگر دنیا سے علیحدگی کے سبب میں امام احمد بن حنبل، ابن ابی داؤد اور یحییٰ بن اکثم کے
حالات پر نظر ڈالی جائے تو دنیا کے عیش اور آخرت کی سلامتی کے درمیان فرق خوب واضح
ہو جائے گا۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی اچھی بات فرمائی "اگر یہ بادشاہ اور
شہزادے زندگی کی اس لذت کو جان لیں جو ہم کو حاصل ہے تو ہم پر تلوار لے کر حملہ کر دیں۔"

بلاشبہ حضرت ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا کیونکہ بادشاہ کو کھانے کے وقت ڈر رہتا
ہے کہ کہیں اس میں زہر نہ ملایا گیا ہو اور سوتے وقت یہ کہ کہیں دھوکے سے قتل نہ کر دیا جاؤں پھر
بہت سی بندشوں اور حفاظتوں میں اس طرح قید رہتا ہے کہ تفریح کے لیے بھی نکلنے کی گنجائش
نہیں ہوتی اور اگر کبھی نکلتا بھی ہے تو اپنے مقرب ترین شخص سے بھی ڈرتا رہتا ہے جو لذت بھی
اس تک پہنچتی ہے بے مزہ ہو جاتی ہے نہ اس کو کھانے کی صحیح لذت مل پاتی ہے نہ نکاح کی کیونکہ
جب کئی طرح کے کھانے سامنے آتے ہیں اور زیادہ کھا لیتا ہے تو معدہ خراب ہو جاتا ہے اور
جب نئی نئی باندیاں پیش کی جاتی ہیں اور ان سے خلوت زیادہ کر لیتا ہے تو طاقت گھٹ جاتی
ہے پھر ایک خلوت سے دوسری خلوت میں زیادہ مدت کا فاصلہ بھی نہیں ہوتا اس لیے زیادہ
لذت بھی نہیں مل پاتی کیونکہ ہم بستری کی لذت میں جتنا فاصلہ زیادہ ہوگا اتنی ہی زیادہ لذت
ہوگی اور یہی حال کھانے کی لذت کا بھی ہے۔ پس اگر آسودگی کے وقت میں کھایا یا بغیر شہوت
کے ہم بستری کی تو وہ پوری لذت نہیں پا سکتی جو بھوکے فقیر کو کھانے میں اور عورتوں سے
کنارہ کش کو عورت میں ملتی ہے۔ پھر فقیر کو دیکھو کہ رات میں کیسی راحت میں پڑا سوتا رہتا ہے جبکہ
اس اطمینان اور راحت کی لذت سے امرا محروم ہیں تو ان کی لذت ناقص ہے اور حساب زائد۔

خدا کی قسم! میں دنیا میں بہتر زندگی گزارنے والوں میں کسی کو نہیں جانتا کہ اس نے
اس قدر لذت پائی ہو جتنی کہ زاہد مخلصین مثلاً حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان

ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھی اور سچے عبادت گزاروں مثلاً حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھی کیونکہ علم (اور عبادت و معرفت) کی لذت ہر لذت سے بڑھ کر ہے۔

رہا بھوک کے وقت میں ان حضرات کا فقر اور کسی تکلیف میں ان کی آزمائش تو یہ بھی ان کے درجات کو بلند کرنے کے لیے ہے۔

چنانچہ دیکھو کہ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سب سے کٹ کر اپنے رب کے ساتھ خوشگوار زندگی اور مزید ار خلوت والے تھے۔ پھر تقریباً چار سو سال (اور اب تیرہ سو سال) ان کی وفات کو ہو گئے کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ ان کو قرآن پاک کے چند پارے ایصال ثواب نہ کیے جاتے ہوں کم از کم جو شخص قبر پر حاضری دیتا ہے سورہ اخلاص ہی پڑھ کر ثواب بخش دیتا ہے اور بادشاہوں کو دیکھو کہ عاجزی کے ساتھ آپ کی قبر کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں یہ تو موت کے بعد (دنیا میں) ان کے ساتھ برتاؤ ہے جبکہ حشر کے دن آپ کی ایسی کرامات ظاہر کی جائیں گی (ان شاء اللہ) جو بیان نہیں کی جا سکتی اور یہی تمام سچے عبادت گزاروں کی قبور کا حال ہے۔

اس کے برخلاف کچھ لوگ امراء و حکام کے اختلاط میں مبتلا ہوئے تو اس چیز نے ان کے احوال میں کدورت پیدا کر دی۔ چنانچہ حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "جب سے میں نے فلاں امیر کا کچھ مال استعمال کر لیا ہے اس فہم قرآن کی نعمت سے محروم ہو گیا ہوں جو مجھ کو حاصل تھی"، اور دیکھو یہ قاضی ابو یوسف ہیں کہ دو آدمی بھی ان کی قبر کی زیارت کو نہیں آتے[1]۔

لہٰذا امراء کے میل جول سے صبر کر لینے میں اگرچہ تنگی بھی پیش آوے لیکن بہت سی جہتوں سے زندگی خوشگوار گزرتی ہے جبکہ میل جول رکھتے ہوئے مقصود اصلی بھی فوت ہو جاتا ہے۔

"جس نے پختہ ارادہ کر لیا اس نے پرہیز کو لازم کر لیا۔"

حضرت ابو الحسن قزوینی صرف نماز کے وقت گھر سے نکلتے تھے۔ لہٰذا جب کبھی بادشاہ

---

[1] بہت ممکن ہے کہ علامہ کے زمانے میں کچھ ایسے حالات رہے ہوں مثلاً حکومت یا عوام کا مسلک امام ابو یوسف کے مسلک سے مختلف رہا ہو اس وجہ سے اس وقت امام صاحب کی قبر سے لوگوں کو دلچسپی نہ ہو ورنہ کون حنفی ایسا احسان فراموش ہو سکتا ہے کہ اپنے امام کی قبر پر حاضری نہ دوے اور فاتحہ نہ پڑھے۔ پھر حضرت امام ابو یوسفؒ تو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بلاواسطہ اور امام احمد بن حنبلؒ اور ہزاروں محدثین کے بالواسطہ استاذ ہیں تو کیا ان حضرات کے متبعین پر کچھ حق نہیں ہے اور وہ اس کو ادا نہیں کرتے ہوں گے۔

مسجد آتا تو آپ کے انتظار میں بیٹھ رہتا تھا تاکہ آپ کو سلام کر سکے۔

اس موضوع پر زیادہ دراز نفسی ممکن ہے سامعین کو پریشان کر دے اس لیے بات ختم کرتے ہوئے بس یہ کہتا ہوں کہ "من ذاق عرف" جو چکھے گا وہی اس کا مزہ معلوم کر سکے گا۔

عام بے راہی اور خلوت کی ضرورت

مجلس..... جس نے بھی طرح شریعت کا علم حاصل کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور حضرات سلف کے حالات کا مطالعہ کیا اسے معلوم ہوگا کہ اکثر لوگ صحیح طرز عمل سے دور ہیں۔

کیونکہ لوگ اپنی عادتوں کے مطابق عمل کرتے ہیں، ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو غیبت کرتے ہیں، ہر شخص اپنے بھائی کا عیب معلوم کرنا چاہتا ہے، اگر کسی کو نعمت ملتی ہے تو حسد کرتے ہیں اور اگر کسی پر مصیبت اترتی ہے تو خوش ہوتے ہیں، کوئی ان کی خیرخواہی سے نصیحت کرے تو تکبر کرتے ہیں، دنیا کی معمولی چیز بھی حاصل کرنے کے لیے دوسرے کو دھوکہ دیتے ہیں اور پوری کوشش کرتے ہیں کہ دوسرا غلطیوں میں مبتلا ہو جائے۔

اور یہ سب اوصاف ان لوگوں میں پائے جاتے ہیں جو تصوف میں لگے ہوئے ہیں پھر عام لوگوں کا کیا پوچھنا؟

لہذا جس نے اللہ کی معرفت حاصل کی ہو، شریعت کا علم حاصل کیا ہو اور حضرات سلف کے حالات کا مطالعہ کیا ہو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ سب سے کنارہ کش ہو جائے۔

اور اگر کسی عالم یا بزرگ سے ملنا ضروری ہو جائے تو احتیاط کا دامن پکڑ کر ملے اور اس سے زیادہ طویل گفتگو نہ کرے بلکہ فارغ ہو کر جلد از جلد اپنی ان کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہو جائے جو اس کے لیے حصول کمال کا ذریعہ بنتی ہیں۔

معیار کمال

مجلس... کمال نادر ہے اور اہل کمال کمیاب ہیں۔

کیونکہ کمال کا پہلا سبب یہ ہے کہ بدن کے اعضاء میں تناسب ہو اور باطن کے اخلاق اچھے

ہونا بدن کی صورت و شکل کہا جاتا ہے اور باطن کی صورت و خلق۔ بدن کی صورت کے کامل ہونے کی علامت طویل خاموشی اور ظاہری ادب کا برتاؤ ہے جبکہ باطن کی صورت کی علامت حمیت اور اخلاق کی عمدگی ہے۔ طبیعت سے مراد پاک دامنی، سخاوت، جہالت سے نفرت اور حرص سے بچنا ہے اور اخلاق کی مراد نرمی، بیماریوں کی پردہ پوشی، تنگی میں تحمل اور جاہلوں سے بردباری کرنا ہے۔

اب جسے یہ اوصاف عطا کر دیے گئے وہ کمال کی طرف ترقی کر رہا ہے اور اس سے اچھی عادتیں ہی سرزد ہوں گی جب کہ اگر کوئی اچھا وصف کم ہوا تو نقص پیدا ہو جائے گا۔

آزمائش ضروری ہے

مجلس... دنیا میں اس سے بڑا بے وقوف کوئی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر کے اپنی تمام ضروریات پوری کرانا چاہے بھلا پھر آزمائش کیا ہوئی؟ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا (کہ تمام خواہشات پوری ہوتی جائیں) مرادوں کا ٹلنا، سوال کے جواب میں تاخیر ہونا اور چند دن دشمنوں کا تسلط ہونا تو ضروری ہے۔

اب جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ ہمیشہ سلامت رہے، دشمنوں کے خلاف اس کی مدد ہوتی رہے بغیر کسی آزمائش کے عافیت میسر رہے تو گویا اس نے تکلیف کو جانا ہی نہیں اور تسلیم کا معنی سمجھا ہی نہیں۔

غور کرو کیا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بدر کے موقع پر نصرت نہیں ہوئی۔ پھر دیکھو احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا معاملہ پیش آیا؟ اور کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ سے روکا نہیں جاتا تھا پھر دیکھو کہ غلبہ کے ساتھ لوٹائے جا رہے ہیں۔

لہٰذا اچھا اور خراب حال دونوں ساتھ ساتھ ہیں اچھا ہو تو شکر ضروری ہے اور خراب ہو تو سوال اور دعا کا جذبہ پیدا ہونا چاہیے۔

پھر اگر جواب نہ ملے تو سمجھ لو کہ امتحان مقصود ہے اور اپنے فیصلہ پر جھکانا چاہتے ہیں اور یہی وہ موقع ہے جہاں ایمان ظاہر ہوتا ہے اور تسلیم کے سلسلے میں لوگوں کے جوہر ظاہر ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر ظاہر اور باطن دونوں ہی اعتبار سے تسلیم کا مظاہرہ ہو تو کامل کی شان بھی ہے اور اگر باطن میں فیصلہ کرنے والے سے نہیں صرف فیصلہ سے طبیعت کچھ کھٹک جائے (تو کوئی عیب نہیں) کیونکہ طبیعت تو تکلیف سے گھبراتی ہی ہے۔ البتہ یہ اس بات

کی علامت ہے کہ معرفت میں کچھ کمی ہے۔

اور اگر خدانخواستہ زبان سے بھی اعتراض کر بیٹھے تو یہ جاہلوں کا حال ہے ہم ایسے حال سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

سخت امتحان اور صبر کی ضرورت

مجلس۔۔۔ یہ بہت بڑی آزمائش ہے کہ سالک کو اس کے مرتبے سے فروتر مقام میں مقید کر دیا جائے۔ مثلاً ایک نیک اور صالح مرد خدا (جس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ وہ کسی غیر کے سامنے نہ جھکے لیکن) اس کو کسی ظالم حاکم کی مدارات اور اس کے پاس حاضری دینے کا محتاج بنا دیا جائے یا ایسے لوگوں سے میل جول رکھنے پر جن کے ساتھ رہنا مناسب نہ ہو یا ایسے کاموں پر جو اس کے لائق نہ ہوں یا ایسے معاملات پر جو اس کی خواہشات میں رکاوٹ بن جائیں مجبور کر دیا جائے۔

چنانچہ کبھی کسی عالم سے کہا جاتا ہے کہ فلاں امیر کے وہاں حاضری دو ورنہ تمہارے خلاف اس کے (ناراض ہو کر) حملہ کا اندیشہ ہے۔ پھر اس خیال سے وہ عالم حاضری دینے پر مجبور ہو جاتا اور دیکھتا ہے لیکن تکبر کرنے کی گنجائش نہیں پاتا یا دشمنوں سے بچنے کی ضرورت پیش آتی ہے جبکہ وہ اپنے حق سے محروم بھی رہا اور مجبور ہو کر اشارہ کنایہ میں یا کبھی صراحتاً اس کا ذکر کرنا ہے تاکہ اپنا کچھ حق وصول کر سکے اور ایسے وقت میں اسے ایسے لوگوں کی مدارات کرنی پڑتی ہے جن کی مدارات اس کو بہت شاق گزرتی ہے بلکہ ضرورتوں کے حصول کے لیے اس کی فکر بھی منتشر ہو کر رہ جاتی ہے۔

اسی طرح اس کو ایسے معاملات پر مجبور کر دیا جاتا ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہوتے۔ مثلاً کمانے پر مجبور کیا گیا تو اس کے لیے بازار میں جانا ضروری ہے یا ایسے لوگوں کی صحبت کرتا جن کو تکلیف دینا پڑے گی حالانکہ جو شخص اللہ کے مراقبہ میں مشغول ہو وہ ان چیزوں کا تحمل نہیں کر سکتا۔ تو ایسا کرنا اس میں طرح طرح کی کدورتیں شامل ہیں۔

یا مثلاً پرورش میں ایک خاندان ہے اور جو تعلق ہے تو اب اس کو یہ فکر لاحق ہو جاتی ہے کہ ان بچوں کو بے نیاز اور خوشحال دیکھے مگر اس کے پاس اپنی قوت کے سوا جس سے

مراحل طے کرنا چاہتا ہے۔

ایسے ہی کبھی کسی عزیز اور محبوب کی جدائی میں مبتلا کر دیا جاتا ہے، کبھی جسم میں کوئی آفت آ جاتی ہے، کبھی مقاصد الٹ دیے جاتے ہیں اور دشمنوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے یا پھر وہ دیکھتا ہے کہ ایک فاسق اس کو مار رہا ہے اور ایک ظالم اس کو رسوا کر رہا ہے اور یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو زندگی کو تلخ کرنے والی اور دلوں کو ہلا دینے والی ہیں۔

ان سب آزمائشوں میں صرف ایک راہ عمل ہے اور وہ یہ کہ فیصلہ خداوندی کے سامنے سر جھکا دیا جائے اور کشادگی کے سلسلے میں تقدیر کی پناہ پکڑی جائے۔

چنانچہ محتاط مومن ایسے سخت حالات میں ثابت قدم رہتا ہے یعنی اس کے دل کی حالت بدلنے نہیں پاتی اور زبان پر حرف شکایت آنے نہیں پاتا۔

دیکھو! کیا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی؟ "من یؤوینی؟ من ینصرنی؟" (کون چھپائے گا؟ کون میری مدد کرے گا؟) اور کیا مکہ میں داخل ہونے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کافر کی پناہ نہیں لینی پڑی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر اوجھڑی ڈالی جا رہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی مارے جا رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مؤلفۃ القلوب کی مدارات فرما رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تنگ دستی میں مبتلا ہو رہے ہیں مگر ان سب کے ساتھ دل بالکل پُرسکون ہے، ذرا بھی متغیر نہیں ہو رہا ہے۔

آخر ایسا کیوں ہے؟ صرف اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا تھا کہ یہ دنیا آزمائش کا گھر ہے یہاں اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ بندے کیسا معاملہ کرتے ہیں۔

البتہ اس تصور سے یہ مصیبتیں کچھ ہلکی ضرور ہو جائیں گی کہ بندہ ان پر اجر و ثواب کا یقین رکھے اور یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کا مقصود اور منشا یہی ہے۔" بھلا اس زخم کی کیا تکلیف محسوس ہوگی جس کے نتیجے میں آپ کی رضا و خوشنودی میسر ہو۔"

مال کی محبت ایک عام مرض

مجلس....اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسانی طبیعت میں مال کی محبت داخل ہے کیونکہ مال ہی ان جسموں کے باقی رہنے کا ذریعہ ہے لیکن جن لوگوں میں مال کی محبت

اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وسیلہ کے بجائے بذاتِ خود مقصد بن کر رہ جاتا ہے۔

چنانچہ تم بخیل کو دیکھتے ہو کہ اپنی ذات پر طرح طرح کی مشقتیں جھیل جاتا ہے لیکن اپنے نفس کو لذتوں سے محروم کیے رہتا ہے بلکہ اس کو ساری لذت مال جمع کرنے میں ملنے لگتی ہے اور یہ صفت بہت سے لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

مگر جاہلوں میں اس صفت کا پایا جانا زیادہ قابل تعجب نہیں ہے بلکہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ یہ صفت اہل علم حضرات میں بھی پائی جاتی ہے حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ علماء حضرات طبیعت کی مخالفت اور مجاہدہ کر کے اس سے اپنے کو بچاتے تاکہ ایسے کاموں سے جو مال جمع کرنے کے راستہ میں پیش آتے ہیں۔

اب حال یہ ہے کہ ایک عالم ناجائز طریقوں سے مشتبہ لوگوں سے شدید حرص اور بے انتہا ذلت کے ساتھ مال کو جمع کر رہا ہے پھر (اس قدر مال رکھتے ہوئے) زکوٰۃ بھی وصول کر لیتا ہے حالانکہ صاحب نصاب ہوتے ہوئے زکوٰۃ لینا جائز ہی نہیں تھا پھر یہ بھی نہیں کہ اس سے نفع اٹھائے بلکہ ذخیرہ کر کے رکھ لیتا ہے تو دیکھو یہی جانور پنا ہے جو اس کو آدمیت کی صفت سے خارج کر رہا ہے بلکہ جانور پن تو کسی حد تک غنیمت ہے کہ مجاہدہ سے اس میں تبدیلی آجاتی ہے لیکن یہ لوگ ایسے ہیں کہ ریاضت اور مجاہدہ نے ان میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کی اور علم ان کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکا۔

وہ ابوالحسن بسطامی جو شہر حمص کے کنارے واقع "سرائے بسطامی" میں مقیم تھا جاڑا ہو یا گرمی صرف اون پہنتا تھا جبکہ لوگوں کے نزدیک محترم بزرگ بھی سمجھا جاتا تھا اور لوگ اس کی زیارت کو آتے تھے جب اس کا انتقال ہوا تو چار ہزار دینار سے زیادہ ترکہ چھوڑا۔ اسی طرح ہم نے اپنے بعض مشائخ کو دیکھا جو ۸۰ اسی کے سن کو پہنچ چکے تھے اور ان کے بیوی بچے بھی نہیں تھے کہ بیمار ہوتے تو اپنے کو کسی دوست کے گھر میں ڈال دیا جو ان کے لیے اہتمام کر کے دوا اور دوسری ضروریات کا انتظام کرتا تھا۔ جب انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ بہت کثیر مقدار میں مال چھوڑ گئے۔ اسی طرح صدقہ بن حسین کاتب کو دیکھا جو ہمیشہ تنگی اور اہل زمانہ کی برائی کرتا تھا اور لوگوں سے مانگنے میں تیزی دکھلاتا تھا کہ بالکل لاغر ہو چکا تھا

اس کے باوجود مسجد میں تنہا رہتا تھا جہاں کوئی اس کی دیکھ بھال کرنے والا نہیں تھا جب مرا تو کہا جاتا ہے کہ تین سو دینار چھوڑ کر مرا ایسے ہی ہمارے ساتھ ایک صوفی ابو طالب بن مؤید رہا کرتے تھے' مال جمع کرنے کے عادی تھے' ایک مرتبہ تقریباً سو دینار (۱۰۰) ان کے چوری ہو گئے تو اتنے غمگین ہوئے کہ یہی غم ان کی موت کا سبب ہو گیا۔

لوگوں کا ایک حال یہ بھی ہے جو تم نے دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ سچے صوفیوں کی طرح خانقاہ میں بیٹھ کر "فتوحات" (ہدایہ وتحائف) طلب کرتے ہیں پھر انہیں اس سے اتنی آمدنی ہو جاتی ہے جس کے ذریعے صاحب نصاب ہو جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود زکوۃ وصول کرنے اور "فتوحات" کی طلب سے باز نہیں آتے۔

یہی حال واعظوں کا بھی ہے کہ شہر جاتے ہیں اور نذرانے مانگتے ہیں پھر اچھا خاصا مال جمع کرنے کے بعد بھی مانگنے سے باز نہیں آتے۔

پس پاکی تو خدا ہی کو حاصل ہے تم بتاؤ علم نے ان بزرگوں کو کیا فائدہ پہنچایا؟ (میں تو سمجھتا ہوں کہ) ایسے لوگوں کے لیے جہالت زیادہ بہتر تھی۔

ان لوگوں کا ایک بدترین حال یہ ہے کہ یہ ایسے ایسے طریقے اختیار کیے رہتے ہیں جو ان کے لیے حصول دنیا کا سبب بنیں۔ مثلاً خشوع کا مظاہرہ' ظاہری عبادت' میل جول سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی حالانکہ یہ سب کے سب شریعت سے منحرف ہیں (یعنی جو کچھ کرتے ہیں محض دنیا کے لیے شریعت سے ان کو کوئی واسطہ نہیں ہوتا)

بلکہ میں نے ان میں سے بعض کا یہ حال دیکھا کہ وہ اپنے دوسرے ہم پیشہ پر اعتراض کرتے ہیں اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ موقع ملے تو ہلاک بھی کر دے۔

پس بربادی ہو ان سبھوں کی کہ کس قدر کم فائدہ اُٹھاپاتے ہیں دنیا کے اسباب سے! جب کہ دلوں کو پھیرنے والی ذات نے مخلوق کے دلوں سے ان کی محبت بھی نکال دی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دل اہل اخلاص کی طرف پھیرتے ہیں۔ لہٰذا حقیقت کے اعتبار سے یہ دنیا سے بھی محروم ہیں کیونکہ جو کچھ انہوں نے حاصل کیا ہے وہ صرف ظاہری ساز و سامان ہیں۔ (حقیقت کچھ بھی نہیں ہے)

اللہ تعالیٰ ہم کو ایسی عقل عطا فرما دیں جو ہماری دنیا کی بھی تدبیر کرے اور آخرت کو بھی درست کرے سمجھا دینے والا قدرت بھی رکھتا ہے۔

یہ زندگی تجارت کا موسم ہے

مجلس.... جس نے اپنے وجود کی عزت و شرف کو پہچان لیا اس کو چاہیے کہ موجودات میں افضل کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ یہ زندگی تجارت کا زمانہ ہے اور تجارتیں مختلف طرح کی ہوتی ہیں جبکہ عام طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ "ایسی تجارت کرو جس میں مشقت کم ہو اور آمدنی زیادہ ہو" اس لیے بیدار طبیعت شخص کو یہی اور عمدہ تجارت کرنی چاہیے جبکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی معرفت سے زیادہ نفیس اور کوئی چیز نہیں ہے۔

لہٰذا جن لوگوں نے راہ سلوک طے کر کے خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کی ہے ان میں سے بعض نے سفر کے راستہ ہی میں اپنا پورا مطلوب پا لیا، بعض ایسے ہیں کہ ان کو اپنے نفع کی فکر لگی ہوئی ہے۔ بعض کی نظر محبوب کی خوشنودی پر ہے لہٰذا وہ اس کی خدمت و طاعت کے شہر کی طرف سفر کر رہے ہیں اور مقبولیت کی قیمت پر خوش ہو رہے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں کہ ساری پونجی لگا کر بھی اس کے اعزاز و اکرام کے حق کی برابری نہیں کر سکتی ہے۔ البتہ بعض ایسے بھی ہیں جو کسی اور راستہ پر ڈال دیے جانے کے بجائے اس راہ سلوک میں لگا دیے جانے پر شکر بھی کر رہے ہیں اور اپنے عجز کا اعتراف بھی کر رہے ہیں۔

اور ایک جماعت ان سب احوال سے بلند ہو کر محض اس توفیق خداوندی پر نگاہ رکھتی ہے جو ان کو اپنے احوال پر نگاہ ڈالنے سے بچا کر عمل میں لگائے ہوئے ہے۔

ایسے لوگ تعداد میں بہت کم ہیں اور یہ سچ ہے کہ "بڑے مرتبے والے "عنقا[1]" سے بھی کم ہوتے ہیں۔"

اے معمر لوگو! کوچ کی تیاری شروع کر دو

مجلس.... جب حاجی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب تھوڑے دنوں میں کوچ کا وقت قریب ہے تو

---

[1] عنقا: ایک فرضی پرندہ ہے جس کا وجود نہیں ہے [illegible] مطلب یہ ہے کہ بہت [illegible] ۱۲ مترجم

زیادہ سے زیادہ طواف کرتا ہے۔ خصوصاً اگر بڑھاپے یا کمزوری کی وجہ سے دوبارہ واپسی کی امید بھی نہ ہو تو ایسے ہی جو عمر کی زیادتی کی وجہ سے موت کے ساحل کے قریب پہنچ چکا ہو اس کو بھی ایک ایک دن کو غنیمت سمجھنا اور مناسب ساز و سامان کے ساتھ موت کا انتظار کرنا چاہیے کیونکہ جوانی میں موت کی کمان میں تناؤ ہوتا ہے اور بڑھاپے میں کمان کے سرے سے تانت ڈھیلی ہو جاتی ہے لہٰذا کمان جھک جاتی ہے اور قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں۔

اب تو موت کے سپاہی کے سامنے جھکنا ہی ہے لہٰذا جلدی کرو اور طہارت کی طرف لپکو تاکہ حاضری طہارت اور پاک دامنی کے ساتھ ہو۔

اب دنیا میں کون سا عیش خوشگوار معلوم ہوگا ایسے شخص کو جس کے اٹھتے دن اس کو موت کی طرف بڑھائے لیے جا رہے ہوں جس کی زندگی کی چڑھائی اب اترنے پر مائل ہو اور جس کی طویل ہوا اب اس کی مدت حیات کو گھٹا رہی ہو۔ لہٰذا سامنے آنے والی منزل کو سوچو اور یہی فکر سب سے اہم چیز ہے۔

کیا صحیح حدیث میں نہیں آیا؟

مامنكم احد الا ويعرض عليه مقعده بالغداة والعشي من الجنة والنار فيقال هذا مقعدك حتى يبعثك الله.

"تم میں سے ہر شخص کے سامنے صبح و شام اور جہنم میں سے اس کا ٹھکانا پیش کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ حشر میں اٹھائے جانے تک یہی تیرا ٹھکانا رہے گا۔"

پس اس شخص پر افسوس ہے جس کو دائمی مہلت ملی لیکن اس کے باوجود اس نے تیاری نہیں کی اور کیا خوب ہوگا اس شخص کا خوشگوار عیش جس سے جنت کا وعدہ کر لیا گیا۔

جو شخص ستر (۷۰) سے سن کو پہنچ گیا اسے یقین کرنا چاہیے کہ سانس رک رہا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کی نصرت فرمائے جس نے اپنی زندگی کی کمائی۔

راضی برضا ہونے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مثالی کردار

مجلس۔ اللہ جل جلالہ کے فیصلوں پر راضی رہنے کی حقیقت اور اس کی مشق جو شخص معلوم کرنا چاہتا ہو اسے حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کی پوری معرفت حاصل ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھ لیا کہ وہ مالک ہیں اور مالک کو اپنی ملکیت میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہوتا ہے اور سمجھا کہ آپ حکیم ہے اور حکیم کوئی کام فضول اور بے فائدہ نہیں کرتا ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکیم و دانا کے آگے مملوک غلام کی طرح جھک گئے۔ یہی وجہ تھی کہ تقدیر کے عجیب عجیب فیصلے سامنے آتے رہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر بل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر اُف نہیں آنے پائی اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا کہ کاش ایسا ہو جاتا اور کاش یہ ہوتا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات حق تعالیٰ کے ارادوں کے سامنے کوہ گراں بن کر ثابت رہی۔

غور کرو یہ سارے رسولوں کے سردار (صلی اللہ علیہ وسلم) تن تنہا مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے ہیں جبکہ ساری دنیا کفر سے بھری ہوئی تھی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے لگے تو غار میں روپوش ہوئے اور جب وہاں سے نکلتے ہیں تو کفر کے نمائندے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑی کو خون آلود کر دیتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر اوجھڑی ڈال دی جاتی ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ زبان پر سکوت اور دل میں سکون لیے ہیں۔

ہر موسم میں نکل کر صدا لگاتے ہیں کون مجھے ٹھکانہ دینے کے لیے آگے بڑھتا ہے؟ کون میری مدد پر تیار ہے؟ پھر مکہ سے نکلے تو ایک کافر کی پناہ لیے بغیر دوبارہ مکہ نہیں آسکے لیکن طبیعت میں ذرا نفرت نہیں آئی اور دل میں کچھ بھی اعتراض نہیں کھٹکا۔ حالانکہ ایسے موقعہ پر کوئی دوسرا ہوتا تو کہہ دیتا اے میرے رب! آپ ساری مخلوق کے خالق ہیں اور میری نصرت پر قادر ہیں پھر مجھے کیوں ذلیل کیا جا رہا ہوں؟ جیسے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہہ دیا "کہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ پھر اپنے دین کے معاملے میں ہم معمولی شرائط پر کیوں راضی ہوں؟"

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جملہ کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں اللہ کا بندہ ہوں اور وہ مجھ کو ہرگز ضائع نہیں فرمائے گا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں کلمات ان دونوں سوالوں کے جواب میں جن کو میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ پہنچا آپ

کا یہ کہنا کہ "میں اللہ کا بندہ ہوں"۔ اپنے مخلوق ہونے کا اعتراف تھا۔ کیا آپ نے یہ فرمایا کہ "میں تو غلام ہوں وہ میرے ساتھ جو چاہے معاملہ فرمائے" اور یہ کہنا کہ "وہ مجھ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا" اس کے تسلیم ہونے کو بیان کرتا تھا کہ وہ کوئی فیصلہ فضول نہیں کرتا ہے۔

پھر دیکھو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھوک میں مبتلا کیے جا رہے ہیں اور پیٹ پر پتھر باندھ رہے ہیں جبکہ زمین و آسمان کے خزانے خدا تعالیٰ کے مملوک ہیں۔ اسی طرح آپ کے ساتھی قتل کیے جا رہے ہیں۔ آپ کا چہرہ مبارک زخمی کیا جا رہا ہے۔ اگلے دانت ٹوٹ رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا (حضرت حمزہؓ) کا مثلہ کیا جا رہا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ زبان خاموش ہے۔ پھر دیکھو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹا دیا گیا اور چھین لیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نواسوں سے دل بہلا رہے ہیں۔ ان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی جا رہی ہے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سکون حاصل کر رہے تھے تو ان پر تہمت لگائے جانے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لطف مکدر کیا جا رہا ہے۔ معجزات کے اظہار میں مبالغہ فرما رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسیلمہ کذاب، اسود عنسی اور ابن صیاد کو کھڑا کیا جا رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچائی اور امانت کی ناموس قائم فرما رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا اور جادوگر کہا جا رہا ہے۔ پھر بیماری میں دوسروں کے برابر جھنجھوڑا جا رہا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم راحت و سکون ہیں۔

اب اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کی خبر دی جائے تو صبر کرنا چاہیے۔

پھر دیکھو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت میں سختی کی جا رہی ہے چنانچہ آپ کی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اس حال میں نکالی جا رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیوند لگی چادر اور موٹے کپڑے کی تہبند میں لپٹے ہوئے ہیں اور گھر والوں کے پاس اتنا تیل نہیں ہے کہ اس رات گھر میں چراغ جلایا جا سکے۔

یہ ایسے حالات ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی بھی ایسے حالات میں اس درجہ صبر نہیں کر سکا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر فرشتے بھی ان حالات میں مبتلا کر دیے جاتے تو صبر

نہ کر سکے۔ دیکھو! یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں آپ کے لیے صرف ایک درخت کے سوا باقی تمام جنت مباح کر دی گئی لیکن آپ اس درخت سے اپنے کو روک نہ سکے جبکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مباح چیزوں کے متعلق فرماتے ہیں: "ومالی وللدنیا" مجھے دنیا سے کیا سروکار؟

اور یہ نوح علیہ السلام ہیں قوم کے ستانے سے غصہ ہو رہے ہیں اور اس غم سے جو آپ کو دیا گیا انکار کر رہے ہیں "لاتذر علی الارض من الکافرین دیارا" روئے زمین پر کوئی کافر گھر والا نہ چھوڑیے جبکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اللّٰھم اھد قومی فانھم لایعلمون" (اے اللہ! میری قوم کو ہدایت عطا فرما کیونکہ وہ مجھ کو جانتی نہیں ہے)

یہ کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جب قوم بچھڑے کی پوجا کرنے لگی تو فریاد کرتے ہوئے تقدیر کا حوالہ دیتے ہیں کہ "ان ھی الا فتنتک" یعنی یہ آپ ہی کی آزمائش ہے اور جب موت کا فرشتہ آیا تو اس کی آنکھ نکال لیتے ہیں۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے اللہ! اگر آپ کسی سے موت کو پھیر سکتے ہیں تو مجھ سے پھیر دیجیے جبکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو موت اور زندگی کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم "رفیق اعلیٰ" یعنی خدا تعالیٰ کے پاس جانے کو ترجیح دے رہے ہیں۔

یہ حضرت سلیمان علیہ السلام دعا کر رہے ہیں "رب ھب لی ملکا" اے میرے رب! مجھ کو سلطنت عطا فرما اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے ہیں "اللّٰھم اجعل رزق آل محمد قوتا" اے اللہ! محمد کے گھرانہ کا رزق گزارہ کے بقدر عطا فرما۔

خدا کی قسم! یہ ایسے ہی شخص کا کام ہو سکتا ہے جس نے اپنے وجود اور اپنے موجد کو پہچانا ہو پھر اپنی خواہشات کو بجھا کر اعتراضات کو ختم فرما کر اپنی مرضی کو تقدیر کے تابع کر دیا ہو۔

شہوت کا دھوکہ

مجلس... حسی خواہشات میں سب سے زیادہ خواہش عورتوں کی ہوتی ہے۔

۱؎ انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان تفاضل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے آپ نے فرمایا "لا تفضلونی علی یونس بن متی" اس لئے علامہ کا یہ مضمون تو اس کی توجیہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ تعجب ولذر محمول اخطور پر کہا جاتا ہے "۱۲ مترجم

آدمی کسی عورت کو اچھے کپڑے میں دیکھ کر یہ خیال کرتا ہے کہ یہ میری بیوی سے زیادہ خوبصورت ہے یا اپنے تصور میں خوبصورت عورتوں کو لاتا ہے تو اس وقت صرف ان کے حسن ہی کا تصور کر پاتا ہے اس لیے ان سے نکاح کی کوشش شروع کر دیتا ہے (اور اگر باندی ہوئی تو) باندی بنانا چاہتا ہے لیکن جب مراد پوری ہو جاتی ہے (یعنی نکاح کر لیتا ہے) تو پھر اس کی نظر بیوی کے عیوب پر پڑنے لگتی ہے اس لیے جلدی ہی اکتا کر دوسری کی طلب میں لگ جاتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ بظاہر اپنی خواہشات کا حصول بھی اپنے اندر بڑی مشقتیں بھی رکھتا ہے مثلاً یہ کہ دوسری بیوی دیندار نہ ہو یا بے وقوف ہو یا اس کو شوہر سے محبت نہ ہو سکے یا گھر کے انتظام کا سلیقہ نہ رکھتی ہو کیونکہ ان سب صورتوں میں جتنا حاصل کیا اس سے زیادہ فوت ہو جائے گا۔

یہی شہوت کا وہ دھوکہ ہے جس نے زنا کاروں کو زنا میں مبتلا کر دیا اس لیے کہ وہ عورتوں کے پاس اس وقت میں بیٹھتے ہیں جب ان کے عیوب پوشیدہ ہوں اور ان کی خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں تو اس وقت ان کو اس عورت سے لذت ملتی ہے پھر (جب عیوب ظاہر ہوتے ہیں تو) دوسری کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

لہذا سمجھدار شخص کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اپنی خواہش کے مطابق پوری مراد کا حاصل ہونا ممکن نہیں ہے۔ "ولستم بآخذیه الا ان تغمضوا فیه" دنیا کی عورتوں میں جو عام عیب ہے اس کا اشارہ قرآن پاک کی اس آیت میں ہے "ولهم فیها ازواج مطهرة" کہ اہل جنت کو جنت میں نہایت پاکیزہ بیویاں ملیں گی۔ معلوم ہوا کہ دنیا میں عورتیں اس قدر پاکیزہ نہیں ہوتی ہیں بلکہ ان میں کچھ ظاہری گندگی اور کچھ باطنی عیوب ہوتے ہیں جبھی تو جنت کی بیویوں کا یہ خاص وصف بیان کیا گیا ہے جب کہ غیرت مند شخص میل سے بھی نفرت کرتا ہے اور باطنی عیب سے بھی۔

لہذا ایسی بیوی پر قناعت کرو جس کے باطن میں دینداری ہو اور ظاہر میں پردے کا اہتمام اور قناعت پسندی ہو تاکہ خوشگوار اور پرسکون زندگی گزرے اور جو زیادہ بیویوں میں حد سے تجاوز کرنا چاہتا ہے وہ ایسے شخص کا اضافہ کرنا چاہتا ہے جو اس کے دل کو مشغول کر دے اور دین کی لطافت کو ختم کر دے۔

تقسیم کار

مجلس..... کس قدر پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے ہر شخص کو الگ الگ کام میں لگا دیا تاکہ دنیا میں لوگ چین کی نیند سو سکیں۔

چنانچہ علوم میں دیکھو کہ ایک کو قرآن محبوب بنایا گیا دوسرے کو حدیث اور تیسرے کو نحو۔ یہ اس لیے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو سارے علوم کی حفاظت نہ ہو پاتی۔

اسی طرح معاش حاصل کرنے والوں میں ایک کے دل میں ڈالا کہ نان بائی بن جائے۔ کسی کو حلوہ فروش بنایا کسی کو جنگل سے لکڑیاں لانے کا کام دیا اور کسی کو سقائی۔ تقدیر الٰہی کا تاکہ سب لوگ ایک دوسرے سے جڑے رہیں ورنہ اگر کل لوگوں کے دل میں نان بائی بن جانے کا خیال ڈال دیتا تو روٹیاں باسی ہو کر خراب ہو جاتیں یا زیادہ تر لوگ حلوہ فروش ہو جاتے تو حلوے خشک ہو کر رہ جاتے۔ اس لیے وہ کسی کو نان بائی بناتا ہے اور کسی کو حلوہ فروش بنا کر دنیا اور آخرت کا نظم ٹھیک رہے۔

اور بہت کم نادر لوگ ایسے ہیں جن کے اندر کمال اور افضلیت کی طلب پیدا کرے علم اور عمل کی جامعیت اور دلوں کے معاملات کو درست کرنے کا خیال پیدا کرے جبکہ ایسے لوگ بھی مختلف درجات کے ہوتے ہیں۔ وہ کس قدر پاکیزہ ہے وہ ذات جو پیدا کرتی ہے اور منتخب کرتی ہے جس کو چاہتی ہے ہم اس سے معافی کا سوال کرتے ہیں اگر اس کی رضا مندی حاصل کر سکیں اور سلامتی کی دعا کرتے ہیں اگر اپنا معاملہ درست نہ کر سکے۔

سنت میں تحریف

مجلس..... درحقیقت علم حدیث ہی شریعت ہے کیونکہ وہ قرآن کی مراد کو واضح کرتا ہے حلال و حرام کی توضیح کرتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی سیرت کو بیان کرتا ہے لیکن بہت سے لوگوں نے حدیث میں جھوٹی حدیثیں بھی ملا دی ہیں اور منقولات میں ہر طرح کی ناپسندیدہ چیزیں داخل کر دی ہیں۔

لہٰذا اگر کوئی صوفی یا واعظ صاحب توفیق ہوتا ہے تو وہ صرف انہی روایات کو بیان کرتا ہے

جن کی صحت پر اس کو یقین ہو اور اگر صاحب توفیق نہیں ہوا تو صوفی ہر اس حدیث پر عمل کرنے لگتا ہے جس کو سنتا ہے کیونکہ وہ راویوں سے حسن ظن رکھتا ہے اور واعظ ہر وہ مضمون جس کو جاہل لوگ درست سمجھتے ہوں بیان کر دیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صوفیوں کے حالات خراب ہو گئے اور وہ بے خبری میں راہ ہدایت سے منحرف ہو گئے۔ یہ بات کیوں نہ کہی جائے جبکہ زہد پر دلالت کرنے والی اکثر حدیثیں صحیح سند سے ثابت ہی نہیں ہوتیں۔ مثلاً حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت کہ "جو مسلمان شخص کسی چیز کی خواہش کرے پھر اپنی خواہش کو دبا کر دوسرے کو ایثار کر دے اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔" حالانکہ یہ حدیث موضوع ہے جو آدمی کو اس مباح سے روک رہی ہے جس کے ذریعے وہ عبادت کی طاقت حاصل کر سکتا ہے اور جیسے "من وضع ثيابا حسانا" کی روایت۔ ایسے ہی وہ روایت بھی ہے جس کو یہ لوگ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو سالن پیش کیے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک پیالہ میں دو سالن؟ (لیجاؤ) مجھ کو اس کی ضرورت نہیں ہے میں یہ نہیں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے فضول دنیا کے بارے میں سوال کر لیں" جبکہ صحیح روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے ساتھ ککڑی نوش فرمائی ہے۔ غرض اس طرح کی ساقط روایات اگر تلاش کی جائیں تو بہت سی ملیں گی تو چونکہ ان لوگوں نے اپنے عمل کی بنیاد فساد اور خرابی پر رکھی اس لیے واعظین اور سامعین دونوں کے حالات خراب ہو گئے کیونکہ واعظ اپنی تقریر کو ایسی ہی غلط اور ناممکن باتوں سے تیار کرتا ہے۔

اور (جاہل) صوفیوں کی ایک جماعت ایسی ہی روایات اور حکایات پر عمل کرتی تھی جو صحیح سند سے ثابت نہیں تھیں اس لیے ان کے اوقات غیر مشروع عمل میں ضائع ہوتے تھے پھر وہ ان علماء پر نکیر بھی کرتی تھی جو مباحات کو برتتے تھے اور اس جماعت کا خیال یہ تھا کہ جسم کو خشک کر لینا ہی سارا دین ہے ایسے ہی واعظین کا گروہ بھی ایسی روایات بیان کرتا ہے جو نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند سے منقول ہیں نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے۔ لہٰذا موضوع اور غلط روایات ہی ان کے نزدیک شریعت بن گئیں۔

پس کس قدر پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے اس شریعت کی ان اچھے لوگوں کی روایات

کے ذریعے حفاظت فرمائی ہے جو غلو پسندوں کی تحریف اور باطل پرستوں کی کذب بیانی کو شریعت سے صاف کرتے رہتے ہیں۔

مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی روایات

مجلس... مجھ سے ایک محدث نے پوچھا کہ کیا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی "مسند" میں کچھ روایات غیر صحیح بھی ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں۔

(جب اس کی اطلاع عام ہوئی) تو یہ بات ان لوگوں کو گراں گزری جو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی طرف منسوب تھے (مجھ کو معلوم ہوا) تو میں نے ان کے بارے میں یہ سوچ لیا کہ یہ عام لوگ ہیں اور یہی سوچ کر ان کی فکر چھوڑ دی لیکن کچھ ہی دن گزرے تھے کہ انہوں نے استفتاء کیا تو اس کے جواب میں خراسان کے علماء نے جن میں ابو العلاء ہمدانی رحمہ اللہ بھی تھے میرے اس قول کو ناگوار سمجھتے ہوئے اس کی تردید کی اور ایسا کہنے والے کو برا بھلا کہا تو مجھ کو تعجب کے ساتھ حیرت بھی ہوئی اور میں نے جی میں سوچا کہ افسوس! علم کی طرف منسوب حضرات بھی عام لوگوں کی طرح ہو گئے ہیں۔

دراصل اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے حدیث سنی لیکن صحیح اور ضعیف کی تحقیق نہیں کی اور گمان یہ باندھ لیا کہ جو شخص بھی یہ بات کہہ رہا ہے وہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تخریج کردہ روایات میں عیب نکالنا چاہتا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مشہور، عمدہ اور ضعیف ہر طرح کی روایات نقل کی ہیں پھر انہوں نے خود ہی اپنی بہت سی روایات کو رد بھی کر دیا کہ شاید اس کے قائل ہوئے اور شاید اس کو اپنا مذہب بنایا۔ کیا تیز سے وضو والی حدیث کے بارے میں انہوں نے خود ہی نہیں فرمایا کہ "مجہول" ہے؟

اور جو شخص بھی ابوبکر خلال کی تصنیف "کتاب العلل" کا مطالعہ کرے گا وہ اس میں بہت سی ایسی احادیث دیکھے گا جو مسند امام میں موجود ہیں اور خود امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہی نے ان میں طعن کیا ہے اور میں نے قاضی ابو یعلیٰ محمد بن حسین الفراء کی تحریر سے مسئلہ نبیذ کے متعلق نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے وہ تمام روایتیں جو لوگوں میں مشہور تھیں، روایات کر دی ہیں۔ انہوں نے صحیح اور ضعیف کا اہتمام نہیں

کیا اور اس پر یہ واقعہ دلیل ہے کہ عبداللہ بن امام احمد نے بیان کیا کہ میں نے اپنے ابا جان سے عرض کیا کہ آپ "ربعی بن حراش" کی اس روایت کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو انھوں نے حذیفہ سے روایت کی ہے؟ آپ نے پوچھا کیا وہ روایت جس کو عبداللہ بن داؤد روایت کرتا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! تو فرمایا کہ بہت سی حدیثیں اس کے خلاف ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ نے تو اس کو اپنی مسند میں ذکر کیا ہے؟ تو فرمایا کہ "میں نے اپنی مسند میں مشہور روایات جمع کرنے کا قصد کیا ہے کیونکہ اگر میں یہ ارادہ کر لیتا کہ صرف وہی روایت لکھوں گا جو میرے نزدیک صحیح ہو تو پھر میں اس مسند میں بہت کم ہی روایات ذکر کر پاتا۔ لیکن اے میرے بیٹے احادیث کے سلسلے میں تم میرا طریقہ جانتے ہو کہ جب کسی مسئلہ میں کوئی معارض روایت نہیں ہوتی ہے تو میں ضعیف حدیث کی بھی مخالفت نہیں کرتا ہوں۔"

قاضی ابو یعلیٰ کہتے ہیں کہ دیکھو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ خود اپنی مسند کے بارے میں اپنے طریقے کار کو بتلا رہے ہیں تو اب جو شخص حدیث کے صحیح ہونے کے لیے مسند کو معیار قرار دیتا ہے وہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے طریق کی مخالفت کر رہا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس وقت مجھ کو یہ غم ہو رہا ہے کہ علماء بھی علم میں کوتاہی کی وجہ سے عوام کی طرح ہو کر رہ گئے ہیں کہ جب ان کے سامنے کوئی موضوع روایت پیش کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تو مروی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمتوں کی کمی اور پستی پر رونا چاہیے "ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"

نفس کی پیروی اور بے غیرتی

مجلس... گزشتہ زمانے کے ایک فاسق کا یہ جملہ مجھ تک پہنچا کہ وہ کہتا تھا

ما اری العیش ان تتبع النفس هواها فمخطئا او مصیبا.

میں سمجھتا ہوں کہ زندگی اسی کا نام ہے کہ آدمی اپنی خواہش کی پیروی کرے خواہ اسے خطا کار کہا جائے یا نیکوکار۔ میں نے اس شخص کے حال کو سوچا تو اندازہ ہوا کہ اس کا دل مردہ ہو چکا تھا کہ نہ اس کو اپنی آبرو پر غیرت رہ گئی تھی نہ عار کا اندیشہ۔ حالانکہ آدمیوں کی جماعت میں کوئی شخص ایسا نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ انسان تو عقل کا قدم مقدم ہی اس لیے رکھتا ہے کہ

اسے بزدل نہ کہا جائے۔ بہت سا بوجھ اٹھا لیتا ہے تاکہ کہا جائے کہ اس نے کوتاہی نہیں کی اور
مارے ڈرتا ہے۔ لہٰذا فقر و فاقہ کی ہر مصیبت پر صبر کر لیتا ہے اور اس کو لوگوں سے چھپاتا ہے
تاکہ حقارت کی نگاہوں سے نہ دیکھا جائے۔ یہاں تک کہ اگر کسی جاہل کو بھی جاہل کہہ کر
پکار لیا جاتا ہے تو ناراض ہو جاتا ہے اور وہ چور جو حرام کام کے لیے کمر بستہ رہتے ہیں جب
ایک چور سے دوسرے نے کہا کہ تم بات نہ کرو کیونکہ تمہاری بہن ایسا ویسا کرتی ہے تو اس کو
غیرت آ گئی اور اس نے بہن کو قتل کر ڈالا اور جس کو غیرت ہوتی ہے وہ تہمت کے موقع پر
نہیں ٹھہرتا ہے تاکہ اس کے بارے میں کوئی بدگمانی نہ ہو جائے۔

لہٰذا وہ شخص جسے اس کی پروا نہ ہو کہ اس کو نشہ میں دیکھ لیا جائے گا اور اس کی گرفت ہو کر
لوگوں کے درمیان اس کا گناہ مشہور ہو جائے گا اور لوگوں کا اس کے متعلق برائی سے تذکرہ
کرنا اس کو تکلیف نہ پہنچاتا ہو تو وہ انسان کی کھال میں کوئی جانور ہے۔

ورنہ بھلا اس شخص کے لیے کون سی مستی ہے جو شراب پیے پھر پکڑ لیا جائے اور کوڑے
کھائے۔ پھر یہ خبریں لوگوں میں پھیل جائیں کیا یہ سب ذلتیں اس لذت کے برابر ہیں؟
ہرگز نہیں بلکہ اس سے کئی گنا بڑھی ہوئی ہیں اور کون سی لذت ہے اس شخص کے لیے جو سستی
اور کاہلی سے کام لے جبکہ وہ دیکھتا ہو کہ اس کے ہم عصر علم میں اس سے بڑھ رہے ہیں اور وہ
جاہل کا جاہل رہ گیا ہے یا تجارت کر کے مالدار ہو رہے ہیں اور وہ فقیر محتاج رہ گیا ہے تو کیا
آرام اور کاہلی کی لذت کا کچھ حق ادا ہوا؟

بلاشبہ اگر زنا کار اس افسانہ کو سوچ لے جو اس کے متعلق مشہور ہوگا یا شرعی سزا کا تصور
کر لے تو بڑھتا ہوا قدم رک سکے مگر بات یہ ہے کہ وہ بجلی کی طرح چمک جانے والی ایک لمحہ
کی لذت کو دیکھتا ہے (اور ہمیشہ کی ذلت سے غافل ہو جاتا ہے) ہائے ہمیشہ کے غم کی وہ
نحوست جو اس لذت کے بعد حاصل ہوتی اور یہ سب چیزیں دنیا سے متعلق ہیں ورنہ آخرت
میں تو عذاب کی تلخی دائمی ہوگی۔ "والذین آمنوا مشفقون منہا"

اللہ تعالیٰ ہم کو رذائل سے نفرت اور فضائل کی ہمت عطا فرمادیں۔ بلاشبہ وہ قریب
ہے اور دعا بھی سنتا ہے۔

گناہوں کا انجام

مجلس... سزا کبھی تو فوراً مل جاتی ہے اور کبھی خدا تعالیٰ کا سلطان اس کو موخر کر دیتا ہے لہٰذا سمجھدار وہی شخص ہے کہ جب کوئی غلطی ہو جائے تو فوراً توبہ کر لے ورنہ کتنے لوگ جو دوسرے گنہگاروں کی مہلت کو دیکھ کر دھوکہ میں تھے خود ان کو مہلت نہیں مل سکی۔

اور ایسے گناہ جن کی سزا بہت جلد ملتی ہے وہ ہیں جو بے لذت ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ممانعت کو فراموش نہ ہونے دیں کیونکہ (یہ گناہ جن میں کوئی لذت نہ ہو) سرکشی اور معاندہ کے مشابہ ہو جاتے ہیں اور اگر ایسا گناہ ہو جس سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض یا اس کی کبریائی میں شرکت ثابت ہوتی ہے تو پھر تو اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً جبکہ یہ گناہ ایسے شخص سے صادر ہوں جس کو اللہ کی معرفت حاصل ہو کیونکہ ایسے شخص کی معافی بہت نادر ہے۔

حضرت عبد المجید بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خراسان میں ہمارے پاس ایک شخص تھا جس نے تین دن میں پورا قرآن شریف لکھا تھا تو اس سے ایک آدمی ملا اور پوچھا کہ کتنے دن میں لکھا؟ اس نے تین انگلیوں (یعنی سبابہ، ابہام) سے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ تین دن میں اور ساتھ میں یہ آیت بھی پڑھ دی "وما مسنا من لغوب" (اور ہم کو کچھ تھکاوٹ نہیں پہنچی) تو اس بے ادبی کی وجہ سے اس کی تینوں انگلیاں خشک ہو گئیں پھر وہ ان سے کچھ کام نہیں کر سکا۔

فائدہ: یہ آیت اس موقع پر آئی ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور ہم کو تھکاوٹ نہیں آئی تو اس شخص نے اپنے کارنامے کے بعد اس آیت کو پڑھ کر بظاہر اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کر لیا کیسی بے ادبی ہے!!)

اسی طرح ایک نہایت فصیح و بلیغ شخص کے دل میں یہ خیال گزرا کہ وہ قرآن کے مثل کلام پیش کر سکتا ہے۔ لہٰذا لوگوں سے کہا کہ مجھ کو تین دن کی مہلت دو یہ کہہ کر بالا خانے میں گیا اور دروازہ بند کر لیا جب تین دن کے بعد لوگ اس کے بالا خانے پر پہنچے تو دیکھا کہ قلم ہاتھ میں لیے ہوئے ہے اور ہاتھ خشک ہو چکا ہے اور اس شخص کی جان نکل چکی ہے۔

حضرت عبد الحمید نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اپنی بیوی کے پاس حالت حیض میں بھی جاتا تھا تو وہ اس کو خون آنے لگا جب بیماری حد سے بڑھ گئی تو اس نے

توبہ کی تب خون بند ہوا۔ اور اسی طرح کے گناہ میں (جس کی سزا جلد مل جاتی ہے) یہ ہے کہ آدمی کسی انسان کو اس کے کسی فعل پر عار دلائے اور اس سے بھی بدتر یہ گناہ ہے کہ ایسی بات سے شرم دلائے جو اس کے اختیار کی نہ ہو مثلاً کہے اے اندھے! یا اے بدصورت! چنانچہ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے ایک شخص کو اس کے غریب ہونے پر عار دلا دی تو (مجھے اس کی سزا یہ ملی کہ) میں ایک قرض کے سلسلے میں جیل میں ڈال دیا گیا۔

اور سزا کا حال یہ ہے کہ کبھی دیر سے ملتی ہے اور آخر عمر میں پہنچتی ہے۔ پس افسوس! بڑھاپے کی ان تکلیفوں پر جو جوانی کے گناہوں کی سزا میں پہنچتی ہیں۔

لہٰذا گناہوں کے انجام بد سے بچنے کی کوشش کرو اور توبہ کے ذریعے ان کو مٹانے کے لیے لپکو کیونکہ گناہوں کا نتیجہ برا ہی ہوتا ہے خواہ فوراً ملے یا بہت سے گناہوں کے بعد میں آئے۔ "نعوذ باللہ منہا"

جمعیت قلبی کے لیے مال کی ضرورت

مجلس۔۔۔ یہ سمجھ لو کہ آدمی ایک بڑے کام کے لیے یعنی اپنے خالق کو دلیلوں سے پہچاننے کے لیے نہ کہ تقلیداً ماننے کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کو فکری اطمینان حاصل رہے۔ اسی طرح اس سے فرائض کی ادائیگی اور حرام کاموں سے بچنے کا بھی مطالبہ ہے۔ اب اگر اس کے لیے وہ غیر کی طلب میں لگتا ہے تو فکری و قلبی اطمینان کی مزید ضرورت ہوگی (اور یہ اطمینان اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ بقدر ضرورت مال موجود ہو) لہٰذا وہ شخص بہت خوش قسمت ہے جس کے پاس بقدر کفایت روزی موجود ہو نہ کہ وہ شخص جو لوگوں کے صدقات و عطایا پر قناعت کر کے بیٹھا ہو اور اگر اس کے پاس بقدر کفایت روزی نہیں ہوگی تو اس کی وہ فکر (جس کا ان کاموں میں مطمئن ہونا ضروری تھا) منتشر ہو جائے گی اور روزی حاصل کرنے کی فکر میں لگ جائے گی پھر عمر اس چیز کے حاصل کرنے میں خرچ ہوگی جو خود مقصود نہیں تھی بلکہ اس کے ذریعے دوسری چیز مقصود تھی اور خود آدمی کی زندگی کا مقصود فوت ہو جائے گا اور اس صورت میں کم ظرف لوگوں کا محتاج بھی ہونا پڑتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

نے فقر کا اظہار کیا جب اس نے درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑا سا مال عطا فرمایا۔
لیکن دوران بعد دوسرا غریب آیا تو پہلے والے نے یہ ذکر کرتے ہوئے اس کو اپنے مال میں سے کچھ دینا چاہا
تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہیں دینے دیا اور اس شخص کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

”قدر ضرورت پر اکتفا اور فضول کی طرف میلان کو چھوڑ دینا ہی سب سے بڑی عقل ہے۔“

چنانچہ جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نفس کو لوگوں کے ہدیوں اور عطیوں سے مایوس کر لیا تو آپ کو جمعیت حاصل ہو گئی اور آپ کا تذکرہ مشہور ہوا۔ اس کے برخلاف ابن مدینی وغیرہ نے جب اپنے کو لالچ والا کیا تو ان کا ذکر کم ہو گیا۔ پھر یہ دیکھو کہ لالچ بھی کن لوگوں سے؟ ظالم بادشاہ سے یا احسان جتانے والے صاحب منصب سے یا دے کر ذکر کرنے والے دوست سے؟

حقیقت یہ ہے کہ عزت ہر لذت سے بڑھ کر لذیذ ہے اور دوسروں کے احسانات کے پھندے سے نکلنا اگرچہ معمولی چیز پر قناعت کر کے ہو بہتر ہے۔

بد حالی کے اظہار سے پرہیز

مسئلہ:۔ انسانی طبیعتوں میں یہ بات داخل کر دی گئی ہے کہ وہ اپنے ہم جنسوں پر اپنی بڑائی پسند کرتا ہے چنانچہ کوئی انسان ایسا نہیں ملے گا جو یہ نہ چاہتا ہو کہ اس کا حصہ دوسروں سے زیادہ ہے۔
لہذا جب کوئی ایسا حادثہ پیش آ جائے جو اس کو دوسروں کے مرتبے سے گھٹانے والا ہو تو اس حادثہ اور مصیبت کو چھپانے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ حقارت کی نگاہوں سے نہ دیکھا جائے۔ مانگنے سے پرہیز کرنے والا غریب اپنا عیب چھپاتا ہے تاکہ اس کو ترس کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے اور یہ اپنا حال چھپائے تاکہ حاسد دشمن خوشی نہ منائے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے تو اپنے اصحاب سے جن کو بخار ہونے کی وجہ سے کمزوری آ گئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ ہوا کہیں کفار مکہ کی اس کمزوری کو دیکھ کر خوش نہ ہوں اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے گا جو اپنے جسم سے طاقت کا مظاہرہ کرے گا۔ لہذا سب لوگ ”رمل“ کرو (رمل کے معنی ہیں تیز دوڑنا)۔ پھر اگرچہ وہ سبب ختم ہو گیا لیکن حکم باقی رہ گیا ہے تاکہ سبب کو یاد کر کے اس کا معنی سمجھا جائے۔

اسی طرح جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرض الموت میں تھے لوگوں نے ملنے کی اجازت چاہی تو اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ مجھ کو بٹھا دو۔ چنانچہ ٹیک لگا کر قاعدہ سے بیٹھ گئے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپ عافیت سے ہیں پھر جب عیادت کرنے والے حضرات واپس ہو گئے تو آپ نے پڑھا:

وتجلدی للشامتین اریهم انی لریب الدهر لا اتضعضع

"میں اپنی قوت کا مظاہرہ دشمنوں کے سامنے کر کے ان کو دکھانا چاہتا ہوں کہ میں گردش زمانہ کے آگے جھکنے والا نہیں ہوں۔"

واذا المنیة انشبت اظفارها الفیت کل تمیمة لا تنفع

"جب موت اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے تو میں نے دیکھا کہ کوئی تعویذ کام نہیں کرتا ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ سمجھدار اور عقلمند حضرات مصیبتوں، بلاؤں اور تنگی کے وقت اپنی خوش حالی کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں تاکہ ان مصیبتوں کے ساتھ دشمنوں کی خوشی کی مصیبت بھی نہ برداشت کرنی پڑے کیونکہ یہ ہر مصیبت سے بڑھ کر ہے۔ لہٰذا سمجھدار فقیر مالداری اور سمجھدار بیمار عافیت ہی کا اظہار کرتا ہے۔

اب یہاں یہ نکتہ سمجھنے کے قابل ہے (کہ جس طرح مصیبت کا چھپانا مصلحت کی بات ہے اسی طرح نعمتوں کا بھی زیادہ اظہار مناسب نہیں ہے) کبھی انسان اپنے مال کی کثرت اور نعمتوں کو ظاہر کر دیتا ہے تو اس کا دشمن نظر لگا دیتا ہے ایسے وقت میں نعمتوں کے ظاہر سے جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ نعمتوں کے مصیبتوں سے بدل جانے کی مصیبت کی برابری نہیں کر سکتی ہے جبکہ یہ اصول ہے کہ نظر اسی نعمت پر لگتی ہے جو پسندیدہ اور خوبصورت ہو اور محض یہ خوبصورتی ہی کافی نہیں ہے بلکہ نظر لگانے والے کا حاسد ہونا ضروری ہے اور حاسد بھی وہ جو طبیعت کا برا ہو۔ لہٰذا جب یہ تینوں صفتیں جمع ہو جائیں گی تب نظر بد کا اندیشہ ہوگا۔

حاصل یہ کہ انسان کو اتنی مقدار میں اخفاء حال ضروری ہے جس پر نظر لگنے کا ڈر نہ رہے اور وہ محفوظ رہے۔ نعمتوں کا زیادہ مظاہرہ نہ کرے کیونکہ ایسے وقت میں نظر کا خطرہ ہے۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت فرمائی تھی:

"لاتدخلوا من باب واحد وادخلوا من ابواب متفرقۃ"
(تم لوگ ایک دروازہ سے شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے جانا)
دیکھو آپ نے بیٹوں پر نظر لگ جانے کا خوف تو کیا اس فصل کو خوب سمجھ لو یعنی یہ ان لوگوں کے لیے بہت نفع بخش ہے جو غور کریں۔

دنیوی زندگی آخرت کا مکتب ہے

مجلس... ہم لوگ اسی لیے پیدا کیے گئے ہیں تا کہ اپنے خالق کے ساتھ ہمیشہ کی زندگی گزار سکیں۔ اس طرح کہ اس کی معرفت بھی حاصل رہے اس سے گفتگو کا شرف بھی ملتا رہے اور اس کا دیدار بھی نصیب ہوتا رہے لیکن پہلے ہم کو دنیا میں اس لیے بھیجا گیا کہ دنیا کی مثال ایک مکتب اور مدرسے کی سی ہے جس میں ہم لکھنا پڑھنا سیکھ رہے ہیں تا کہ بچے کے اندر بالغ ہونے کے وقت مرتبوں کے حصول کی اہلیت موجود رہے۔

اب بعض بچے غفلت زدہ بچے دیر تک مکتب میں رہ کر نکلتے ہیں پھر بھی انہوں نے کچھ سمجھا نہیں ہوتا یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو اپنے وجود کو نہیں جانتے اور وجود کا مقصد نہیں سمجھ سکے۔

بعض بچے ایسے ہوتے ہیں کہ ذہنی غفلت فہم کی قلت اور پڑھنے لکھنے کی محنت نہ کرنے کے ساتھ ساتھ دوسرے بچوں کو ستاتے بھی ہیں ان کو تکلیف دیتے ہیں کھانے پینے کا سامان چرا لیتے ہیں لہٰذا ان کی وجہ سے بچے شکایت و فریاد کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں تو یہ وہ بچے ہیں جنہوں نے نہ کچھ صلاحیت پیدا کی نہ کچھ سیکھا اور نہ شرارت ہی سے باز رہے۔ یہ شرارت کرنے اور ستانے والوں کی مثال ہے۔

بعض ایسے ہوتے ہیں جنہوں نے تھوڑا سا لکھنا پڑھنا سیکھ لیا لیکن کام کی صلاحیت بہت کم اور کتابت بہت خراب ہوتی ہے تو یہ اس حال میں فارغ ہوتے کہ بس اپنے معاملہ کا حساب کتاب کر سکتے ہیں اس سے زیادہ نہیں۔ یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے کچھ سمجھا تو سہی درجات و فضائل سے محروم رہ گئے۔

بعض ایسے ہوتے ہیں جنہوں نے لکھنا تو سیکھ لیا لیکن حساب نہیں سیکھا اور ادب

سلیقہ کے مضامین میں حفظ تو کر لیے لیکن ان کو عمل میں نہیں لائے تو ایسے بچے بادشاہ کے ہمنشین بن سکتے ہیں لیکن ہمیشہ اس خطرہ میں رہیں گے کہ کہیں بد سلیقگی اور اندر کا دیہاتی پن ابھر آئے۔

اور بعض ایسے بچے ہوتے ہیں جن کی ہمت ان کو تمام بلندیوں کی طرف لے جاتی ہے تو یہ اپنے مکتب میں سب سے آگے اور اپنے استاذ کے نائب ہوتے ہیں پھر اپنی عزت نفس میں باطن کے سلیقہ اور ادب میں اور ظاہری آداب کے فن میں مہارت کی وجہ سے سب طلبہ سے فوقیت لے جاتے ہیں۔ ان کے دل میں ایک جذبہ ہوتا ہے جو انہیں جلدی جلدی علم کی اور ہر طرح کی فضیلت کی تحصیل پر ابھارتا رہتا ہے کیونکہ یہ خوب سمجھتے ہیں کہ مکتب خود مقصود نہیں ہے بلکہ اس میں اس لیے داخلہ ہوا ہے تا کہ یہاں رہ کر سلیقہ حاصل کر لیا جائے اور مردانگی اور عزم کی قوت پیدا کر لی جائے۔ لہذا ہر فضیلت کے سلسلے میں اپنے اوقات کی قدر کرتے ہیں تو یہ مثال اس مومن کامل کی ہے جو آزمائش کے دن اپنے ہم عصروں پر سبقت لے جائے گا اور جس کے عمل کی تختی خوبصورت تحریر سے چمک رہی ہوگی اور وہ زبان حال سے کہہ رہا ہوگا "هاؤم اقرؤا كتابيه" (لو میرا اعمال نامہ پڑھو)

جیسے یہ مکتب کے بچے مختلف استعدادوں کے ہیں ایسے ہی اہل دنیا بھی مختلف ہوتے ہیں کہ بعض ہلاکت میں ہیں اللہ تعالیٰ سے غافل ہیں اور یہ کافروں کا حال ہے اور بعض تھوڑے سے ایمان کے ساتھ گناہ میں مبتلا ہیں تو ان کو سزا ملے گی پھر انجام کار جنت میں جائیں گے۔ بعض گناہ سے محفوظ ہیں لیکن عمل میں کوتاہ ہیں اور کچھ مکتب میں آگے ہیں لیکن اپنے آگے والوں سے پیچھے ہیں تو وہ آگے والوں کی نسبت کوتاہ ہیں۔

پس اے سمجھدار لوگو! غور کرو اور عمل کی طرف لپکو کیونکہ یہ دنیا تو وطن کی طرف لے جانے والا ایک پل ہے اور یہ زندگی اصل ٹھکانے کی طرف سفر ہے اور بادشاہ مطلق کی ہمنشینی و قرب کا ایک راستہ ہے۔ لہذا بادشاہ کی ہمنشینی کے لیے تیاری کر لو اس سے گفتگو کا سلیقہ پیدا کر لو اور اس کے ساتھ ادب کا برتاؤ کرنے کی مشق کر لو تاکہ دربار میں قرب کے اہل بن سکو۔

ایسا نہ ہو کہ سستی بدن کو غور کرنے میں رکاوٹ بن جائے بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ مقابلے کے وقت کی یاد تم کو کوشش پر آمادہ کرے۔ خوب سمجھ لو کہ مومن کو اپنے نفس کا قرب دیتا ہے

پر چیز ہر کسی کے بقدر ملے گا اور مرتبے حیثیت کے بقدر لہٰذا تجلی کا وجود بان کے برابر نہیں ہوگا اور دربان وزیر کے مقام کو نہیں پا سکتا' دو جنتیں ایسی ہیں جن میں جو کچھ ہے سب سونے کا ہے اور دو جنتیں ایسی ہیں جن کا برتن وغیرہ ہر سامان چاندی کا ہے جبکہ فردوس اہل دوسروں کے لیے ہے اور جو لوگ جنت کے نچلے طبقہ میں ہوں گے وہ اوپر والے درجات کو ایسے دیکھیں گے جیسے روشن ستارہ دیکھا جاتا ہے (دور اور اوپر)

لہٰذا زکوٰۃ وصول کرنے والا عامل مانع زکوٰۃ امیر کے حوالے کرنے کی لذت کو سوچے اور مقابلہ کے دن مدح کی شیرینی کا تصور کرے۔ اسی طرح روزہ کا مقابلہ کرنے والا ایسی کوتاہی سے بچنے کی کوشش کرے جس کی تلافی نہ ہو سکے گی اور اس عیب سے ڈرے جس کا بدنما کرنا ہمیشہ باقی رہ جائے گا۔ یہ دیکھو "جنتیوں" جو خدا تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں ان کو خواہشات کی پیروی نے عیب دار کر دیا تھا پھر عافیت ملی تو کافی مدت کے بعد نجات پائے۔ لہٰذا نصیحت حاصل کرو اور خواہشات سے صبر کر لو زندگی کے ایام تو بہت تھوڑے ہیں۔

فقراء مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ لہٰذا کوشش کرو اور جلدی قدم بڑھاؤ کیونکہ علامت ظاہر ہو چکی ہے۔ خصوصاً اس شخص کے سامنے جس نے زندگی کو دیکھ لیا ہو اپنے اس علم کے ذریعے جو راستہ بتانے والا ہے یا اس بڑھاپے کے ذریعے جو کوچ کی علامت ہے اور یہی وہ منزل ہے جس کی آرزو کرتے ہیں کوشش کرنے والے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ روح نکلنے کے وقت میں تلاوت کر رہے تھے ان سے پوچھا گیا کہ اس وقت میں بھی؟ تو فرمایا میرا اعمال نامہ لپیٹا جا رہا ہے تو جلدی جلدی اس میں اضافہ کر رہا ہوں۔ اب؟ خوشی ہو ان لوگوں کو جو خدا تعالیٰ کا "مراد" ہوتا جائے تو توفیق سے نوازا جاتا ہے اور جو "مطلوب" ہوتا ہے اس کی مدد ہوتی ہے اور جب وہ تمہارے لیے خیر کا ارادہ کریں گے تو پھر تم کو اس کے لیے تیار بھی کر دیں گے۔

مقابلہ کا میدان اور رتبوں کا فرق

مجلس.....میں نے ایک عجیب نکتہ پر غور کیا۔ وہ یہ کہ وہ اہل جنت جو نچلے درجے میں ہوں گے اپنے سے اوپر والوں کے مقابلہ میں بہت پستی میں ہوں گے اور وہ اوپر والوں

کا فضل بھی پہنچا تے ہوں گے۔ تو اگر نیچے والوں نے ان فضیلتوں کو سوچا جوان سے چھوٹ گئی ہیں تو ان کو بہت حسرت ہوتی ہوگی۔

مگر ایسا ہوگا نہیں کیونکہ جنت میں ایسی لذتیں اور نئی خوشگوار نعمتیں ہونگی کہ اس کی تکلیف نہیں پہنچے گی اور جنت میں غم نہیں پھٹکے گا بلکہ ہر شخص ان نعمتوں پر جو اس کو ملیں گی دو وجہ سے خوش رہے گا۔ ایک یہ کہ اس کو اس بات کا گمان ہی نہیں ہوگا کہ کوئی دوسرا اس سے بڑی نعمتوں میں ہے۔ اگرچہ اس کا درجہ اونچا ہو (مطلب یہ کہ درجات کا فرق تو ظاہر ہوگا لیکن نعمتوں کے فرق کی طرف خیال نہیں جائے گا۔ ۱۲)

دوسری وجہ یہ ہے کہ وہی نعمتیں اس کو محبوب کردی جائیں گی۔ جیسا کہ بدصورت اور بدخلقت بیٹا محبوب بنادیا جاتا ہے تو آدمی اس کو خوبصورت اجنبی پر ترجیح دینے لگتا ہے۔

لیکن اس کے تحت ایک لطیف حقیقت ہے وہ یہ کہ ہمتیں دنیا میں فضیلتوں کے حصول سے قاصر بنائی گئی ہیں پھر اس قصور کے مختلف درجات ہیں۔ چنانچہ کچھ ایسے ہیں جو قرآن پاک کا بعض حصہ یاد کر کے چھوڑ دیتے ہیں اس کی تکمیل کا شوق نہیں رکھتے ہیں، کچھ ایسے ہیں جو حدیث کے کچھ حصے سن کر چھوڑ دیتے ہیں، کچھ فقہ کا تھوڑا سا حصہ حاصل کیے ہوئے ہیں، کچھ وہ ہیں جو ہر چیز میں تھوڑے تھوڑے پر راضی ہیں، کچھ صرف فرائض پر اکتفا کیے ہوئے ہیں اور کچھ رات میں صرف دو رکعت پر قناعت کیے بیٹھے ہیں حالانکہ اگر ان کی ہمتیں بلند ہوتیں تو ہر فضیلت کے حصول کی کوشش کرتیں، کمی اور کوتاہی سے نفرت کرتیں اور بدن کو تھکا ڈالتیں۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

ولکل جسم فی النحول بلیة وبلاء جسمی من تفاوت ھمتی

"تمام لوگوں کے جسم میں کوئی نہ کوئی مصیبت ہوتی ہے اور میرے جسم کی مصیبت میری ہمت کی بلندی ہے۔"

اور ہمتوں کے فرق پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ بہت سے لوگ قصہ کہانی کے لیے تو راتوں کو جاگ لیتے ہیں لیکن تھوڑی دیر جاگ کر قرآن پاک سننا ان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔

لہٰذا حشر کے میدان میں جب انسان اٹھایا جائے گا تو ساتھ میں اس کی ہمت بھی

موجود ہوگی پھر جب اسے دنیا میں محنت کے بقدر دیا جائے گا تو جیسے اس کی ہمت نے دنیا میں کمال کا شوق نہیں کیا اور کمی پر راضی رہ گئی اسی طرح آخرت میں بھی کم درجہ پر راضی رہ جائے گی۔ پھر یہ بھی ہے کہ لوگ اپنی عقل سے سوچتے ہیں اور جانتے ہیں کہ بدلہ عمل کے بقدر ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص دو رکعت نماز پڑھتا ہے وہ ایک ہزار رکعت پڑھنے والے کے ثواب کی امید نہیں رکھتا ہے۔ اس پر اگر کوئی کہے کہ یہ قصور کیسے ہو سکتا ہے کہ آدمی اپنے سے اوپر والے کا مرتبہ چاہے (یعنی مرتبہ کی خواہش کرنے میں کیا رکاوٹ ہے؟) میں کہتا ہوں کہ اگر اپنے سے اوپر والے کا مرتبہ پانے کا تصور نہ ہو سکے تو اس کے فوت ہونے پر غم ضرور ہوگا لیکن یہ بتاؤ کیا تم نے کوئی ایسا عالم دیکھا ہے جس کو علم کے فوت ہونے پر ایسا غم ہوا ہو جو قلق میں مبتلا کر دے ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ضرور وہ علم کے حصول میں لگ جاتا۔

حاصل یہ کہ ان کے پاس ایسی ہمت نہیں ہوتی ہے جس کی وجہ سے انہیں افسوس ہو بلکہ وہ اپنی نعمتوں پر راضی رہیں گے۔ پس جو کچھ میں نے بیان کیا اس کو سمجھو اور جلدی کرو کیونکہ یہ مقابلہ کا میدان ہے۔

یہود و نصاریٰ کو باقی رکھنے میں راز

مجلس.... ایک مرتبہ میں نے یہود و نصاریٰ کے ہمارے درمیان باقی رہنے اور ان سے جزیہ وصول کرنے کی حکمت پر غور کیا تو اس میں عجیب حکمتیں نظر آئیں۔

ایک تو وہی حکمت ہے جو بیان کی جاتی ہے کہ اسلام پہلے ضعیف تھا تو ان کے جزیہ سے تقویت حاصل ہوتی ہے اور ایک یہ بھی ہے کہ اس میں ان کی ذلت سے اسلام کی عزت ہے۔

مگر میرے دل میں ایک عجیب نکتہ آیا وہ یہ کہ ان کا وجود ان کی عبادت اور اپنے انبیاء علیہم السلام کی شریعت کی حفاظت یہ سب چیزیں اس پر دلیل ہیں کہ پہلے بھی بہت سے انبیاء علیہم السلام اور شریعتیں رہ چکی ہیں اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نئے اور پہلے نبی نہیں تھے۔ جیسا کہ جب جنات اکٹھے ہوئے جو خدا تعالیٰ کو مانتے اور پچھلے رسولوں کا اقرار کرتے تھے تو معلوم ہو گیا کہ ہم نے کوئی ایسا دین نہیں ایجاد کیا جو پہلے نہیں تھا۔

پھر یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بد عمل پر ثابت قدم ہیں اور جزیہ دینا برداشت کر رہے ہیں تو

پھر تم حق پر ثابت قدم کیوں نہ رہیں جبکہ حکومت ہماری ہے؟

اور سنت کے باقی رہنے سے اس دین کا احترام بھی ہے جو پہلے صحیح رہ چکا ہے۔ لہٰذا اصحاب بصیرت اس پر غور کریں اور اصحاب فکر اس کو سوچیں۔

جامعیت اور کمال پیدا کرو

مجلس... علم کا شرف اور اس کی فضیلت دلائل سے ثابت ہو چکی ہے۔ لیکن طلبہ علوم مختلف جہتوں میں تقسیم ہو گئے یعنی ہر ایک کے نفس نے اس کو کسی خاص علم یا فن کی طرف مائل کر دیا۔

چنانچہ بعض نے اپنی عمر فن قراءت میں گزار دی حالانکہ یہ علم کے متعلق کوتاہی کی بات ہے کیونکہ اس کو مشہور قراءت پر اعتماد کرنا چاہیے نہ کہ شاذ قراءت پر۔ ایک قاری کے لیے یہ بات کتنی بری ہے کہ اس سے فقہ کا کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ نہ جانے حالانکہ اس کو فقہ حاصل کرنے سے صرف اسی بات نے روکا ہے کہ وہ فن قراءت میں صرف کثرت طرق میں مشغول رہا۔

اسی طرح بعض صرف فن نحو اور اس کی توجیہات میں مشغول رہ جاتے ہیں۔ بعض صرف لغت میں اور بعض حدیث لکھتے ہیں اور اسی میں زیادتی کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن لکھی ہوئی حدیث کا مطلب سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔ چنانچہ خود ہم نے اپنے محدث اساتذہ میں بعض کو دیکھا کہ جب ان سے نماز کا کوئی مسئلہ پوچھ لیا جاتا تو نہیں سمجھ پاتے تھے کہ کیا کہیں؟ یہی قراء کا حال ہے اور ایسے ہی اہل لغت اور اہل نحو بھی ہیں۔

مجھ سے عبدالرحمن بن محمد القزاز نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم سے ابن المعصوری نے بیان کیا کہ ہم اپنے والد کے ساتھ محمد بن خشاب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ محمد بن خشاب نحو اور لغت میں امام تھے۔ حاضرین نے فقہ کے مسائل میں گفتگو شروع کی تو انہوں نے فرمایا "تم لوگ مجھ سے جو چاہو پوچھو" اس پر ایک شخص نے پوچھا کہ اگر ہم سے سوال کیا جائے کہ نماز میں تکبیر کے وقت ہاتھوں کا اٹھانا کیا ہے؟ تو ہم کیا جواب دیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ رکن ہے یہ سن کر سارے لوگ ان کی حماقت پر حیرت زدہ ہو گئے۔

اس لیے سمجھدار طالب علم کو چاہیے کہ ہر علم سے کچھ کچھ حاصل کرے پھر فقہ میں اہتمام

سے لگ جائے پھر ہمارے علوم کے مقصود پر بھی نظر ڈالے اور وہ ہے اللہ سے صحیح تعلق اس کی معرفت اور اس کی محبت۔ وہ کتنا بے وقوف ہے جو ساری زندگی علم نجوم میں گنوا دے جبکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ اس فن کے تھوڑے سے حصے کو حاصل کرتا یعنی منازل وغیرہ پہچان لیتا تاکہ اس کے ذریعے اوقات کا علم حاصل ہو جاتا۔ رہا یہ سوچ کر اس میں لگنا کہ اس سے خدا تعالیٰ کا فیصلہ اور تقدیر کا حال معلوم ہو جائے گا تو یہ محض جہالت ہے کیونکہ خدا کے فیصلہ اور تقدیر کا حال صحیح طور سے معلوم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ اس کا تجربہ کیا جا چکا ہے اور مدعی کی جہالت ظاہر ہو چکی ہے۔ ہاں کسی وقت میں صحیح بات معلوم بھی ہو جاتی ہے لیکن کسی حادثہ کا پہلے سے علم ہو جانے میں سوائے اس کے کہ ابھی سے غم شروع ہو جائے اور کیا فائدہ ہے؟ اگر کوئی کہے کہ اس حادثہ کو دفع کرنے کی تدبیر کی جائے گی تو ظاہر ہے کہ جب وہی مقدر ہے تو پھر اس کے متعلق کسی تدبیر کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

ایسے ہی ان لوگوں سے بڑھ کر وہ شخص بے وقوف ہے جو "کیمیا" کے فن میں مشغول ہوتا ہے کیونکہ یہ صرف نقصان ہے۔ کھلی بات یہ ہے کہ جب سونا تانبا نہیں ہو سکتا ہے تو تانبا بھی سونے سے کیسے بدل سکتا ہے؟ اس کے باوجود یہ کام کرنے والا اگر کسی وجہ میں کامیاب بھی ہو گیا تو یہ پیسوں کے جمع کرنے میں لوگوں کو دھوکہ دینے والا ہے۔

اور علم کے طالب کے لیے ضروری ہے کہ اپنی نیت درست کرے کیونکہ اخلاص کے نہ ہونے سے اعمال میں قبولیت کی شان نہیں پیدا ہو پاتی اور علماء کی مجالس میں شرکت کرے مختلف اقوال میں غور کرتا رہے کتابیں حاصل کرنے کی کوشش کرے کیونکہ کوئی کتاب فائدہ سے خالی نہیں ہوتی اور زیادہ توجہ مضامین یاد کرنے میں رکھے۔ لہٰذا جب حفظ سے تھک جائے تبھی مطالعہ میں مشغول ہو۔

بادشاہوں کی ہم نشینی سے پرہیز کرے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب و تابعین کے طریقہ کو پیش نظر رکھے اور نفس کے مجاہدہ اور علم پر عمل کی پوری کوشش کرے اور یہ حقیقت ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے منتخب کر لیا ہے اس کو ان چیزوں کی توفیق بھی دے دیتے ہیں۔

عقل کا پردہ

مجلس…مجھ کو ایسے لوگوں پر بہت تعجب ہوتا ہے جن کے اندر ذلت سے نفرت اور حد سے زیادہ کبر موجود ہو۔ خاص طور پر وہ اہل عرب جو ایک جملے سے ناراض ہو کر جنگ چھیڑ دیتے تھے خواہ انہیں شکست اور ذلت ہی برداشت کرنی پڑ جائے۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض لوگوں نے اسلام کا زمانہ پایا تو کہنے لگے "ہم رکوع اور سجدہ کیسے کریں کیونکہ پھر ہمارے سرین ہم سے اوپر اٹھ جائیں گے" تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا خیر فی دین لیس فیہ رکوع ولا سجود" اس دین میں کوئی بھلائی نہیں ہے جس میں رکوع سجدہ نہ ہو لیکن یہ لوگ اپنے اس تکبر کے باوجود ایسے معبودوں کے سامنے جھکتے تھے جن سے بہتر خود تھے۔ چنانچہ کسی کو دیکھو کہ پتھر کو پوجتا ہے اور کوئی لکڑی کو پوج رہا ہے بلکہ بہت سے لوگ تو گھوڑوں اور گائیں کی عبادت کرتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ ابلیس سے بھی بدتر ہیں کیونکہ ابلیس نے دعویٰ کمال کی وجہ سے اپنے سے کمتر کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا "انا خیر منہ" میں آدم علیہ السلام سے بہتر ہوں اور فرعون کو کسی بھی چیز کی عبادت کرنے سے عار آئی۔ اس لیے ایسے لوگوں پر بہت تعجب ہوتا ہے کہ جو کہنے کو متکبر اور اکڑ والے ہیں لیکن پتھر اور لکڑی کے سامنے جھکتے اور ذلیل ہوتے ہیں۔ حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ کم از کم یہ لوگ اہل کمال کے سامنے جھکیں، اور اسی کی طرف اس آیت میں بتوں کی مذمت کرتے ہوئے اشارہ کیا گیا ہے۔

"الھم ارجل یمشون بھا ام لھم اید یبطشون بھا ام لھم اعین یبصرون بھا"

(کیا ان کے پاس پیر ہیں۔ جن سے وہ چل سکیں یا ہاتھ ہیں جن سے پکڑ سکیں یا آنکھیں ہیں جن سے دیکھ سکیں)

مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس تو ادراک کرنے والے ایسے آلات اور اعضاء ہیں ان کے پاس ان میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ لہذا کامل کیسے اپنے سے ناقص کے آگے جھک جاتا ہے؟ مگر اصل سبب یہ ہے کہ اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر چلنے کی خواہش اور اپنی

طرف سے گھڑے ہوئے مذہب کی شیرینی نے ان کی عقلوں پر پردہ ڈال دیا ہے اس لیے وہ حقیقت کو نہیں سوچ سکے۔ پھر ان پر حسد کا غلبہ ہو گیا جس کی وجہ سے حق کو پہچان لینے کے باوجود بھی اس کو اختیار نہیں کیا۔ چنانچہ امیہ بن صلت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو سچ سمجھتا تھا اور ارادہ کر رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے لیکن پھر واپس ہو گیا اور کہنے لگا ''میں اس رسول پر ایمان نہیں لاؤں گا جو قبیلہ ثقیف کا نہ ہو'' اور ابوجہل کہا کرتا تھا کہ ''خدا کی قسم محمد نے کبھی جھوٹ نہیں کہا لیکن کعبہ کی خدمت اور دربانی تو بنو ہاشم میں تھی ہی اب نبوت بھی اسی میں ہو گی تو ہمارے لیے کیا بچے گا؟'' اور ابوطالب معجزات کو دیکھ کر کہا کرتے تھے ''مجھ کو یقین ہے کہ تم حق پر ہو لیکن اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ قریش کی عورتیں مجھ کو عار دلائیں گی تو میں تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا'' (یعنی ایمان قبول کر لیتا)

ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں حسد کی ظلمت سے، کبر کی غفلت سے اور ایسی خواہش کی حماقت سے جو عقل کے نور پر پردہ ڈال دیتی ہے اور ہم دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم کو ہدایت اور حق کے تقاضوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

بندگی کی حقیقت

مجلس.... ہم نے صلحاء کی ایک جماعت کے بارے میں سنا کہ انہوں نے اللہ رب العزت سے سلامتی محبت اور لطف کا معاملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا اس لیے کہ ان کی طبیعت کسی دوسرے برتاؤ کی متحمل نہیں تھی۔

چنانچہ پہلی اُمتوں میں ایک عبادت گزار ''برخ'' نامی تھے بارش کی دعا کے لیے نکلے تو مناجات کرتے ہوئے کہا یہ کیسا معاملہ ہے جس کی ہم آپ سے امید نہیں رکھتے تھے؟ ابھی ہم کو سیراب کیجئے؟ یہ کہتے ہی بارش ہو گئی اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت انس بن نضیرؓ تھے انہوں نے کہہ دیا کہ ''خدا کی قسم! ربیع کا دانت نہیں توڑا جائے گا'' تو ایسا ہی ہوا بھی (کہ ربیع کا دانت نہیں توڑا گیا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ فرما چکے تھے) اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''انّ من عباد اللّٰه لو اقسم علی اللّٰه لا برہ'' اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر اللہ پر قسم کھا جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری فرما دیتا ہے۔

دراصل یہ وہ حضرات ہیں جن پر خدا تعالیٰ کے لطف و مہربانی کے تصور کا غلبہ ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ لطف کا معاملہ فرمایا اور ان کے اعتقاد کے مطابق فیصلہ فرمایا۔

لیکن ایسے موقع پر ان سے بھی بلند مرتبہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو مانگتے ہیں تو محروم کر دیئے جاتے ہیں اس کے باوجود وہ اس محرومی پر خوش رہتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو ناز نہیں ہوتا بلکہ خوف ان کو لگام دیئے رہتا ہے اور احتیاط ان کے سروں کو جھکائے رکھتی ہے اور یہ لوگ اپنی زبانوں کو ناز اور مستی کے لائق بھی نہیں سمجھتے ہیں بلکہ ان کی انتہائی آرزو معافی اور درگزر کی ہوتی ہے۔

اور اگر کبھی ان میں کا کوئی کسی چیز کے سوا میں ناز کا معاملہ کر بیٹھا پھر قبولیت کا اثر نہیں دیکھا تو اپنے ہی کو زجر و توبیخ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "تیرے جیسے شخص کی دُعا قبول نہیں کی جاسکتی" اور کبھی کہتا ہے کہ یقیناً مصلحت محرومی میں ہی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ خدا کے مرد ہیں کیونکہ وہ بڑا بیوقوف ہے جو اپنے کو اس بات کا اہل سمجھے کہ اس کی دعا سن ہی لی جائے گی اور اگر نہ سنی گئی تو باطن میں کمی محسوس کرے۔ گویا وہ اپنے عمل کی اجرت مانگ رہا ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنی عبادت سے نفع پہنچایا ہو۔ سچا بندہ تو وہی ہے جو اپنے خالق کے فیصلہ پر راضی رہے۔ اگر سوال کرے اور سوال سن لیا جائے تو اس کو فضل سمجھے اور اگر نہ سنا جائے تو اس کو مالک کا تصرف سمجھے اور اس کے دل میں کسی طرح کا بھی اعراض و بے رُخی راہ نہ پائے۔

علم نافع کی حقیقت

مجلس..... میں نے اہل علم کی ایک جماعت کو دیکھا کہ اللہ کی نافرمانی کرتی ہے اور سمجھتی یہ ہے کہ علم ان کی طرف سے دفاع کرے گا حالانکہ وہ یہ نہیں جانتے کہ علم ہی ان کا فریق و مدعی بنے گا اور یہ کہ عالم کے ایک گناہ کی مغفرت سے پہلے پہلے جاہل[1] کے ستر گناہ

---

[1] جاہل سے مراد یہ ہے کہ اس گناہ کے گناہ ہونے سے کسی عذر معقول کی وجہ سے جاہل رہ گیا ہو یہ نہیں کہ جس نے درس نظامی سے فراغت حاصل کرلی تو یہ عالم ہے بقیہ سب جاہل اور پکڑ میں سختی صرف ان ہی بیچاروں سے ہوگی جنہوں نے درس نظامی پڑھ لیا باقی سب جاہل ہیں آزاد ہیں بلکہ مطلب یہ ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

معاف کر دیئے جائیں گے۔ اس لیے کہ جاہل نے اللہ تعالیٰ سے کوئی تعرض نہیں کیا جب کہ عالم (جو اس فعل کا گناہ ہونا جانتا تھا) نے اللہ کے حکم کا لحاظ نہیں کیا۔

بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے پایا کہ "میں نے تو اپنی درانتی دو کٹائی کے درمیان ڈال دی اور سو گیا۔" یہ کہہ کر ناجائز کاموں میں مبتلا ہو گئے۔ تو میں نے سوچا کہ "علم جو نام ہے حقائق کی معرفت بزرگان دین کی سیرت کے مطالعہ، حضرات صوفیہ کے طریقہ کو اپنانے (یعنی آداب شریعت سے آراستہ ہونے) اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور آپ کے احکام کے پہچاننے کا" وہ ان لوگوں کو حاصل نہیں ہے بلکہ ان کے پاس الفاظ کی صورتیں ہیں جن سے یہ حلال حرام پہچان لیتے ہیں حالانکہ علم نافع اتنے ہی کا نام نہیں ہے۔

حقیقی نافع علم تو اصول دین کی فہم، معبود حقیقی کی اور اس کے حقوق کی معرفت وعظمت، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی سیرتوں کا مطالعہ، ان حضرات کے آداب سے آراستگی اور جو کچھ ان کے متعلق منقول ہے اس کو سمجھنا یہی ہے وہ علم نافع . اکو اپنے نزدیک اس قدر حقیر کر دیتا ہے کہ وہ اپنے کو جاہلوں سے بھی بدتر خیال کرنے لگتے ہیں۔

میں نے ایک صوفی کو دیکھا جنہوں نے ایک مدت تک عبادت کی تھی، پھر سست پڑ گئے، ان کے متعلق مجھ کو یہ خبر پہنچی کہ انہوں نے کہا "میں نے تو اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کی ہے جیسی کسی نے نہ کی ہوگی لیکن اب میں ضعیف ہو گیا ہوں" تو میں نے کہا کہ مجھ کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ کلمہ ہی ان کی سب عبادتوں کے ضائع ہونے کا سبب نہ بن جائے کیونکہ ان کی نگاہ اس پر ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حق میں "کچھ" کیا ہے پھر طلب درجات کے ذریعے نجات کا سوال کرنے لگے تو اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے عمل اپنے ہی لیے کیا تھا لہٰذا ان کی مثال اس شخص کی طرح سے ہوگی جو کھڑا ہو کر سوال کرتا ہے حالانکہ ایسے شخص کو اپنے دینے والے پر احسان جتلانے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔

دراصل اس ناز کا سبب حقائق سے ناواقفیت ہے ورنہ ان اصحاب نسبت بڑے علماء کے مقابلہ میں اس شخص کی کیا حیثیت ہے، جن میں حضرت حلہ بن اشیم رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کہ ایک شخص گناہ کا گناہ ہونا اور اس پر وارد وعیدوں کو جانتا ہے تو وہ اس کا عالم ہے اور جو کسی عذر کی بناء پر نہیں جان سکا وہ اس کا جاہل ہے۔ جاہل اور عالم کا معیار یہ ہے۔ ۱۲ احمزہ

ہیں جن کی ہیبت سے درندے جانور بھی ڈر کر بھاگتے تھے حالانکہ اخیر رات میں تہجد کے وقت وہ کہا کرتے تھے "اے میرے رب مجھ کو جہنم سے پناہ میں رکھئے کیا بھلا میرے جیسا آدمی جنت کی طلب کر سکتا ہے؟"

اور اس سے زیادہ بلیغ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ہے: "میں چاہتا ہوں کہ برابر سرابر چھوٹ جاؤں نہ کچھ ملے نہ کچھ چھنے" اور وفات کے وقت حماد بن مسلمہ سے حضرت سفیان کا یہ جملہ بھی کہ "کیا تم یہ اُمید رکھتے ہو کہ میرے جیسا گناہ گار جہنم سے چھٹکارا پا جائے گا؟" اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلمہ کہ "ابھی نہیں"

لہٰذا! میں اللہ رب العزت کی اس بات پر حمد کرتا ہوں کہ میں علم کی علامت لگاتے والے علماء کی جہالت سے جن کی میں نے مذمت کی ہے اور زہد کی صورت اختیار کرنے والوں کی نادانی سے جن پر میں نے نکتہ چینی کی ہے چھٹکارا پا گیا ہوں کیونکہ مجھ کو خالق کی وہ عظمت معلوم ہے اور محققین کے ایسے حالات معلوم ہیں جو زبان ناز کو گنگ اور اپنے افعال پر نظر کو بند کر دیتے ہیں۔

بھلا میں کیونکر اپنے پسندیدہ فعل پر نظر ڈالوں جبکہ اس نے مجھ کو اس کام کی توفیق دی اور ایسے علم پر مطلع کیا جو دوسروں سے مخفی رہا تو کیا وہ علم مجھ کو خود سے حاصل ہو گیا یا اس کے لطف سے؟ اور میں کیسے اس پر شکر ادا کر سکتا ہوں کہ اس نے مجھ کو خود شکر کی توفیق عطا فرمائی۔

پھر اس پر غور کرو کہ کون ایسا عالم ہے جو گزشتہ علماء کے علوم کی وسعت اور گہرائی کا اندازہ لگائے پھر اس کے سامنے اپنے کو حقیر نہ تصور کرے جبکہ یہ گفتگو علوم ظاہری کے متعلق ہے علوم باطنی کی بات ہی چھوڑو۔ اسی طرح کون سا عبادت گزار ایسا ہے جو گزشتہ عبادت گزاروں کا حال سن کر ان کی ظاہری عبادات میں ہی مقابلہ کر سکتا ہو باطنی حالات کا ذکر ہی چھوڑو۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہم کو ایسی معرفت نصیب فرمائے جس سے ہم اپنی حیثیت پہچان لیں تا کہ اپنے علوم و عبادات کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے عجب و ناز کا ہمارے دلوں میں کوئی اثر نہ رہ جائے اور جو اللہ تعالیٰ کی عظمت کی ایسی معرفت کا ذریعہ بن جائے جو زبانوں کو ناز کے بول بولنے سے گونگا کر دے۔

ہم کو اس کے فضل سے اُمید ہے کہ ایسی توفیق عطا فرمائے گا جس کے ذریعے ہم اپنے

اعمال کی ان آفتوں اور خرابیوں کو دیکھیں گے جن کے نہ دیکھنے کی وجہ سے کبر و ناز میں پڑ جاتے ہیں تاکہ اعمال کے عیب کو دیکھنے سے اپنے اعمال پر شرمندگی ہو (نہ کہ ناز و عجب ہو) بلاشبہ وہ قریب ہے جو دعا کی احتیاج رکھتا ہے۔

آخرت کی لذتیں بہتر اور دائمی ہیں

مجلس....زندگی کا عیش مکدر ہو جانے کا اصل سبب وقتی لذتوں سے محرومی ہے اور دنیا میں سوائے اس عارف کے جس کو رب کی خوشنودی اور آخرت کے سفر کی فکر مشغول کیے رکھتی ہے کسی کو بھی ہمیشہ کا عیش نہیں میسر آسکتا ہے جبکہ عارف کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ اگر اسے دنیا میں کوئی راحت ملی تو اس کو بھی طلب آخرت کے کام میں لاتا ہے اور اگر تنگی یا سختی پہنچی تو بھی آخرت کے ثواب کے لیے اس پر صبر کر لیتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے متعلق ہر فیصلے پر خوش رہتا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تصور کرتے ہوئے اس کا یقین رکھتا ہے کہ اللہ کی مرضی اس وقت بھی ہے جیسا کہ ایسے ہی عارفوں میں سے کسی نے کہا ہے:

ان کان رضاکم فی سہری   فسلام اللہ علی وسنی

"اگر آپ کی خوشی اس میں ہے کہ میں جاگوں تو پھر اپنی نیند کو سلام"

رہا وہ شخص جو دنیا میں لذت کا طالب ہو وہ ہمیشہ اپنی مراد کے فوت ہونے کے وقت رنجیدہ اور خواہشات سے محرومی کی وجہ سے منغض رہتا ہے محتاج ہو گیا تو دل کی حالت بدل گئی اور اگر تنگی ہو گیا تب دل بدل گیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا دل اپنی خواہشات اور اغراض میں الجھا ہوا ہے۔

حصری نے کتنا اچھا جملہ کہا "مجھ پر کون سی نعمتیں میری وجہ سے ہیں؟ اور کون سا کمال میرا اپنا ہے؟" دیکھو! یہ ایک عارف کا کلام ہے کیونکہ انسان اگر اپنے علم پر نظر رکھتا ہے تو اس کی حقیقت ایک غلام کی سی ہے جس میں اس کے مالک کا تصرف نافذ ہے۔ لہٰذا اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے پھر انسان کا یہ چاہنا کہ میری مرضی کے مطابق معاملہ ہو یہ تو مالک اور اس کے مملوک کے درمیان دخل اندازی ہے اور اگر یہ سمجھتا ہے کہ میں اپنا مالک ہوں تو وہ تو اپنے ہاتھ سے اسی دن نکل چکا ہے جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا "ان اللّٰہ اشتری" (بلاشبہ اللہ نے مومنین کو خرید لیا ہے)

بھلا کیا خریدار کو بکری ذبح کرتے دیکھ کر بیچنے والا ناراض ہوتا ہے۔ یا اس کے دل میں کوئی اعتراض آتا ہے؟ خدا کی قسم! اگر مالک سبحانہ وتعالیٰ کہہ دیتے کہ "میں نے تم لوگوں کو اس لیے پیدا کیا تاکہ اپنے وجود پر استدلال کروں پھر تم سب کو قتل کر دوں گا دوبارہ زندہ نہیں کیا جانا ہے" تو یقینا اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والے حضرات بول اٹھتے کہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہم نے سنا اور مان لیا۔ بتاؤ ہمارے اندر کون سی چیز ہماری اپنی ہے کہ ہم بولنے کی مجال بھی کریں؟ پھر یہ جواب اس وقت کیوں نہ دیں جبکہ ہم سے بڑے انعام کا اور ہمیشہ کی نہ ختم ہونے والی نعمت کا وعدہ بھی کیا گیا ہے۔

سمجھو کہ خدا تعالیٰ تک پہنچنے میں مشقتوں پر صبر کی ضرورت پڑتی ہے لیکن جب حرم نظر آجاتا ہے اس وقت راستہ کے تعب اور تکان کا کوئی اثر نہیں رہ جاتا۔ لہٰذا اے راہ خدا کے مبتدی! صبر سے کام لے منزل سامنے ہے اور خوش ہو جا اے متوسط! خیمے لگائے جا رہے ہیں اور مستی سے اتراؤ اے عارفو! تم تو بشارتوں سے نوازے جا رہے ہو دور ہو گئے خدا کی قسم! تم سے اعمال کے بوجھ کیونکہ مجاہدہ کے تلخ گھونٹ کے بعد تم کو خدا کی معرفت کی حلاوت نصیب ہو گئی ہے جس کی وجہ سے منہ میں تلخی کا اثر نہیں رہ گیا ہے۔

تصور کرو جلدی ملنے والی مناجات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لذت کا اور خوشنودی کے پیالوں کے پانے کا کیونکہ دنیا کا سورج ڈوبنے لگا ہے۔

ما بيننا له الا انتصر   ما هذه السبع البواقي
حتى يطول حديثنا   بصنوف ما كنا نلاقي

"ہمارے اور اس کے درمیان انہیں سات دنوں کا فاصلہ ہے پھر ہماری گفتگو دراز ہوگی ہمارے طرح طرح کے اعمال سے متعلق۔"

محرومی کی حکمت

مجلس۔۔۔ ایک آدمی نے شیبان چرواہے کی اس بات کو سوچا جو اس نے حضرت سفیان سے کہی تھی کہ "اے سفیان اللہ کے نہ دینے کو بھی عطا سمجھو کیونکہ اس نے کسی بخل کی

وجہ سے تم کو محروم نہیں کیا ہے بلکہ لطف و مہربانی ہی کی وجہ سے تمہیں نہیں دیا" تو میں نے محسوس کیا
کہ یہ ایسے شخص کا کلام ہے جس نے حقائق کو پہچانا ہے کیونکہ انسان کبھی نہایت خوبرو عورتوں
کو حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن قدرت نہیں پاتا اور اس کی یہ عاجزی ہی اس کے حق میں بہتر
ہوتی ہے اس لیے کہ اگر قدرت پا لیتا (اور نکاح کر لیتا) تو ان کی حفاظت کی فکر میں یا ان
کے (زائد مطالبے کے لیے) کمانے کی فکر میں دل کا اطمینان رخصت ہو جاتا اور اگر ان سے
عشق ہو جاتا تو اسی میں عمر ضائع ہو جاتی اور آخرت کا خیال ان کے تصور سے بدل جاتا اور
اگر کہیں وہ عورتیں اس کو ناپسند کر دیتیں تب تو ہلاکت ہی لکھی تھی۔ اسی طرح اگر اتنا خرچ
مانگنے لگتیں جس کی وسعت نہ ہو تو اس کی وجہ سے مروت اور آبرو خطرہ میں پڑ سکتی ہے۔ یا
انھوں نے ہمبستری کی خواہش کی اور یہ پورا نہ کر سکا تو یا تو اس کو برباد کر دیں گی یا خود دشمن
جان ہو جائیں گی اور اگر اتفاقاً خود مر گئیں تو افسوس میں یہ بھی ہلاک ہو جائے گا۔ لہٰذا جو شخص
بہت حسین عورت ڈھونڈتا ہے وہ نادانی میں اپنے ذبح کے لیے چھری ڈھونڈ رہا ہے۔

اسی طرح بقدر کفایت روزی بھی خدا کی نعمت ہے۔ صحیحین کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللّٰھم اجعل رزق آل محمد قوتاً" (اے اللہ! محمد کی اولاد کا رزق بقدر
کفایت ہی رکھیے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب زیادہ ہو گا تو فکر میں اضافہ کا سبب ہو گا۔)

پس عقلمند وہی ہے جس نے جانا کہ یہ دنیا عیش و آرام کے لیے نہیں بنائی گئی ہے پھر
زندگی کے گزارنے کے لیے ہر طرح کے حال پر قناعت کریں۔

عمل کی کوتاہی میں تقدیر کا بہانہ

مجلس.... کچھ لوگوں کو میں نے دیکھا کہ تقدیر کا بہانہ بناتے ہیں۔ لہٰذا بعض کہنے
والے کہتے ہیں کہ "اگر مجھ کو توفیق دی جاتی تو میں ایسا کرتا" حالانکہ یہ فضول بہانہ اور حکم کو
ٹالنے کی کوشش ہے۔ بلکہ ایسا کہنے والا درحقیقت تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام شریعتوں کو
جھٹلا رہا ہے کیونکہ اگر کوئی کافر مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتا کہ "اگر خدا مجھ کو توفیق
دیتا تو میں اسلام ضرور لاتا" تو آپ اس کے سوا کیا جواب دیتے کہ اس کو قتل کروا دیتے۔

یہ تو وہی بات ہوئی جو خوارج نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہی تھی کہ "ہم لوگ

آپ کو کتاب اللہ کی طرف دعوت دے رہے ہیں" آپ نے فرمایا "کلمة حق ارید به الباطل" بات تو سچی ہے لیکن اس سے باطل کا ارادہ کیا گیا ہے اور زکوۃ سے انکار کرنے والوں نے بھی ایسا ہی جملہ کہا تھا۔ "انطعم من لو یشاء اللّٰہ اطعمہ" کیا ہم ان کو کھلائیں جن کو اللہ چاہتا تو خود ہی کھلاتا۔ خدا کی قسم توفیق ہی سب اعمال کی بنیاد ہے لیکن یہ مخفی چیز جبکہ کرنے کا حکم کھلا ہوا ہے تو خفی (پوشیدہ) کا ذکر کر کے جلی (کھلا ہوا) کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔

ویسے اس بہانہ کی تردید کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ اس کہنے والے سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جس چیز کا بھی مکلف بنایا ہے اس کے ذرائع تم کو دیے ہیں اور اس کی قدرت بھی عطا کی ہے۔ لہٰذا اگر قدرت نہ ہو اور ذرائع و آلات نہ حاصل ہوں تو نہ کوئی حکم ہے نہ تکلیف۔ ہاں اگر ذرائع و آلات ہوں اور تم ان سے اپنی خواہشات و اغراض کے حصول کی کوشش کرتے ہو پھر فرائض کی ادائیگی میں بھی ان کے ذریعے کوشش کرو۔

اس کی مثال یہ ہے کہ تم نفع کے حصول کے لیے سفر کرتے رہتے ہو لیکن جب حج کے لیے کہا جاتا ہے تو نہیں کرتے ہو رات میں (تہجد اور نماز فجر کے لیے) جاگنا تم پر گراں ہوتا ہے لیکن عید گاہ جانے کے دن سحری کے وقت اُٹھ جاتے ہو۔ کسی ضرورت کے لیے دوست کے ساتھ بات کرتے گھنٹوں کھڑے رہ جاتے ہو لیکن جب نماز میں کھڑے ہوتے ہو تو جلدی کرتے ہو۔ ذرا دیر کھڑا رہنا تم پر بار ہو جاتا ہے۔

لہٰذا! خبردار، خبردار کبھی ایسی بات نہ کہو جس کی دلیل نہ رکھتے ہو۔ پھر یہ دیکھو کہ تمہارا حصہ گھٹ رہا ہے اور تمہارا نفع ضائع ہو رہا ہے حالانکہ وہ تمہارے لیے ہی متحرک ہوا اور تمہارے ہی نفع کے لیے ابھرا۔ لہٰذا آگے بڑھو جلدی کرو کیونکہ دوسرا آگے بڑھ رہا ہے اور یہ چیز تمہاری سستی کو دور کرے گی (اگر تم غور کرو گے) کہ تم جدوجہد کرنے والوں کا وہ بدلہ سوچو جو تم سے فوت ہو گیا ہے۔ یقیناً کوتاہی کرنے والے کے لیے سب سے بڑی تنبیہ اسی میں ہے اگر اس کے اندر زندگی ہو اور اگر ہمت مردہ ہو چکی ہو تو پھر مردہ کو کسی بھی زخم کی تکلیف نہیں پہنچا کرتی ہے۔

تیرا کیا حال ہوگا جب تو قبر سے اُٹھے گا اور دیکھے گا کہ کچھ لوگوں کو نجات کے خالص پروانے ملے ہیں اور تو لغزش کھا گیا ہے اور نیکوکاروں کے قدم پل صراط پر تیزی سے چلے

ہیں اور تو لڑکھڑا گئے؟ افسوس اس بیداری کی لذت تو ختم ہو گئی اور حسرت ہی حسرت باقی رہ گئی ہے مسلسل سے تو روح کا پانی خشک ہو گیا ہے اور شرمندگی کی تری باقی رہ گئی ہے۔ ذرا سوچو تو کہ آخرت کی مقدار کے مقابلہ میں دنیا میں تمہیں کتنے دن رہنا ہے؟ پھر دنیا میں بھی تمہاری عمر کتنی ہے جس کا آدھا حصہ بھی سونے میں ہے اور باقی غفلت؟

لہٰذا اے حور جنت کو پیغام نکاح دینے والے! (جس کے پاس عزیمت کا ایک پیسہ بھی نہیں ہے) عبرتوں کی روشنی میں فکر کی نگاہ کھولو تاکہ تم اپنے خطاب کے مواقع دیکھ سکو۔ پھر اگر وطن سے کوئی رکاوٹ دیکھو تو صبر ان مددگار سے قریب کرو اور سحر کے وقت جاگو تاکہ منافع کا قافلہ دیکھ سکو اور استغفار کرنے والوں کی قطار میں شامل ہو جاؤ۔ اگرچہ چند قدم ہی کے لیے سہی اور جدوجہد کرنے والوں کے مقام میں داخل ہو اگرچہ چھوٹی سی منزل ہی میں سہی۔

حقیقت کے بجائے رسم

مجلس.... میں نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ دیکھا کہ "آج کل میں اسلامی نشانیوں میں سے صرف قبلہ کو پہچانتا ہوں" (باقی تمام اوصاف و علامات مٹ چکے ہیں) تو میں نے سوچا کہ ہائے تعجب! اگر وہ ہم کو اور ہمارے اس دور کو دیکھتے تو کیا کہتے جبکہ ہمارے پاس صرف شریعت کی رسوم رہ گئی ہیں۔

شریعت تو ایک راستہ ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال سے معلوم ہوگا یا قول سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے انحراف یا تو جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے یا اس کا لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے۔ لہٰذا آدمی کبھی طبیعت اور عادت کے مطابق عمل شروع کر دیتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شریعت کے خلاف کسی عمل کو اپنا طریقہ بنا لیتا ہے۔

اب دیکھو کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو اپنے کانوں سے سنا تھا اس لیے ان میں سے کوئی شخص بھی جادۂ نبوی سے منحرف نہیں ہوا لیکن ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طبیعتوں کے میلان کی وجہ سے ذرا سا تغیر محسوس کیا تو چیخ پڑے حالانکہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی درست طریقہ

کو جانتے ہوئے بھی طبیعت کے میلان کی وجہ سے ذرا سا مائل ہو جاتا ہے۔

پھر رفتہ رفتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی احادیث اور آثار کا مطالعہ اور ان پر عمل کم ہوتا گیا یہاں تک کہ ہمارے اس زمانے میں تو ان سے بالکل ہی بے رُخی برتی جانے لگی صرف چند ہی روایت لوگوں کے علم میں رہ گئیں اور شریعت کے برخلاف بہت سے طریقے بنا لیے گئے لوگوں کی عادتیں غالب آ گئیں اور یہی عادت اور خودساختہ طریقے شریعت کی پیروی کے مقابلہ میں زیادہ سہل ہو گئے۔

اور جب کہ اکثر اہل علم ہی حضرات نے علوم شریعت سے اعراض شروع کر دیا ہے تو پھر عوام کا کیا حال ہوگا[1]۔

پھر جب اکثر علماء نے منقولات یعنی قرآن وسنت سے رُخ موڑ لیا تو اس کے نتیجہ میں لامحالہ عقائد اور مسائل میں بدعت کے مرتکب ہو گئے۔ چنانچہ عقائد میں بحث کرنے والے علم کلام میں مشغول ہوئے تو اس کو فلاسفہ اور مناطقہ سے اخذ کیا جزئیات فقہ کی تحقیق کرنے والوں نے اس میں حصہ لیا تو جدل وجدال میں پھنس گئے اور اس حدیث کو نظر انداز کر دیا جس پر وہ حکم دائر تھا۔

پھر واعظوں نے دیکھا کہ شہرت کا سکہ نفاق سے چلتا ہے اس لیے کچھ لوگوں نے تصوف کا مکر شروع کر دیا حالانکہ ان کا مقصود دنیا تھی اور اکثر نے یہ دیکھا کہ لوگ گانوں کی طرف بہت مائل ہوتے ہیں اس لیے وعظ کی مجالس میں خوش الحان قاریوں کو بلانے لگے اور خود بھی غزل کے اشعار پڑھنا شروع کر دیا۔ حدیث اور سنت کا بیان چھوڑ دیا اور عوام کو سود سے زنا سے اور دوسرے فرائض وواجبات کے ترک سے منع کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

اسی طرح ان میں تقریر کرنے والا پوری مجلس لیلیٰ ومجنوں طور وموسیٰ ابوزید وحلاج کے تذکرہ میں اور بالکل فضول بکواس میں ختم کر دیتا ہے (دین ونصیحت کی بات ذرا بھی نہیں کرتا ہے)۔

---

[1] بریلوی مکتب فکر کے علماء حضرات اس پر خاص توجہ فرمائیں۔ اگرچہ نصیحت عام ہے اور سب کے لیے سرمہ بصیرت ہے لیکن محض بزرگوں کے ملفوظات اور اعمال ہی کو شریعت اور خودساختہ عبادات ہی کو مذہب بنا لینے والوں کے لیے خاص طور پر یہ مضمون بصیرت افروز اور چشم کشا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ شریعت ہوگا یا بعد کے بزرگان دین جن میں بہت سے مجذوب اور مغلوب الحال حضرات بھی ہوئے ہیں ان کو اسوۂ بنایا جائے گا۔ ۱۲ احمزہ

اور کچھ لوگ تصوف اور خلوت کے بہانے سے مخلوق سے کنارہ کش ہوئے تو بیابانوں کی عبادت اور لوگوں کے درمیان چلنے سے پرہیز کرنے لگے' خشوع کا مظاہرہ شروع کر دیا' مجاہدات اور قلت طعام پر ختم کیں اور شریعت اپنے نزدیک ابو یزید' شبلی اور دوسرے صوفیاء "رحمهم الله تعالى رحمة واسعة لانهم حفظوا جواهر الاعمال القلبية' فجزاهم الله تعالى جزاء حسنا ايضا ۲ ا حمزه)" کے ملفوظات و اقوال ہی کو بنا لیا۔ حالانکہ یہ بات متعین ہے کہ جو شخص شریعت کی گہرائی میں اترے گا وہ شریعت میں ان (اشغال و اعمال مخصوصہ)[۱] میں سے کوئی چیز بھی نہ پائے گا۔

یہی حال امراء و حکام کا ہے کہ علانیہ ان پر عمل کر رہے ہیں اور جو کچھ دست درازیاں شریعت کے خلاف کرتے ہیں اس کو سیاست سے تعبیر کر دیتے ہیں اور ان میں سے بعد میں آنے والا پہلے والے کے نقش قدم پر چلتا ہے تو بتاؤ شریعت محمدیہ کہاں ہے؟ اور قرآن و سنت سے بے رخی کے ساتھ اس کو کیسے پہچانا جا سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم کو شریعت کو مضبوطی سے تھامے رہنے اور بدعات و رسوم کو مٹانے کی توفیق عطا فرمائے۔ بیشک وہ قدرت والا ہے۔

حرص اور شہوت کی کوئی انتہا نہیں

مجلس..... میں مشہور واعظ علی بن حسین کا یہ جملہ جو وہ تقریر کے دوران منبر پر کہتے تھے سنا کرتا تھا کہ "خدا کی قسم! کل رات میں اپنے نفس کی وجہ سے بہت رویا" تو سوچتا تھا کہ آخر ان کے نفس نے کیا کر دیا کہ رونے پر مجبور ہو گئے۔

یہ تو ایسا شخص ہے جس کے پاس بہت سی زر کی عمدہ پیدا ہیں اور مجھ کو یہ خبر بھی ملی ہے کہ اس نے اندر اندر بہت سی عورتوں سے نکاح کر رکھا تھا اس کی عمدہ غذا' حلوہ اور مرغ

۱؎ یعنی تصوف کے وہ مخصوص اعمال و اشغال جو شریعت سے علیحدہ ہیں ان کو حیثیت دینی دے کر شریعت میں نہ پائے گا اور نہ ان کو شریعت سمجھے۔ شریعت میں ان کے موجود ہونے کا دعویٰ کرے [illegible] یعنی جو شخص ان اعمال و اشغال مخصوصہ کو شریعت اور دین تصور کرتے ہیں [illegible] تو ان پر کوئی الزام بھی نہیں ہے البتہ تو صرف ان اور ان کا طریقہ [illegible] تفصیل کے لیے "حقیقۃ الطریقۃ" اور "التکشف عن مہمات التصوف" کا مطالعہ کریں۔ مترجم

ہوتی تھی۔ اسی کے ساتھ اس کے پاس کثیر آمدنی، بہت سا مال، بہت زیادہ جاہ اور لوگوں پر اس کے احسانات بھی تھے اور اس نے کچھ علم بھی حاصل کر رکھا تھا اور بہت سے علماء کو اپنے احسانات سے غلام بنا رکھا تھا۔ غرض اس کے ہاتھ بہت کھلے ہوئے تھے پھر آخر کون سی چیز تھی جس کے لیے اسے رونا پڑتا تھا؟

میں نے اس پر غور کیا تو سمجھ میں آیا کہ نفس کسی بھی حد پر ٹھہرتا نہیں ہے بلکہ ہمیشہ ایسی لذتوں کا طالب رہتا ہے جن کی کوئی انتہاء نہ ہو۔ لہٰذا جب کوئی لذت حاصل ہو جاتی ہے تو بے مزہ ہو جاتی ہے اور وہ دوسری کی طلب میں لگ جاتا ہے۔ اس طرح عمر فنا ہوتی ہے، بدن کمزور ہوتا ہے، نقص آتا رہتا ہے، جاہ گھٹتی رہتی ہے لیکن مراد حاصل نہیں ہو پاتی۔

دنیا میں اس شخص سے بڑا کوئی بے وقوف نہیں ہے جو دنیا میں لذتوں کی انتہاء کا طالب ہو جبکہ دنیا میں درحقیقت لذت ہے بھی نہیں یہاں کی لذت کیا ہے کسی تکلیف دہ چیز سے پہنچنے والی تھوڑی سی راحت اور بس (یعنی جتنی لذتیں ہیں وہ کسی مضر اور تکلیف دہ چیز ہی سے ذرا سی حاصل ہو جاتی ہیں مثلاً نکاح، کھانا، کپڑا وغیرہ کہ ان میں سے ہر ایک کے حصول میں اور نبھانے میں جو تکلیف اور مشقتیں اور نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں ان کے مقابلے میں ایک لمحہ کی لذت کی کیا حقیقت ہے۔ ۱۲ حمزہ)

لہٰذا نیک بخت وہی شخص ہے کہ جب اسے کوئی ایسی بیوی یا باندی مل جائے جس کی طرف دل مائل ہو اور وہ بھی اس کی طرف مائل ہو اور اس کے پردہ اور دینداری کو دیکھ لے تو پھر اسی کی رفاقت پر گرہ باندھ لے اور اس کی محبت باقی رکھنے کا سب سے بہتر ذریعہ یہ ہے کہ اپنی نگاہ کی حفاظت کرے کیونکہ جب نگاہ آزاد ہو گی تو دوسری عورت کی بھی طمع ہو گی پھر نئی کی خواہش پرانی کے ساتھ لطف و مہربانی کو مکدر اور اس کے ساتھ میل جول کو کم کر دے گی اور پرانی کے عیوب کو چھپائے گی نہیں۔ لہٰذا نفس دور سے نظر آنے والی اجنبی کی طرف لپکے گا اور قریب رہنے والی بیوی کے ساتھ لطف کرکرا ہو جائے گا۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

والمرء مادام ذاعين يقلبها　　في اعين الحور موقوف على الخطر

يسر مقلته ماضر مهجته　　لا مرحبا بسرور عاد بالضرر

"آدمی جب تک اپنی نگاہ عورتوں کی نگاہوں پر ڈالا رہتا ہے خطرہ میں پڑا رہتا ہے
اس کی نگاہ ایسی چیز سے خوش ہوتی ہے جو روح کے لیے مضر ہے ایسی خوشی سے کیا فائدہ؟ جو
نقصان دہ ثابت ہو۔"

پھر وہ نظری بھی بجلی کی طرح ہو جائے گی اور شخص تیسری کی طرف لپکے گا۔ حاصل یہ کہ
اس کی کوئی انتہا نہیں ہے لہذا پسندیدہ عورتوں سے نگاہ نیچی رکھنا اور خوبصورت عورتوں سے
نفس کو مایوس کر دینا ہی زندگی کو خوشگوار کر سکتا ہے۔

جس نے اس نصیحت کو نہیں مانا وہ خواہشات کے راستوں میں بھٹک جائے گا اور جلد ہی
ہلاک ہو جائے گا بلکہ ہو سکتا ہے کہ خود ہی اپنے کو ہلاک کرنے کی کوشش کر ڈالے یا رسوائی میں مبتلا
کرے کیونکہ اکثر خوبصورت عورتیں پاکدامن نہیں ہوتی ہیں اور رسوائی کے ساتھ پوری لذت جمع
نہیں ہو سکتی ہے جبکہ ان میں فضول خرچی ہوتی ہیں اور بعض شوہر سے نفرت کرتی ہیں اور شوہر ان
سے کسی بت کے پجاری کی طرح محبت کرتا ہے۔ (غرض ہر طرح سے تکلیف دہ ہیں)

سب سے بڑا احمق وہ انتہا رسیدہ بوڑھا ہے جو کم سن عورت چاہتا ہو حالانکہ عقل کی بات
ہے کہ سچی لذت تو کم عمری ہی میں ملتی ہے۔ جیسا کہ کسی کہنے والے نے کہا ہے:

"علّلتُ بنفسي النساء الصغار" (میں میرے جی کو کم سن عورتوں نے بہلایا)

جب تک عورت کم سن لڑکی یعنی بالغ نہ ہوئی ہوگی تب تک لذت کامل انہیں ملے گی
اور جب بالغ ہو جائے گی تو خواہش زیادہ کرے گی اور بوڑھا اس کی قدرت نہ پاوے گا۔
اب اگر اپنے اوپر زبردستی کرے گا تو بھی عورت کی مراد پوری نہیں کر سکے گا۔ البتہ خود بہت
جلد ہلاک ہو جائے گا۔ غرض وہ اپنی خواہش نفس سے دھوکہ نہ کھائے کیونکہ اس کی خواہش
(جھوٹی فجر) فجر کاذب کی طرح ہوتی ہے (کہ ذرا سی چمک پھر فوراً غائب ہو گئی)

ہم نے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ اس نے ایک باندی خریدی تھی پھر اس کے ساتھ رات
گزاری تو صبح مردہ پایا گیا۔ اسی طرح ایک نوجوان جو دو مہینے تک ہسپتال میں داخل رہ چکا تھا
اس کے پاس اس کی بیوی آئی نوجوان نے ہمبستری کر لی تو (سہ رہ سکا) مر گیا۔ معلوم ہوا
کہ اس کے پاس کچھ خون اور تھوڑی سی مقدار تھی جب وہ ختم ہو گئی تو روح کا سہارا ختم ہو گیا اس

لیے روح چلی گئی اور اگر بوڑھا ہمبستری نہ کرے صرف یونہی لذت اُٹھائے تو جوان عورت تو صبر نہیں کرسکتی ہے اس لیے وہ دشمن ہو جائے گی۔ پھر جب اس پر شہوت غالب ہوگی تو یا تو زنا میں مبتلا ہو جائے گی یا پھر شوہر کو قتل کرنے کی تدبیر سوچے گی۔ خصوصاً وہ باندیاں جو زیادہ تر کافروں کے ملکوں سے آئی ہیں کیونکہ ان میں سخت دلی ہوتی ہے۔

بہت برا ہے اس شخص کے لیے جو ساٹھ کے سن کو عبور کر چکا ہو کہ وہ زیادہ عورتوں سے تعلق رکھے۔ لہٰذا اگر کوئی دیندار اور جوان عورت مل جائے تو اس کو قبول کر لے پھر رہن سہن میں اس کی رعایت و دلجوئی کرے اور اپنی کمی کو کبھی خرچ میں زیادتی کر کے اور کبھی اچھے برتاؤ کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش کرے۔ کثرت سے اس کو نیک اور پاک باز عورتوں کے حالات سنائے' قیامت اور دنیا کی مذمت کا ذکر زیادہ کر دے اور اس سے عرب کی محبت کا اظہار کرے (یعنی یہ سمجھانے کی کوشش کرے کہ میں تم سے اہل عرب کی طرح محبت کرتا ہوں) کیونکہ اہل عرب عشق کرتے ہیں لیکن عشق میں محبوب سے ہمبستری نہیں کرنا چاہتے۔ جیسا کہ ایک عاشق نے کہا ہے:

انما الحب قبلہ وغمز کف و عضد
انما العشق ھکذا ان نکح الحب فسد

''محبت تو ایک بوسہ ہے اور ہاتھوں و بازوؤں کا اشارہ' عشق تو بس یہی ہے اگر نکاح ہو گیا تو عشق بگڑا۔''

اور اگر اس کو حمل یا اولاد میں مشغول کر سکتا ہو تو ایسا کر دے تا کہ اس کی مشغولی کے زمانہ میں اپنی قوت کو حاصل کر سکے اور اگر ہمبستری کرے تو انزال سے اپنے کو روکے رہے تا کہ اپنی قوت باقی رہے اور اس کا حق پورا ہو جائے۔

حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے نکاح کیوں نہیں کیا؟ تو فرمایا کیا میں کسی مسلمان عورت کو دھوکہ دیتا؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف''

وہ شخص بہت بھولا بھالا ہے جس نے کسی کام سے دخل اندازی سے پہلے اس کے انجام کو

نہ سوچ لیا اور دانستہ دیکھ کر نہ کیا لیکن پھوڑا سے کو سوچ جانے اور اس کے منظر کو بھول بیٹھا۔

میری ساری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ نگاہ کی حفاظت کی جائے، نفس کو دوسری اور تیسری کے حصول سے مایوس کر دیا جائے، موجود پر قناعت کی جائے خصوصاً جبکہ شوہر سن رسیدہ ہو اور جانتا ہو کہ کم سن عورت دشمن ہو جاتی ہے اور بوڑھے شوہر کی ہلاکت کی آرزو رکھنے لگتی ہے اور بوڑھا شوہر کم سن عورت کو دوسروں کے لیے پالنے والا بن جاتا ہے (کیونکہ خود اس کی ضرورت پوری نہیں کر پاتا ہے اس لیے زنا کار ہو جاتی ہے)

میری بعض نصیحتیں ایسی بھی ہیں جو عقل مند آدمی کو ان فتنوں میں پڑنے سے روک دیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے اس کی توفیق عطا فرمائیں اور عقل و شریعت کے تقاضا پر چلائیں۔ بلاشبہ وہ قریب ہے دعائیں قبول فرماتا ہے۔

ٹال مٹول نادانی ہے

مجلس..... انسان کا اپنی سلامتی پر مغرور ہونا اور اصلاح حال کو آئندہ کے لیے موقوف کرنا عجیب ہے حالانکہ اس نادانی کی کوئی انتہا ہے اور نہ اس غرور کی کوئی حد۔

لیکن جب اس کی صبح و شام سلامتی کے ساتھ گزر جاتی ہے تو اس کا دھوکہ بڑھ جاتا ہے اور آرزو دراز ہو جاتی ہے حالانکہ اس سے بڑھ کر کیا نصیحت ہوگی کہ تم ساتھیوں کے گھروں کو کھائیں کے حالات کو اور عجیب رشتہ داروں کی قبروں کو دیکھ رہے ہو اور تم کو یقین ہے کہ چند دن بعد تم بھی انہیں کی طرح ہو جاؤ گے مگر تم کو تنبیہ نہیں ہوتی ہے حتیٰ کہ ایک دن تم بھی دوسروں کے لیے تنبیہ اور عبرت بن جاؤ گے جبکہ خدا کی قسم یہ احمقوں کی شان ہے (کہ دوسروں کے لیے عبرت اور خود عبرت حاصل نہ کریں) جس کے پاس عقل ہو وہ اس راستے پر چل ہی نہیں سکتا۔

ہاں سمجھدار آدمی سلامتی کے زمانہ میں جلدی کرتا ہے۔ چنانچہ دوسرے اوقات کے لیے ذخیرہ کر لیتا ہے اور توشہ کے حصول پر قدرت کے زمانہ میں عسرت و تنگی کے وقت کے لیے توشہ جمع کر لیتا ہے۔ خصوصاً جو شخص یہ جانتا ہو کہ آخرت کے درجات عمل کے بقدر ہی بلند ہوتے ہیں اور موت کے بعد تلافی ممکن نہیں ہے۔

فرض کرلو کہ گنہگار معاف کردیا جائے گا لیکن اس کو عمل کرنے والوں کے مراتب کہاں میسر ہوسکیں گے؟ جو شخص اپنے دل میں جنت کی یاد بسالے گا جس میں نہ موت ہوگی نہ بیماری نہ نیند ہوگی نہ غم بلکہ اس کی ہر نعمت دائمی اور نہ ختم ہونے والی ہوگی بلکہ یہاں کی کوشش کی زیادتی کے بقدر زیادہ ہوتی رہے گی تو وہ اپنے اوقات پر جھپٹے گا۔ لہٰذا ضرورت ہی کے بقدر سوئے گا اور ایک لمحہ کے لیے بھی تعمیر سے غافل نہیں ہوگا۔

جس نے اس پر غور کیا کہ گناہ کی لذت گزر گئی اور اس کی آفتیں باقی رہ گئیں تو یہی چیز اس کو گناہ سے روکنے کے لیے کافی ہے۔ خصوصاً ایسے گناہ جن کے آثار ہمیشہ رہ جاتے ہیں مثلاً کسی شوہر والی عورت سے زنا کرنا جس سے وہ حاملہ ہوجائے اور وہ حمل شوہر کا مان لیا جائے کیونکہ پھر میراث میں اہل کا حصہ کم ہوجائے گا اور نا اہل کو حصہ مل جائے گا۔ اسی طرح نسب خراب ہوتا ہے عورت برباد ہوجاتی ہے اور یہ سب چیزیں ہمیشہ رہتی ہیں اور یہ سب کچھ صرف ایک گھڑی کی لذت کی نحوست ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم کو ایسی توفیق عطا فرمائے جو سیدھا راستہ دکھائے اور بربادی سے روک دے۔ یقیناً وہ قریب ہے دعا قبول فرمالیتا ہے۔

اللہ اپنی ذات و صفات کے آئینہ میں[1]

مجلس.... میں نے سوچا کہ عقائد میں گڑبڑی کس وجہ سے ہوئی؟ تو اندازہ ہوا کہ محسوسات کی طرف میلان اور غائب کو حاضر پر قیاس کرنے کی وجہ سے ایسا ہوا۔

چنانچہ کچھ لوگوں پر محسوسات کا غلبہ ہوا تو جب اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ نہیں کرسکے تو اس کا انکار کر بیٹھے اور یہ بھول گئے کہ وہ اپنے افعال سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ دنیا میں جاری ہونے والے تمام فیصلے اور افعال کے لیے کسی کرنے والے کا ہونا تو ضروری ہی ہے کیونکہ کوئی بھی ذی ہوش آدمی جب کسی ویران صحراء سے گزرتا ہے پھر کچھ دنوں بعد اس میں لگے ہوئے درخت اور بنی ہوئی عمارت دیکھتا ہے تو یقین کرلیتا ہے کہ ان کا لگانے والا اور بنانے والا کوئی نہ کوئی ضرور ہے کیونکہ درخت خود سے نہیں اُگ آتے اور عمارت خود سے نہیں کھڑی ہوجاتی ہے۔

---

[1] یہ پوری فصل عام آدمی کیلئے نہیں ہے صرف علماء حضرات کے لیے ہے۔ لہٰذا عوام اس کا مطالعہ ہرگز نہ کریں۔ ۱۲ حمزہ

پھر کچھ لوگ پیدا ہوئے انہوں نے صانع کے وجود کو ثابت کیا لیکن اس کو اپنے احوال پر قیاس کر کے اپنے سے مشابہ سمجھ لیا یہاں تک کہ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ "ینزل الی السمآء" کا مطلب ہے کہ وہ منتقل ہوتا ہے اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ اہل عرب نزول کے معنی انتقال ہی بتلاتے ہیں اور بہت سے لوگ اس کی صفات کے متعلق گمراہ ہو گئے جس طرح کہ بہت سے اس کی ذات کے بارے میں گمراہی میں پڑے۔ لہٰذا کچھ لوگوں نے جب سنا کہ وہ غصہ ہوتا ہے اور خوش ہوتا ہے تو سمجھ لیا کہ وہ بھی متاثر ہوتا ہے۔ یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات قدیم ہیں کوئی صفت حادث نہیں ہے اسی طرح بہت سے لوگ اس کے افعال اور فیصلوں کے متعلق بھٹکنے لگے ان کی توجیہ اور علت تلاش کرتے یہاں تک کہ کچھ لوگ خدا تعالیٰ کے فیصلوں کو حکمت کے خلاف بھی کہنے لگے۔ (نعوذ باللہ)

اب میں جو کچھ بیان کرنے جا رہا ہوں جس کو توفیق ہو حضور دل کے ساتھ سنے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ سبحانہ کی ذات دوسری کسی بھی ذات کے مشابہ نہیں ہے اور نہ اس کی صفات کسی کی صفات کے مشابہ ہیں۔ اسی طرح اس کے افعال کو مخلوق کے افعال پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اس کی ذات کا معاملہ تو یہ ہے کہ ہم جو ذات بھی جانتے ہیں وہ جسم ہوتی ہے اور جسم کے لیے پہلے ترکیب ضروری ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ترکیب سے پاک ہے کیونکہ وہ خود ہی سب کو ترکیب دینے والا ہے۔ پھر یہ کہ ذات یا تو جوہر ہو گی اور جوہر کے لیے چیز ضروری ہے اور اس کے لیے امثال بھی ہوتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان سب سے پاک ہے یا عرض ہو گی اور عرض خود سے قائم نہیں ہوتا ہے بلکہ قیام میں دوسرے کا محتاج ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بھی بلند ہے۔

اس لیے لامحالہ ایک ایسی ذات کو ثابت مانیں گے جو قدیم ہو اور ان خرابیوں اور عیبوں سے پاک ہو۔ پھر اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ صفات بھی ذات کے تابع ہوں۔ لہٰذا ہمارے لیے کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کہ اس کی صفات کو اپنی قیاس اور عقل کے مطابق ثابت مانیں بلکہ ہم کو جیسی وہ وارد ہوئی ہیں اسی طرح ان پر ایمان لانا اور ان کو تسلیم کر لینا ضروری ہے۔

ایسے ہی اس کے افعال کا معاملہ بھی ہے کیونکہ ہم میں سے جب کوئی شخص کوئی ایسا کام کرتا ہے جس سے نہ کوئی نفع حاصل کرے نہ کسی نقصان کو دفع کرے تو اس کو فضول اور

عبث میں مشغول کہا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنے کسی نفع کے لیے یا ضرر کو دفع کرنے کے لیے نہیں وجود بخشا ہے کیونکہ منافع وہاں تک نہیں پہنچتے ہیں اور نقصان دہ چیزیں اس کی طرف راستہ نہیں پاتی ہیں اور اگر کوئی کہے کہ مخلوق کو اس لیے پیدا کیا تا کہ ان کو نفع پہنچائے ہم کہتے ہیں کہ یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ اس نے بہت سے لوگوں کو کفر کے لیے پیدا کیا ہے اور ان کو عذاب دے گا۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ وہ جانوروں اور بچوں کو مبتلائے الم کرتا ہے اور نقصان دہ چیزیں پیدا کرتا ہے حالانکہ ''اس پر قادر ہے کہ ایسا نہ کرے اس پر کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ ان باتوں پر ثواب دیتا ہے تو ہم کہیں گے کہ وہ تو اس پر بھی قادر ہے کہ بغیر تکلیفوں کے بھی ثواب دے دے کیونکہ اگر کوئی بادشاہ کسی فقیر کو مالدار بنانا چاہے تو پہلے اس کے زخم لگائے پھر مال و دولت عطا کرے تو اس کو ملامت کی جائے گی اس لیے کہ وہ بغیر زخم لگائے بھی مالدار بنا سکتا تھا۔''

پھر دیکھا جاتا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام پر بھوک اور قتل کے کیسے کیسے حالات پیش آئے حالانکہ نصرت کرنے والی ذات کو قدرت حاصل تھی اسی طرح دیکھو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ کے سلسلے میں دعاء مانگتے ہیں لیکن قبول نہیں ہو رہی ہے حالانکہ اگر ہم انسانوں میں سے کسی سے اس طرح کی دعا کی جاتی تو ہم اس سے پوچھتے کہ ایسی دعا کیوں نہیں قبول کر لیتے جس میں تمہارا کوئی نقصان نہ ہو مگر بات وہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کو انسانوں کے افعال پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے اور اس کی سب توجیہات و علتیں نہیں معلوم کی جا سکتیں' ہمارے اوپر تو جو چیز واجب ہے وہ یہ کہ اس بات کو تسلیم کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت عقل سے بالا ہے کیونکہ اس کی حکمت عقلوں پر فیصلے نافذ کرتی ہے عقلیں اس کی حکمت پر نہیں۔

لہٰذا جس نے بھی اس کے افعال کو ہمارے افعال پر قیاس کیا اس نے کھلی غلطی کی۔

چنانچہ معتزلہ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کیونکہ انہوں نے کہا کہ ''کیسے وہ کسی ایسی بات کا حکم دیتا ہے جس کے راستہ میں رکاوٹیں بھی کھڑی کر دیتا ہے؟ حالانکہ اگر کوئی انسان ہم کو اپنے گھر بلائے اور گھر کے دروازہ پر ایسی رکاوٹ کھڑی کر دے جو اندر جانے سے روک دے تو

اس شخص پر عیب لگایا جائے گا۔

بلاشبہ مثال انہوں نے ٹھیک پیش کی ہے لیکن وہ ذات جس کے افعال کی علت نہیں معلوم کی جا سکتی اور جسے کسی موجود پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے تو کھلی بات ہے کہ ہم اس کی حکمت کی معرفت تک نہیں پہنچ سکتے۔ اگر کوئی کہے کہ میرے لیے یہ بات کیسے ممکن ہے کہ میں عقل کو خلاف عقل بات پر مطمئن کر دوں؟ میں کہتا ہوں کہ عقل کے خلاف کوئی بھی فیصلہ نہیں ہے اس لیے کہ عقل نے واضح دلیلوں سے یقین کر لیا ہے کہ وہ حکمت والا ہے اور مالک ہے اور یہ مسلم ہے کہ حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ البتہ ہر حکمت تک انسانی عقل کا پہنچ جانا ضروری نہیں ہے کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جب حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی توڑ دی اور ایک لڑکے کو قتل کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے علم شریعت کی روشنی میں اس پر نکیر کی اور ان کے فعل کی حکمت نہیں جان سکے پھر جب انہوں نے اس کی حکمت ظاہر کی تب یقین کر لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ شانہ تو کہیں برتر و اعلیٰ ہے۔

لہذا خبردار! اس کے افعال میں سے کسی فعل کو یا صفات میں سے کسی صفت کو یا اس کی ذات کو کسی بھی مخلوق پر قیاس نہ کرنا اگر تم نے ایسا کر لیا تو اس عقیدہ تشبیہ سے گنہگار ہو گے جس میں وہ لوگ مبتلا ہو گئے جنہوں نے "استواء" کو اعتماد اور "نزول" کو انتقال سمجھ لیا اور اس اعتراض سے نجات پا جاؤ گے جس نے بعض لوگوں کو کفر میں مبتلا کر دیا اس بنا پر کہ وہ حکمت میں عیب نکالنے لگے تھے اور ان میں سب سے پہلا شخص ابلیس ہے کیونکہ اس نے یہ گمان باندھ لیا کہ مٹی کو آگ پر فضیلت دینا حکمت کے خلاف ہے اور یہ بھول گیا کہ جس "فہم" سے اس نے یہ گمان باندھا ہے وہ بھی اسی کی عطا کردہ ہے اور جس "عقل" کو جحت بنا رہا ہے وہ اسی کا عطیہ ہے اور کھلی بات ہے کہ دینے والا اپنی دی ہوئی چیز کی حقیقت کو زیادہ جانتا ہے۔

"أولم يروا ان الله الذي خلقهم هو اشد منهم قوة"

"کیا انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ وہ اللہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ قوت میں ان سے بہت زیادہ ہے۔"

میں نے خود دیکھا ہے کہ "ابن الراوندی" نے ان لوگوں پر اعتراض کیا ہے جو جہنم میں کفار

کے ہمیشہ رہنے کے قائل ہیں۔ اس نے لکھا ہے کہ "سزا کا دوام جرم سے زیادہ ہے اور عقل اس کا انکار کرتی ہے حالانکہ وہی بات قبول کرنی چاہیے جس کو عقل تسلیم کرلے جبکہ تھوڑی سزا کو عقل بھی تسلیم کرتی ہے کیونکہ بعض کی تردید کل کی تردید سے بہتر نہیں ہے اور کفار کو ہمیشہ کے لیے سزا دینے میں نہ معذب کا کوئی فائدہ ہے نہ معذب کا اس لیے خلود جائز نہیں ہے۔"

میں نے سوچا کہ اس شخص پر بہت تعجب ہے جو عقل کا مدعی ہے اور خود اس کے پاس عقل نام کی کوئی چیز نہیں ہے سب سے پہلا سوال اس سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل جہنم کے خلود کی جو خبر دی ہے وہ تمہارے نزدیک صحیح ہے یا نہیں؟ اگر یہ کہو گے کہ وہ خبر صحیح نہیں ہے تو پہلے گفتگو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن پاک کی صحت پر ہونی چاہیے اصل کے انکار کے ساتھ فرع کے متعلق گفتگو کا کیا فائدہ ہے؟

اور اگر کہتے ہو کہ خبر میرے نزدیک صحیح ہے تو پھر تم کو مفہوم سمجھنے کے لیے کوئی تدبیر اختیار کرنا چاہیے۔ اعتراض اور مقابلے کے لیے کھڑے ہونے کا کیا مطلب؟

پھر یہ کہ خلود کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو اس معاملہ کو موجود پر قیاس کرے اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات دوسری ذاتوں کے مثل اور اس کی صفات دوسری صفات کے مثل نہیں ہیں اور اس کے افعال کی علت اور حکمت معلوم نہیں کی جاسکتی ہے۔

اس کے باوجود اگر وہ خلود نار کی وجوہات پر غور کرتا تو بہت سی وجوہات ظاہر ہو جاتیں کیونکہ ممکن ہے کہ ان کی سزا کا دوام دھمکی کو سچ کرنے کے لیے ہو کیونکہ اس نے فرمایا ہے "جس نے میرا انکار کیا میں اسے ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈال دوں گا" جبکہ کفر سے بڑا کوئی جرم نہیں ہے اور ہمیشہ آگ میں جلانے سے بڑی کوئی سزا نہیں ہے۔ لہٰذا وہ سزا اس لیے ہمیشہ دے گا تاکہ اس کی دھمکی سچ ثابت ہو جائے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خلود مؤمنین کی نعمت میں تکمیل کے لیے ہو کیونکہ وہ کافروں کے دشمن ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا بھی ہے۔

"ویشف صدور قوم مؤمنین" (اور تاکہ اہل ایمان کے دل ٹھنڈے ہو جائیں)

سوچو کہ کتنا غصہ اور گھٹن ہے سینوں میں ابوجہل کے خلاف اس کے کارناموں پر اور کتنا

ظلم اور تکلیف ہوئی۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں کافروں کے مظالم کی وجہ سے۔ لہٰذا ان کی دائمی سزا اہل ایمان کے غصے کے لیے ٹھنڈک کا سامان ہوگی اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کو ہمیشہ کی سزا ان کے ہمیشہ کے اعتراض اور خدا تعالیٰ کو ناپسندیدہ الفاظ سے یاد کرنے کی وجہ سے ہو کیونکہ جیسے جیسے ان پر عذاب بڑھے گا ان کا کفر اور اعتراض بھی بڑھے گا۔ لہٰذا اسی کی وجہ سے ہمیشہ عذاب دیئے جائیں اور ان کے کفر کی دلیل یہ آیت ہے: "ویحلفون له کما یحلفون لکم" (اور یہ لوگ اس سے ویسی ہی قسم کھائیں گے جیسی تم لوگوں سے کھاتے ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ ان کا کفر ابھی ختم نہیں ہوا اور خدا تعالیٰ کی معرفت ان کو حاصل نہیں ہوئی بلکہ شر اور فتنہ ان کے دلوں میں چھپا ہوا ہے اور سزا اس پر واقع ہو رہی ہے۔ "ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه" (اور اگر یہ لوٹا دیئے جاتے تو وہ پھر وہی کام کرتے جن سے منع کیا گیا تھا)

خداوندی افعال اور فیصلوں کے بارے میں صحیح طرز عمل

مجلس.... جب گزشتہ فصل کا مطالعہ کر لیا تو اب اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر اعتراض نہ کرے نہ دل میں نہ زبان سے اور اس کے تمام افعال کی علت معلوم کرنے کی فکر نہ کرے کیونکہ متکلمین نے حدیثوں اور آثار سے بے رُخی کر کے عقائد کے سلسلے میں اپنی رائے سے گفتگو کی تو ان کے لیے علت صاف ستھرا نہیں رہ سکی جس کی دلیل ان کا آپس کا اختلاف ہے۔ اسی طرح اپنے قیاس کو دخل دینا بھی مضر ہے کیونکہ جب انہوں نے قیاس کو دخل دیا تو حدیثوں میں غلط ہو گیا۔

درست راہ عمل یہ ہے کہ جس فعل کی حکمت کا سمجھنا آسان ہو اس کو بیان کرو اور جس کی حکمت مخفی ہو وہاں سر جھکا دو۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کا معاملہ بھی ہے کہ جب مومن دعا کرے اور قبولیت کا اثر نہ دیکھے تو سر جھکا دے معاملہ اس کے حوالہ کر دے اور تاویل سوچے۔ مثلاً اس طرح کہے کہ کبھی تو دیر زیادہ مفید اور مناسب ہوتی ہے ہو سکتا ہے یہ رکاوٹ میرے گناہوں کی وجہ سے ہو ہو سکتا ہے تاخیر میں بہتری ہو ہو سکتا ہے دعا خلاف مصلحت ہی ہو اور اگر کوئی

تاویل نہ سمجھ میں آوے تو بھی دل میں کسی قسم کا اعتراض نہ کھٹکنے دے بلکہ یہ سمجھے کہ میں نے تو مانگ کر بندگی کا تقاضا پورا کیا ہے اگر وہ انعام کر دیتا ہے تو اس کا فضل ہے اور اگر نہیں کرتا ہے تو وہ مالک ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

جبکہ ہماری زیادہ تر دعائیں دنیا ہی کے ایسے ساز و سامان کے متعلق ہوتی ہیں کہ اگر وہ نہ دیئے جائیں تو یہی زیادہ مناسب ہے۔

لہٰذا سمجھ دار اور ہوش مند کو چاہیے کہ حق تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کی فکر کرے اور اس کی تدبیر و انتظام پر راضی رہے۔ اگرچہ بظاہر وہ تیرے ساتھ سختی سے پیش آئے اور جب بھی اس کی طرف متوجہ ہو تو اپنی اصلاح کے لیے ہو۔

اور اگر تم نے پہچان لیا ہو کہ وہ کریم ہے تو اس کی پناہ میں چلے جاؤ پھر سوال نہ کرنا جبکہ یہ حقیقت ہے کہ اگر تم اس کی طاعات میں لگے رہو گے تو یہ بات ناممکن ہے کہ کوئی کاریگر عمدگی کے ساتھ دل لگا کر کام کرے پھر اسے مزدوری نہ دی جائے۔

ساری تلخیاں عمر کا سورج ڈھلنے تک ہیں

مجلس.... خدا کی قسم! جب میں تصور کرتا ہوں کہ جنت میں داخلہ ہوگا وہاں ہمیشہ کی زندگی ملے گی نہ اس میں بیماری ہوگی نہ گندگی نہ نیند آوے گی نہ کوئی آفت طاری ہوگی بلکہ صحت ہی صحت رہے گی اور خواہشات سب پوری ہوتی رہیں گی جن میں کوئی کدورت نہ ہوگی ہر لمحہ نعمت میں جدت ہوتی رہے گی اور یہ سلسلہ لامتناہی ہوگا تو میں جوش میں آ جاتا ہوں اور طبیعت اس کو سچ تسلیم کر لینے سے (کہ کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ راحت ہی راحت ہو کوئی تکلیف نہ پہنچے) تنگ ہو جاتی ہے۔ اگر شریعت نے اس کی ضمانت نہ لے لی ہوتی (تو انکار ہی کر دیتی) یہ بات تو معلوم ہے کہ یہ درجات دنیا میں محنت اور کوشش کے بقدر ہی ملیں گے پھر اس پر بہت تعجب ہے جو دنیا کا ایک لمحہ بھی ضائع کر دے۔ چنانچہ دیکھو کہ ایک مرتبہ سبحان اللہ پڑھنے سے جنت میں ایسا درخت لگتا ہے جس کے پھل اور سائے ہمیشہ رہیں گے۔

لہٰذا اے درجات کو کھو دینے کی وجہ سے ڈرنے والے! اپنے دل کو اُمید و رجاء کے ذریعے مضبوط کر اور اے موت کی یاد سے گھبرانے والے تلخ گھونٹ کے بعد حاصل ہونے

والی عافیت اور آرام کو سوچ کیونکہ جان تو ایک لمحہ میں نکل جائے گی نہیں بلکہ جان کے نکلنے سے پہلے ہی ٹھکانے روشن کر دیئے جائیں گے۔ لہٰذا منزل کی لذت کی وجہ سے بتائے جانے والے مہمان کا سفر آسان ہو جائے گا پھر تمام روحیں پرندے کے پنجروں میں ہوں گی جو جنت کے درختوں میں لٹکے ہوں گے۔

یہ سارا خوف اور ساری [illegible] ہیں جبکہ عمر کا سورج زرد ہو چکا ہے یعنی سورج کے غروب ہونے [illegible] ہے اور جلدی کر لے۔

اور اس راہ میں تیرا معاون [illegible] ہے جبکہ عقل کے ساتھ چیزوں کے انجام کو سوچے اور جب یہ مجلس پوری ہو جائے تو [illegible] سب والی کوشش کی سیرتوں کا مطالعہ کیونکہ یہ عمر کے سامنے اعلیٰ درجات کے حصول کو روشن کرتا ہے جبکہ توفیق ہی اصل ہے کیونکہ وہ جب تیرے متعلق ارادہ کرے گا تو پھر تجھ کو اس کے لیے تیار بھی کر دے گا۔

رہا ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا جن کو صرف دنیا کی فکر ہے تو یہ بھی خرابی اور عقل کی بیماریوں کا سب سے بڑا سبب ہے۔ کوشش کی برائی سے پرہیز ہے اور پرہیز معرفت اور شفا کا سبب ہے۔

معرفت سبب راحت ہے

مجلس....میں نے دیکھا کہ تمام فکر و غم کا سبب اللہ تعالیٰ سے بے رخی اور دنیا کی طرف میلان ہے کیونکہ جب بھی دنیا کا کوئی مقصد فوت ہوتا ہے تو اس پر غم ہونے لگتا ہے۔

لیکن جو شخص اللہ کی معرفت سے حصہ پائے ہوئے ہے وہ ہر حالت میں راحت میں رہتا ہے کیونکہ وہ تقدیر پر راضی رہنے کی وجہ سے دنیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جب بھی کوئی فیصلہ نافذ ہوا وہ اس پر راضی ہو گیا۔

اگر دعا کی قبولیت کا اثر نہیں پایا تو اس کے دل میں اعتراض نہیں کھٹکتا ہے اس لیے کہ وہ ایک مدبر مالک کا غلام ہے۔ لہٰذا اس کی توجہ خالق کی خدمت اور طاعت کی طرف رہتی ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ اس کی طبیعت مال اکٹھا کرنے اور مخلوق سے میل جول میں دلچسپی لینے یا شہوات و خواہشات سے لطف اندوزی میں مشغول نہیں ہوتی ہے اس لیے کہ اگر وہ معرفت میں کوتاہ ہوا تو بھی شخص عبادت میں لگا رہتا ہے اور دنیا میں زہد اختیار کرتا ہے تاکہ

آخرت میں حاصل کر سکے اور اگر معرفت کا ذوق رکھتا ہوگا تو پھر وہ کل کو چھوڑ کر کل کے مالک میں مشغول ہو جائے گا۔ لہٰذا تم اس کو دیکھو گے کہ خلوت میں اس کے ساتھ باادب ہے اس کی مناجات سے انس حاصل کر رہا ہے مخلوق کے میل جول سے وحشت زدہ ہے اور اپنے متعلق فیصلوں پر راضی ہے۔ اس وقت اس کی زندگی ایسے محب اور عاشق کی زندگی کی طرح ہو جاتی ہے جو اپنے محبوب کے ساتھ خلوت میں ہو کہ نہ دوسرے کی طلب رہ جائے اور نہ غیر کی فکر۔

رہا وہ شخص جسے ان میں سے کچھ حصہ نہ ملا ہو تو وہ ہمیشہ گھٹن اور بربادی عیش میں مبتلا رہتا ہے اس لیے کہ دنیا کا ہر مطلوب حاصل کرنے پر قدرت نہیں ہو جاتی ہے۔ لہٰذا حسرتیں باقی رہ جاتی ہیں جبکہ اس کے ساتھ بدعملی کی وجہ سے آخرت کے درجات کا فوت ہونا بھی شامل ہو جائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اپنے لائق بنا لے۔ بلاشبہ طاعت کی قوت اور معصیت سے پرہیز اس کی توفیق ہی پر ہے۔

اصل راحت جنت ہی میں ہے

مجلس..... میں نے اپنے بارے میں سوچا تو اندازہ ہوا کہ میں ہر چیز سے مفلس ہوں۔ اگر بیوی پر بھروسہ کروں تو وہ ویسی نہیں ہے جیسی میں چاہتا ہوں اگر اس کی صورت اچھی ہو تو اخلاق کامل نہیں ہیں اور اگر اخلاق پورے نہ ہوں تو بھی وہ اپنی غرض کی طالب ہے میرے لیے کچھ نہیں ہے اور ممکن ہے کہ وہ میرے مرنے کا انتظار کرتی ہو اور اگر لڑکے پر بھروسہ کروں تو اس کا بھی یہی حال ہے خادم اور مریدوں کا معاملہ بھی میرے حق میں یہی ہے کہ اگر ان کو مجھ سے فائدہ نہ پہنچے تو وہ مجھ کو چھوڑ دیں۔

رہ گیا دوست! تو وہ یہاں ہے ہی نہیں اور اللہ کے لیے بھائی! تو وہ عنقاء (نادر بلکہ ناممکن) ہے جبکہ احباب ختم ہوتے جا رہے ہیں اور اہل خیر معدوم اب میں تنہا رہ گیا ہوں۔

پھر میں اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوا..... جبکہ وہ بھی میرے ساتھ مخلص نہیں ہے اور اس کا حال بھی ٹھیک نہیں ہے..... تو اندازہ ہوا کہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات باقی رہ گئی ہے۔ پھر میں نے سوچا کہ اگر اس کے انعام پر بھروسہ کروں تو اس کی آزمائش سے اطمینان نہیں ہو سکتا ہے اور اگر اس کے عفو و کرم کی اُمید باندھوں تو اس کی سزا سے امن نہیں ہوتا ہے پس ہائے افسوس! نہ

اطمینان وسکون ہے اور خوشحالی وفراوانی ہے تیرے میرا اتفاق اور تیرے میری بھی! خدا کی قسم عیش اور ٹھاٹھ جنت ہی میں مل سکتا ہے جبکہ رضائے یقین ہو جائے گا اور ایسے لوگوں کے ساتھ رہنا نصیب ہوگا جو نہ خیانت کریں گے نہ تکلیف دیں گے اور کوئی دنیا تو وہ کامل اطمینان کا محل نہیں ہے۔

ہوشیاری کی بات

مجلس...... جو شخص کسی بادشاہ یا امیر کا ہم نشین ہو اسے اپنا ظاہر اور باطن یکساں رکھنا چاہیے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بادشاہ اس کا حال معلوم کرنے کے لیے کوئی جاسوس بھیج دیتا ہے تو پھر یہ آزمائش میں پڑ کر رسوا ہو جاتا ہے۔

بہت سے بادشاہ ایسے گزرے ہیں کہ جب وہ کسی ہمنشین کو مقرب بنانا چاہتے تھے تو اپنے محل میں اس کے لیے ایک کمرہ تجویز کر دیتے تھے پھر اس کی بے خبری میں اس کے باطن کو جانچتے اور پرکھتے تھے۔ لہذا اگر اس سے کوئی نامناسب کام سرزد ہو جاتا تو نکال دیتے تھے۔

چنانچہ کسریٰ پرویز نے اپنے خواص میں سے ایک شخص کا امتحان لیا تھا کہ اس کے پاس اپنی ایک باندی کو حسن کے ساتھ بہت سے تحفے تحائف بھی دے کر بھیجا اور کہا کہ یہ اس کو دے آؤ لیکن اس کے پاس بیٹھنا مت۔ باندی سب سامان لے کر گئی اور پہنچا کر آ گئی۔ پھر دوبارہ اس کو بھیجا اور کہا کہ اس مرتبہ سامان دینے کے بعد تھوڑی دیر آرام سے بیٹھنا بھی۔ باندی نے ایسا ہی کیا تو اس شخص نے بھی باندی کی طرف توجہ کی۔ پھر تیسری مرتبہ اس کو بھیجا اور کہا کہ اس بار دیر تک بیٹھنا اور باتیں بھی کرنا۔ چنانچہ باندی نے دیر تک گفتگو کی جس کی وجہ سے اس شخص نے بھی باندی کی طرف اپنا میلان ظاہر کیا۔ باندی نے کہا کہ میں ڈرتی ہوں کہیں بادشاہ کو اس کی اطلاع نہ ہو جائے لیکن یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دو میں کوئی تدبیر کر لوں گی۔ یہ کہہ کر گئی اور بادشاہ کو تفصیل سے آگاہ کر دیا۔

بادشاہ نے پھر دوسری باندی کو تحفے تحائف کے ساتھ بھیجا۔ جب وہ آئی تو اس نے پوچھا کہ وہ فلاں باندی کہاں رہ گئی؟ اس نے جواب دیا کہ وہ بیمار ہو گئی ہے تو غم کی وجہ سے ان صاحب کا رنگ اڑ گیا۔

پھر دوسری باندی نے بھی پہلی کی طرح چکر چلایا (تو یہ اس کے دام میں گرفتار ہو گئے) چنانچہ اس نے کہا کہ بادشاہ اپنے باغ میں جانے والا ہے اور کچھ دن وہیں قیام کرے گا تو

اگر وہ تم کو بھی ساتھ لے جانا چاہے تو کہہ دینا کہ تم بیمار ہو۔ پھر اگر تم کو اپنے گھر جانے اور یہاں محل میں رہنے کے درمیان اختیار دے تو یہیں ٹھہرنے کو اختیار کر لینا اور کہہ دینا کہ تم حرکت پر قادر نہیں ہو (اس لیے یہیں رہنا چاہتے ہو) اگر بادشاہ نے اس کو قبول کر لیا تو جب تک وہ یہاں سے غائب رہے گا میں ہر رات تمہارے پاس آتی رہوں گی یہ شخص اس کی گفتگو سے بہت مطمئن ہو گیا۔ اُدھر باندی گئی اور جا کر بادشاہ کو ساری تفصیل بتلا دی۔

اس واقعہ کے تین دن کے بعد بادشاہ نے اس کو بلوایا تو اس نے کہلا دیا کہ میں بیمار ہوں۔ جب قاصد نے واپس آ کر بادشاہ کو خبر دی تو مسکرایا اور کہا کہ یہ پہلا اشر ہے۔

پھر بیماروں والی پالکی بھیج کر اس کو بلوایا جب آیا اور پرویز نے اس کو پالکی میں لیٹا ہوا دیکھا تو کہا یہ پالکی دوسرا اشر ہے۔ پھر جب اس کے سر پر پٹی بندھی دیکھی تو کہا کہ پٹی تیسرا اشر ہے۔ غرض بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تم کو کیا پسند ہے اپنے گھر جانا چاہتے ہو جہاں عورتیں تمہاری تیمارداری کر سکیں یا میری واپسی تک یہیں قیام کرو گے؟ اس نے کہا یہیں قیام کرنا میرے لیے زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ میں زیادہ حرکت نہیں کر سکتا ہوں۔ بادشاہ مسکرایا اور کہا کہ "اپنے گھر کی بنسبت تم یہاں زیادہ ہی "حرکت" "کرو گے" پھر حکم دیا کہ اس کو زنا کاروں والا وہ عصا لگایا جائے جس سے زنا کار کو داغا جاتا تھا۔ تب جا کر اس شخص کو معاملہ کی حقیقت سمجھ میں آئی۔

اور یہ بھی حکم دیا کہ اس کا پورا واقعہ حرفاً حرفاً لکھا جائے اور جب سب لوگ جمع ہوں تو پڑھ کر سنایا جائے اور اس شخص کو ملک سے باہر کر دیا جائے اور وہ "عصا" بھی (جس سے اس کو داغ لگایا گیا تھا) ایک نیزے کے سرے میں باندھ کر اس کے ساتھ کر دیا جائے تا کہ جو شخص اس کو نہ پہچانتا ہو وہ اس "عصا" کی وجہ سے اس سے دور رہے۔

چنانچہ جب اسے شہر بدر کر دیا گیا تو اس نے ایک سپاہی سے چھری لے کر اپنا عضو تناسل کاٹ ڈالا اور کہا کہ "جس نے بھی اس چھوٹے سے عضو کی تابعداری کی وہ اپنے تمام اعضاء کو برباد کر بیٹھے گا اور اسی وقت مر گیا۔"

میں کہتا ہوں کہ اسی طرح بہت سے حکام لباس بدل کر نکلتے ہیں اور عوام سے اپنے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ اگر وہ عام آدمی کوئی نامناسب بات کہہ جاتا ہے تو اس کو محفوظ

کر دیتے ہیں۔ پھر اس پر جاسوس بھی مقرر کر دیتے ہیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی آدمی بے تکلف کچھ جملے بول جاتا ہے اور ان کو کوئی درمیانی شخص صاحب معاملہ تک پہنچا دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بولنے والا ہلاک ہو جاتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حاکم کو دیکھا کہ نماز بہت پڑھتا ہے تو اس کو جانچنے کے لیے ایک شخص کو بھیجا اس نے جا کر اس حاکم سے پوچھا کہ اگر میں تمہارے لیے فلاں صوبے کی گورنری کا پروانہ حاصل کر لوں تو تم مجھ کو کیا دو گے؟ اس نے کہا کہ اتنا. تنخواہ دوں گا!

(جاسوس نے آ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بتلایا تو) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حاکم سے فرمایا کہ تم نے اپنی نماز سے ہم کو دھوکہ میں ڈال دیا تھا!

اسی طرح مجھ کو یہ واقعہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے بات چیت کی، عورت نے منظور کر لیا، پھر اس کو اپنے گھر بلایا، جب وہ داخل ہوا تو اس کے قتل پر آمادہ ہو گئی تو اس حکایت سے یہ بات روشن ہو گئی کہ کسی بھی عورت یا مرد کی بات سے مطمئن نہیں ہونا چاہیے ممکن ہے کہ جاسوس ہو یا امتحان لینا چاہتا ہو۔

ایسے ہی جن چیزوں کا چھپانا بہتر ہوتا ہے ان کو ظاہر نہ کرنا چاہیے مثلاً مال و دولت یا مذہب و مسلک یا کسی شخص کی برائی کیونکہ ممکن ہے کہ اس کا کوئی قریبی موجود ہو۔

اسی طرح ایسی روایت پر اعتماد نہ کرے جس کی کوئی اصل نہ ہو کیونکہ اکثر اس میں آفت اور فتنہ چھپا ہوتا ہے اور ہر ایسے معاملے سے جس میں فتنہ کا احتمال ہو احتیاط کرے۔ مثلاً ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کوئی جملہ اپنے دوست سے کہتا ہے اور وہ دوست دوسرے کے سامنے اس کو نقل کر دیتا ہے تو اگرچہ اس دوست کی نیت ایذا رسانی کی نہیں ہوتی لیکن وہ جملہ کسی طرح صاحب معاملہ تک پہنچ جاتا ہے اور ایذا کا سبب ہو جاتا ہے۔

بہت سے ایسے لوگ جو اظہار محبت کرتے ہیں اور اس میں حد سے گزر جاتے ہیں وہ اسی حد تک ہوتے ہیں کہ اپنی غرض پوری کر لیں۔

لہٰذا کسی شخص پر بھی اطمینان کرنے کے معاملے میں بہت ہوشیار رہو خصوصاً اپنے دشمن پر جس کو تم نے کبھی ستایا ہو یا اس کے کسی رشتہ دار کو قتل کیا ہو کیونکہ ممکن ہے کہ وہ حسن سلوک کر

تیرے شکار کے لیے جال بنا رہا ہو۔ جیسا کہ "زباء" کا قصہ ہوا[1]۔

بڑھاپے کی فریاد

مجلس.... میں نے اندازہ کیا کہ بڑھاپے میں نفس کی آرزوئیں اور حرص بڑھ جاتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھی ہے۔ "یشیب ابن آدم و یشب منه خصلتان الحرص والامل" (آدمی بوڑھا ہوتا رہتا ہے اور اس کی دو خصلتیں جوان ہوتی رہتی ہیں یعنی لالچ اور آرزو)

اور زیادہ تر اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہاتھ دنیا سے خالی ہو جاتے ہیں جبکہ بال بچوں کی کثرت ہوتی ہے اور ضرورت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا انسان مجبور ہو جاتا ہے کہ مقصد کے حصول کے لیے ایسے کام میں لگے جو اس کی آبرو کو برباد کر دے۔

یہ سوچ کر میں نے کہا؟ اے خدا! کیا عرفات کے پہاڑ نظر آ جانے کے بعد بھی میں بھٹک جاؤں گا؟ کیا حرم کے قریب پہنچ کر بھی بدوی قزاق مجھے گرفتار کر لیں گے؟ ہائے افسوس! کیا "نحر" کی فجر طلوع ہو جائے گی جبکہ ابھی میں عرفات تک پہنچا ہوں اور کیا زندگی کا سفر برباد ہو جائے گا اور مقصود نہیں حاصل ہو سکے گا۔

قد کنت لرجوک لنیل المنی والیوم لا اطلب الا الرضی

"پہلے میں تیری آرزو اپنی تمناؤں کے لیے کیا کرتا تھا لیکن اب میں صرف تیری رضا و خوشنودی کا طلبگار رہ گیا ہوں۔"

پھر میں نے کہا اے نفس! تیرے پاس کوئی پناہ گاہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ تو دروازے

---

[1] زباء اور قصیر کے قصہ کا حوالہ اس سے پہلے بھی آ چکا ہے اس لیے مختصراً نقل کیا جاتا ہے۔ جذیمہ ابرش کی زباء سے جنگ تھی۔ جذیمہ نے باپ کو قتل کر دیا اور اس کے ملک پر قبضہ کر لیا۔ زباء نہایت خوبصورت اور ہوشیار تھی۔ اس نے انتقام کی ٹھان لی اور جذیمہ کو نکاح کا پیغام دیا اس نے منظور کر لیا۔ جب جذیمہ محل میں داخل ہوا تو زباء نے اس کو قتل کرا دیا۔ جذیمہ کا ایک بہت وفادار غلام قصیر تھا اس نے آقا کا بدلہ لینے کی ٹھانی اور نہایت چالاکی سے زباء کی ملازمت حاصل کی۔ پھر اس کا اعتماد بھی حاصل کیا۔ آخر ایک دن موقع پا کر زباء کو گرفتار کر لیا اور جذیمہ کے بھائی کو قبضہ دلا دیا۔ یہ لمبا قصہ بہت طویل اور پر لطف ہے کتاب الاذکیاء کے ترجمہ لطائف علمیہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

"گڑگڑائے اور ڈوبنے والے کی طرح فریاد کرے پکارے، پھر اگر تجھ پر رحم ہو گیا تو کیا کہنا ورنہ کتنی حسرتیں مٹی کے نیچے مدفون ہو کر رہ گئی ہیں۔

سن رسیدہ حضرات کی رغبت کا علاج

مجلس.... مجھ سے ایک معمر آدمی نے شکایت کی اور کہا میری عمر زیادہ ہو چکی ہے اور قوت کمزور پڑ چکی ہے لیکن نفس کا تقاضا ہے کہ کم عمر باندیاں خریدوں! جبکہ یہ بات یقینی ہے کہ وہ نکاح کرنا چاہتی ہیں کی اور مجھ میں استطاعت نہیں ہے اور نفس کا معاملہ یہ ہے کہ وہ گھر کی مالک (یعنی پہلی بیوی) پر قناعت نہیں کر رہا ہے اس لیے کہ وہ بوڑھی ہو چکی ہے۔

میں نے کہا کہ میرے پاس اس کے دو جواب ہیں: ایک جواب تو عام ہے وہ یہ کہ میں کہوں کہ اب تم کو موت کی یاد اور آخرت کی فکر (جو کہ تمہارے سامنے ہے) مشغول ہونا چاہیے۔ لہٰذا ایسی باندی خریدنے سے احتیاط کرو جس کے حق کی ادائیگی پر تم کو قدرت نہیں رہ گئی ہے کیونکہ پھر وہ تم سے نفرت کرے گی۔ اگر تم نے حق ادا کرنے کی زبردستی کوشش کی تو جلد ہی اپنے کو ہلاک کرو گے اور اگر اپنی طاقت کی حفاظت کرنا چاہو گے تو پھر وہ غضبناک ہوگی جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ بوڑھا جیسا بھی ہو جوان عورت اس کو پسند نہیں کر سکتی ہے۔

محمد بن علی بن عبید اللہ نے سنایا اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کو محمد تمیمی نے یہ اشعار سنائے:

الا یا طالب الدنیا من غرامک و استمع مقالۃ محزون علیک شفیق

"اے دل! اپنے عشق سے افاقہ حاصل کر اور غور سے سن ایسے غمگین کی نصیحت جو تیرا خیر خواہ ہے۔"

عشقت فتاۃ قلبہا متعلق بغیرک فاستوثقت غیر وثیق

"تو ایسی نوجوان لڑکی میں لگا ہے جس کا دل دوسرے نوجوان سے متعلق ہے۔ لہٰذا تو ایسے کی قید میں جا رہا ہے جو آزاد ہے۔"

واصبحت موثوقا و راحت طلیقۃ فکم بین موثوق و بین طلیق

"یہ تو قیدی ہو گیا ہے اور وہ آزاد ہے پس سوچ لے کہ قیدی اور آزاد میں کیا رابطہ ہو سکتا ہے۔"

لہٰذا یہ خوب سمجھ لو کہ وہ تمہارے دن گنے گی اور تم سے زائد خرچ مانگ کر دوسرے کے لیے تیاری کرے گی بلکہ ممکن ہے تمہارے قتل کا ارادہ کرے۔ لہٰذا احتیاط بھی کرو جبکہ میں اس خیال کو

ترک کر دینے کی شکل میں ہے اور اس کی بیوی پر قناعت کر لو جس کے ذریعے کسی طرح یہ زندگی گزر جائے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ شادی کیوں کر وہ صورت ہو سکتی ہے یا تو کسی وقت ہمبستری پر تم کو قدرت ہوگی یا نہیں ہوگی۔

اگر قدرت نہ ہو تو مذکورہ وجوہ کی بنا پر صبر کی کوشش کر لینا تو بہتر ہے۔ اگرچہ عقلمند اور سمجھدار شخص اچھے اخلاق اور خرچ میں اضافے کے ذریعے بیوی کی دلداری کر سکتا ہے مگر بہرحال خطرہ سے خالی نہیں ہے۔

اور اگر قدرت ہو اور تم اپنے اندر شدید خواہش بھی محسوس کرتے ہو تو ایسی باندیاں خرید لو جو بچپن کے قریب ہوں کیونکہ جنہوں نے اب تک نکاح کو نہیں جانا ہوگا اور ہمبستری کی خواہش نہیں رکھتی ہوں گی پھر ان کی حفاظت کے اہتمام کے ساتھ ساتھ خرچ سے اور اچھے اخلاق سے ان کو مسرور کیے رکھو، عورتوں سے میل جول نہ رکھنے دو۔

اور جب ہمبستری کا اتفاق ہو تو اتنا زیادہ ٹھہر کے رہو کہ وہ اپنی خواہش پوری کر لے ان سب کے ساتھ ان کو آخرت کی یاد دلا کر نصیحت کرتے رہو اور ان کے سامنے اپنے عاشقوں کا ذکر کرو جنہوں نے نکاح نہیں کیا (جو کہ دور دور رہے) ہمبستری کی برائی دل میں بٹھاتے رہو اور ان کے دل کو صالحین کے تذکرے کی طرف موڑ دو اور خبردار! خوشبو، زینت کے سامان، سنگھار کے متاع، دلداری اور زیادہ خرچ کے سلسلے میں تم ہرگز بخل نہ کرنے پاؤ کیونکہ یہ چیز بھی اونٹنی کو (ساتھی کے ساتھ) چلنے کے لیے حرکت میں لے آتی ہے۔

انجام پر نظر

مجلس... وہ شخص سب سے بڑا احمق ہے جو صرف موجودہ حالت پر نظر رکھے اور اس کے بعد کا تصور کرے نہ کہ پیش آنے والے حادثات کو دل میں جگہ دے۔

مثلاً کوئی شخص حاصل شدہ حکومت پر غرور کرتا ہے لہٰذا اپنی سلطنت اور اختیار کلی کے تقاضوں پر عمل کرنے لگتا ہے پھر جب حالت بدلتی ہے تو ہلاکت میں پڑ جاتا ہے۔ اسی طرح کسی سچے کو جو نظم یا پیشہ کا متعین کچھ دنوں سے شخص کو برباد کرتا ہے لیکن جب سامنے

بدلتا ہے تو پھر تلافی نہ کر سکنے کی وجہ سے شرم اور پچھتاوے کے مارے ہاتھ کاٹتا ہے۔

ایسے ہی جس کے پاس مال ہوتا ہے تو اس کے موجود ہونے پر اطمینان کر کے فضول خرچی شروع کر دیتا ہے اور مال کے ختم ہو جانے کا زمانہ بالکل بھولا رہتا ہے۔

یہی حال اس کا بھی ہے جو خواہشات کے پیچھے پڑا رہتا ہے کہ ہر طرح کی چیزیں کثرت سے کھاتا پیتا رہتا ہے، کئی کئی نکاح کر لیتا ہے یہ سمجھ کر کہ فی الحال عافیت ہے حالانکہ ان کے بعد جو امراض اور آفتیں وجود میں آتی ہیں ان کو بھول جاتا ہے۔

اس طرح کا ایک دلچسپ اور عجیب حال یہ ہے کہ آدمی کسی باندی سے محبت کرتے ہوئے اس کو آزاد کر دیتا ہے اور اس کو کچھ جائیداد وغیرہ بھی دے دیتا ہے یا بیوی سے مطمئن اور خوش ہو کر جائیداد اس کے نام کر دیتا ہے پھر چند دن بھی نہیں گزرتے کہ اس کو چھوڑنا پڑ جاتا ہے یا دوسری کی طلب ہو جاتی ہے لیکن چھٹکارہ کا راستہ نہیں پاتا ہے کیونکہ اگر یہ اس کو چھوڑ دے تو سارا مال غنیمت وہ لے جائیں گی پھر جتنی لذت نہیں اُٹھائی تھی اس سے زیادہ تکلیف اور گھٹن برداشت کرنا پڑتی ہے۔

لہٰذا کسی عورت یا کسی انسان کی محبت پر اتنا اعتماد نہیں کرنا چاہیے کیونکہ آدمی کسی عورت سے محبت کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس سے جدائیگی کی نوبت نہ آئے گی یہ سوچ کر خوب فراخدلی کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن اچانک جدائیگی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسا ہو جاتا ہے کہ آدمی کو کسی اور سے محبت ہو جانے کی وجہ سے پہلی کی طرف توجہ ہٹ جاتی ہے لیکن اس کے لیے پہلی سے چھٹکارہ حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

سمجھدار وہی شخص ہے جو کسی چیز میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک اس سے نکلنے کی تدبیر نہ سوچ لے کیونکہ کوئی چیز بھی اپنی حالت پر نہیں رہتی ہے، محبت اور دوستی بھی ہمیشہ باقی نہیں رہتی ہے، تغیر اور تبدل ہر حال میں پیش آتا ہے۔

ایسا ہی یہ معاملہ بھی ہے کہ اپنا سارا مال اولاد کو دے کر خود اس کے بھروسہ پر رہ جائے کہ پھر اولاد اس کی موت کی تمنا کرنے لگتی ہے اور بسا اوقات خرچ میں تنگی کر دیتی ہے۔ اسی طرح دوست پر اعتماد کر کے اس کو اپنے راز سے آگاہ کر دینا بھی بیوقوفی ہے کیونکہ کبھی وہ

دوست کوئی راز افشاء کر دیتا ہے جو اس کی ہلاکت کا سبب ہو جاتا ہے۔

ایسے ہی یہ معاملہ بھی ہے کہ انسان اپنی سلامتی پر مغرور ہو کر موت کے آنے کو بھولا رہتا ہے پھر موت اچانک ہی آجاتی ہے اور یہ مبہوت رہ جاتا ہے کیونکہ تلافی کا موقع ختم ہو گیا اور پچھتاوا باقی رہ جاتا ہے۔

لہذا سمجھدار وہی شخص ہے جس کی نگاہ انجام پر باقی ہو جو حالات پیش آ سکتے ہوں ان سے متکلم ہو ہر حال میں احتیاط کا راستہ اختیار کرتا ہو مال اور راز کی حفاظت کرتا ہو بیوی بچوں اور دوستوں پر اعتماد کرتا ہو کوچ کے لیے تیار ہو اور جانے کے لیے آمادہ ہو یہی احتیاط اور سمجھدار لوگوں کا شیوہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور فیصلے

مجلس..... ایک عجیب ترین معاملہ یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے فیصلوں کی حقیقت معلوم کرنے کی فکر و جستجو میں لگ جاتا ہے حالانکہ ایسا ہونا ممکن نہیں صرف اجمالی معرفت ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

چنانچہ متکلمین نے بہت کوشش کی لیکن کچھ پا نہیں سکے۔ یہاں تک کہ سمجھدار متکلمین نے لوٹ کر تسلیم و عاجزی کو اپنا لیا۔ ایسے ہی اہل رائے کا حال ہوا کہ انہوں نے قیاس سے کام لینا شروع کیا لیکن جب دیکھا کہ بہت سی چیزیں مراد کے خلاف پیش آئیں تو پھر تسلیم کے سوا کوئی چارہ نہیں پایا۔ لہذا عقل و قیاس کے خلاف جس چیز کو پایا اس کو "استحسان" سے تعبیر کیا۔

لہذا فقیہ اور سمجھدار وہی ہے جو ممکن چیزوں کی توجیہ کرے اور جس وقت توجیہ سے عاجز ہو جائے تو سر تسلیم خم کر دے یہی غلاموں کی شان ہے۔

رہا وہ شخص جو کہتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اور اس کا کیا مطلب ہے؟ تو وہ بادشاہ کے راز پر مطلع ہونے کی جسارت کر رہا ہے حالانکہ دو وجہ سے اس کی کوئی صورت نہیں ہے۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت سی حکمتوں کو مخلوق سے چھپا رکھا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسانی اعضاء میں اللہ تعالیٰ کی تمام حکمتوں کے ادراک کی طاقت اور صلاحیت ہی نہیں ہے۔ لہذا معترض کے پاس سوائے اپنے اعتراض کے جو اس کو کفر کی طرف

لے جائے کچھ باقی نہیں رہ سکتا ہے۔

"فلیمدد بسبب الی السماء ثم لیقطع فلینظر هل یذهبن کیده ما یغیظ"

"تو اس کو چاہیے کہ ایک رسی آسمان تک تان لے پھر اس رسی کو موقوف کر دے پھر غور کرنا چاہیے کہ آیا اس کی تدبیر ناگواری کی چیز کو موقوف کر سکتی ہے؟" (بیان القرآن)

مطلب یہ ہے کہ جو شخص میرے افعال اور فیصلوں پر راضی ہو تو ٹھیک ہے باقی جس کو میرے فیصلوں پر اعتراض ہو وہ غصہ میں خود ہی اپنا گلا گھونٹ ڈالے کیونکہ میں جو چاہتا ہوں وہ کرتا ہوں۔

اس دور میں خلوت کی ضرورت

مجلس۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے علم سے نوازا ہے اور حضرات سلف کے حالات کے مطالعہ کی توفیق بخشی ہے وہ محسوس کرے گا کہ سارا عالم تاریک ہے دنیا کے اکثر افراد بیماری کی بلا سے بھیگے ہوئے ہیں اور ان سے میل جول نقصان دہ ہے نفع نہیں ہے لہذا اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ طبیعت دوسروں کے اخلاق چرا لیتی ہے میل جول سے پرہیز نہیں کرتا ہے۔

ہونا تو یہ چاہیے کہ آدمی علم و عمل میں اپنے سے زیادہ اور برتر کے ساتھ رہتا کہ ان سے استفادہ کر سکے۔ باقی نیچے والوں سے ملنے میں نقصان ہی پہنچتا ہے۔ الا یہ کہ کوئی عامی استاذ سے سیکھنے کے لیے آ رہے تو پھر اس کے ساتھ (احتیاط کرتے ہوئے) اختلاط کر لینا بہتر ہے۔

اس دور میں اگر عوام سے اختلاط ہوتا ہے تو وہ دلوں کو مکدر کر دیتے ہیں۔ گویا سراپا تاریکی ہیں اس لیے اگر کوئی عالم عوام سے اختلاط کرنے پر مجبور ہو جائے تو احتیاط کا لباس پہن کر ملے اور ان کے پاس صرف نصیحت و تادیب ہی کے لیے بیٹھے۔

اور اگر علماء سے اختلاط ہو تو یہ دیکھو گیا کہ اکثر علماء راہ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔ مقصود علم کو بنا لیا ہے نہ کہ عمل کو۔ لہذا تم انہیں آخرت کی یاد اور اس کا تذکرہ کرتے ہوئے نہیں دیکھو گے ان کا عام مشغلہ غیبت، دوسروں پر غلبہ پانے کی فکر اور دنیا کا حصول ہے اور ان سب سے بڑھ کر اپنے ہم رتبہ علماء سے وہ جلن اور حسد ہے جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اگر امراء و حکام سے میل جول رکھا جائے تو یہ دین کو برباد کرنے کی کوشش ہوگی کیونکہ

اگر ان کے لیے دنیاوی منصب قبول کیا تو پھر اس کے لیے تملق ضروری ہے۔ اس سے ایمان پر
عداوت کا غلبہ ہے اور شریعت سے بے رخی ان کا شیوہ ہے اور اگر کوئی دینی منصب مثلاً قضاء کا
عہدہ قبول کیا تو پھر بھی وہ ایسی باتوں کا حکم دیں گے جن سے عداوت ہی کی جا سکے گی اور
اگر کبھی کوئی تو قبول نہیں کریں گے بلکہ اکثر لوگ تو اپنے عہدے سے ہٹ جانے کے خوف
سے خود ہی ان کے بتائے ہوئے کام انجام دے ڈالتے ہیں۔ اگرچہ انہیں اس پر مجبور کیا
گیا ہو۔ اس زمانہ میں تو میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ قاضی بننے کے لیے
رشوت دیتے ہیں اور مقصد صرف عہدہ اور بلندی کی خواہش ہے۔

پھر اکثر گواہ جن کو نہیں جانتے ان کے متعلق بھی گواہی دے ڈالتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ
یہ شخص "نیک" ہے حالانکہ خوب جانتے ہیں کہ "جھوٹا" ہے مگر اس لیے نیک بتا دیا کہ اس
سے "کچھ" حاصل کر سکیں گے۔ کتنا ہی ہوتا ہے کہ اصل ملزم کے بجائے دوسرے پر گواہی
دے دیتے ہیں یا کسی مجبور اور بے بس شخص پر۔

ایسے ہی اگر اہل تصوف سے اختلاط رکھا جائے تو ان میں سے اکثر اپنی روش پر نہیں رہ گئے
ہیں بلکہ علم کے خلاف راستہ اپنا لیا ہے اپنے لیے بہت سوں کا خیال باندھ لیا ہے اس لیے نہ مسکرا سکتے
ہیں نہ بازار جا سکتے ہیں بلکہ حد سے زیادہ خشوع کا مظاہرہ کرتے ہیں حالانکہ یہ سب تکلف ہے۔

ان میں بہت سے ایسے ہیں جو کپڑے کے نیچے اونی لباس بھی پہنے رہتے ہیں اور کبھی کبھی
اپنی آستین اٹھا کر دکھاتے ہیں تاکہ وہ اونی لباس سامنے والے کو نظر آ جائے۔ حضرت محمد بن
حسینؒ کی حکایت ہے کہ انہوں نے اسی طرح کے ایک صوفی سے پوچھا کہ "تم عراق میں کب
سے ہو؟" اس نے جواب دیا کہ "میں بیس سال پہلے عراق میں داخل ہوا تھا اور میں تیس سال سے
روزے سے ہوں" آپ نے فرمایا کہ "میں نے تو تم سے ایک سوال کیا تھا لیکن تم نے دو جواب دیئے۔"

صوفیاء کی کوٹھریاں سرائے ہوتی ہیں۔ گویا وہ مسجد سے الگ مستقل عبادت خانے ہیں جو
کیونکہ وہ بہت ناپسندیدہ جگہیں ہیں جن میں ایسے لوگ بیٹھتے ہیں جو قدرت کے باوجود کسب و
محنت سے کاہل ہوتے ہیں پھر بیٹھ کر صدقات و زکوٰۃ وصول کرتے اور دوسروں کے احوال کے
متعلق بحث کرتے ہیں جبکہ انہوں نے اپنے آپ کو علم کے حصول و تحریر کی مشقت سے بھی

راحت محسوس کر سکتا ہے۔ ان میں سے اکثر نوافل بھی کثرت سے پڑھتے اور خلوات میں اُٹھ کر تہجد پڑھتے ہیں۔ پس ساری توجہ کھانے پینے اور نفس کی طرف رکھتے ہیں ان لوگوں نے شریعت کے خلاف کچھ طریقے اختیار کر لیے ہیں۔ مثلاً یہ کہ بغیر کسی فقر و احتیاج کے پیوند لگے کپڑے پہنتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ اس لیے کہ ان کے پاس تصوف کی علامتوں میں سے صرف یہی "معمولی کپڑے" ایک علامت رہ گئی ہے۔ چنانچہ ان کے کپڑے اور لباس پکار پکار کر کہتے ہیں کہ ہم لوگ "صوفی" ہیں ورنہ باقی اندرونی اعمال و کردار اگر لوگوں کو معلوم ہو جائیں تو رسوا کن ہیں۔ چنانچہ دیکھو کہ شیخ چہار جانب ہے، محل نئے آباد ہیں، حلوہ اور شیرینی کی کثرت سے ہے، خوشبو اور اسباب راحت مہیا ہیں اور ان سب کے ساتھ اس صورت سے کبر بھی حاصل ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مالک بن فضلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب برا کہنہ حال دیکھا تو دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے پاس مال نہیں ہے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! مجھ کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے مال سے نوازا ہے تو آپ نے فرمایا:

فان اللّٰہ عزوجل اذا انعم علی عبد نعمۃ احب ان تری علیہ

"اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ پر کوئی انعام فرماتے ہیں تو اس پر اس کا اثر دیکھنا چاہتے ہیں۔"

ان صوفیوں کی ایک خصلت یہ بھی ہے کہ لوگوں کو علم سے نفرت دلاتے ہیں، کہتے ہیں کہ وسائل کی کیا ضرورت ہے؟ "مقصود تو "قلب" ہے اور "رب" ہے۔ اسی طرح اور بھی ان کے بہت سے منکر اقوال و افعال ہیں جن کو میں نے اپنی کتاب "تلبیس ابلیس" میں ذکر کیا ہے۔[1]

کاش! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دور میں موجود ہوتے تو ہر ایک ان کو سو کوڑے لگواتے نہیں بلکہ ان "خوارج" کے لیے تلوار استعمال کرتے۔ آپ دیکھو یہ سب شہر کے اندر موجود ہیں لیکن علماء کو ان کے اوپر کچھ اختیار نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان کے بارے میں علماء کا قول تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

---

۱ حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب بھی ترجمہ ہو کر چھپ گئی ہے "تلبیس ابلیس" اردو کے نام سے دستیاب ہے۔ شیطانی دھوکوں اور ہر طبقہ کے افراد کی غلطیوں کی نشاندہی اور علاج میں بہت مفید اور مؤثر کتاب ہے۔ اسی طرح ایک اور کتاب بھی حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی ترجمہ کردہ "شیطانی دھوکے" جو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی "کتاب الغرور" کا ترجمہ ہے۔ نہایت مفید اور مؤثر ہے ادارہ اشاعت السنۃ سے طلب کی جا سکتی ہے۔ مترجم

حاصل یہ کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حضرات سلف کی سیرتوں کے مطالعہ کی توفیق عطا کی ہے اور ان کی پیروی نصیب کی ہے وہ اسی بات کو ترجیح دے گا کہ ساری مخلوق سے کنارہ کش ہو جائے' کسی سے میل جول نہ رکھے کیونکہ جس نے لوگوں سے اختلاط کیا اس نے نقصان اُٹھایا اور جس نے بھی عوام کی مدارات کی وہ مداہنت اور دین میں سستی سے محفوظ نہیں رہ سکا کیونکہ آج کل نصیحت و خیر خواہی قابل قبول نہیں ہے۔

ناصحامت کر نصیحت! جی مرا گھبرائے ہے   میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے

دشمن کیساتھ برتاؤ

مجلس..... بے بیوقوفی کی بات ہے کہ تم اپنے کسی دشمن یا حاسد کے ساتھ فوراً لڑ بیٹھو! کرنا یہ چاہیے کہ اگر اس کا حال معلوم ہو جائے تو اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو جس کی وجہ سے آپس میں صلح اور سلامتی رہے۔ اگر وہ معذرت کرے تو اس کا عذر قبول کرلو اور اگر لڑائی کا ارادہ رکھتا ہو تو بے رُخی کر جاؤ اور یہ ظاہر کرو کہ آپس کے تعلقات ٹھیک ہیں کوئی دشمنی نہیں ہے پھر اس کی طرف سے محتاط بھی رہو' کسی حال میں بھی اس پر بھروسہ نہ کرو' بظاہر میل جول رکھو لیکن حقیقت میں اس سے کنارہ کش رہو۔

پھر جب تمہاری خواہش ہو کہ اس کو ستاؤ اور تکلیف پہنچاؤ تو سب سے زیادہ اس کو اس بات سے تکلیف پہنچے گی کہ تم اپنے حالات درست کرلو اور اس کی کوشش میں لگ جاؤ کہ تمہاری جو کمزوریاں اس کے علم میں ہیں ان کا علاج کر ڈالو۔

ویسے اس کے حق میں سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے لیے معاف کردو۔ لہٰذا اگر وہ برا بھلا کہنے میں آگے بڑھے تو تم اعراض اور معاف کرنے میں آگے بڑھ جاؤ تو پھر عوام تمہاری طرف سے اس کی گالیوں کا بدلہ لیں گے اور علماء تمہاری بردباری پر تعریف کریں گے۔

پھر یہ کہ اس طرح کے اوصاف سے اس کو ستانا اور غم پہنچانا (جبکہ اس کے علاوہ دوسرے طریقے دل میں ہوں) یقیناً اس تکلیف دہ جملہ سے بہتر ہی ہے جو تم اس کو کہو پھر اس کا کئی گنا اس سے سنو اور یہ بات بھی ہے کہ لڑائی جھگڑے کے ذریعے ظاہر کردو گے کہ تم اس کے دشمن ہو۔ لہٰذا وہ اپنے بچاؤ کا سامان کر کے آزادی کے ساتھ زبان درازی کرے گا جبکہ معافی اور

اعراض کی وجہ سے وہ تمہارے دل کے ارادوں سے ناواقف رہے گا تو پھر تمہارے لیے پتہ
ہونے لگے کر دل ٹھنڈا کرنے کا موقع ممکن ہوگا۔ ہاں اگر تم اس سے کوئی ایسا بدلہ لو گے جو تمہارے
دین کے لیے نقصان دہ ہو (مثلاً غیبت کرو یا ظلم کر بیٹھو وغیرہ) تو پھر اسی کا دل ٹھنڈا ہوگا۔

یاد رکھو! وہ شخص کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا جو گناہ سے ہار گیا ہو۔ کامیابی کے لیے
خوبصورتی کے ساتھ اعراض اور بے رخی ہی سب سے بہتر ہتھیار ہے۔

لیکن یہ سب وہی کر سکتا ہے جو یقین رکھے کہ دشمن کا مسلط ہونا یا تو کسی گناہ کی سزا کی
وجہ سے ہے یا آزمائش کے ذریعے درجات کی بلندی کے لیے کیونکہ پھر وہ شخص دشمن پر نگاہ
نہیں رکھے گا بلکہ تقدیر کا فیصلہ سمجھے گا۔

دعا اور آدابِ دعا

مجلس۔ جب تم کسی ایسی آزمائش میں پڑ جاؤ جس سے چھٹکارا پانا دشوار معلوم ہو تو پھر
تمہارے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ پہلے تم اپنے گناہوں سے توبہ کرو پھر اللہ کی پناہ پکڑو اور دعا مانگو۔

پہلے توبہ اس لیے ضروری ہے کہ لغزشیں ہی سزا کا سبب بنتی ہیں۔ لہٰذا جب توبہ کے
ذریعے لغزشیں مٹ جائیں گی تو سزا بھی ختم ہو جائے گی۔ پھر جب توبہ کر لو اور دعا مانگ لو
لیکن قبولیت کا اثر نہ پاؤ تو اپنی توبہ کا پھر سے جائزہ لو ممکن ہے توبہ صحیح نہ ہوئی ہو لہٰذا اس کو صحیح
کر کے پھر سے دعا مانگو اور دعا مانگنے سے اکتاؤ مت! کیونکہ کبھی تو تاخیر ہی سے قبول کرنے
میں مصلحت ہوتی ہے بلکہ کبھی قبول نہ کرنے میں ہی مصلحت ہوتی ہے۔ پس تم کو تو ثواب
ملے گا اور ایسی چیز سے نواز دیئے جاؤ گے جس میں تمہارا نفع ہو۔

اور یہ بھی ایک طرح کا نفع ہے کہ جو کچھ تم مانگ رہے ہو وہ نہ دے کر اس کے بدلے میں
کوئی بہتر چیز دے دی جائے۔ اب اگر شیطان آوے اور کہے کہ تم کتنی مدت سے دعا کر رہے
ہو لیکن قبولیت کا اثر نہیں دیکھ رہے ہو تو اس سے کہہ دو کہ میں دعا کے ذریعے بندگی اور غلامی
کا اظہار کر رہا ہوں اور مجھے اس کا یقین ہے کہ دعا کا جواب ضرور ملے گا۔ مگر یہ کہ کبھی کسی
مصلحت کی وجہ سے تاخیر ہوتی ہے۔ لہٰذا میرا مطلوب مناسب وقت میں مجھ کو مل جائے گا
اور اگر بالفرض نہ بھی ملا تو بندگی اور عاجزی تو حاصل ہو ہی گئی۔

پاخانہ صاف کرنے والا ہے تو یہ قوم سب سے ذلیل اور کم رتبہ لوگ ہیں۔

ان جاہلوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو لذتوں کے طالب اور خواہش مند ہیں لیکن جب معاش کمائی نہیں ہوتا ہے تو ڈاکہ زنی کے لیے نکل پڑتے ہیں۔ یہ قوم میں یہ سب سے احمق طبقہ ہے کیونکہ ان کو تنگی اور فاقہ کچھ بھی میسر نہیں ہے اگر کسی وقت میں تھوڑی دیر کے لیے کھانے پینے کے سامانوں سے لذت اٹھانا چاہتے ہیں تو اگر اس وقت ہوا سے کوئی کھٹکا ہے تو یہ بادشاہ کے خوف سے ہار کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں پھر ان کی زندگی بھی بہت مختصر ہوتی ہے (پکڑے جاتے ہیں) پھر قتل ہوتے ہیں، سولی پر چڑھائے جاتے ہیں اور آخرت کا عذاب الگ سے ساتھ میں رہتا ہے۔

انہی میں وہ دیہاتی بھی ہیں جن کو جہالت گھیرے ہوئے ہے اکثر ان میں نجاست سے پرہیز نہیں کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ گائے بیل کی طرح ہیں۔

پھر میں نے عورتوں کے حالات پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ ان کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ چنانچہ ان میں جو خوبصورت ہے وہ زنا کرتی ہے۔ کچھ ایسی ہیں جو شوہر کے مال میں خیانت کرتی ہیں۔ بہت سی ایسی ہیں جو نماز نہیں پڑھتی ہیں اور دین کی کچھ خبر نہیں رکھتی ہیں۔ بس یہ سب جہنم کی زائد ایندھن ہیں۔

جب یہ کوئی نصیحت سنتی ہیں تو اس طرح جیسے وہ نصیحت کسی پتھر کو کی گئی ہو اور جب ان کے سامنے قرآن کے مضامین نقل کیے جاتے ہیں تو اس طرح سنتی ہیں جیسے قصہ کہانی سن رہی ہوں۔

اب رہ گئے علماء تو جو ان میں ابتدائی ہیں ان میں سے اکثر بری نیت رکھنے والے ہیں یعنی علم کے حصول سے عمل کے قصد کے بجائے فخر و مباہات کی نیت رکھتے ہیں اور اس گمان پر کہ علم ان کی طرف سے دفاع کا کام دے سکتا ہے دنیا کی طرف مائل رہتے ہیں حالانکہ یہی علم ان کے خلاف حجت بنے گا۔

اور جو علماء متوسط اور مشہور ہیں تو ان میں سے اکثر بادشاہوں کے یہاں حاضری دیتے ہیں اور منکر پر نکیر سے سکوت کرتے ہیں۔

"بہت کم ہی علماء ایسے ہیں جن کی نیت درست ہو اور قصد بھلا ہو۔" چنانچہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے خیر کا ارادہ فرما لیتے ہیں اس کو علم کی طلب میں "حسن نیت" عطا فرماتے ہیں۔ لہٰذا وہ علم اس نیت سے حاصل کرتا ہے کہ خود نفع اٹھائے اور دوسروں کو نفع پہنچائے اور ایسے کام

کی پرواہ نہ کرے جس کی طرف اس کا علم رہبری نہ کرے۔

ایسے عالم کو تم دیکھو گے کہ دنیاداروں سے کنارہ کش رہتا ہے' عوام کے میل جول سے پرہیز کرتا ہے اور اس اندیشے کی وجہ سے کہ کہیں زیادہ کے حصول کی فکر میں دنیا میں نہ مبتلا ہو جائے تھوڑے پر قناعت کر لیتا ہے اور گوشہ نشینی کو ترجیح دیتا ہے کیونکہ آخرت کے لیے اس سے بہتر کوئی عذر نہیں ہے۔

یہ سمجھو کہ عالم کے لیے بادشاہوں کے ہاں حاضری سے زیادہ مضر کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ اس کی وجہ سے عالم کو دنیا خوبصورت معلوم ہونے لگتی ہے اور منکرات کی حیثیت گھٹ جاتی ہے کبھی کوئی عالم منکرات پر ٹوکنا چاہتا ہے لیکن اس کو موقع نہیں مل پاتا ہے تو اس وقت اگر خود اس کو قناعت حاصل نہ ہو اور دنیا کے حصول کے لیے نفس غالب ہو گیا ہو تو پھر ان منکرات سے اپنے کو بچانا دشوار ہو جاتا ہے اس لیے کہ وہ انہی لوگوں کے ساتھ بیٹھ رہا ہے جو ان منکرات میں مبتلا ہیں۔

جب حال یہ ہے کہ ایک آدمی تھوڑی دیر بازار میں چلتا ہے تو بازار کی رونق اور ناپسندیدہ چیزوں کو دیکھ کر اپنے علم و تقویٰ کو بھولنے لگتا ہے تو پھر جب مال داروں کے پاس بار بار جانا ہو اور ان کی دولت کی حرص بھی ہو تو کیوں نہ اثر پڑے گا۔

رہی تنہائی اور گوشہ نشینی تو بلاشبہ وہ دل کے رجوع اور فکری اطمینان کا سبب ہے تنہائی میں آدمی انجام کو سوچتا ہے' سفر آخرت کی تیاری کرتا ہے اور توشہ جمع کرنے کی فکر میں لگتا ہے پھر اس خلوت کے ساتھ قناعت بھی جمع ہو جائے تو نہایت پسندیدہ احوال حاصل ہو جاتے ہیں۔

اس لیے اس دور میں صرف ایسی کتابوں کی ہم نشینی اختیار کرنی چاہیے جو تمہارے سامنے حضرات سلف کے احوال کو بیان کریں رہا علماء کے پاس بیٹھنا تو یہ خطرہ سے خالی نہیں ہے[1] کیونکہ وہ عام طور پر آخرت کے ذکر پر نہیں آتے ہیں اور عوام کی ہم نشینی تو سراسر دین کے لیے فتنہ ہے مگر یہ کہ (اگر کوئی عالم اختیار کرے تو) احتیاط کے ساتھ بیٹھے اور ان کو بولنے اور بات کرنے سے منع کر دے یعنی خود کلام کرے اور ان کو سننے کا پابند کرے (تو البتہ بچ سکتا

---

[1] اس سے مراد ظاہر ہے کہ وہی علماء ہیں جو آخرت سے غافل اور دنیا میں منہمک ہیں ورنہ علماء جو صلحاء بھی ہوں یعنی جن کو دیکھنے سے خدا تعالیٰ اور آخرت کی یاد بڑھتی ہو اور دنیا کی محبت گھٹتی ہو ان کی صحبت نہ صرف یہ کہ اختیار کرنا مناسب ہے بلکہ ضروری اور بمنزلہ فرض کے ہے۔ "کما قال بہ التھانوی" کیونکہ اس کے بغیر دین کا صحیح مزاج اور ذوق حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ ہزارہا افراد اُمت کے تجربات و مشاہدات اس کی دلیل ہیں۔ ۱۲ احمزہ

ہے) لیکن پھر بھی ان سے دور رہنے کے لیے بالکل تیار رہے۔

اور یہ سمجھ لو کہ عوام سے پوری کنارہ کشی جب ہی ہو سکتی ہے جب آدمی لالچ ختم کر دے اور لالچ کے ختم کرنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے کہ تھوڑے پر قناعت اختیار کرے یا کچھ تجارت بھی کرے یا کوئی عمارت ہو جس کو کرایہ پر اٹھا دے کیونکہ جب کوئی ضرورت پیش آجاتی ہے تو فکر منتشر ہونے لگتی ہے۔

پھر جب کوئی عالم مخلوق سے لالچ ختم کر کے کنارہ کش ہو کر بیٹھ گیا اور آخرت کی یاد میں مشغول ہو گیا تو سمجھ لو کہ یہی وہ عالم ہے جو اپنے علم سے نفع اٹھا رہا ہے اور نفع پہنچا بھی رہا ہے۔ "واللہ الموفق"

جنت کی قیمت اور اس کے راستہ کا چراغ

مجلس:..... جس شخص نے فکر کی نگاہ سے یہ سوچا کہ جنت میں ہمیشہ رہنا ہوگا بغیر کسی کدورت کے نہایت صاف ستھری زندگی حاصل ہوگی لذتوں میں کبھی انقطاع نہ ہوگا نفس کی ہر خواہش پوری اور ہر مطلوب حاصل ہوگا اور نعمتوں میں وہ اضافہ ہوگا جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال گزرا ان نعمتوں میں تبدیلی ہوگی اور نہ زوال ہوگا اس لیے کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جنت ایک لاکھ سال تک رہے گی اور نہ کروڑ سال کی حد ہو سکتی ہے بلکہ اگر کوئی شخص ہزاروں سال تک ہزاروں کی گنتی شمار کرتا رہے تو بھی اس کے ایام ختم نہیں ہو سکتے اور نہ اس کی کوئی انتہاء ہوگی۔ لہٰذا آخرت کی بقا ملکیت ہے کہ اس کو کبھی ختم نہیں ہونا ہے۔

مگر یہ کہ وہ (طویل اور خوشگوار زندگی) اس عمر کی پونجی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ہے جبکہ عمر کی مقدار کیا ہے؟ اس کی انتہائی مدت سو سال ہو سکتی ہے جس میں پندرہ سال بچپن اور نادانی کا زمانہ ہے اور ستر کے بعد والے تیس سال..... اگر حاصل ہو جائیں تو ..... ضعف اور عجز کا زمانہ ہے۔ باقی درمیانی مدت میں بھی آدمی میں سونا اور کھانا پینا اور کمانا ہے اسی طرح عبادات کے لیے بہت کم وقت بچتا ہے۔

اب بتاؤ کیا اس تھوڑی سی مدت کے بدلے وہ ہمیشہ رہنے والی طویل مدت خریدی جا سکتی ہے؟ یقیناً جو شخص اس خرید و فروخت سے بے رغبتی برتے اس کی عقل میں کھوٹ ہے

اور وعدوں پر ایمان میں خلل ہے (ورنہ کون بیوقوف ہوسکتا ہے جو اس قدر عظیم طویل اور لذیذ نعمت کو مختصر اور حقیر سی زندگی کے عوض خریدنے میں تامل کرے سوائے اس کے کہ عقل سے کورا ہو یا پھر اسے جنت اور جنت کے اسباب پر یقین نہ ہو۔۱۲)

اس موقع پر علم ہی وہ واحد روشنی ہے جو جنت کے راستہ کو روشن کرتی ہے اس راہ کے لیے مناسب زادِ راہ کو بتلاتی ہے اور اس کی مشکلات سے بچاتی ہے لیکن صوفیوں کے ایک گروہ میں شیطانوں نے کچھ آفات پیدا کردی ہیں جن میں سے بڑی آفت یہ ہے کہ ان کا رُخ علم سے پھیر دیا ہے۔ دراصل اس نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ چراغ کو بجھا دے پھر تاریکی میں اطمینان سے چوری کرسکے۔ چنانچہ بڑے بڑے اہل علم حضرات کو پکڑ لیا اور اس طریقہ سے انہیں ایسے راستوں پر لے کر چلا جن سے ان کا علم روکتا تھا۔

میں نے ابو حامد طوسی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ دیکھا جس کو انہوں نے کسی کتاب میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں: ''میں نے صوفیاء میں سے ایک بڑے اور قابل اتباع صوفی سے مشورہ کیا کہ میں قرآن پاک کی تلاوت مسلسل پابندی سے کرتا ہوں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو انہوں نے مجھ کو اس سے منع کردیا اور فرمایا کہ راہِ سلوک یہ ہے کہ تم اپنے تمام علائق دنیوی سے علیحدہ ہوجاؤ اس طرح کہ تمہارا دل نہ بیوی کی طرف متوجہ ہو نہ لڑکے کی طرف اور نہ مال کی طرف نہ علم کی طرف بلکہ ایسی حالت حاصل کرو کہ تمہارے لیے ان چیزوں کا وجود اور عدم برابر ہوجائے۔ پھر ایک گوشہ میں تنہائی میں بیٹھ جاؤ اور عبادت میں سے صرف فرائض اور سنن مؤکدہ پر اکتفا کرو دل کو فارغ کرلو اور اللہ اللہ کا ذکر کرتے رہو یہاں تک کہ یہ حالت ہوجائے اگر تم زبان کو حرکت دینا چھوڑ دو پھر بھی محسوس کرو کہ ذکر تمہاری زبان پر جاری ہے۔ اگر ایسا کرلیا تو پھر تم دیکھو گے کہ ایسے معانی اور مقامات تم پر کھلیں گے جیسے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ پر کھل چکے ہیں۔''

میں یہ کہتا ہوں کہ اس معاملہ میں مجھ کو ان وصیت کرنے والے شیخ پر تعجب نہیں ہوا میں تو ان صاحب پر تعجب کر رہا ہوں جنہوں نے اپنے (مسلم) علم و فہم کے باوجود اس مشورہ کو قبول کرلیا[1]۔

---

[1] (واقعہ کا ظاہر عوام کے لیے موحش تھا اس لیے علامہ ابن الجوزیؒ نے سد الطباب یہ طرز اختیار فرمایا ہے ورنہ کیا علامہ (اپنی بے نظیر فہم کے باوصف) اتنا نہیں سمجھ سکے ہوں گے کہ صوفی صاحب نے تلاوت قرآن سے روکا نہیں بلکہ علاجاً چند دنوں کے لیے مؤخر کیا ہے کیا بیمار کو بعض مقویات سے روکا نہیں جاتا ہے؟ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "علیک بذات الدین" (دیندار عورت کو اختیار کرو) تو پھر اس کی طرف مائل ہو اور اس سے اولاد حاصل کرو۔

لیکن پھر بھی اپنے میلان میں اعتدال پر رہو۔ یہ بات غلط ہے کہ تم محبوب کے سامنے اپنی محبت کا اظہار کرو کیونکہ وہ پھر تم پر قبضہ کرے گا اور تم کو اس سے تکلیف، سرکشی، بدخلقی اور زیادہ خرچ کا مطالبہ برداشت کرنا پڑے گا۔ اگرچہ وہ بھی تم سے محبت کرے گی لیکن یہ سب اس لیے ہوگا کہ ناز اور عاشق پر غلبہ کی خواہش یہی سب کراتی ہے۔

اور اس جگہ ایک عجیب نکتہ ہے وہ یہ کہ کبھی ایسا ہوگا کہ تم وقتی حال کے مطابق کوئی معاملہ کرنا چاہو گے اور وہ محبت کے تقاضا کو دیکھے گی تو یہ چیز تم سے نبھے گی نہیں لہذا تم مغلوب اور مقہور ہو کر رہ جاؤ گے اور چھٹکارہ مشکل ہو جائے گا اور ممکن ہے کہ وہ محبت کے ناز میں تمہارا راز معلوم کرنا چاہے یا زیادہ مال حاصل کر کے لے جائے۔

اس سلسلے میں سب سے اچھا وہ واقعہ ہے جو مجھ کو معلوم ہوا کہ کسی خلیفہ کی ایک باندی تھی جو خلیفہ سے بہت زیادہ محبت رکھتی تھی لیکن کبھی اس کے سامنے ظاہر نہیں کرتی تھی۔ اس سے پوچھا گیا کہ آخر کیوں تم نے چھپایا؟ تو اس نے کہا: اگر میں ظاہر کر دیتی تو وہ مجھ پر چڑھتا اور میں ہلاک ہو جاتی۔ شاعر کہتا ہے:

لا تظهرن مودة لحبيب ... فترى بعينك منه كل عجيب

"محبوب سے اپنی محبت کا اظہار کبھی نہ کرنا کہ اس کی عجیب عجیب اداؤں کو آنکھوں سے دیکھو گے"

اظهرت يوماً للحبيب مودتي ... فاخذت من هجر انه بنصيبي

"ایک دن میں نے اپنے محبوب سے اظہار محبت کر دیا تو پھر میرے حصے میں اس کا فراق ہی آیا۔"

ایسے ہی اولاد سے بھی کچھ محبت چھپانی چاہیے ورنہ پھر وہ تم پر غالب آ جائے گی تمہارا مال ضائع کرے گی ناز میں حد سے آگے بڑھ جائے گی اور تعلیم و تعلم سے محروم رہ جائے گی۔

اسی طرح جب تم کوئی دوست منتخب کرو اور اس کو جانچ پرکھ لو جب بھی اپنی ہر بات اس کو نہ بتاؤ بلکہ احسان کے ذریعے اس کی حفاظت کرو جیسے درخت کی حفاظت کی جاتی ہے کیونکہ جب درخت کی جڑ مضبوط ہوتی ہے تو نگرانی سے اچھا پھل حاصل ہوتا ہے۔ پھر اس

سے بھی احتیاط کے ساتھ رہو کیونکہ حالات بدلتے رہتے ہیں۔ چنانچہ کہا گیا ہے:

احذر عدوک مرة احذر صدیقک الف مرة

"دشمن سے ایک مرتبہ بچو اور دوست سے ہزار احتیاط کرو۔"

فلربما انقلب الصدیق فکان ادری بالمضرة

"کیونکہ جب دوست دشمن ہو جاتا ہے تو نقصان پہنچانے کے طریقوں سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔"

چھپانے کی چیزیں

مجلس... کسی شخص کی وجہ سے اگر تم اس سے نفرت کرتے ہو تو اپنی نفرت کو ظاہر نہ کرو کیونکہ پھر تم اس کو اپنے سے جدا کر دو گے اور مقابلہ کی دعوت دیدو گے پھر وہ تم سے جنگ اور تمہارے خلاف سازشیں شروع کر دے گا۔

اس لیے مناسب یہ ہے کہ اگر جب ہو سکے تو اس سے حسن سلوک سے پیش آؤ اور جہاں تک ہو سکے اس کو سابقہ تعلقات پر واپس لانے کی کوشش کرو یہاں تک کہ تمہاری دوستی سے شرمندہ ہو کر اس کی مخالفت اور دشمنی ٹوٹ جائے اور اگر تم سے نہ ہو سکے تو خوش اسلوبی سے علیحدہ ہو جاؤ اور کوئی ایسی بات نہ کرو جس سے اس کو تکلیف پہنچے بلکہ جب بھی اس کی طرف سے کوئی نامناسب اور سخت کلمہ سنو تو اس کا جواب اچھے کلمے سے دو کیونکہ اس سے اس کی زبان بند ہو جائے گی۔

اور یہی مناسب ان تمام چیزوں میں ہونا چاہیے جن کے اظہار میں کوئی اندیشہ ہو۔ لہذا خبردار! ایسی کوئی بات نہ کرو کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے منہ سے کوئی ایسا جملہ نکل گیا جس سے بادشاہ کی بے عزتی ہوتی ہو اور وہ جملہ بادشاہ تک پہنچ گیا تو پھر بولنے والے کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے یا کسی دوست کے متعلق کوئی جملہ نکل گیا اور اس سے دشمنی کا سبب ہو گیا یا اس کو کوئی ایسا شخص جو اظہار سے ڈرتا ہو اپنے دل میں محفوظ کر لیتا ہے (جس کا نتیجہ بعد میں ظاہر ہوتا ہے) لہذا احتیاط کی بات یہی ہے کہ دوستی اور دشمنی چھپائی جائے۔

اسی طرح اپنی عمر بھی چھپاؤ بالخصوص عورتوں سے بتاتے نہ پھرو کیونکہ اگر عمر زیادہ ہوئی تو لوگ تم کو بیکار بوڑھا بنا دیں گے اور اگر کم ہوئی تو حقیر سمجھیں گے۔

اپنے ہی مال کی مقدار بھی چھپانے کی چیز ہے کیوں کہ اگر زیادہ ہوا تو پھر تمہارے خرچ میں بخل کا عیب نکالیں گے اور اگر کم ہوا تو پھر تم سے نجات چاہیں گے۔

یہی مذہب کا معاملہ بھی ہے اگر ظاہر کرو گے تو اس سے مطمئن مت ہو کہ تمہارا کوئی مخالف اس کو نہ لے اور تم پر کفر کا فتویٰ لگا دے۔ ہم کو "محمد بن عبدالباقی بزاز" نے یہ اشعار سنائے:

احفظ لسانک لا تبح بثلاثة   سن و مال ما استطعت و مذهب

فعلی الثلاثة تبتلی بثلاثة   بمموه و مخرق و مکذب

”زبان کی حفاظت کرو خصوصاً تین چیزیں ظاہر مت کرو عمر، مال اور مذہب جہاں تک تم سے ہو سکے کیونکہ ان تینوں کی وجہ سے تین الزام میں گرفتار ہو سکتے ہو۔ ملمع سازی، عقل کی خرابی اور شریعت کی تکذیب میں۔“

بادشاہوں کی ہم نشینی

مجلس... مجھ کو ہمیشہ اس شخص پر تعجب ہوا جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے کے باوجود بادشاہوں کی خدمت کو اختیار کرتا ہے حالانکہ ان کے کھلے ہوئے مظالم کا روزمرہ مشاہدہ بھی کرتا ہے۔ تعجب ہے آخر ان کی کیا چیز اس کو اچھی لگ رہی ہے؟

اگر کوئی دنیوی ضرورت کے لیے جاتا ہے تو پھر اس کا کوئی علاج نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس کو اس اللہ کا نام یاد دلایا جائے جس کی طرف وہ اپنے جھوٹ موٹ منسوب کرتا ہے۔ یہ شخص بادشاہوں کی ہمنشینی سے یہ چاہتا ہے کہ اس کو مجلسوں میں صدارت حاصل ہو اور اپنے ہم عمروں پر کبر کی وجہ سے گردن اونچی کر سکے۔ رشوت اور ظلم کا مال وصول کرتا ہے حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ وہ کہاں سے حاصل ہوتے ہیں بلکہ کبھی خود ہی رشوتوں میں ملوث ہو جاتا ہے۔

پھر دیکھو کہ کبھی اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا غالب آ جاتا ہے اور یہ معزول کر دیا جاتا ہے تو پھر حکومت کے زمانہ کی ایک ایک حلاوت اور لذت، تلخی اور کراہت سے تبدیل ہو جاتی ہے اور اگر معاملہ زیادہ نہیں بگڑا تو بھی مغلوبیت کے زمانہ میں احتیاج اور فقر کی نوبت آ جاتی ہے پھر مدح کرنے والی زبانیں مذمت کرنے لگتی ہیں۔

اگر فرض کر لو کہ ان سب صورتوں سے محفوظ رہا تو بھی اپنے رقیب اور اس کی عداوتوں

کے اندیشے سے کیسے محفوظ رہ سکتا ہے؟ گویا اس کی مثال سمندر کے سوار کی سی ہے کہ اگر اس کا بدن ڈوبنے سے محفوظ رہ جاتا ہے تو بھی کم از کم دل خوف اور اندیشے سے تو نہیں بچ سکتا۔

اور اگر یہ عام لشکر اختیار کرنے والا دیندار ہو تو وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ بادشاہ اور اس کے حواشی اکثر اوقات میں اس کو دین کے تقاضوں پر عمل کرنے کا موقع نہیں دیں گے بلکہ واجبات کے ترک کرنے اور ممنوعات کا ارتکاب کرنے پر مجبور کریں گے جس کی وجہ سے بہت جلد اس کا دین برباد ہو جائے گا جبکہ آخرت کا عذاب تو بہت تکلیف دہ ہوگا۔

خودداری اور عزت نفس

مجلس... اس شخص پر بہت تعجب ہے جو ذلت سے نفرت کرتے ہوئے بھی خشک روٹی کے ٹکڑوں پر صبر نہیں کر پاتا ہے اور کمتر درجے کے لوگوں کے احسان اٹھا لیتا ہے۔

بتاؤ! کیا وہ جانتا نہیں ہے کہ اب کوئی صاحب مروت نہیں رہ گیا ہے؟ اگر کسی بخیل سے مانگو تو اولاً تو دیتا نہیں ہے اور اگر کچھ معمولی سا عطیہ دے بھی تو اس کی وجہ سے ساری زندگی غلام بنائے رکھنا چاہتا ہے۔

پھر وہ معمولی عطیہ بھی جلد ہی فنا ہو جائے گا جبکہ احسان شرمندگی اور اپنے اوپر حقارت کی نگاہ کیونکہ اس نے سوال کیا ہے باقی رہ جائے گی جبکہ دینے والے کی طرف ہمیشہ عظمت کی نگاہ اٹھے گی۔

پھر اس کی وجہ سے دینے والے کی غلطیوں پر سکوت بھی کرنا پڑے گا اور اس کے حقوق کی ادائیگی اور خدمت میں لگنا بھی پڑے گا۔

اور اس سے بھی عجیب تر یہ بات ہے کہ جو شخص شریفوں کو تھوڑی سی فنا ہو جانے والی دنیا دے کر غلام بنا سکتا ہو وہ اس میں کوتاہی کرے جبکہ کوئی شریف اور آزاد شخص احسان ہی سے خریدا جا سکتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

تفضل علی من شئت واعن بامرہ   فانت ولو کان الامیر امیرہ

"احسان کر جس پر تو چاہے اور اس کا کام پورا کر دے تو پھر اگر چہ وہ امیر اور سردار ہو لیکن تو اس کا امیر ہو جائے گا۔"

وکن ذاغنی عن من تشآء من الوریٰ   ولو کان سلطاناً فانت نظیرہ

"اور مخلوق میں سے جس سے تو بے نیاز ہو جا پھر وہ خواہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو تو اس کے برابر ہے"

ومن كنت محتاجاً اليه و واقفا على طمعم منه فانت اسيره

"اور جس کا تو محتاج ہو گیا اور کسی لالچ کے ساتھ اس کے پاس حاضر ہوا تو پھر تو اس کا قیدی ہے۔"

جوانوں کو نصیحت

مجلس: لڑکا جب بالغ ہو جائے تو اس کو زیادہ ہم بستری سے پرہیز کرنا چاہیے تاکہ یہ احتیاط بڑھاپے میں کام آئے کیونکہ بڑھاپے تک پہنچنا ممکن ہے اور ممکن کے لیے تیاری کر لینا احتیاط اور حزم کی بات ہے۔

پھر جبکہ بڑھاپا عام طور پر ملتا ہی ہے تو کیوں نہ احتیاط کی جائے؟ جیسے کہ جاڑے کے آنے سے پہلے اس کے لیے تیاری کی جاتی ہے۔

جب آدمی قدرت کے وقت "حاصل قوت" کو ختم کر دیتا ہے تو فاقہ کے وقت ضرورت کی وجہ سے تکلیف اٹھاتا ہے۔

دیندار اور سمجھدار شخص کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ لذت محبوب سے قرب کے بقدر ملتی ہے اور قرب بوسے اور لپٹنے سے حاصل ہوتا ہے پھر قرب سے محبت بڑھتی ہے محبت ہی سے لذت ملتی ہے جبکہ ہم بستری محبت کو گھٹاتی ہے جس کی وجہ سے لذت ختم ہو جاتی ہے۔

یہی وجہ تھی کہ اہل عرب عشق و محبت میں محبوب سے ہمبستری کے قائل نہیں تھے۔

چنانچہ ان میں سے کسی کہنے والے نے کہا ہے:

"ان نكح الحب فسد" "اگر محبوب سے نکاح ہو گیا تو محبت برباد ہو گی۔"

درحقیقت محض ہم بستری سے لطف اندوز ہونا جانوروں کا طریقہ ہے۔

ایک مرتبہ ہم نے ہم بستری کے مقصود کو سوچا تو اس کے نتیجے میں ایک عجیب حقیقت مجھ میں آئی جو بہت سے لوگوں پر مخفی رہ جاتی ہے وہ یہ کہ جب کسی سے عشق ہوتا ہے تو طبیعت اس کا قرب چاہتی ہے اس لیے آدمی لپٹتا اور چمٹتا ہے کیونکہ اس میں قرب بہت ہے پھر اس قرب میں اضافہ کرتا ہے تو رخسار کا بوسہ لیتا ہے پھر روح کا قرب حاصل کرنے کے لیے ہونٹ کا

بوسہ لیتا ہے' پھر اس سے بھی آگے بڑھتا ہے تو محبوب کی زبان چوستا ہے۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گود میں لے کر بوسہ لیتے تھے اور زبان منہ میں لیتے تھے۔

پھر جب طبیعت اس سے بھی آگے بڑھ کر روح تک قرب چاہتی ہے تو ہم بستری پر آمادہ ہوتی ہے تو یہ اس کا حقیقی راز ہے لیکن ان سب سے صرف حسی لذت ہی حاصل ہو پاتی ہے۔

عوام کے حق میں کلامی بحثیں

مجلس.....عوام کے لیے علم کلام کی بحثوں سے زیادہ مضر کوئی چیز نہیں ہے۔ان کو کلامی بحثوں کے سننے اور اس میں غور و فکر سے ڈرانا چاہیے۔جیسا کہ بچوں کو ڈوبنے کے اندیشے سے دریا کے کنارے جانے سے ڈرایا جاتا ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عام آدمی یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ مجھ کو ان مباحث کے سمجھنے کی قوت حاصل ہے حالانکہ اس کا خیال غلط ہوتا ہے۔ان مباحث میں تو علماء کی ایک جماعت لغزش کھا گئی ہے' پھر بھلا عوام کیا سمجھ سکیں گے؟

میں نے اپنے زمانہ کے عام واعظین سے زیادہ احمق کوئی جماعت نہیں دیکھی کہ ان کے پاس بھولے بھالے عوام پہنچتے ہیں تو بجائے اس کے کہ ان کو شراب و زنا اور غیبت سے روکتے' نماز کے ارکان اور بندگی کے طریقے سکھلاتے' تمام اوقات کو "استواء" کے ذکر اور صفات خداوندی کی تاویل میں' اور اس بیان میں کہ "کلام" قائم بالذات ہوتا ہے' ضائع کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے صاف اور سادہ دل لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے۔

عام آدمی پر تو بس اتنی ذمہ داری ہے کہ ان پانچ اصولوں کو اللہ' اس کے فرشتے' اس کی کتابیں' اس کے تمام رسول اور آخرت کے دن کو دل سے مان لے اور جو کچھ حضرات سلف فرما گئے ہیں اس پر اکتفاء کرے یعنی یہ کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اور مخلوق نہیں ہے اور خدا تعالیٰ کا استواء علی العرش حق ہے لیکن اس کی کیفیت مجہول ہے۔(ہم کو معلوم نہیں ہے)

خوب سمجھ لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہاتی بدوؤں کو ایمان محض کے علاوہ اور

کسی چیز کا پابند نہیں کیا[1] اور حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ''جوہر'' اور ''عرض'' کی فلسفیانہ بحثیں نہیں فرمائیں۔ لہٰذا جو شخص حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقے پر اس دنیا سے گیا وہ مؤمن اور بدعت سے محفوظ گیا۔

اور جس نے اچھی طرح تیراکی سیکھے بغیر ساحل سمندر پر قدم رکھا تو اس کا ڈوب جانا ظاہر ہے۔

لذت کی حقیقت اور اس کے نتائج

مجلس.....سب سے بڑا نادان وہ شخص ہے جو لذتوں میں منہمک رہے۔

لذتیں دو طرح کی ہیں۔ ایک تو وہ جو مباح ہوں اور دوسری وہ جو ناجائز اور حرام ہوں۔ مباح کا معاملہ یہ ہے کہ کوئی مباح لذت بھی اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ دین کے کسی اہم حصہ کو ضائع نہ کیا جائے اور جب اس طرح کوئی ایک دانہ ملتا ہے تو اس کے ساتھ فکر اور پریشانی کا بھی ایک ڈھیر ساتھ میں آتا ہے۔ پھر وہ خود بھی خالص اور صاف ستھرا نہیں ہوتا ہے بلکہ اس میں بھی ہزاروں مکدرات و تکالیف موجود ہوتی ہیں۔

اور جب یہ تصور کیا جاتا ہے کہ لذت ختم ہوگئی اور اس کی ہزاروں تکلیفیں باقی رہ گئی ہیں تو یہ صورت حال خواہش نفس کے لیے کانٹا اور طبیعت کے لیے سبب غم بن جاتی ہیں۔

پس اگر تم کو غیرت حاصل ہے تو تم ہمیشہ کے لیے غلام بنانے والے افسوس سے نفرت کرو گے اور سمجھ لو گے کہ یہ ایسی لذت ہے جو بیوقوف کو دھوکہ دیتی ہے زندگی کو ڈھاتی ہے اور ہمیشہ کے لیے غم کا سامان کرتی ہے۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ طالب لذت جب ایک سے آسودہ ہو جاتا ہے تو پھر ویسی ہی دوسری چاہتا ہے جبکہ وہ پہلی کی کمزوری اور خیانت سے واقف ہو چکا ہوتا ہے حالانکہ یہ عقل کا مرض اور طبیعت کی بیماری ہے، پھر اس طرح دوسری سے تیسری کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اچانک موت آجاتی ہے اور وہ ندامت کے ایسے بستر پر گر جاتا ہے جہاں تلافی کا موقع نہیں رہ جاتا۔ لہٰذا اس شخص پر بہت تعجب ہے جو عمر کی مدت کے کم ہونے کے

---

[1] مطلب یہ ہے کہ عقائد میں ان سے صرف ایمان کا مطالبہ فرمایا۔ ایمان کی حقیقت و کیفیت اور عقائد کی دوسری کلامی تفصیلات کو سمجھنے اور اس کے مطابق عقیدہ رکھنے کا مکلف نہیں کیا۔ ۱۲ حمزہ

باوجود لذتوں کی فکر میں رہتا ہو اور اس آخرت کی فکر نہ کرتا ہو جس کی لذتیں ہر طرح کی کدورتوں اور ملاوٹوں سے صاف اور ہر طرح کے عیب سے پاک ہوں گی اور ہمیشہ حاصل رہیں گی لیکن یہ سمجھ لو کہ آخرت کی نعمتیں دنیاوی لذتوں کو دور کرنے ہی سے قریب ہوں گی اور جنت کی آبادی دنیا کی تخریب پر موقوف ہے۔

ہائے تعجب! اس بات پر ذی رائے صاحب ہوش عقل مند پر جو ان چیزوں میں غور نہیں کر سکا اور ان دونوں نعمتوں کے درمیان تمیز نہیں کر سکا۔

اور اگر لذت گناہ اور معصیت ہو تو مذکورہ چیزوں کے ساتھ دنیاوی عار مخلوق کے درمیان رسوائی شرعی سزاؤں کی عقوبت آخرت کا عذاب اور حق تعالیٰ شانہ کی ناراضگی بھی شامل ہو جاتی ہے۔

خدا کا واسطہ (سوچو تو سہی) کہ وہ مباحات جو صرف فضیلتوں کے حصول سے محرومی کا سبب بنتے ہیں احتیاط کے پیش نظر ان کی مذمت کی گئی تو پھر ان حرام کاموں کا کیا معاملہ ہوگا جو بذات خود تمام رذائل کی غایت اور منبع ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ایسی بیداری عطا فرمائیں جو ہم کو اپنے منافع کی طرف لے چلے اور دھوکے کی چیزوں سے ہماری حفاظت کرے بلا شبہ وہ قریب ہے۔

عمل میں کوتاہی کے تین اسباب

مجلس..... میں نے عام لوگوں کے بارے میں سوچا تو ان کو ایک عجیب حالت میں پایا جس کے ہوتے ہوئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ عقل کی خرابی ہے۔

وہ یہ کہ انسان وعظ و تقریر سنتا ہے اور جب اس کے سامنے آخرت کا ذکر کیا جاتا ہے تو مان لیتا ہے کہ کہنے والا سچ کہہ رہا ہے۔ بلکہ روتا ہے کوتاہیوں پر پچھتاتا ہے اور تلافی کا پختہ ارادہ کرتا ہے لیکن پھر اپنے ارادہ کے مقتضی پر عمل میں سستی کرتا ہے۔

اس وقت اگر اس سے پوچھا جائے کہ کیا تم کو آخرت کے وعدہ وعید میں شبہ ہے تو کہے گا: "خدا کی قسم ہرگز نہیں!" پھر کہا جائے کہ "پھر عمل کرو" تو اس وقت عمل کی نیت کر لیتا ہے لیکن عمل سے باز رہتا ہے بلکہ بسا اوقات ممانعت اور حرمت کو جانتے ہوئے بھی کسی حرام

لذت کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

ان تین صحابیوں کا معاملہ بھی یہی تھا جو جنگ میں جانے سے پیچھے رہ گئے تھے کہ ان کو کوئی عذر نہیں تھا وہ پیچھے رہ جانے کی خرابی کو جانتے تھے اور یہی حال ہر گنہگار اور کوتاہ عمل کا ہوتا ہے

جب میں نے اس کے سبب پر غور کیا کہ باوجود اس کے کہ عقیدہ درست ہے پھر عمل کیوں سست ہے؟ تو اس کے تین اسباب معلوم ہوئے:

ایک تو فوری لذت اور خواہش کی طرف نظر کرنا کیونکہ لذت پر نظر غلطی کو سوچنے سے روک دیتی ہے۔

دوسرا سبب توبہ میں ٹال مٹول ہے حالانکہ اگر عقل سے کام لے تو تاخیر کے نقصانات سے بچ جائے کیونکہ کبھی موت اچانک آ جاتی ہے اور توبہ حاصل نہیں ہو پاتی۔

اس شخص پر تعجب ہے جو اس بات کو ممکن سمجھتا ہو کہ اسی گھڑی موت آ سکتی ہے پھر بھی احتیاط پر عمل نہ کرے مگر بات دراصل یہ ہے کہ خواہشات مدت کو بڑھا کر پیش کرتی ہیں حالانکہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"صل صلوٰۃ مودع"

"ہر نماز اس طرح پڑھو جیسے کوئی دنیا سے جانے والا پڑھتا ہے۔"

واقعی اس مرض (توبہ میں ٹال مٹول) کی سب سے بڑی دوا یہی ہے کیونکہ جس نے یہ گمان باندھ لیا کہ وہ اگلی نماز تک باقی نہیں رہے گا وہ کوشش اور محنت میں مشغول ہو جائے گا۔

اور تیسرا سبب رحمت کی امید ہے چنانچہ گنہگار سوچتا ہے کہ "میرا رب رحیم ہے" اور یہ بھول جاتا ہے کہ وہ سخت عذاب والا بھی ہے۔ اگر وہ یہ سمجھ لیتا کہ خدا تعالیٰ کی رحمت دل کی رقت اور نرمی سے نہیں ہے کیونکہ اگر رقت سے ہوتی تو کسی چڑیا کو بھی ذبح نہ کرتا اور بچوں کو تکلیف میں نہ ڈالتا اور یہ کہ اس کی سزا سے اطمینان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس نے پانچ درہم کے بقدر چوری کرنے پر معزز ہاتھ کے کاٹے جانے کا حکم دے دیا ہے تو وہ ضرور اس کے ساتھ لگے رہتے ہوئے توبہ کرتا۔

پس ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم کو ایسی احتیاط عطا فرمائے جو ہمارے منافع کو بھی بتا دے۔

عجب و خود بینی

مجلس۔۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی اس روایت پر میری نگاہ پڑی کہ ایک دن آپ نے انگوٹھی پہنی۔ پھر اس کو اتار کر پھینک دیا یعنی اس بات کو ناپسند فرمایا کہ اپنے کو اس زیور سے آراستہ دیکھیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر غور کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ایک شخص بالوں میں کنگھی کیے اپنے جوڑے میں اکڑ کر چل رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اب وہ قیامت تک دھنستا رہے گا۔" تو میں نے سمجھا کہ کسی بھی مومن کے لیے ایسا کپڑا پہننا کہ جس سے عجب پیدا ہو یا زینت کی کوئی چیز اختیار کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس سے نفس کی طرف عجب کی نگاہ اٹھتی ہے حالانکہ نفس اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل و خوار و بدتر ہے۔

بنی اسرائیل کے پرانے لوگوں میں سے ایک عالم عصا لے کر چلتے تھے جو کہ چال میں کبر کی جھلک نہ ظاہر ہونے پائے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک قمیص پہنی تو آپ کو عجب ہونے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا: "اس حالت میں اللہ تعالیٰ تمہاری طرف نظر نہیں کریں گے۔" اسی طرح جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر زیب تن فرمائی جس میں پھول بنے ہوئے تھے تو فرمایا "اس نے مجھ کو نماز میں غفلت میں ڈال دیا۔"

یہ سب چیزیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ زینت سے اعراض کیا جائے اور ہر اس چیز سے پرہیز کیا جائے جو فخر و غرور اور عجب کا سبب ہو اور ریشم بھی اسی وجہ سے حرام کیا گیا ہے۔

انہی وجوہات کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ پھر وہ پیوند لگے کپڑے جن میں صوفی لوگ اپنی لاغری اور بیماری دکھاتے ہیں کبھی ان سے بھی کبر پیدا ہونے لگتا ہے یہ تو اس وجہ سے مکروہ ہیں کہ [illegible] میں اچھے معلوم ہوتے ہیں یا اس وجہ سے کہ وہ اپنے پہننے والے کے صوفی اور زاہد ہونے کی خبر دیتے ہیں۔ اسی طرح ہاتھ کی انگوٹھی آستینوں کی لمبائی اور کمر اونچی جیسی بھی عجب و ناز کا سبب بن جاتی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ سب چیزیں حرام ہیں بلکہ

میرا مطلب یہ ہے کہ کبھی ان چیزوں سے بھی کبر و ناز پیدا ہو جاتا ہے۔

لہٰذا سمجھدار شخص کو چاہیے کہ جو کچھ میں نے بیان کیا اس کی روشنی میں ہر طرح کی خرابی اور ہر قسم کے مرض سے ہوشیار رہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک عمدہ اونٹ پر سوار ہوئے تو اس کی سواری میں ناز محسوس ہوا تو فوراً اتر گئے اور فرمایا: "اے نافع! اس کو لے جا کر دوسرے جو اونٹوں میں چھوڑ آؤ۔"

دل کی اصلاح کیلئے لوگوں سے اختلاط کا ترک ضروری ہے

مجلس... جو شخص چاہتا ہو کہ فکر میں انتشار نہ ہو اور دل کی اصلاح کرے اس کو اس زمانے میں لوگوں کے میل جول سے سخت پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ پہلے لوگ جو اکٹھا ہوتے تھے تو ان چیزوں کا تذکرہ کرتے تھے جو مفید ہوں لیکن اب صرف وہی باتیں ہوتی ہیں جو نقصان دہ ہوں۔

خود میں نے اپنے اوپر بارہا اس کا تجربہ کیا ہے کہ جب میں گوشہ نشین ہوتا ہوں تو فکر مجتمع اور دل پرسکون رہتا ہے اور اگر اس کے ساتھ حضرات سلف کی سیرتوں کے مطالعہ کا اضافہ کر لیا جائے تو پھر میرا خیال ہے کہ گوشہ نشینی پرہیز ہے اور حضرات صوفیہ کی سیرتوں کا مطالعہ دوا جبکہ بدپرہیزی سے اجتناب کے ساتھ ہی دوا کا استعمال مفید ہوتا ہے۔

اور جب اپنے کو لوگوں کی ہم نشینی اور ان سے ملاقات کے لیے آمادہ کرتا ہوں تو پرسکون دل منتشر ہو کر رہ جاتا ہے جن امور کا میں اہتمام کرتا تھا ان سے غفلت ہونے لگتی ہے دل میں وہ چیز بیٹھنے لگتا ہے جس کو آنکھ دیکھتی ہے ضمیر میں وہ تصورات جمنے لگتے ہیں جن کو کان سنتا ہے اور نفس میں حصول دنیا کی خواہش بیدار ہونے لگتی ہے جبکہ اکثر ملاقاتی اہل غفلت ہوتے ہیں اور ان کی ہم نشینی سے اپنی طبیعت ان کی عادت چرا لیتی ہے۔

اس کے بعد دوبارہ جب میں اپنے دل کو تلاش کرتا ہوں تو اسے نہیں پاتا اور اس کو حاضر کرنا چاہتا ہوں تو کھویا رہتا ہے۔ پھر کئی دن تک لوگوں سے ملاقات کے اثر میں ڈوبا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کی خواہش نفس دب جائے تو میں سوچتا ہوں کہ آخر بری عادت کو توڑنے کے لیے کوشش کرنے میں کیا فائدہ ہے؟

یہ سمجھ لو کہ گوشہ نشینی ایک "عادت" ہے اور حضرات سلف کی سیرتوں کا مطالعہ اس کو اونچا اٹھاتا رہتا ہے۔ پھر جب اختلاط ہو جاتا ہے تو ایک مدت میں تعمیر ہونے والی قدرت ایک لمحہ میں فنا ہو جاتی ہے جبکہ اس کی تلافی دشوار ہے اور دل کمزور ہے۔

جس شخص کو سمجھ حاصل ہوتی ہے وہ اپنے دل کے امراض کو پہچانتا ہے اور دیکھتا ہے کہ دل کس طرح اپنے مالک سے بےرخی کرنے لگتا ہے اور پنجرہ سے نکلنے کے لیے یہ پرندہ کس طرح پھڑپھڑاتا ہے۔ حالانکہ دل کے اس مریض کے لیے اس بات کا اندیشہ ہے کہ اس کا یہی مرض (اختلاط) اس کی ہلاکت اور بربادی کا سبب ہو جائے اور وہ قیدی پرندہ یہاں سے نکل کر کسی کے جال میں پھنس جائے۔

دراصل دل کی بیماری کا سبب یہ ہے کہ پہلے وہ اختلاط سے محفوظ تھا، علم کی غذا پاتا تھا اور سیرتوں کے مطالعہ سے پیٹ بھرتا تھا، پھر جب اختلاط ہوا تو اس کا مزاج اس بدپرہیزی کا تحمل نہیں کر سکا، اس لیے بیمار ہو گیا۔

لہٰذا کوشش کرو کوشش! کیونکہ چند ایام باقی ہیں۔ اب ہم نہیں دیکھتے کہ کوئی کسی کو سکھاتا ہو یا کسی سے علم حاصل کیا جاتا ہو یا کوئی ایسا موجود ہو جس کی ہم نشینی نافع ہو۔ البتہ ہو سکتا ہے کہ ایک دو مل جائیں جن کو ہم جانتے نہیں۔

ما في الصحاب اخو وجد نطارحهٗ   حديث نجد ولا خل نجاريه

"دوستوں میں کوئی ایسا وجدی نہیں رہ گیا جس سے ہم نجد کی باتیں کریں اور نہ کوئی دوست رہ گیا جس سے دوڑ میں مقابلہ کریں۔"

خلوت کو تھام لو اور جتنے سانس باقی رہ گئے ہیں ان کی نگرانی رکھو اور جب بھی نفس مخلوق سے ملنے کے شوق میں افسردہ ہو تو یہ سمجھ لو کہ مخلوق کی ہم نشینی تکلیف اور کدورت کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا نفس کو دباؤ کہ لوگوں سے ملاقات اس کو ناپسند ہو جائے۔

یقیناً اگر اس کو خالق کے ساتھ مشغولی ہوتی تو بھیڑ بھاڑ نہ پسند کرتا۔ جیسا کہ جو شخص اپنے محبوب کے ساتھ خلوت میں ہو تو وہاں دوسرے کی حاضری کو ناپسند کرتا ہے۔ شعر

اگر کسی کو یمن کے راستے سے عشق ہو تو وہ شام کی طرف رخ کیوں کرے گا؟

ہدایت اور اصلاح کا سرچشمہ وہی ذات بے نیاز ہے

مجلس.... ایک مرتبہ میں نے سوچا کہ ہدایت پانے والوں کی ہدایت اور خواب غفلت سے بیدار ہونے والوں کی بیداری کا اصل سبب کیا ہے؟ تو میں نے دیکھا کہ سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ ہی اس شخص کو منتخب کر لیتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے:

اذا ارادک لامر هیأک له.

"جب تم کو کسی کام کے لیے چاہیں گے تو پھر اس کے مطابق تم کو تیار بھی کر دیں گے۔"

چنانچہ کبھی تو محض عقل کے استعمال اور فکر کی کاوش ہی سے بیداری حاصل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا انسان اپنے وجود کو سوچتا ہے اور اس پر غور کرتا ہے تو یقین کے ساتھ سمجھ لیتا ہے کہ اس کا کوئی بنانے والا ضرور ہے جس نے ہم سے اپنی حق کا مطالبہ اپنی نعمتوں پر شکر اور اپنی مخالفت و نافرمانی سے خوف کا حکم دیا ہے اور یہ سب کچھ کسی ظاہری سبب ہدایت کا ممنون نہیں ہوتا۔

چنانچہ اہل کہف کو یہی معاملہ پیش آیا۔

إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ.

"جب اُٹھے تو کہا ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے دل میں ایک "بیداری" پاتا تھا اور کہتا تھا کہ ضرور ان تمام مخلوقات کے لیے کوئی "خالق" ہوگا۔ پھر جب فکر سے احتیاط کی آگ روشن ہوئی اور دل کا کرب اور طبیعت کی بے چینی بڑھ گئی تو صحرا کی طرف نکل کھڑا ہوا۔ اس طرح بغیر کسی پہلے سے طے شدہ وعدہ کے سب لوگ اکٹھے ہو گئے تو ہر ایک دوسرے سے پوچھتا تھا کہ تم کو کون سی چیز یہاں لائی؟ آخر سب نے ایک دوسرے کی تصدیق کی اور ساتھی بن گئے۔

اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی فکر و نظر کے استعمال کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی ظاہری سبب بنا دیتے ہیں۔ مثلاً کوئی نصیحت سن لی یا عبرت کی بات دیکھ لی تو پھر یہ ظاہری سبب ان کی باطنی فکر کو ابھار دیتا ہے۔

پھر یہ بیدار ہونے والے کئی طرح کے ہوتے ہیں: بعض تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی

خواہش غالب آ جاتی ہے اور طبیعت پہلے جس چیز کی عادی تھی اس کا تقاضا کرنے لگتی ہے تو وہ الٹے پاؤں لوٹ جاتے ہیں اور یہ بیداری ان کے کچھ کام نہیں آتی تو ایسے لوگوں کی بیداری ان کے خلاف حجت میں زیادتی کا سبب بنتی ہے۔

اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو جہاد کے میدان میں دونوں صفوں کے درمیان کھڑے رہتے ہیں۔ ایک طرف عقل ہوتی ہے جو تقویٰ کا حکم کرتی ہے اور دوسری طرف خواہشات ہوتی ہیں جو شہوتوں کا تقاضا کرتی رہتی ہیں۔ پھر ان میں سے بعض تو طویل مجاہدات کے بعد مغلوب ہو کر شر کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں اور اسی پر خاتمہ ہو جاتا ہے۔ (نعوذ باللہ) اور بعض کبھی غالب ہوتے ہیں اور کبھی مغلوب ہو جاتے ہیں تو ان کے جسموں پر زخم کے نشانات رہتے ہیں۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو دشمن کو مغلوب کر کے قید خانہ میں ڈال دیتے ہیں۔ لہٰذا پھر ان کا دشمن سوائے وسوسوں کے کوئی اور تدبیر نہیں کر پاتا ہے۔

(۲) اور کچھ منتخب حضرات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جب بیدار ہو گئے تو پھر سوئے نہیں اور جب چل پڑے تو ٹھہرے نہیں بلکہ چڑھائی اور ترقی انہیں اٹھائے رہتی ہے۔ پھر جب ایک مقام کو عبور کر کے دوسرے مقام پر پہنچتے ہیں تو پہلے مقام کے نقص کو دیکھ کر استغفار کرتے ہیں۔

(۳) جب کہ بعض تو مجاہدہ کی ضرورت بھی نہیں رکھتے ہیں۔ خواہ اس وجہ سے کہ طبیعت کے تقاضوں کی پستی کو دیکھ کر ان کو کوئی وقعت نہیں دیتے یا اس وجہ سے کہ ان کا مطلوب ایسا عظیم ہوتا ہے جس کی وجہ سے کسی رکاوٹ کی طرف ان کا التفات نہیں ہو پاتا ہے۔

خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے راستے پیروں سے نہیں دلوں سے طے کیے جاتے ہیں اور دنیاوی شہوتیں راہزن ہیں جبکہ راستہ تاریک رات کی مانند ہے۔ لہٰذا ایسے تاریک راستے میں صاحب توفیق کی نگاہ گھوڑے کی نگاہ کی طرح ہوتی ہے جو تاریکی میں بھی ویسے ہی دیکھتا ہے جیسے روشنی میں۔

صدق طلب ایک چراغ ہے جہاں بھی ہوگا سیدھے راستے کی رہنمائی کرے گا اور جس نے اخلاص نہیں پیدا کیا وہ پھسل جائے گا اور اخلاص سے محروم وہی شخص ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کا مطلوب و مراد نہ ہو۔ "ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔"

جسم اور روح

مجلس.... مجھ کو اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو اپنی صورت پر ناز کر کے اکڑتا ہوا چلتا ہے اور ابتدائی حالت کو بھلا رہتا ہے۔

انسان کی ابتداء تو وہ قطرہ ہے جس کے ساتھ پانی کا ایک گھونٹ ملا دیا گیا ہو۔ اگر تم چاہو تو یہ کہہ لو کہ روٹی کا ایک ٹکڑا جس کے ساتھ کچھ پھل ہوں گوشت کی ایک بوٹی ہو اور دودھ کا ایک پیالہ ہو پانی کا ایک گھونٹ ہو اور ایسی ہی کوئی چیز اور بھی ہو گی ان سب کو جگر نے پکایا تو اس سے منی کے چند قطرے بنے جو مرد کے فوطوں میں ٹھہرے پھر شہوت نے ان کو حرکت دی تو ماں کے پیٹ میں جا کر ایک مدت تک رہے یہاں تک کہ صورت مکمل ہوئی پھر اس بچہ کی شکل میں نکلے جو پیشاب کے کپڑوں میں لتھڑتا ہے۔

"یہ تو اس کی ابتداء ہے اب انتہا یعنی انجام دیکھو:

مٹی میں ڈال دیا جائے گا جسم کو کیڑے کھا ڈالیں گے ریزہ ریزہ ہو کر رہ جائے گا پھر تیز ہوائیں ادھر ادھر اڑاتی پھریں گی جیسا اکثر یہ ہوتا ہے کہ بدن کی مٹی نکال کر دوسری جگہ منتقل کر دی جاتی ہے۔ پھر مختلف حالات میں بدلتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن لوٹے گی اور اکٹھی کی جائے گی۔

یہ بدن کا حال ہوا جبکہ وہ روح جس کے ذمہ عمل ہے اس کا حال یہ ہے کہ اگر ادب سے آراستہ ہوئی علم سے درست کی گئی اپنے صانع کو پہچانا اور اس کے حقوق کو ادا کرتی رہی تو سواری (یعنی بدن) کی کمی اور کوتاہی اس کے لیے نقصان دہ نہ ہو گی۔ ورنہ اگر اپنی جہالت کی صفت پر باقی رہ گئی تو وہ بھی مٹی کے مشابہ ہے بلکہ اس سے بدتر حالت میں ہے۔

پرسکون زندگی

مجلس۔ دنیاوی کاروبار میں لگ کر فکر کا جمع رہنا اور دل کا پرسکون ہونا بہت مشکل ہے۔ خصوصاً اس تنگدست نوجوان کے لیے جو احتیاج میں مبتلا ہو کیونکہ جب نکاح کرے گا اور عیالدار ہو گا تو کمانے یا لوگوں سے مانگنے کی فکر میں لگے گا جس کی وجہ سے فکر منتشر ہو جائے گی پھر

اولاد کے پیدا ہونے کے بعد معاملہ اور بگڑ جائے گا بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی آمدنی میں رخصت پر عمل کرتے کرتے حرام میں مبتلا ہو جائے ..... وہ ایسی ضرورتوں میں قید ہو جاتا ہے جن کو پورا کرنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔ اس لیے ساری فکر اسی میں رہتی ہے کہ خود کیا کمائے گا اور بیوی کو کیا کھلائے گا اور اتنا نفقہ اور کپڑے کہاں سے لائے گا جس پر بیوی راضی ہو سکے تو بتاؤ! کیسے اس کا دل پرسکون ہو سکتا ہے؟ اور کیونکر فکر جمع ہو سکتی ہے؟ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

خدا کی قسم! دل مطمئن نہیں ہو سکتا ہے جبکہ آنکھیں لوگوں کو دیکھ رہی ہوں، کان ان کی باتیں سن رہے ہوں، زبان ان سے گفتگو کر رہی ہو اور دل ضروریات کی فراہمی میں "پارہ پارہ" ہو کر رہ گیا ہو۔

اگر کوئی پوچھے کہ پھر میں کیا کروں؟ تو میں کہتا ہوں کہ اگر تم کو بقدر کفایت دنیا اور معاش حاصل ہو تو اسی پر قناعت کرلو۔ جب موقع ملے مخلوق سے کنارہ کش ہو کر خلوت میں بیٹھ رہو۔ اگر نکاح کرو تو ایسی غریب عورت سے جو تھوڑے پر راضی رہے اور تم بھی اس کی صورت اور غربت پر صبر کرلو۔ اپنے نفس کو آزاد نہ چھوڑو کہ وہ ایسی عورت کا مطالبہ کرنے لگے جس کے لیے زائد خرچ کی ضرورت ہو۔

اگر تم کو ایسی نیک اور پاک باز عورت مل جائے جو فکر کی جمعیت کا سبب بنے تو بہت بڑی نعمت ہے (شکر کرو) ورنہ پھر صبر سے کام لینا (یعنی نکاح نہ کرنا) خطروں میں پڑنے کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے۔

خبردار! خوبصورت عورتوں کے چکر میں نہ پڑو کیونکہ خوبصورت عورت کا شوہر اگر محفوظ بھی رہ جائے تو بت کے پجاری کی طرح ہوتا ہے۔

جب تم کو کوئی چیز حاصل ہو تو اس میں سے کچھ خرچ کرو اور باقی کل کے لیے جمع رکھو تاکہ اس باقی کو محفوظ دیکھ کر دل کے انتشار سے بچ سکو۔

اس زمانے اور اہل زمانہ سے بہت دور رہو کیونکہ اب کوئی غم گسار اور صاحب ایثار نہیں رہ گیا ہے نہ کسی کو اس کی فکر ہے کہ وہ کسی کی ضرورت پوری کردے نہ کوئی ایسا ہے جس سے مانگا جائے تو عطا کرے اور اگر کوئی دیتا بھی ہے تو جھڑکی اور ذلیل طریقے کے ساتھ پھر ایسے

احسان رکھو دیتا ہے جس کی وجہ سے ساری زندگی شرمندہ رکھتا ہے۔ جب دیکھتا ہے تو کوئی تکلیف دہ جملہ کہہ دیتا ہے یا اپنی خدمت اور بار بار کی حاضری پر مجبور کرتا ہے۔

حالانکہ گزشتہ زمانہ میں ابو عمرو بن نجید جیسے لوگ ہوتے تھے جنہوں نے ابو عثمان مغربی کو ایک دن منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ "میرے اوپر ایک ہزار اشرفی قرض ہو گئی ہے جس کی وجہ سے میرا سینہ تنگ ہو گیا ہے۔" یہ سن کر ابو عمرو رات میں ان کے پاس گئے اور ایک ہزار اشرفی پیش خدمت کر کے کہا کہ اس سے اپنا قرض چکا دیجئے۔

اگلے دن ابو عثمان آئے اور منبر پر بیٹھے تو کہا کہ "ہم ابو عمرو کے شکر گزار ہیں کیونکہ انہوں نے مجھ کو بہت راحت پہنچائی ہے اور میرا قرض ادا کر دیا ہے۔" تو فوراً ابو عمرو کھڑے ہوئے اور کہا کہ "اے شیخ! وہ اشرفیاں میری والدہ کی تھیں اور ان کو میرا یہ فعل بہت ناگوار گزرا ہے اس لیے اگر آپ اس کو واپس لے سکتے ہوں تو اسے واپس کر دیجئے۔"

پھر جب رات ہوئی تو ابو عثمان کے پاس گئے اور کہا کہ "آپ نے ہمارا نام کیوں ذکر کر دیا؟ میں نے آج جو کچھ کہا ہے وہ صرف لوگوں کے خیال سے کہا ہے (تاکہ لوگوں کی توجہ میری طرف سے ہٹ جائے) آپ وہ رقم اپنے پاس رکھئے اور میرا ذکر کسی سے نہ کیجئے۔"

ماتوا وغيب في التراب شخوصهم   والنشر مسك والعظام رميم

"بہت سے لوگ مر گئے اور ان کی لاشیں مٹی میں چھپا دی گئیں لیکن ان کی پھیلنے والی شہرت مشک کی طرح پھیل رہی ہے جبکہ ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہیں۔"

لہٰذا ایسے لوگوں سے بہت دور رہو جن کی ساری فکر دنیا ہو کیونکہ ان کو ایثار کرنے سے پہلے یہ یقین ہوگا کہ جیسے احسان کر لو پھر اپنا کر دو۔

اب جسے بھی دیکھو گے وہ دل سے دشمن ہوگا ظاہر میں دوست ہوگا نقصان پر خوش ہوگا اور نعمت پر جلے گا۔

لہٰذا خلوت گزینی کی قیمت اسے معلوم ہوگی جو شخص دل رکھتا ہو پھر بازاروں میں جیسے تو جب گھر لوٹے گا تو دل کی حالت بدل چکی ہوگی پھر آخر کس نے اس کو دنیا کی طرف میلان پر مجبور نہ ہو تو اس کا حال مت پوچھو۔

قلبی سکون حاصل کرنے کے لیے مخلوق سے دوری اختیار کرو تا کہ دل تنہا رہ کر انجام اور آخرت کو سوچ سکے اور بصیرت کی نگاہ کوچ کے خیموں کو دیکھ سکے۔

اگر کوئی کامل شیخ نہ ملے تو کیا کرے؟

مجلس.... گزشتہ دور میں جب کسی مرید کے دل میں ظلمت آ جاتی یا عقل وفہم میں خرابی آتی تھی تو کسی صالح شیخ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے وہ تاریکی یا بیماری دور ہو جاتی تھی۔

مگر آج کے زمانہ میں جب کسی مرید کو صدق کا کوئی حصہ ملتا ہے تو وہ اس کو خلوت کی کوٹھری میں لے جاتا ہے جہاں اس کی روح کو عافیت کی بادِ نسیم ملتی اور دل میں ایک نور حاصل ہوتا ہے پھر جوں ہی فکر میں سکون اور انتشار میں کمی شروع ہوتی ہے وہ کسی ایسے شخص سے ملاقات کر لیتا ہے جس کی طرف علم یا تصوف کے سلسلے میں اشارے کیے جاتے ہوں۔ (یعنی علم یا تصوف میں مشہور ہو) پھر وہاں کچھ بیکار لوگوں کو دیکھتا ہے جن کے ساتھ بیٹھ کر یہ شیخ بے فائدہ بکواس کی باتیں کرتا ہے اور خود اس کی صورت بھی کسی مکار کی طرح ہوتی ہے اور اوقات کو ضائع کر دینا اس کے لیے بہت آسان کام ہوتا ہے۔ یہ سب دیکھ کر وہ مرید جب اس جگہ سے لوٹتا ہے تو دل میں ایک ظلمت سی پیدا ہو جاتی ہے۔ ارادہ میں انتشار سا ہونے لگتا ہے اور آخرت سے غفلت ہو جاتی ہے۔ لہٰذا دل کا بیمار ہو کر لوٹتا ہے پھر اپنی پچھلی حالت پر لوٹنے کے لیے اس کو بہت دنوں تک مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اپنی پچھلی حالت پر لوٹ نہیں پاتا کیونکہ اس کے اندر ضعف زیادہ ہو جاتا ہے۔

اور کبھی تو فتنہ میں بھی پڑ جاتا ہے کیونکہ جب ایک تجربہ کار عارف شیخ کو دیکھتا ہے کہ وہ بیکاری کو ترجیح دیے ہوئے ہے تو اس سے مامون نہیں ہو سکتا کہ اس کی طبیعت بھی اس شیخ کی پیروی کرے۔

لہٰذا اس زمانہ میں مرید کے لیے بہتر یہی ہے کہ صرف قبرستانوں میں جائے (اور قبروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے) اور ان کتابوں کی صحبت اُٹھائے جو حضرات صوفیاء کی خوبیوں کو جمع کیے ہوئے ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اس کی مرضیات پر چلنے میں مدد مانگے کیونکہ جب وہ کسی کو

اپنی مرضیات کے لیے منتخب کر لیتے ہیں تو اس کے لیے تمام اسباب مہیا کر دیتے ہیں۔

برگزیدہ بندے

مجلس... ایک مرتبہ میں نے ان لوگوں کے بارے میں سوچا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ولایت اور قرب خاص کے لیے منتخب فرمایا ہے جیسا کہ ان کے اوصاف کو سنا اور اپنے گمان کے مطابق ایسے لوگوں میں سے کچھ کو دیکھا بھی تو میں نے اندازہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ایسے ہی شخص کو منتخب کرتے ہیں جو صورت کے اعتبار سے کامل ہو یعنی نہ اس کی صورت میں کوئی عیب ہو اور نہ خلقت میں کوئی کمی بلکہ تم اس کو دیکھو گے کہ خوبصورت چہرے اور معتدل جسم والا ہے اور جسم کے ہر عیب سے محفوظ ہے۔ پھر باطن کے اعتبار سے بھی کامل ہوتا ہے یعنی سخی زیرک عقلمند نہ کہ مکار دھوکہ باز کینہ پرور اور حاسد غرض اس میں باطنی عیب بھی نہیں ہوتا ہے۔

پس یہی وہ شخص ہے جس کی تربیت اللہ تعالیٰ بچپن سے کرتا ہے۔ چنانچہ اس کو بچپن میں ہی دیکھو گے کہ بچوں سے الگ تھلگ رہتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بوڑھا ہے جو عیوب سے نفرت کر رہا ہے اور کمیوں کوتاہیوں سے گھبرا رہا ہے۔ پھر اس کی ہمت کا درخت نشوونما پاتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کا پھل جوانی کی شاخوں پر لٹکنے لگتا ہے جس کی وجہ سے وہ علم کا حریص، عمل میں منہمک، زمانہ کی حفاظت کرنے والا، اوقات کی رعایت کرنے والا، فضائل کے حصول میں کوشاں اور نقائص کے پیدا ہونے سے ترساں رہتا ہے۔

اور جب تم یہ دیکھتے ہو کہ توفیق اور خدائی الہام اس کا احاطہ کیے ہوئے ہیں تو اس کے ساتھ یہ بھی دیکھتے ہو گے کہ جب وہ پھسلتا ہے تو توفیق کس طرح اس کا ہاتھ تھام لیتی ہے اور جب غلطی کا وسوسہ ہوتا ہے تو کس طرح اس کا الہام ربانی اس کو روکتا ہے پھر فضیلتوں کے حصول میں اس کو لگائے رکھتا ہے اور اس کے اعمال کو خود اس کی نگاہوں سے پوشیدہ کر دیتا ہے تاکہ اس کی نظر اپنے عمل پر نہ ہو۔

ایسے اصحاب توفیق کی چند قسمیں ہیں، بعض تو ایسے ہیں جنھوں نے زہد اور عبادت کے واسطے میں تفوق حاصل کیا اور بعض نے علم اور اجتہاد حق میں مہارت پیدا کی۔ ان میں سے ایسے بہت کم ہوئے جن کو اللہ تعالیٰ سارے کمالات عطا فرما کر "کاملین" کے مرتبہ تک ترقی دیتے ہیں۔

جب کہ علم و عمل میں درجہ کمال تک پہنچنے کی علامت یہ ہے کہ ماسویٰ اللہ سے تعلق اور
اس کی محبت میں بالکل فنا ہو کر تمام فضائل کو جمع کرنے کی کوشش کرے اور ہمت کی بلندی کو
ہر ممکن کمال کی طلب اور حصول میں لگا دے۔ اس طرح کہ اگر نبوت کو بھی کسب سے حاصل
کرنا مقصود ہوتا تو اس کو بھی اپنے ارادہ میں شامل کر لیتا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ ایسے انتخاب کے مراتب کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ ایسا
نادر الوجود موتی ہے جو صدیوں میں کسی سیپ کے پیٹ میں اتارا جاتا ہے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اس
کی دوری اور دھتکار سے پناہ مانگتے ہیں۔

عوام کا حال

مجلس.... اکثر عوام کی طبیعتیں ایسی فاسد ہوتی ہیں کہ ان کو ریاضت اور مجاہدہ بھی
درست نہیں کر سکتا ہے۔ جانتے ہی نہیں کہ کیوں پیدا کیے گئے؟ اور ان سے کیا مقصود ہے؟

ان کی ہمت کی انتہا یہ ہے کہ ان کی غرض اور مطلب حاصل ہو جائے حالانکہ حصول
کے وقت یہ نہیں پوچھتے کہ اس کے ساتھ کتنی ذمت بھی حاصل ہوئی؟ غرض نہیں چھوڑ سکتے
"آبرو" خرچ کر دیتے ہیں۔ ایک گھڑی کی لذت کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ اس سے ایک
مدت تک کے لیے بیماری حاصل ہو جائے۔

تجارت کے وقت "حیلہ بازوں کا لباس" پہن لیتے ہیں اور متکبرین کا طریقہ اپنا لیتے
ہیں۔ معاملات میں دھوکہ سے کام لیتے ہیں اور سامان کی اصل حالت کو چھپاتے ہیں اگر
کھاتے ہیں تو شبہ کی کمائی ہوتی ہے۔ اور اگر کھاتے ہیں تو شہوت کے تقاضے پورے ہوتے
ہیں رات بھر سوتے ہیں۔ (اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے دن میں بھی سوتے ہیں) لیکن سونا
تو اسی صورت سے ہوتا ہے پھر جب صبح کو اٹھتے ہیں تو (بجائے عبادت وغیرہ کے)
"شہوات" کے حصول میں لگ جاتے ہیں۔ سور کی حرص، کتے کی چاپلوسی، شیر کے حملے، بھیڑیے
کی لوٹ اور لومڑی کی مکاری کے ساتھ منہ مارتے ہیں۔ پھر موت کے وقت افسوس کرتے
ہیں تقویٰ کی کمی پر نہیں بلکہ خواہشات کی کمی کی وجہ سے۔ یہ ہے ان کا مبلغ علم!!

بھلا بتاؤ! وہ شخص کیسے کامیاب ہو سکتا ہے جو بصیرت سے نظر آنے والی چیزوں پر آنکھ سے نظر آنے والی چیزوں کو ترجیح دیتا ہو اور جس کا خیال یہ ہو کہ آنکھ سے نظر آنے والی چیزیں بصیرت سے نظر آنے والی چیزوں سے بہتر ہیں۔

خدا کی قسم! اگر یہ لوگ اپنے کان کھول لیتے تو یہاں قیام کے زمانہ میں کوچ کے پیغامبر کی یہ آواز ضرور سن لیتے جو دنیا کے میدانوں میں آواز لگاتا پھر رہا ہے:

تلمحوا تقویض خیام الاوائل ۔''دیکھو گزشتہ لوگوں کے خیموں کی بربادی اور ہلاکت کو۔''

مگر جن پر جہالت کا نشہ چھایا ہوا ہے وہ ''حد[1]'' کے بغیر ہوش میں نہیں آئیں گے۔''

مال حرام کا مصرف

مجلس..... میں نے ایک گزشتہ عالم کا فتویٰ دیکھا' ان سے پوچھا گیا کہ جو حاکم یا بادشاہ حلال وحرام ہر طرح کا مال وصول کرتا رہا ہو پھر وہ مسجد یا خانقاہیں تعمیر کرائے تو کیا اس کو کچھ ثواب ملے گا؟ تو انہوں نے ایسا جواب دیا جس سے خرچ کنندہ حاکم کا دل خوش ہو' لکھا کہ ''ہاں! آدمی جس مال کا مالک نہ ہو' اس کو کسی مصرف خیر میں خرچ کر دینا ایک طرح کی نیکی ہے کیونکہ وہ ان لوگوں کو پہچانتا نہیں ہے جن سے وصول ہوا ہے کہ ان کو واپس کر سکے۔''

میں نے کہا ''ایسے لوگوں پر بہت تعجب ہے جو شریعت کے اصول بھی نہیں جانتے اور فتویٰ دینے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ ان عالم صاحب کو سب سے پہلے خرچ کنندہ پر نگاہ ڈالنی چاہیے تھی۔ اگر وہ بادشاہ ہو تو (ظاہر ہے کہ بیت المال سے خرچ کرے گا) لہٰذا جو کچھ بیت المال سے دیا جاتا ہے اس کے مصارف معلوم ہیں۔ پھر کیسے اس کو یہ حق ہوگا کہ وہ اس کے اصل مستحقین کو محروم کر کے ایسے مصرف میں خرچ کرے جو مفید نہیں ہے یعنی مدرسہ[2] اور خانقاہ کی عمارتوں میں لگا دے۔''

---

[1] ''حد'' اسلامی سزا کو کہتے ہیں۔ مثلاً شراب پینے کی سزا ''اسی کوڑے'' ہیں تو اس کو ''حد'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ۱۲ احمزہ

[2] اس دور کے مدرسہ کو اس دور کے مدارس ومکاتب پر قیاس نہ کیا جائے' گزشتہ دور میں جبکہ اسلامی حکومت ہوتی تھی' مدرسوں میں بیت المال سے وظیفے اور حکومت کی طرف سے تنخواہیں مقرر تھیں۔ لہٰذا ان کے اکثر مدرسین اور طلبہ کا حال وہی ہوتا تھا جو سرکاری ملازموں کا ہوا کرتا ہے۔ اس لیے علم کے سچے طلبگار مدرسوں کا رخ کرنے کے بجائے انفرادی طور پر علماء کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اصل تعلیم یہی ہوا کرتی تھی۔ اب تو انفرادی مجالس ختم ہو گئیں اور تعلیم صرف درسگاہوں اور مدرسوں کی مرہون منت ہو کر رہ گئی ہے۔ ۱۲ احمزہ

اور اگر وہ کوئی امیر یا نواب ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ جس رقم کو بیت المال کو واپس کرنا تھا وہ بیت المال کو واپس کرے کیونکہ اس کے لیے بیت المال میں اتنا ہی حق تھا جو اس کے لیے مناسب ہوتا۔ لہٰذا اگر اس نے حق سے زیادہ وصول کر لیا تو اس کو اس کا حق نہیں تھا اور اگر بادشاہ نے اجازت بھی دی ہو تو یہ اجازت بھی جائز نہیں تھی۔ اسی طرح جو جاگیر اور غیرہ اس کے عمل اور تنخواہ سے الگ اس کو دی گئی وہ بھی مسلمانوں کے مال میں سے ناحق طور پر اس نے وصول کی ہے اور جس نے اس کی اجازت دی اس پر بھی گناہ ہوگا۔

یہ جواب اس وقت ہے جبکہ سب کا حرام ہونا یقینی نہ ہو اور اگر سب حرام یا غصب کا مال ہو تو پھر اس میں ہر تصرف حرام ہے بلکہ اس کو اس شخص کو یا اس کے ورثہ کو لوٹانا ضروری ہے جس سے وصول کیا ہے اور اگر وہ شخص معلوم نہ ہو سکے تو پھر بیت المال میں جمع کر دے تاکہ عام مسلمین کے کاموں میں خرچ ہو جائے یا صدقہ میں دے دیا جائے مگر اس صورت میں بھی گناہ سے نہیں بچ سکتا۔

ہم کو احمد بن حسن بن البناء نے محمد بن علی زجاجی، عبداللہ بن محمد اسدی، علی بن حسن، ابو داؤد، محمد بن عوف طائی، ابو المغیرہ اور اوزاعی کے واسطوں سے بتلایا کہ موسیٰ بن سلیمان نے کہا کہ میں نے حضرت قاسم بن مخیمرہ کو کہتے ہوئے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من اکتسب مالاً من مأثم فوصل به رحماً او تصدق به او انفقه فی سبیل اللّٰہ جمع ذلک جمیعاً فقذف به فی جهنم۔

"جس شخص نے گناہ کے طریقے سے مال حاصل کیا پھر اس کے ذریعے صلہ رحمی کی یا خیرات کی یا اللہ کے راستے میں خرچ کیا تو ان سب کو جمع کر کے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔"

البتہ اگر عمارت بنوانے والا ایسا تاجر ہو جو حلال کماتا ہو وہ اگر کوئی مسجد بنوا دے یا طلبہ کے لیے کوئی عمارت وقف کر دے تو یہ ثواب کی بات ہے۔ اگرچہ یہ بہت مشکل ہے کہ جو حلال کماتا ہو اس کو اتنی آمدنی ہو جس سے اتنی مقدار فاضل بچ جائے یا جو شخص پوری زکوٰۃ نکالتا ہو پھر بھی اس کا دل بخوشی اس طرح کی عمارت اور ایسے خرچ پر آمادہ ہو جائے کیونکہ ایسی عمارتیں بڑا

مال زکوۃ سے بنوانا تو جائز ہی نہیں ہے اور نیت کی سلامتی اور دل کا اخلاص اب کہاں رہ گیا ہے؟

پھر یہ بھی ہے کہ اس دور میں مدرسوں کی تعمیر خطرہ سے خالی نہیں ہے کیونکہ اکثر طلبہ بحث ومباحثہ میں منہمک ہو کر علوم شریعت سے اعراض کرنے لگے ہیں۔ مساجد کے درسوں کو چھوڑ دیا ہے' مدرسوں اور القاب پر اکتفا کرلیا ہے۔ رہی خانقاہوں کی تعمیر تو وہ بالکل فضول ہے اس لیے کہ اکثر صوفیاء جہالت اور کاہلی میں مبتلا ہیں۔ ان کا مدعی' محبت اور قرب کا دعویٰ کرتا ہے اور علم کے شغل کو ناپسند کرتا ہے جب کہ ان لوگوں نے حضرت سری سقطی اور حضرت جنید بغدادیؒ کے طریقوں اور سیرتوں کو چھوڑ دیا ہے' صرف فرائض پر اکتفاء کیے ہوئے ہیں اور پیوند پر راضی ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ان کی بیکاری اور راحت پسندی میں ان کی اعانت درست نہیں ہے اور اس میں کوئی ثواب نہیں رہ گیا ہے۔

اخلاص

مجلس..... مجھ کو اس شخص پر تعجب ہوتا ہے جو لوگوں کے سامنے تصوف کی بناوٹ کرتا ہے تاکہ لوگوں کے دل سے اپنے کو قریب کر سکے اور یہ بھولا رہتا ہے کہ لوگوں کے دل اس ذات کے قبضہ میں ہیں جس کے لیے وہ عمل کررہا ہے اور جس کا معاملہ یہ ہے کہ اگر اس کے عمل سے راضی ہو گیا اور اس کو خالص پایا تو دلوں کو اس کی طرف مائل کردیتا ہے اور اگر خالص نہ پایا تو پھیر دیتا ہے۔

اور جب بھی عمل کرنے والے کی نظر لوگوں کے میلان کی طرف ہوئی تو گویا اس کی نیت میں شرک پیدا ہو گیا۔ اس لیے صرف اسی ذات پر نظر رکھنی چاہیے جس کے لیے عمل کررہا ہے۔

لہٰذا اخلاص کے لیے یہ ضروری ہوا کہ دلوں کے میلان کا قصد نہ شامل ہو کیونکہ دلوں کا میلان اپنے قصد سے نہیں بلکہ اس کی پسندیدگی سے حاصل ہوتا ہے۔

اور انسان کو یہ سمجھے رہنا چاہیے کہ اس کے تمام اعمال کا علم مخلوق کو حاصل ہو جائے گا۔ اگرچہ ان کو اطلاع نہ دی جائے۔ چنانچہ لوگوں کے دل نیک آدمی کی نیکی کی گواہی دینے لگتے ہیں۔ اگرچہ اس کی نیکی کا مشاہدہ نہ کیا ہو۔

رہا وہ شخص جو اپنے عمل سے مخلوق کی طرف متوجہ ہو تو اس کے اعمال رائیگاں ہو رہے

ہیں کیونکہ وہ نہ خالق کے ہاں مقبول ہیں نہ مخلوق کے ہاں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دل کو بھی پھیر دیتے ہیں۔ لہٰذا عمل ضائع ہوا اور عمر بیکار گئی۔

ہم کو ابن الحسین نے ابن احمد ہب' احمد بن جعفر' حسن بن موسیٰ' ابن لہیعہ' دراج' ابوالہیثم کے واسطوں سے خبر دی کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لو ان احدکم یعمل فی صخرۃ صماء لیس لھا باب ولا کوۃ لخرج للناس عملہ کائنا ما کان۔

"اگر تم میں سے کوئی شخص ایسے پتھر کے اندر بیٹھ کر عمل کرے جس میں نہ کوئی دروازہ ہو نہ کوئی روشندان تو بھی اس کا عمل لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے گا جیسے بھی عمل ہو۔"

لہٰذا بندے کو اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے اور اپنی ذات کا قصد رکھنا چاہیے جس کا قصد مفید ہو اور اس شخص کی مدح و تعریف میں نہ مشغول ہو جو تھوڑی سی تعریف سے کسی آزمائش میں مبتلا ہو جائے۔

تنگیِ علماء

مجلس..... ہمارے پاس عجم کے ملکوں سے ایک فقیہ آئے جو اپنے شہر کے قاضی بھی تھے تو میں نے ان کی سواری پر دیکھا کہ سونا لگا ہوا ہے اور ساتھ میں چاندی کے برتن اور دوسری حرام چیزیں بھی تھیں تو سوچا کہ آخر علم نے اس شخص کو کیا فائدہ پہنچایا؟ کچھ بھی نہیں بلکہ خدا کی قسم! اس پر حجت بڑھ گئی ہے۔

دراصل اس کی سب سے بڑی وجہ حضرات سلف اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتوں اور سنتوں کے متعلق معلومات کی کمی ہے۔ یہ لوگ سنتوں سے ناواقف اور بحث مباحث کے علم میں منہمک رہتے ہیں۔ معرفت کی بے مغز باتوں کے ذریعے سبق چاہتے ہیں۔ حدیث کے سننے سے ان کو کوئی مطلب نہیں اور حضرات سلف کی سیرتوں پر کچھ نظر نہیں۔

بادشاہوں سے ملتے ہیں اس لیے ان کو ان کی شکل و صورت بنانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ پھر کبھی تو یہ خیال ہو جاتا ہے کہ یہ حالت درست نہیں ہے اور کبھی خیال نہیں ہوتا تو اس

وقت خواہشات بغیر کسی رکاوٹ کے غالب رہتی ہیں اور جو خیال آتا بھی ہے تو کہتے ہیں کہ پکڑے جانے کا احتمال تو ہے مگر جب ہم علم میں مشغول ہیں تو مغفرت بھی ہو جائے گی۔

پھر دیکھتے ہیں کہ دوسرے علماء کچھ دنیا کے حصول کے لیے ہمارے اکرام و تعظیم کر رہے ہیں مگر ان کو اس سے روکتے نہیں ہیں۔

میں نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو عالم کہے جاتے ہیں لیکن اپنے ساتھ بے ریش لڑکوں کو رکھتے ہیں اور ایسے ہی غلام خریدتے ہیں حالانکہ یہ کام وہی کر سکتا ہے جو آخرت سے مایوس ہو چکا ہو' حیرت تو یہ ہے کہ بہت سے علماء جو اسی (۸۰) کے سن کو پہنچ چکے ہیں وہ بھی اس حالت میں مبتلا ہیں۔

لہٰذا اے وہ شخص! جو اپنے دین کی حفاظت چاہتا ہے اور آخرت پر یقین رکھتا ہے اللہ سے ڈر اور اس کا لحاظ رکھ! فضول تاویلات اور غالب خواہشات کو چھوڑ دے کیونکہ اگر تو نے ایک معاملہ میں سستی کی (اور گناہ پر عمل کر لیا) تو پھر وہ تجھ کو باقی گناہوں کی طرف کھینچ لے جائے گا۔ پھر خواہشات کے جال سے نہیں نکل سکے گا کیونکہ طبیعت ان سے مانوس ہوتی ہے۔ لہٰذا میری نصیحت مان' روٹی کے ایک ٹکڑے پر قناعت کر لے اور اہل دنیا سے دوری اختیار کر اور جب بھی خواہش بھڑکے تو اس کو روک اور اس کی بات نہ مان۔

ممکن ہے کہ کبھی خواہش نفس تجھ سے کہے کہ فلاں عمل میں کچھ گنجائش ہے لہٰذا کر لو مگر تو ایسا نہ کر کیونکہ اگرچہ اس میں کچھ گنجائش نکل بھی آوے لیکن وہ دوسرے حرام تک پہنچانے کا سبب بن سکتا ہے۔ پھر تلافی دشوار ہو جائے گی۔ لہٰذا صبر سے کام لے اور زندگی کی تنگیوں اور اہل خواہش سے کنارہ کشی پر جما رہ کیونکہ اس کے بغیر دین کامل نہیں ہو سکتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جب رخصت پسندی پر عمل ہوگا تو یہ دوسرے گناہ کی طرف لے جائے گا جیسے سمندر کا کنارہ بھنور تک پہنچا دیتا ہے۔ رخصت پسندی کیا ہے؟ یہی کہ ایک حلال کو چھوڑ کر دوسرا حرام کھانا' ایک لباس کو چھوڑ کر دوسرا لباس اختیار کرنا اور خوبصورت چہروں کو تلاش کرنا حالانکہ یہ سب کچھ صرف چند دن کا عیش ہے۔

عقل کی حدود

مجلس..... جس نے اللہ کی عظمت پر غور کیا (اور اس کے لیے اس کی ذات کا تصور کرنا چاہا) تو اس کی عقل حیرت زدہ رہ جائے گی کیونکہ اس کو ایسی ذات موجود ماننا پڑے گی جس سے پہلے کوئی وجود نہ ہو مانا کہ یہ ایسی بات ہے جس کو حواس سے معلوم کرنا ممکن ہے بلکہ اس کا اقرار صرف عقل ہی کر سکتی ہے۔

پھر وہ اس اقرار کے بعد حیرت میں پڑ جاتی ہے اس لیے کہ خدا تعالیٰ کے ایسے افعال دیکھتی ہے جو اس کے وجود پر دلالت کرتے ہیں پھر اس کے ایسے فیصلے سامنے آتے ہیں جن کو دیکھ کر اگر اس کے وجود پر دلائل نہ ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کا وجود نہیں ہے۔

مثلاً وہ بنی اسرائیل کے لیے سمندر کو پھاڑتا (اور ان کو درمیان سے صحیح وسالم گزار دیتا) ہے۔ اب یہ ایسا واقعہ ہے جس پر سوائے خالق کے اور کسی کو قدرت نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ بن جاتی ہے اور جادوگروں کی ساری رسیاں اور لاٹھیاں کھا جاتی ہے پھر وہ اس کو لاٹھی بنا دیتا ہے جبکہ اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا ہوتا ہے تو بتاؤ! کیا اس کے بعد بھی اس کے وجود پر کسی دلیل کی ضرورت ہے؟ پھر دیکھو کہ جب جادوگر ایمان لائے تو ان کو فرعون کے ساتھ چھوڑ دیا جس نے ان کو سولی پر لٹکا دیا مگر اس نے روکا نہیں۔ اسی طرح حضرات انبیاء ہمیشہ تکلیف میں اور قتل میں مبتلا ہوتے رہے ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو چیرا جا رہا ہے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ایک زناکار عورت قتل کر رہی ہے اور ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کہہ رہے تھے:

من یؤوینی؟ ومن ینصرنی؟

”کون ہے جو مجھ کو ٹھکانا دے؟ کون ہے جو میری مدد کرے؟“

یہ سب دیکھ کر اللہ کے وجود سے باغی شخص کہنے لگتا ہے کہ اگر اللہ موجود ہوتا تو ضرور ان دوستوں کی مدد فرماتا۔

لہٰذا اس سمجھدار شخص کو جس کے نزدیک خدا تعالیٰ کا وجود کھلے ہوئے ظاہری دلائل سے

ثابت ہو چکا ہو کبھی بھی اپنی عقل کو اس کے افعال اور فیصلوں پر اعتراض اور ان کی علت کی تلاش کا موقع نہیں دینا چاہیے کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ مالک ہے اور حکمت والا ہے۔ تو جب ہم پر اس کی حکمت کی وجہ ظاہر نہ ہو سکے گی تو اس کو ہم اپنی فہم و عقل کی کمزوری کی طرف منسوب کریں گے اور کیوں نہ کریں جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے برگزیدہ نبی کشتی کے توڑے جانے اور لڑکے کو قتل کیے جانے کی حکمت نہیں سمجھ سکے پھر جب ان کے سامنے اس ظاہری فساد کی حکمت ظاہر ہو گئی تو انہوں نے تسلیم کر لیا۔ معلوم ہوا کہ اگر خدا تعالیٰ کے تمام افعال کی حکمت بالکل ظاہر ہوتی تو عقل کو انکار کی گنجائش نہ ہوتی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ انکار کا معاملہ کیا۔

لہٰذا جب تم دیکھو کہ عقل "کیوں" کا سوال کرنے لگے تو اس کو چپ کراؤ اور کہو کہ اے عاجز! جب تو خود اپنی حقیقت سے بے خبر ہے تو تجھ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ مالک پر اعتراض کرے۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی عقل پوچھے کہ آخر انسان کو آزمائش میں کیا فائدہ ہے جبکہ وہ بغیر کسی آزمائش کے بھی بدلہ دینے پر قادر ہے؟ اسی طرح اہل جہنم کو عذاب دینے سے کیا غرض ہے جبکہ خدا تعالیٰ کو عجز اس نقصان مقصود نہیں ہے؟ تو اس سے کہو کہ اس کی حکمت تیرے مرتبہ سے بلند ہے لہٰذا جو کچھ نہیں جانتی ہے اس کو تسلیم کر لے کیونکہ سب سے پہلے جس نے اپنی عقل کے ذریعے اعتراض کیا وہ ابلیس ہے اس نے سوچا کہ آگ کو مٹی پر فضیلت حاصل ہے اس لیے سجدہ سے انکار کر بیٹھا۔

ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا اور بہتوں سے سنا کہ وہ حکمت پر اعتراض کرتے ہیں اور وجہ وہی ہے کہ وہ اپنی عقلوں کو حکم بنا کر اپنی عقل کے مطابق فیصلوں کو مانتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ خالق کی حکمت عقلوں سے ماوراء ہے۔

پس خبردار! کبھی بھی اپنی عقل کو علت ڈھونڈنے یا اپنے کو اس کے اعتراض کا جواب تلاش کرنے کی گنجائش نہ دو بلکہ اس سے کہو کہ جھک جا اور تسلیم کر لے ورنہ تو سمندر کی گہرائی معلوم کرنے سے پہلے ہی تو تاب ہو کر ختم ہو جائے گی۔

یہ بڑی بنیادی بات ہے جب آدمی اس کو چھوڑ دیتا ہے تو اس کا اعتراض کفر کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔

ہر شخص بجائے خود عبرت ہے

مجلس..... تعجب ہے اس شخص پر جو یہ کہتا ہے کہ میں قبروں پر جا کر سڑگل جانے والے جسموں سے عبرت حاصل کرتا ہوں حالانکہ اگر سمجھ سے کام لیتے تو اس کو معلوم ہو جاتا کہ وہ خود ایک قبر ہے اور خود اپنے اندر جو عبرت کے مواقع موجود ہیں وہ دوسری چیز وں سے عبرت حاصل کرنے سے بے نیاز کرنے والے ہیں۔ خاص کر وہ شخص جس کی عمر زیادہ ہو چکی ہو کیونکہ اس کی شہوت کمزور ہو گئی ہے طاقت اور قوت گھٹ گئی ہے حواس سست پڑ چکے ہیں نشاط ختم ہو چکا ہے اور بال سفید ہو چکے ہیں۔

لہٰذا اس کو چاہیے کہ خود اپنی ہی کھوئی ہوئی چیزوں سے عبرت پکڑے اور کھو جانے اور ختم ہو جانے والے افراد سے بے نیاز ہو جائے کیونکہ جو کچھ اس کے پاس موجود ہے اس کے ہوتے ہوئے دوسروں پر نظر ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اہل عقل کی بے نصیبی

مجلس.... جب عقل کامل ہو جاتی ہے تو دنیا کی لذتیں ختم ہو کر رہ جاتی ہیں۔ پھر جسم لاغر ہو جاتا ہے بیماری بڑھ جاتی ہے اور غم زیادہ ہو جاتا ہے اس لیے کہ عقل جب نتائج کو دیکھتی ہے تو دنیا سے رخ پھیر لیتی ہے اور نظر آنے والے منظر کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اس کو پھر کسی بھی چیز سے لذت نہیں ملتی۔

لذت تو وہ لوگ اٹھاتے ہیں جو آخرت سے غافل ہیں۔ بھلا ان کو کیا لذت جن کی عقل کامل ہے؟ یہی وجہ ہے کہ عقل مند آدمی لوگوں سے میل جول کی طاقت نہیں رکھتا ہے کیونکہ عام لوگ اس کو غیر جنس معلوم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

مافي الديار اخو وجد نطارحه   حديث نجد ولا خل نجاريه

''شہروں میں اب کوئی ایسا صاحب وجد نہیں رہ گیا جس سے ہم ''نجد'' کی باتیں کریں اور نہ کوئی ایسا دوست جس کی ہم نشینی اختیار کر سکیں۔''

موت کے بعد دوبارہ زندگی برحق ہے

مجلس.... فطرت پسندوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ تمام موجودات کا مادہ پانی، مٹی، آگ اور ہوا ہے اور قیامت کے دن یہ چاروں عناصر فنا ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس روحانی حیات کو دوبارہ لوٹائیں گے تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ خدا کی قدرت سے تھی نہ کہ عناصر اور کلیات کی تاثیر سے۔

میں کہتا ہوں کہ جس نے دوبارہ زندگی کے بارے میں کوئی شک و شبہ ظاہر کیا تو گویا اس نے اللہ کی حکمت میں شبہ کر دیا اور جس نے یہ کہا کہ روح عرض ہے تو گویا اس نے دوبارہ زندگی کا انکار کرنا چاہا کیونکہ عرض مستقل قائم اور موجود نہیں رہ سکتا جبکہ سارے اجسام مٹی ہو جائیں گے لہٰذا اب اگر قیامت میں کوئی معاملہ ہوگا تو وہ پھر سے ابتدا ہوگی (نہ کہ اسی روح اور جسم کا اعادہ) حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ بعینہ اسی انسان کو اور اس کی روح اور جسم کو دوبارہ پیدا فرمائیں گے جس کی دلیل یہ ہے کہ انسان اسی دنیا کی باتیں وہاں دہرائے گا۔ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ "ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک دوست تھا۔"

خدا کے پاک کی عزت کی قسم! بچپن میں اس کی مہربانیاں کھلی ہوئی دلیل ہیں کہ آدمی کا انجام کیا ہوتا ہے۔ دیکھو کہ اس نے والدین کو بالکل شیدا بنا دیا، ماں کے سینے میں دودھ اتارا، غذائیں پیدا کیں اور عقل کو انجام سوچنے والا بنا دیا تو اب بتاؤ کہ کیا اس تدبیر و انتظام کو دیکھنے کے بعد بھی یہ کہنا مناسب ہے کہ موت کے بعد یہ سارا عالم فنا ہو جائے گا اور کسی کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔

تم تو یہ دیکھو کہ جو ذات یہ چاہتی ہو کہ اس کو پہچانا جائے اسی لیے اس نے مخلوق کو پیدا کیا ہو۔ چنانچہ کہتا ہے: کنت کنزا لا اعرف فاحببت ان اعرف۔ "میں مخفی خزانہ تھا جس کو کوئی جاننے والا نہ تھا تو میں نے چاہا کہ میں جانا پہچانا جاؤں۔ (اس لیے سب کو پیدا کیا)"

کیا وہ ذات اس کو پسند کر سکتی ہے کہ ساری مخلوق کو فنا کر دے اور اس کی ذات غیر معروف ہی رہ جائے۔

سبحان! پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے اکثر دلوں کو معرفت سے اندھا کر رکھا ہے۔

سب سے زیادہ ظاہر اور سب سے زیادہ مخفی

مجلس... نہایت پاکیزہ ہے وہ ذات جو اپنی مخلوق کے سامنے اس قدر ظاہر ہے کہ اس میں کوئی پوشیدگی اور خفا باقی نہیں ہے اور اس قدر مخفی ہے کہ گویا اس کا وجود ہی ظہور میں نہ ہو۔ یعنی ان مصنوعات سے بڑھ کر کون سی چیز ظاہر ہے جو سب کی سب اس بات کی شہادت دے رہی ہیں کہ ان کا ایک بنانے والا ہے جس نے انہیں بنایا ہے اور انہیں حکمت کے قانون کے مطابق ترتیب دیا ہے۔

خصوصاً یہ آدمی جس کو ایک قطرے سے بنایا ہے پھر ایک عجیب نقش عطا فرمایا ہے جس کو فہم، ذہانت، بیداری اور علم کی دولت سے نوازا ہے جس کے لیے زمین کا فرش بچھایا ہے جس کے لیے پانی اور ہوا کو جاری فرمایا ہے جس کے لیے کھیتی اگائی ہے جس کے لیے آسمان بلند کیا ہے پھر اس میں دن کے لیے سورج کا چراغ روشن کیا ہے اور سکون حاصل کرنے کے لیے تاریکی اور رات بنائی ہے اور اس کے علاوہ بے شمار چیزیں ہیں جو کسی صاحب فہم کے نزدیک پوشیدہ نہیں ہیں۔ یہ سب فصیح اور صاف زبان سے کہتی ہیں کہ کوئی پیدا کرنے والا ضرور ہے۔ ان چیزوں کو دیکھو تو اللہ تعالیٰ کی ذات بالکل ظاہر ہے جس میں کوئی خفا نہیں ہے۔

اسی طرح اس نے رسولوں کو بھیجا جو دنیا کے اعتبار سے تنگدست اور کمزور جسم والے تھے مگر ان کے سامنے بڑے بڑے جباروں کو مغلوب کر دیا۔ ان کے ہاتھوں پر ایسے معجزات کو ظاہر کیا جو کسی انسانی اور بشری طاقت سے دور تھے۔ یہ سب چیزیں بھی اللہ کے وجود کو ظاہر کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات ان چیزوں کے ذریعے بندوں کے سامنے بالکل ظاہر ہو گئی ہے۔

اسی طرح دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر تک پہنچے تو سمندر پھٹ جاتا ہے۔ یہ دیکھ کر ان میں ذرا بھی شک نہیں رہ جاتا کہ خالق نے ہی اس کو ایسا بنایا ہے اور دیکھو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردہ سے بات کرتے ہیں تو وہ اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور ابابیل پرندے آ کر خدا کے گھر کی حفاظت کر رہے ہیں اور آنے والا لشکر برباد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کے بہت سے واقعات ہیں جن کا ذکر طویل ہو گا۔ حاصل یہ کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی تجلی اور ظہور پر بغیر کسی خفا اور پوشیدگی کے دلالت کر رہے ہیں۔

پس جب خدا کا وجود اور ظہور اہل عقل کے نزدیک بغیر کسی شک وشبہ کے ثابت ہو گیا تو پھر پہلے ہی کی طرح ایسے واقعات بھی ہوئے جو گویا اس "ظاہر" کو "باطن" اور مستور کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً دشمنوں کو اولیاء وانبیاء پر غلبہ دے دینا وغیرہ۔

پھر جب خدا تعالیٰ کا ظہور ایسے دلائل سے ثابت ہو گیا جن میں تاویل کا احتمال نہیں ہے تو یہ بات یقینی ہو گئی کہ اس خفا اور پوشیدگی میں ضرور کوئی ایسا راز ہے جس کو ہم جانتے نہیں ہیں۔ لہٰذا عقل کے لیے ضروری ہے کہ حکیم ودانا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے کیونکہ جس نے سر جھکا دیا وہ محفوظ رہا اور جس نے اعتراض کیا وہ برباد ہو گیا۔

گمراہی کی بنیاد

مجلس.... یہ حقیقت ہے کہ ہر مذہب والے سیدھے راستے کی تلاش کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ تم دیکھو گے کہ اکثر اہل مذاہب اللہ تعالیٰ ہی کا قصد رکھتے ہیں۔ عیسائی راہب کو عبادت کرتا اور بھوکا رہتا دیکھو گے اور یہودی کو ذلت کیساتھ "جزیہ"[1] دیتے ہوئے پاؤ گے۔

جبکہ ہر مذہب کا آدمی اپنے مذہب پر عمل کرتے ہوئے ہر طرح کا ظلم وستم برداشت کر لیتا ہے۔ محض اس لیے کہ وہ ہدایت اور ثواب کا طالب ہے لیکن اس کے باوجود عقل یقین کے ساتھ جانتی ہے کہ اکثر افراد گمراہ ہیں۔ یہ مسئلہ ذرا حل طلب ہے اس لیے اس کی وضاحت یہ ہے کہ ہدایت کو اس کے اسباب کے ذریعے طلب کرنا چاہیے اور کوشش واجتہاد کو اس کے ذرائع سے حاصل کرنا چاہیے کیونکہ جس نے ہدایت کے طریقوں کو چھوڑ دیا وہ اجتہاد وکوشش کے بعض ذرائع سے محروم رہ گیا تو اس کو مجتہد نہیں کہا جا سکتا ہے۔

اب دیکھو کہ یہود ونصاریٰ کے علماء نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو پہچان کر صرف اس لیے انکار کر دیا تا کہ اپنی سرداری باقی رہ جائے۔ لہٰذا یہ لوگ معاند ہو گئے اور جو ان کے مقلد تھے وہ اپنی عقل کو استعمال نہیں کر رہے تھے۔ لہٰذا وہ مہمل ہوئے کیونکہ وہ اصل بنیاد یعنی عقل کو بیکار بنا کر عبادت گزاری کر رہے تھے اور یہ کچھ مفید نہیں ہے۔ اسی طرح جو عقل رکھتے بھی تھے وہ اچھی طرح غور وفکر سے کام نہیں لے رہے تھے۔ چنانچہ کہتے

---

[1] جزیہ غیر مسلم رعایا اسلامی حکومت کو اپنی جان ومال کی حفاظت کے عوض جو مال ادا کرتی ہے اس کو "جزیہ" کہا جاتا ہے۔ ۱۲ حمزہ

سمجھتے کہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ ہمارا دین منسوخ نہیں ہوگا حالانکہ زمانہ کے بدلنے کے ساتھ احکام و جزئیات کا بدلنا بالکل حق ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ نسخ نہیں ہو سکتا اور فرق پر نگاہ نہیں ڈالتے۔ ان کو چاہیے تھا کہ خوب غور و فکر سے کام لیتں۔

ایسے ہی خوارج کی جہالت گزری ہی تھی کہ اپنے معمولی علم پر اکتفا کر بیٹھے تھے جیسی کہتے تھے:

"لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ" (فیصلہ کرنے کا حق تو خدا تعالیٰ ہی کو ہے)

اور یہ نہیں سمجھتے کہ کسی انسان کو فیصل اور حکم بنانا یہ بھی اللہ ہی کے حکم سے ثابت ہے اور پھر اسی گمان فاسد کی بناء پر انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی اور آپ کو شہید کر ڈالا۔

ایسے ہی جب مسلم بن عقبہ نے مدینہ میں لوٹ مار کی اور بہت سے لوگوں کو قتل کر ڈالا تو کہا کہ اگر اس حملہ کے نتیجہ میں بھی جہنم میں داخل کیا گیا تو میں یقیناً بہت بد بخت ہوں۔

(مطلب یہ تھا کہ میں اس حملہ اور جنگ میں حق پر ہوں لہٰذا جہنم میں نہیں ڈالا جاؤں گا) کیونکہ اس نے اپنی جہالت سے یہ سمجھ لیا کہ اہل مدینہ نے جب یزید کی بیعت کو توڑا اور اس کی مخالفت کی ہے تو پھر ان کا قتل جائز اور ان کا مال مباح ہو گیا ہے۔

سو برا ہو اس کم ظرف جاہل کا جو کسی مسئلہ میں اپنے کو متہم نہیں سمجھتا اور اپنے سے بڑے عالم سے رجوع نہیں کرتا بلکہ اپنے گمان پر اکتفا کر کے اقدام کر بیٹھتا ہے۔

یہ لمبی بنیادی بات ہے جس کو قاعدہ سے سمجھ لینا چاہیے کیونکہ اس کا لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے بہت سے لوگ برباد ہو گئے۔ چنانچہ ہم نے بہت سے عوام کو دیکھا ہے کہ جب کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو اس کے متعلق فتویٰ نہیں معلوم کرتے۔

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً

"بہت سے چہرے اس روز ذلیل ہوں گے کام کرتے تھکے ہوں گے آتش سوزاں میں داخل ہوں گے"

مدارِ زندگی

مجلس... انسانی جسم کے لیے کچھ ذخیرہ ہوتے ہیں مثلاً خون منی اور دوسری چیزیں جن سے جسم کو قوت پہنچتی ہے جب یہ ذخیرہ ختم ہو جاتے ہیں اور کچھ باقی نہیں رہ جاتا تو انسان ختم ہو جاتا ہے۔

انہی ذخیروں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مال اور جاہ اور دوسری فرحت بخش چیزوں سے قوت حاصل کی جائے کیونکہ جب مال ختم ہو جاتا ہے اور آدمی خود دار و باعزت ہوتا ہے تو بڑی تنگی میں پڑ جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی کو خوف دامن گیر ہو جاتا ہے جبکہ اس کے پاس امید ورجاء کا اتنا ذخیرہ نہیں ہوتا جو اس خوف کا مقابلہ کر سکے تو آدمی ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی خوشی کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ غم اس کا مقابلہ نہیں کر پاتا تب بھی انسان ختم ہو جاتا ہے۔

لہٰذا ان ذخیروں کی حفاظت کی کوشش کرو خاص کر بوڑھا شخص تو ضرور اس کا اہتمام کرے کہ راحت حاصل کرنے کے لیے خون[1] نہ نکلوائے اور شہوت کے وقت منی نہ خرچ کرے۔ البتہ اگر تقاضا حد سے زیادہ ہو جائے تو پھر ہر وقت تکلیف دینے والی منی یا خون کو (بقدر ضرورت) نکلوادے اور تکلیف دہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ نکلتے وقت راحت کا احساس ہو ورنہ اگر کمزوری کا احساس ہوا تو سمجھ لو کہ اس کا نکلنا ہی نقصان دہ اور تکلیف دہ تھا۔

اسی طرح خود دار شخص کو چاہیے کہ اپنی عزت نفس کی حفاظت کرے یعنی ایسی جگہ نہ جائے جہاں جانے کی وجہ سے اس پر عیب گیری کی جائے کیونکہ وہ اپنی عزت اور خودداری کے ذخیرہ سے فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ اب اس کے خلاف کسی چیز کا پایا جانا طبیعت کو ناگوار ہوگا۔

ایسے ہی اپنی اخیر عمر کے لیے کچھ مال کا ذخیرہ بھی رکھنا چاہیے۔ اس اندیشہ سے کہ کہیں احتیاج پیش آوے تو پھر یا تو ذلت اُٹھانی پڑے گی یا پھر ایسے وقت میں کمانے کی کوشش کرنا پڑے گی جبکہ تمام اعضاء سست پڑ چکے ہوں گے۔

"بلاشبہ دوست کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے کہیں بہتر ہے کہ آدمی دشمن کے لیے **مال و جائیداد چھوڑ جائے۔**"

خبردار! ان لوگوں کی بات نہ سنو جو مال کی برائی بیان کرتے ہیں (اور یہ چاہتے ہیں کہ آدمی سارے مال سے دستبردار ہو کر محتاج بن کر ایک گوشہ میں بیٹھ رہے) کیونکہ یہ لوگ نہایت درجہ احمق اور جاہل ہیں اور راحت کی روٹی پر بھروسہ کیے ہوتے ہیں۔ کاہلی اور سستی کو

---

[1] یہ اس زمانہ اور اس ماحول کی تحریر ہے جب عام طور پر صحت کا یہ حال ہوتا تھا کہ خون ضرورت سے زائد ہونے کی وجہ سے تکلیف دہ ہو جاتا تھا اور نکلوادینے سے راحت ملتی تھی۔ اب تو جس کو دیکھئے خون کی کمی کی شکایت میں مبتلا ہے۔ ۱۲ امزہ

اچھا سمجھتے ہیں۔ صدقات کے کھانے سے ان کو کوئی جھجک نہیں ہوتی ہے اور نہ مانگنے سے شرماتے ہیں جبکہ ہر نبی معاش کی تدبیر خود کرتا تھا اور حضرات صحابہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے (یعنی ان میں سے بہت سے حضرات نے) اپنے بعد بہت زیادہ مال چھوڑا۔

لہٰذا اس اصل کو سمجھو اور جاہلوں کی بات کی طرف التفات نہ کرو۔

آج کل کے پیروں فقیروں کا حال

مجلس... میں نے اپنے زمانے کے اکثر صوفیوں کو دیکھا کہ ان میں تکبر، ناموس کی حفاظت اور مخلوق کے دلوں میں مرتبہ حاصل کرنے کی انتہائی خواہش ہے کہ جس کو دیکھ کر مجھ کو یقین سا ہو گیا ہے کہ یہ ریاکار اور منافق ہیں۔

چنانچہ تم دیکھو گے کہ ایسا کپڑا پہنتا ہے جس کو صوفیوں کا لباس سمجھا جائے (یعنی معمولی) مگر لذیذ غذائیں کھاتا اور بہترین کھانے کھاتا ہے، اپنے ہم جنسوں پر تکبر کرتا ہے، مالداروں سے دوستی کرتا ہے، غریبوں سے دور بھاگتا ہے، آقا اور مولیٰ کا خطاب چاہتا ہے، امیروں کے ساتھ چلتا ہے، گویا اس میں اپنے اوقات ضائع کرتا ہے اور لوگوں سے خدمت اور ملائی لینے کو اپنی غذا بناتا ہے۔

حالانکہ اگر وہ ایسا کپڑا پہن لیتا جس کو دیکھ کر عالم معلوم ہونے لگے تو اس کی جاہ ختم ہو جاتی اور کوئی شخص اس سے تعلق نہ رکھتا۔

پھر یہ کہ اگر اس کے افعال اس کے لباس سے مطابقت رکھتے (یعنی اعمال بھی ویسے صوفیوں والے ہوتے) تو بات کچھ ٹھیک بھی ہو جاتی لیکن ان کا تو حال یہ ہے کہ وہ راہ راست پر بھی نہ رہ گئے ہیں۔ چنانچہ ان کے عادات مخلوق میں سے بہت سے لوگوں کے سامنے پوشیدہ نہیں ہیں تو پھر خالق سبحانہ وتعالیٰ کا کیا ذکر؟

معاش کی تدبیر بھی دین ہے

مجلس... میں یہ مضمون مختلف پیرایوں سے اس کتاب میں دہرا چکا ہوں کہ مومن کو اپنے معاش کا انتظام خود کرنا چاہیے اور خرچ میں احتیاط کا معاملہ رکھنا چاہیے۔

کیونکہ پہلے تو علماء کے لیے بیت المال سے وظیفے جاری ہوتے تھے۔ احباب کی طرف سے تحفے آتے تھے اور عوام تعاون کرتے تھے لیکن اب سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔ اس لیے علم یا عبادات میں لگنے والے حضرات مشکل میں ہو گئے ہیں۔ خصوصاً وہ شخص جس کے ذمہ خاندان کا بھی خرچ ہو۔

یقیناً ہم نے ایسا برا زمانہ کبھی نہیں دیکھا تھا کیونکہ اب کوئی ایسا شخص نہیں رہ گیا ہے جس کے متعلق کہہ جا سکے کہ وہ مدد کر دے گا یا قرض دے دے گا۔ لہٰذا مؤمن ایسے راستوں پر پڑ جاتا ہے جو اس کے لیے مناسب نہیں ہوتے اور ایسے کاموں میں مبتلا ہو جاتا ہے جو اس کے لائق نہیں ہوتے۔

اس لیے یہی بہتر ہے کہ خاندان تھوڑا ہو نہ بڑھائے' غذا بقدر کفایت کھائے اور کپڑوں کو پیوند لگا لگا کر پرانا کیا جائے۔

ہاں اگر معاش کی کوئی تدبیر ممکن ہو تو پھر زائد علم کے حصول اور مزید عبادت کے شغل کے مقابلہ میں اس میں مشغول ہونا بہتر ہے ورنہ تو پھر نامناسب راستوں پر پڑ کر یہ دست سوال دراز کر کے اپنے دین کو برباد کرے گا۔

احتیاط اور پرہیز

مجلس..... سمجھدار آدمی کو حتی الامکان احتیاط کرنا چاہیے۔ پھر اگر احتیاط کے باوجود تقدیر کا فیصلہ غالب آ جائے تو کوئی ملامت کی بات نہیں ہے اور احتیاط ہر ایسے خطرہ سے کرے جس کا واقع ہو جانا ممکن ہو بلکہ اس کے لیے پہلے سے تیاری رکھنا ضروری ہے اور خطرات ہر معاملہ میں ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص نے ناخن تراشا جس میں کچھ زیادتی ہو گئی تو اس کی وجہ سے اس کے دونوں ہاتھ سڑ گئے اور وہ مر گیا۔

ہمارے استاذ حضرت احمد حربی سوار ہو کر ایک تنگ جگہ سے گزرے تو سواری کی زین پر تنا تھے کہ ران کا دل سکڑ گیا جس کی وجہ سے بیمار ہو گئے پھر وفات ہو گئی۔

یحییٰ بن نزار مسعری دی تھے میری مجلس میں آیا کرتے تھے ایک مرتبہ ان کے کان میں ثقل پیدا ہو گیا تو کان صاف کرنے والے کو بلایا اس نے کان کو اس زور سے دبایا کہ پانی

چیخنے لگا پھر وہ مر گئے۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط کو دیکھو کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جھکی ہوئی دیوار کے قریب سے گزرے تو تیزی سے وہاں سے ہٹ آئے۔

ایسے ہی یہ احتیاط جوانی میں کمانے کے معاملہ میں بھی ہونی چاہیے یعنی بڑھاپے کے لیے ذخیرہ حاصل کر لینا چاہیے۔

یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ آدمی کسی معاملہ کرنے والے پر بغیر کسی وثیقہ (یعنی تحریری سند) کے اعتماد کرے نہ وصیت میں بھی جلدی کرے اس اندیشے سے کہ کہیں موت نہ آجائے دوست سے بھی احتیاط کرے چہ جائیکہ دشمن سے ایسے شخص کی محبت پر بھروسہ نہ کرے جس کو کبھی ستا چکا ہو کیونکہ دلوں سے کینے کم ہی ختم ہو پاتے ہیں بیوی سے بھی احتیاط برتے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اس کو اپنا راز بتانے کے بعد طلاق دے دیتا ہے تو پھر عورت کی حرکتوں سے تکلیف پہنچتی ہے۔

ایک شاعر ابن افلح مسترشد باللہ کے دورِ خلافت میں کسی سردار سے خط و کتابت کرتا تھا اس کے دربان کو علم ہو گیا وہ دروازے سے نکلا اور جا کر بادشاہ سے چغلی کر دی۔ بادشاہ نے ابن افلح کا گھر تڑوا دیا۔

یہ مذکورہ واقعات چند مثالیں ہیں جو غیر مذکورہ معاملات میں بھی تنبیہ کے لیے کافی ہیں اور سب سے اہم احتیاط کا موقع یہ ہے کہ آدمی تیزی اور پکی توبہ کے ذریعے احتیاط برتے اس سے پہلے کہ موت آجاوے اور کاہلی و سستی کے چور سے بھی احتیاط کرے کیونکہ وہ جلد ہی نرمی سے اوقات کو چرا تا ہے۔

مادی اور روحانی لذتیں

مجلس...میں نے غور کیا بادشاہوں کی جنگوں تاجروں کی حرص دلی اور دوسرے فقیروں کے نفاق کو ہ دیکھا تو میں نے ان میں سے اکثر کو مادی لذتوں میں جکڑا پایا حالانکہ اگر کوئی عقلمند اس کو سوچے تو اس کو معلوم ہوگا کہ مادیات کا معاملہ وقتی ہوتا ہے چند

لمحوں میں ختم ہو جاتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ مادیات کی انتہاء کو حاصل کرنا بھی ناممکن ہے اور اگر کوئی شخص اس کی کوشش میں لگ بھی جائے تو اپنے کو تکلیف میں ڈال دیتا ہے' پھر اس کو جتنی لذت نہیں ملتی اس سے کئی گنا تکلیف اور نقصان پہنچتا ہے جیسے کوئی شخص زیادہ کھالے یا کئی نکاح کر ڈالے' لہٰذا نیک بخت وہی ہے جو اپنے دین کی حفاظت کا اہتمام کرے اور مادی لذتیں بقدر ضرورت ہی حاصل کرے۔

ہائے تعجب اس لباس کو دیکھو کہ درمیانی ہوتا ہے تو بھی خدمت لیتا ہے اور اگر اعلیٰ درجہ کا ہوا تو کیا پوچھنا؟ پھر اگر پہننے والے کو عجب ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف نگاہ بھی نہیں فرماتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے: بینما رجل یتبختر فی بردتہ خسف بہ. ''اس دوران کہ ایک شخص اپنی عمدہ چادر میں اکڑ تا چل رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔''

اور مشروب کو دیکھو اگر حرام ہوا تو اس کی سزا اس کی لذتوں سے کئی گناہ زیادہ ہوگی جبکہ لوگوں کے درمیان رسوائی ایک مستقل سزا ہے اور اگر مباح ہوا تو اس کی حرص بدن کے لیے مضر ہوتی ہے ایسے ہی منکوح پر نظر ڈالو کہ خوبصورت بیوی کی دلجوئی ہر تکلیف سے بڑھ کر مصیبت ہے اور بدصورت کو برداشت کرنا بھی سخت تکلیف دہ ہے۔ الہٰذا درمیانی کو اختیار کرلو۔

پھر بادشاہوں کے حالات پر نظر ڈالو کہ کس طرح ظلماً قتل کر دیئے گئے جبکہ کتنے حرام کا ارتکاب کر چکے تھے حالانکہ وہ مادی لذتوں میں سے تھوڑی ہی لذت پا سکے گویا فوت ہو جانے والے فضائل کی حسرتوں اور حاصل ہونے والی سزاؤں سے زندگی کا بادل چھٹ گیا ہے۔

لہٰذا دنیا میں اس گوشہ نشین سے زیادہ خوشگوار زندگی والا کوئی نہیں ہے جو علم کا حامل ہو اور علم اس کا غم خوار و ہم نشین ہو جو اتنے مباحات پر قانع ہو جس سے اس کا دین محفوظ رہے۔ یعنی مباحات کے حصول میں تکلف اور دین کی بربادی سے محفوظ ہو' جو دنیا اور اہل دنیا کے سامنے جھکنے کے بجائے اپنی عزت کو سنبھالے ہوئے ہو اور جو زیادہ پر قدرت نہ ہونے کے وقت تھوڑے پر قناعت کیے بیٹھا ہو' یہ سمجھ کر کہ اسی احتیاط اور استغناء سے دین اور دنیا دونوں محفوظ رہ سکتے ہیں۔

اور جس کو علم کی مشغولی فضائل کے حصول پر آمادہ کر رہی ہو اور علم و عمل کے باغوں میں سیر کرا رہی ہو تو یہی وہ شخص ہے جو اپنی گوشہ نشینی کے ذریعے شیطان سے' سلطان سے اور

جاہل عوام کے شرور سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

البتہ یہ خلوت اور گوشہ نشینی صرف علماء ہی کے لیے مناسب ہے کیونکہ اگر جاہل گوشہ نشین ہوگا تو علم سے محروم ہو جائے گا پھر ادھر اُدھر بھٹکے گا۔

پڑھنے سے زیادہ سمجھنا

مجلس.... میں نے سوچا کہ طالب علموں میں ایک مرض ایسا پیدا ہو جاتا ہے جو ان کو مقصود سے غافل کر دیتا ہے اور وہ یہ کہ ان کو مضامین لکھنے کی حرص پیدا ہو جاتی ہے۔ خصوصاً حدیث کے طالب علموں میں یہ مرض زیادہ ہے کہ سارے وقت کو اسی لکھنے کے شغل میں خرچ کر دیتے ہیں یاد کرنے اور سمجھنے سے غافل رہتے ہیں پھر زندگی گزر جاتی ہے کہ علم کا معمولی سا حصہ یاد ہو پاتا ہے۔

حالانکہ جس کو توفیق ہوئی کہ وہ اپنے زیادہ اوقات کو تکرار و حفظ میں لگائے اور جب تکرار سے تھک جائے تو راحت کے وقت میں لکھنے کا کام کرے تو اسی کو مقصود حاصل ہو پاتا ہے۔

یقیناً وہ طالب علم صاحب توفیق ہے جو اہم علوم کو حاصل کرے کیونکہ زندگی کی مدت سارے علوم کے حصول سے عاجز ہے جبکہ سارے علوم میں سب سے اہم علم "فقہ" ہے۔

لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کو علم تو حاصل ہو لیکن وہ اس کے تقاضوں پر عمل سے غافل رہے تو ان کی مثال ایسی ہے جیسے انھوں نے کچھ بھی حاصل نہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم کو محرومی سے پناہ میں رکھیے۔ (آمین)

غور و فکر اور انجام بینی

مجلس.... جب کوئی اہم معاملہ پیش آئے تو مہلت کے ساتھ غور و فکر سے زیادہ تو عمل احتیاط کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ آدمی جب کسی معاملہ میں بغیر انجام کو سوچے سمجھے عمل کرتا ہے تو عام طور پر شرمندگی پیش آتی ہے اسی لیے مشورہ کا حکم دیا گیا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ انسان کو ٹھہر کر کام کرنے کی وجہ سے زیادہ سوچنے کا موقع مل جاتا ہے جس میں وہ تمام پہلوؤں کو سامنے لا سکتا ہے تو گویا اس نے خود ہی سے مشورہ کر لیا۔

کہا گیا ہے: خمیر الرأی خیر من فطیرہ.

''گوندھی ہوئی رائے بے گوندھی رائے سے بہتر ہے۔ (یعنی سوچی سمجھی بات بے سوچی بات سے بہتر ہے)''

سب سے زیادہ کوتاہی اس شخص سے ہوتی ہے جو کسی معاملہ میں بغیر انتظار ومہلت کے اور بغیر کسی سے مشورہ کے فوراً عمل کر بیٹھتا ہے، خصوصاً ایسے معاملہ میں جس میں غصہ کا دخل ہو کیونکہ آدمی طیش میں آ کر اپنی ہلاکت کا سامان کر لیتا ہے یا پچھتاوے اور شرمندگی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

کتنے لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہوں نے غصہ میں آ کر قتل کر دیا یا مار بیٹھے پھر جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو ساری زندگی پچھتاوے اور غم اور رونے دھونے میں گزاری۔ چنانچہ اکثر قاتلین دنیا اور آخرت دونوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔

ایسے ہی وہ شخص ہے، جس کو شہوت کا تقاضا ہو جائے تو وہ اس کے حصول میں جلد بازی سے کام لے اور اس کا انجام بھولا رہے۔ چنانچہ کتنے لوگ ایسے ہوئے کہ پھر ساری زندگی ندامت کا گھونٹ حلق سے اتارتے رہے جبکہ مرنے کے بعد عتاب اور عقاب بھی پیش آنا ہے۔

اور یہ سب کچھ محض ایک لحہ کی لذت کی وجہ سے ہے جو بجلی کی طرح گزر جاتی ہے۔ لہٰذا تمام معاملات میں انجام کو سوچنے اور سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانے کا اہتمام کرو اور اللہ سے ڈرو۔ خصوصاً اس غصہ کے وقت جو فوراً مقدمہ کھڑا کر دیتا ہے یا فوراً طلاق کا سبب بن جاتا ہے۔

عقل کے فتنہ سے بچنے کیلئے عقل ہی استعمال کرو

مجلس..... مجھ سے ایک صاحب نے پوچھا کہ کسی دانا کا مقولہ ہے:

من لم یحترز بعلقہٖ ھلک بعقلہٖ.

''جس نے اپنی عقل سے احتیاط نہیں کی، وہ اپنی عقل ہی سے ہلاک ہو جائے گا۔''

اس مقولہ کا کیا مطلب ہے؟...... پہلے تو ایک زمانہ تک مجھ پر اس کا مطلب واضح نہ ہو سکا، پھر سمجھ میں آ گیا:

وہ یہ کہ جب تم اپنی عقل سے خدا تعالیٰ کی ذات کی معرفت حاصل کرنا چاہو گے تو وہ

محسوسات کی طرف مائل ہوگی۔ لہٰذا عقیدۂ تجسیم[1] پیدا ہو جائے گا جو عقل کے ذریعے عقل سے
احتیاط کا مطلب یہ ہے کہ عقل سے سوچے کہ خدا تعالیٰ کے لیے جسم ہونا یا کسی مخلوق کے
مشابہ ہونا ممکن ہے یا نہیں؟ (ظاہر ہے کہ عقل اس کا انکار ہی کرے گی)

اسی طرح جب عقل مسند آرائی اللہ تعالیٰ کے افعال کو دیکھتی ہے تو اس کو ایسے افعال نظر
آتے ہیں جو عقل کے مطابق نہیں سمجھ میں آتے۔ مثلاً جانوروں کو ذبح کرانا اور دوسری تکلیفوں
میں مبتلا کرنا، روکنے کی قدرت کے باوجود اپنے اولیاء پر دشمنوں کو مسلط کرنا، نیک بندوں کو فاقہ
میں مبتلا کرنا، گناہ پر اس سے نکل جانے کے بعد سزا دینا اسی طرح کی بہت سی چیزیں ہیں۔

جن کو عقل تدبیر کے اعتبار سے عادت خداوندی کے خلاف پاتی ہے تو یہ سمجھتی ہے کہ اس
میں کوئی حکمت ظاہر نہیں ہو سکتی تو اب عقل کے ذریعے عقل سے احتراز کا مطلب یہ ہے کہ اس
سے کہا جائے "کیا تمہارے نزدیک یہ بات ثابت نہیں ہو چکی ہے کہ وہ مالک اور حکیم ہے اور یہ
کہ وہ کوئی کام فضول نہیں کرتا ہے؟" ظاہر ہے کہ عقل کہے گی کہ ہاں! بالکل یہ بات ثابت ہو چکی
ہے تو اس سے کہا جائے کہ جب ہم تیرے ساتھ اس دوسرے اعتراض سے اجتناب کرتے ہیں جبکہ
تیرے نزدیک پہلے اس کا حکیم و مالک ہونا ثابت ہو چکا ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ بات ہو گی کہ اس
کے فعل کی حکمت تجھ پر مخفی رہ گئی ہے تو جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ حکیم ہے تو پھر سر جھکا دینے کے
علاوہ کیا چارہ ہے؟ اس وقت عقل کو یقین حاصل ہو گا اور کہے گی کہ میں نے سر جھکا دیا۔

بہت سے لوگوں نے عقل کے پہلے ہی خیال (یعنی خدا کے افعال کا خلاف عقل ہونا)
پر نظر رکھی تو اعتراض کر بیٹھے حتیٰ کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ کیسے اس نے میرے خلاف برے
انجام کا فیصلہ کر دیا؟ کیوں میرا رزق تنگ کیا؟ اور طرح طرح کی مصیبتوں میں مجھ کو مبتلا
کرنے میں آخر کیا حکمت ہے؟ حالانکہ اگر وہ اس پر غور کرتا کہ وہ مالک اور حکیم ہے تو پھر
مخفی حکمتوں کے سامنے سر جھکا دیتا۔

بہت سے بڑے لوگ بھی عقل کے پہلے ہی خیال سے مانوس ہو گئے جن میں سب

---

[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو انسان کی طرح ہاتھ پاؤں چہرے اور جسم والا تصور کرنا۔ اس عقیدہ کا حامل ایک فرقہ ہو چکا ہے ۱۲ مترجم

سے پہلا ابلیس ہے کہ اس نے سمجھا کہ آگ کو مٹی پر فضیلت حاصل ہے اس لیے اعتراض کر دیا۔ چنانچہ ہم نے بہت سے علم کی طرف منسوب علماء کو دیکھا کہ وہ اس باب میں لغزش کھا گئے ہیں اور اعتراض کر بیٹھے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے بہت سے افعال ایسے ہوتے ہیں جن میں کوئی حکمت نہیں ہوتی ہے اور وجہ یہی ہے جو ہم نے ذکر کی کہ عقل کی عام عادت اور اپنے جیسے خیال سے مانوس ہوتا اور خدا تعالیٰ کے افعال کو مخلوق کے افعال پر قیاس کرنا۔

حالانکہ اگر یہ لوگ باطنی عقل کو کام میں لاتے یعنی سوچتے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے تمام کمالات ثابت ہو چکے ہیں اور تمام نقائص سے وہ پاک ہے اور اس کا یقین کرتے کہ حکیم کوئی کام فضول نہیں کرتا ہے تو ضرور سمجھ میں آنے والے افعال کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے۔

اس کو اس طرح سمجھو کہ جب خضر علیہ السلام نے کچھ ایسے کام کیے جو عام عادت سے ہٹ کر تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نکیر کی اور یہ بھول گئے کہ خضر علیہ السلام ان کو بھی دکھانا چاہتے تھے کہ جو نتائج آپ نہیں جانتے میں ان کو دیکھ رہا ہوں۔

تو جب نتائج کی مصلحت ایک مخلوق کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر پر مخفی رہ گئی تو پھر حکیم مطلق کے افعال کی حکمتوں کا ہم پر مخفی رہ جانا کیا بعید ہے؟

یہ ایک اصل ہے جو اگر انسان محفوظ نہ رکھ سکے تو کفر اور اعتراض کی طرف نکل جائے اور اگر سمجھ لے تو ہر مصیبت کے نزول کے وقت راحت میں رہے۔

احسانات و انعامات کا وسیلہ

مجلس... مجھ کو معلوم ہوا کہ کسی سخی سے ایک شخص نے کچھ سوال کیا تو اس طرح کہا کہ میں وہی ہوں جس پر آپ نے فلاں دن اتنا اتنا احسان کیا تھا تو اس نے کہا "خوش آمدید ایسے شخص کو جو ہمارے سابق احسان کو ہم تک پہنچنے کا وسیلہ بنائے۔" یہ کہہ کر اس کی ضرورت پوری کر دی۔

تو میں نے اس سے ایک اشارہ نکال کر مناجات شروع کی اور عرض کیا:

"یا الٰہی! تو نے ہی مجھ کو بچپن کے زمانے سے ہدایت دی گمراہی سے حفاظت کی بہت سے گناہوں سے بچایا علم کی طلب کا الہام کیا جبکہ بچپن کی وجہ سے علم کے مرتبہ کی سمجھ بھی نہیں

تھی اور والد کی خواہش بھی شامل نہ تھی کیونکہ ان کا انتقال ہو چکا تھا' علم میں تفقہ حاصل کرنے اور تصنیف کرنے کے لیے فہم سے نوازا' علم کے حصول کے اسباب مہیا کیے' بغیر میری محنت کے میرے رزق کا انتظام کیا اس طرح کہ مخلوق سے مانگنے کی ذلت بھی نہیں اٹھانا پڑی' دشمنوں سے حفاظت کی لہذا کوئی ظالم میری طرف نہ بڑھ سکا' اتنے علوم میرے اندر اکٹھا کیے جو عام طور پر ایک شخص کے اندر جمع نہیں ہو پاتے جبکہ اکثر لوگوں کو یہ نعمت نہیں ملی ہے' پھر ان کے ساتھ مزید انعام یہ کیا کہ میرے دل کو اپنی معرفت و محبت سے متعلق کر لیا' اپنی طرف رہنمائی کے لیے عمدہ اور خوبصورت تحریر کا سلیقہ عطا فرمایا اور لوگوں کے دلوں میں مقبولیت رکھ دی جس کی وجہ سے لوگ میری طرف متوجہ ہوتے ہیں' میری نصیحت کو قبول کرتے ہیں' اس میں کچھ شک نہیں کرتے' میری تقریر کے مشتاق رہتے ہیں اور اس سے اکتاتے نہیں ہیں' پھر تو نے مجھ کو نامناسب لوگوں کے اختلاط سے محفوظ رکھا اور خلوت کی توفیق سے نوازا اور خلوت میں بھی کبھی علم سے انس پیدا کیا اور کبھی اپنی مناجات کو انس کا سبب بنایا' غرض اگر میں ان انعامات و احسانات کو شمار کرنے بیٹھوں جو تو نے کیے ہیں تو دسویں کا دسواں حصہ بھی نہ شمار کر سکوں۔"

وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها۔

"اگر تم لوگ اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہ شمار کر سکو گے۔"

پس اے میری طلب سے پہلے ہی مجھ پر احسانات کرنے والے کریم! اب جبکہ میں مانگ رہا ہوں تو اپنی ذات سے وابستہ امیدوں کے متعلق مجھ کو محروم نہ کر کیونکہ میں تیرے گزشتہ انعامات ہی کو وسیلہ بنا رہا ہوں۔

مال و دولت کے بندے

مجلس.... پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے اکثر لوگوں کو اعتدال کے کناروں پر رکھا' کیونکہ معتدل افراد تو بہت نادر ہیں۔

چنانچہ بعض اس قدر غضبناک ہوتے ہیں کہ قتل کر ڈالتے ہیں اور دہیت کر بیٹھتے ہیں جبکہ کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ حلم و بردباری کی زیادتی کی وجہ سے بالکل بودے ہو جاتے ہیں'

پھر مال بھی میسر نہیں کرتی ہے۔ بعض اس قدر حریص ہوتے ہیں کہ ہر خواہش کی چیز کھا لیتے ہیں اور بعض ایسے زاہد ہوتے ہیں کہ اپنے کو خشک کر ڈالتے ہیں اس لیے کہ نفس کو اس کے حقوق سے بھی محروم کر دیتے ہیں۔

یہی تمام چیزوں کا معاملہ ہے جبکہ پسندیدہ طریق اعتدال کا ہے۔

پس جو شخص ہر ہاتھ میں آنے والی چیز خرچ کر ڈالے وہ فضول خرچ ہے جبکہ بخیل اپنا مال چھپاتا ہے اور خود اپنے نفس کو مال کا فائدہ اٹھانے سے محروم کر دیتا ہے حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ مال خود مقصود نہیں ہوتا بلکہ اپنی ضروریات کے لیے ہوتا ہے تو جب انسان نے فضول خرچی کر کے اڑا دیا تو پھر ضرورت کے وقت اس کو اپنی آبرو اور دین خرچ کرنا پڑے گا اور بخیلوں کا احسان اٹھانا ہوگا۔ حالانکہ یہ بات مناسب نہیں ہے۔

"دوست کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے کہ مال جمع کرے خواہ دشمن کے لیے چھوڑنا ہی کیوں نہ پڑے۔"

لوگوں میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو بخل کرتے ہیں اور ان میں بخل کے سلسلے میں آپس میں تفاوت بھی ہے۔ حتیٰ کہ بعض تو خود مال ہی کے عشق میں گرفتار ہو گئے۔ حتیٰ کہ لاغر اور کمزور ہو کر مر گئے لیکن اپنے اوپر خرچ نہیں کیا۔ پھر وہ مال دوسروں نے لے لیا اور چھوڑ جانے والے کی مذمت ہوئی۔ مجھ کو اس سلسلے میں ایسے واقعات معلوم ہوتے ہیں جن سے زیادہ تعجب خیز واقعات نہیں ہو سکتے۔ یہاں اس لیے ذکر کرتا ہوں تاکہ عبرت حاصل ہو۔

ہمارے شیخ ابوالفضل بن ناصر نے اپنے استاذ عبدالمحسن صوری سے نقل کیا وہ کہتے تھے کہ "صور" میں ایک تاجر تھا جو اپنے بالا خانے میں رہتا تھا۔ ہر رات دکاندار سے دو روٹی اور ایک اخروٹ لے کر مغرب کے وقت بالا خانے میں جاتا اور اسی اخروٹ میں آگ پکڑا دیتا جس سے اتنی دیر روشنی ہو جاتی تھی کہ وہ اپنے کپڑے اتار رکھے۔ پھر اخروٹ کا چھلکا بھی دیر جتنا وہ اخروٹ کے گودے سے نکلنے والے تیل کو اپنی روٹی میں ملا کر کھا لیتا تھا۔ کافی دنوں تک اسی طرح سے گزارا کیا۔ آخرکار مر گیا تو صور کے بادشاہ نے اس کے ترکہ سے تیس ہزار دینار وصول کیا۔

خود میں نے ایک عالم کو دیکھا کہ بیمار ہوئے تو اپنے کو ایک دوست کے گھر میں ڈال دیا

نہ ان کے پاس کوئی خدمت گزار نوکر تھا نہ تیمار دار رشتہ دار جس کی وجہ سے ان کو تکلیف بھی پہنچتی تھی۔ جب ان کا انتقال ہوا تو لوگوں نے ان کی کتابوں کے درمیان سے پانچ سو دینار نکالے۔

ایسے ہی مجھ سے ابوالحسن راندسی نے بیان کیا کہ ہمارے علاقہ میں ایک شخص بیمار ہوا تو اس نے مجھ کو بلوایا۔ میں پہنچا تو اس نے کہا کہ قاضی نے میرے مال پر مہر لگوا دی ہے میں نے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں جاؤں اور مہر کھول کر اس میں سے تم کو ایک تہائی دے دوں جس کو تم اپنے ہاتھوں سے تقسیم کر دو یا جو چاہو کرو۔ اس نے کہا کہ نہیں! میں اس کو تقسیم کرنا نہیں چاہتا ہوں بلکہ میری خواہش یہ ہے کہ میرا مال میرے پاس رہے' میں نے کہا کہ وہ لوگ تم کو تمہارا مال نہیں دیں گے' البتہ میں تمہارے لیے تہائی مال لا سکتا ہوں جس میں تم آزاد رہو گے' اس نے کہا کہ میں یہ نہیں چاہتا ہوں' آخر کار مر گیا اور اس کا پورا مال دوسروں نے لے لیا۔

انہی ابوالحسن نے بیان کیا کہ ایک شخص آیا اور اس نے ایک عجیب واقعہ سنایا۔ کہنے لگا کہ میری ساس بیمار ہوئی تو اس نے مجھ سے کہا کہ میرے لیے حلوہ خرید لاؤ' میں خرید لایا۔ اس وقت وہ دوسری کوٹھری میں تھی اور میں الگ کمرے میں تھا' تھوڑی ہی دیر بعد میرا چھوٹا بچہ آیا اور اس نے کہا کہ نانی سونا نگل رہی ہے۔ میں فوراً اُٹھ کر گیا' تو دیکھا کہ وہ دینار کو تھوڑے سے حلوے میں رکھ کر نگلنے کی کوشش کر رہی تھی' تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا اور ڈانٹا تو کہنے لگی کہ مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ تم میری بیٹی کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح کر لو گے' میں نے کہا میں ایسا نہیں کروں گا' تو اس نے کہا کہ حلف اُٹھاؤ' میں نے حلف اُٹھا لیا تو اس نے باقی دینار مجھ کو دیدیئے' پھر مر گئی تو میں نے اس کو دفن کیا۔

پھر چند مہینوں کے بعد کا قصہ ہے کہ ہمارا ایک بچہ مر گیا تو ہم اس کو لے کر اسی بڑھیا کی قبر کے پاس گئے۔ میں نے اپنے ساتھ چمڑے کا ٹکڑا بھی لے لیا تھا۔ وہاں پہنچ کر قبر کھودنے والے سے کہا کہ اس بڑھیا کی ہڈیاں جمع کر کے اسی چمڑے میں رکھ دو پھر میں اس کو گھر لایا اور ٹب میں رکھ کر اس پر پانی بہانا شروع کیا اور ہلاتا رہا تو اس سے تقریباً اسی (۸۰) دینار نکلے جن کو وہ نگل چکی تھی۔

ایسے ہی ہمارے ایک دوست نے مجھ سے نقل کیا کہ ایک شخص مرا تو اس کو گھر ہی میں دفن کر دیا گیا' پھر کچھ مدت کے بعد اس کی لاش (کسی ضرورت سے) نکالی گئی تو اس کے سر

کے نیچے ایک مٹی کی اینٹ ملی جس میں تار کول ملایا گیا تھا۔ گھر والوں سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ خود اسی نے اس اینٹ میں تار کول لگایا تھا اور وصیت کی تھی کہ قبر میں میرے سر کے نیچے رکھ دی جائے اور یہ بھی کہا تھا کہ مٹی کی اینٹ فوراً گل جائے گی جبکہ یہ والی تار کول کی وجہ سے خراب نہیں ہوگی۔

پھر لوگوں نے اس کو اٹھایا تو بھری ہوئی پائی۔ جب اس کو توڑا تو اس میں ۲۰۰۰ دینار تھے جس کو خاندان والوں نے تقسیم کر لیا۔

اسی طرح مجھ کو یہ واقعہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایک شخص مسجدوں میں جھاڑو دیا کرتا تھا اور ان کی مٹی جمع کر کے اینٹ بنایا کرتا تھا۔ پوچھا گیا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو کہا کہ "یہ بابرکت مٹی ہے میں چاہتا ہوں کہ لوگ میری قبر میں اسی کو لگائیں۔" پھر جب مر گیا تو وہ اینٹیں قبر میں لگا دی گئیں، لیکن کچھ بچ گئیں تو لوگوں نے ان کو گھر میں ایک طرف ڈال دیا۔ پھر بارش ہوئی تو اینٹیں پھٹ گئیں، دیکھا گیا تو ان میں دینار تھے۔ تب لوگ اس کی قبر پر گئے اور قبر کی اینٹوں کو کھولا تو سب کی سب دیناروں سے بھری ہوئی تھیں۔

ایسے ہی ہمارے ایک دوست کا انتقال ہو گیا جب کہ یہ جانا جاتا تھا کہ ان کے پاس بہت مال و دولت ہے لیکن بہت دنوں تک بیمار رہنے کے باوجود اپنے گھر والوں کو مال کا پتہ نہیں بتلایا۔ مجھ کو یقین ہے کہ یہ صرف اپنے بخل کی وجہ سے کیا کیونکہ ان کو حرص تھی کہ تندرست ہو جائیں اس لیے اچھی زندگی کی امید کی وجہ سے خاندان والوں کو دفن کی جگہ نہیں بتلائی۔ یہ سوچ کر کہ کہیں میں تندرست ہوں اور مال نہ رہے تو لوگ مجھے ذلیل سمجھیں حالانکہ اس رسوائی کے بعد کچھ نہیں سوچتا ہے۔

ہمارے ایک ساتھی نے اسی طرح کی ایک ایسی حالت بیان کی جس کا خود مشاہدہ کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ فلاں شخص کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی اور وہ ایک ہزار دینار کہیں دفن کیے ہوئے تھے۔ جب سخت بیمار ہوا تو گھر والوں نے گھیر لیا تو اس نے اپنے ایک بیٹے سے کہا کہ تم میرے پاس سے نہ ہٹنا۔ پھر جب تنہائی ہوگئی تو بیٹے سے کہا کہ تمہارا بھائی تو جوؤں کے کھیل میں مصروف ہے اور تمہاری بہن کا شوہر ایک ترکی ہے اور جب میرا مال ان کو ملے گا تو وہ اس کو کھیل میں اڑا دیں گے جبکہ تم میری سیرت اور میرے اخلاق پر ہو۔ دیکھو فلاں جگہ

پر میرا ایک ہزار دینار دفن ہے جب میں مر جاؤں تو تم تنہا سب لے لینا۔

پھر اس شخص کے مرض میں شدت ہوئی تو لڑکا گیا اور جا کر مال نکال لیا۔ اتفاق سے باپ ٹھیک ہو گیا تو اس نے بیٹے سے مطالبہ شروع کیا کہ مال واپس کر دو لیکن وہ واپس نہیں کرتا تھا' پھر بیٹا بیمار پڑ گیا تو باپ اس سے عاجزی سے کہنے لگا کہ تمہارا بھلا ہو!! میں نے اس دن میں صرف تمہارا حصہ لگایا تھا اب تم مر جاؤ گے اور مال ضائع ہو جائے گا' تمہارا بھلا ہو! ایسا نہ کرو! باپ اسی طرح اس کے پیچھے لگا رہا حتیٰ کہ اس نے پتہ بتا دیا' باپ گیا اور نکال لیا۔ پھر لڑکا ٹھیک ہو گیا اور باپ بیمار ہوا تو اب لڑکے نے بہت کوشش کی کہ باپ اس کو دفن کا پتہ بتا دے لیکن اس نے نہیں بتایا' اور مر گیا اور مال ضائع ہو گیا۔

پس کس قدر پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے ان لوگوں کی عقل و فہم کو ختم کر دیا ہے۔ لہٰذا یہ لوگ جانوروں کی طرح ہو گئے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ اور بدتر۔

اب کہاں رہ گیا ہے کوئی باوفا دوست

مجلس.... ہمارے کچھ دوست اور بھائی تھے جن کو میں دوست سمجھتا تھا۔ پھر میں نے ان کی طرف سے دوستی اور اخوت کے خلاف کچھ معاملات دیکھے اور ان کی زیادتیاں نظر آئیں تو میں نے غصہ کرنا شروع کیا مگر پھر مجھ کو ہوش آیا تو اپنے جی میں سوچا کہ آخر یہ غصہ کیا فائدہ دے گا؟ اگر یہ لوگ ٹھیک ہو بھی گئے تو غصہ کی وجہ سے ہوں گے نہ کہ تعلقات کی بنا پر؟ اس لیے میں نے ارادہ کر لیا کہ ان سے تعلقات ختم کر دوں گا۔

پھر میں نے سوچا تو دیکھا کہ کچھ لوگ صرف جان پہچان والے ہوتے ہیں اور کچھ صرف ظاہر میں دوست ہوتے ہیں اور کچھ باطن کے اعتبار سے بھی بھائی ہوتے ہیں۔ یہ سوچ کر میں نے کہا کہ پھر ان لوگوں سے تعلقات ختم کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ ایسا کرو کہ ان کا نام اخوت کے دفتر سے کاٹ کر ظاہری دوست والے رجسٹر میں لکھ دو۔ پھر اگر وہ اس کے لائق بھی نہ ثابت ہوں تو ان کو متعارف لوگوں کی فہرست میں منتقل کر دو اور ان کے ساتھ ویسے ہی پیش آؤ جیسے جان پہچان والے کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ تو غلط ہے کہ تم ان پر غصہ کرنے لگو۔

حضرت یحییٰ بن معاذ کا مقولہ ہے کہ "وہ بھائی بہت برا ہے جس سے تم کو یہ کہنے کی ضرورت ہو کہ مجھ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔"

اس زمانہ میں اکثر لوگ بس "متعارف" کے درجہ میں ہیں۔ ظاہری دوست بھی بہت نادر ہے۔ رہی "اخوت اور سچی دوستی" تو یہ ایسی "شریعت" ہے جو منسوخ ہو چکی ہے۔ اب اس کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ اب نسبی بھائی، بیٹے اور بیوی کے تعلقات بھی خالص نہیں رہ گئے ہیں تو اب سچی دوستی کا خیال چھوڑ دو۔ ہر ایک سے کنارہ کش ہو جاؤ اور سب کے ساتھ اجنبیوں جیسا معاملہ کرو۔

خبردار! اس شخص سے دھوکہ نہ کھاؤ جو تم سے محبت کا اظہار کرتا ہو کیونکہ وقت کے گزرنے کے ساتھ تم کو اس کی محبت کا اندازہ لگ جائے گا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تم سے کچھ حاصل کرنے کے لیے وہ اظہار محبت کرتا ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "جب تم کسی دوست سے سچی دوستی کرنا چاہو تو پہلے اس کو غصہ دلاؤ اگر وہ غصہ میں ٹھیک ٹھاک رہے تو دوستی کر لو۔" مگر اس زمانہ میں یہ طریقہ خطرناک ہے کیونکہ جب تم کسی کو غصہ دلاؤ گے تو فوراً وہ تمہارا دشمن ہو جائے گا۔

اور وجہ اس سچی اور خالص دوستی کے ختم ہو جانے کی یہ ہے کہ پہلے حضرات سلف کی ساری توجہ آخرت کی طرف ہوتی تھی۔ اس لیے اخوت اور اختلاط میں ان کی نیتیں صرف دین کے لیے ہوتی تھیں نہ کہ دنیا کے لیے۔ اب اس زمانہ میں دلوں پر دنیا کی محبت چھا گئی ہے اس لیے اگر تم دین کے سلسلے میں کسی کو چاپلوسی کرتا ہوا دیکھو تو اس کو جانو کہ تم اس سے محبت نہیں کرتے۔

قناعت میں راحت ہے

مجلس... میں نے دیکھا کہ صاحب عافیت عافیت کی قدر اسی وقت کرتا ہے جب بیمار ہو جاتا ہے جیسے آزادی کا شکر اسی وقت معلوم ہوتا ہے جب قید میں ڈال دیا جائے۔

دراصل میں نے آدمی کے نفس عجیب حالت کو سوچا وہ یہ کہ اس کے پاس ایسی بیوی موجود ہوتی ہے جس میں کوئی خاص خرابی نہیں ہوتی۔ پھر بھی اس کا دل اس کی محبت میں اسی قدر نہیں لگتا ہے جس سے لذت حاصل کر سکے جس کی دو وجہ ہے:

ایک تو یہ کہ وہ حسن و جمال میں یکتا نہیں ہوتی ہے دوسرے یہ کہ ہر وہ چیز جو اپنی ملکیت
میں آ جائے وہ دل سے اتر جاتی ہے اور طبیعت ایسی چیز مانگنے لگتی ہے جس پر قدرت نہ ہو۔

تم دیکھو گے کہ آدمی تڑپتا ہے اور ایسی چیز کی خواہش کرتا ہے جس سے اس کو محبت ہو یا
ایسی عورت چاہتا ہے جس سے اس کو عشق ہو اور یہ نہیں جانتا کہ وہ درحقیقت وہ اپنے لیے ایک
مضبوط بندھن چاہ رہا ہے جو اس کو آخرت کے معاملہ میں یعنی علم و عمل کے سلسلہ میں کوشش و
محنت سے روک دے گا اور دنیا میں بھٹکاتا پھرے گا۔ پھر عاشق اپنے معشوق کا قیدی ہو کر رہ
جائے گا کہ ساری توجہ اسی کی طرف رہا کرے گی۔

پس اس آزاد پر تعجب ہے جو قید کو ترجیح دے رہا ہے اور اس صاحب راحت پر حیرت
ہے جو مشقت اور تعب کو اختیار کرنا چاہ رہا ہے۔

پھر یہ سوچ کہ اگر وہ عورت (ایسی ذات کہ اطمینان ہوئی کہ) اس کی حفاظت کرنے کی
ضرورت پڑے تو سمجھ لو کہ یہ آفت ہے کیونکہ کسی وقت سکون ہوگا نہ قرار اور اگر کھلے عام نکلنے والی ہوئی
جس سے بدکاری کا خطرہ ہو تو پھر ایک ہی مرتبہ میں ہلاک ہو کر رہ جائے گا کیونکہ جب سوئے گا تو
اس کو نیند سے لذت نہیں ملے گی اور گھر سے نکلے گا تو بدکاری کے خطرے سے مطمئن نہیں ہو سکے گا۔

اور اگر خرچ زیادہ مانگنے لگی جبکہ شوہر کے پاس گنجائش نہ ہو تو پھر اس کے لیے غلط
راستوں پر چلنا پڑ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر زیادہ ہمبستری کا مطالبہ کیا جبکہ شوہر کی عمر زیادہ
ہو چکی ہو تب بھی بڑی بربادی ہے۔

اور اگر کہیں شوہر سے نفرت کرنے لگی تب تو پھر بربادی انتہا کو پہنچ گئی۔ ایسے وقت میں
شوہر اپنے کو ہلاک کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔ جیسا کہ کسی کہنے والے نے کہا ہے۔

نحب القدود و نهوى الخدود ولعلم ان نحب المنونا

"ہم خواہش کرتے ہیں اچھی قامتوں اور خوبصورت رخساروں کی جبکہ ہم جانتے ہیں
کہ ہم اپنی موت کی خواہش کر رہے ہیں۔"

تب یہ شخص حقیقت میں رات کے بیچارے کی طرح ہو جاتا ہے (کہ خواہ کتنی ہی رات کو
پکارو اور مناؤ مگر وہ ملتا ہی نہیں بالکل سوکن جیسی بنتی ہے ایک چپ ہزار چپ)

لہٰذا جس کے پاس ڈھنگ کی بیوی موجود ہو اس کو اللہ سے ڈرنا چاہیے اور نفس کی آرزوؤں و تمناؤں سے بے رخی کرنی چاہیے کیونکہ ان کی کوئی انتہا نہیں ہے اس لیے کہ اگر فرض حاصل ہو بھی جائے اور خوبصورت عورت خواہش کے مطابق مل جائے تو جلد ہی اس سے اکتاہٹ ہو جاتی ہے اور تیسری کی طلب پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر تیسری سے بھی اکتاہٹ ہو کر چوتھی کی طلب ہوگی۔ اسی طرح کوئی انتہا نہ رہے گی۔

پھر دنیا میں اس کا نقصان یہ ہوگا کہ دل اسی میں پڑا رہے گا اور عقل اس میں گرفتار رہے گی۔ آدمی بالکل مبہوت اور حیران و پریشان ہو کر رہ جائے گا۔ ساری فکر ان چیزوں کے حصول میں لگ جائے گی جو محبوب کی خواہش ہو۔

پھر اگر کہیں جدائی ہوگئی یا کوئی آفت نازل ہوگئی یعنی حادثہ پیش آگیا تو اگر زندہ رہ گیا تو ہمیشہ کی حسرتیں ہوں گی ورنہ پھر فوراً ہلاکت۔

اور یہ بھی یاد رکھو کہ ایسا محبوب جو خوبصورت بھی ہو جس کا دین محفوظ بھی ہو اور جو صرف اپنے محب و عاشق پر نگاہ رکھنے والا ہو یہ کبریت احمر سے بھی زیادہ نادر ہے۔

لہٰذا ان چیزوں کے حاصل کرنے کی فکر کرو جن سے فکر میں سکون اور جمعیت پیدا ہو اور خواہشات اور تمناؤں کا خیال ترک کر دو تا کہ ہر فتنے سے محفوظ رہو۔

علم اور معرفت کا ثمرہ تواضع اور شکستگی ہے

مجلس..... جب انسان کا علم کامل ہو جاتا ہے تو وہ اپنے عمل پر نگاہ نہیں رکھتا بلکہ عمل کی توفیق دینے والے کے انعام پر نظر رکھتا ہے اس لیے سمجھدار شخص کے لیے ضروری ہے کہ اپنے عمل پر نگاہ نہ رکھے اور نہ اس پر نازاں ہو اور اس کے لیے چند تدبیریں ہیں:

ایک یہ کہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی اس عمل کی توفیق سے نوازا ہے:

حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ.

"اس نے ایمان کی محبت تم کو عطا کی اور تمہارے دلوں میں اس کو مزین کر دیا"

ایک یہ ہے کہ اپنے عمل کو اس کی نعمتوں کے مقابلے میں تصور کرے تو سوائے حصہ

بھی نہ پورا کر سکے گا۔ ایک یہ ہے کہ جب معبودِ حقیقی کی عظمت کا تصور کیا جائے گا تو پھر ہر عمل اور ہر عبادت حقیر نظر آئے گی۔ لیکن یہ سب اس وقت ہے جب عمل کھوٹ سے پاک اور غفلت سے خالی ہو کیونکہ جس وقت غفلتیں عمل کا احاطہ کیے ہوئے ہوں اس وقت تو یہ ڈرنا چاہیے کہ کہیں رد نہ کر دیا جائے اور اپنی کوتاہیوں پر عتاب کا خوف دامن گیر ہونا چاہیے نہ یہ کہ اپنے عمل پر نگاہ کی جائے۔

اس سلسلے میں محمود اور بہترین مقتدیٰ لوگوں کے حالات کو دیکھو کہ فرشتے جو دن رات تسبیح کرتے رہتے ہیں اور کبھی سست نہیں پڑتے۔ انہوں نے کہا:

ما عبدناک حق عبادتک۔ ''ہم سے آپ کی عبادت کا حق ادا نہ ہوا۔''

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام فرماتے تھے:

والذی اطمع ان یغفرلی۔ ''مجھے امید اور خواہش ہے کہ میری مغفرت کر دی جائے گی۔''

یعنی ان کو آگ میں ڈالے جانے کے وقت اور لڑکے کو ذبح کرنے کے وقت رضا پر بھروسہ نہیں ہوا۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما منکم من ینجیہ عملہ۔ ''تم میں سے کسی کو بھی اس کا عمل نجات نہیں دلائے گا۔''

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: ''کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اے اللہ کے رسول؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ بِرَحْمَتِہٖ۔

''ہاں مجھ کو بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی رحمت میں ڈھانک لیں گے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے:

وھل انا ومالی الا لک یا رسول اللہ۔

''میں اور میرا سارا مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے ہے اے اللہ کے رسول!''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے:

لو ان طلاع الارض لی لافتدیت بھا من ھول ما امامی قبل ان اعلم ما الخبر

''اگر پوری زمین بھر کر بھی میرے پاس خزانہ ہوتا تو جو کچھ سامنے آنے والا ہے اس کے خوف میں سب دے کر اپنے کو چھڑانے کی کوشش کرتا اس سے پہلے کہ مجھ کو اپنا حال معلوم ہوتا۔''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے:

لیتنی اذا مت لا ابعث. ''کاش! جب میں مرتا تو پھر دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا۔''

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں:

لیتنی کنت نسیا منسیا. ''کاش! میں بالکل فنا کر دی جاتی اور کوئی مجھ کو یاد نہ رکھتا۔''

یہی تمام اصحاب عقل و خرد کا حال ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا۔

اس کے برخلاف بنی اسرائیل کے چند نیک لوگوں کے ایسے واقعات مروی ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی فہم کا استعمال کم کیا۔ جیسا کہ ابھی میں نے اس کی وضاحت کی ہے (کہ عقل کے کمال کا تقاضا تواضع اور اپنے عمل پر نگاہ نہ رکھنا ہے) کیونکہ انہوں نے اپنے اعمال پر نگاہ کی اور اس پر ناز کیا۔

چنانچہ ان میں سے ایک واقعہ اس عبادت گزار کا ہے جس نے ایک جزیرہ میں پانچ سو سال تک عبادت کی تھی اور اس کے لیے ہر رات ایک انار غیب سے آتا تھا اور اس نے دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کو سجدہ کی حالت میں موت دیں۔ پھر جب حشر میں اُٹھایا جائے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ ''جاؤ! میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ!'' تو وہ کہے گا ''نہیں! بلکہ اپنے عمل کی وجہ سے'' تو اس کے تمام عمل کو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت سے وزن کیا جائے گا مگر وہ اس کے برابر نہ ہو سکیں گے۔ تب کہے گا کہ واقعی اے رب!! آپ کی رحمت ہی سے جنت میں جا سکتا ہوں۔

اسی طرح وہ غار والے بھی تھے جن پر چٹان نے راستہ بند کر دیا تھا تو اس وقت ہر ایک نے اپنے ایسے عمل سے توسل کیا جس کے ذکر کرنے سے حیا کرنی چاہیے تھی۔ مثلاً ایک نے کہا کہ زنا کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، پھر سزا کا خوف ہوا اس لیے چھوڑ دیا۔

بھلا بتاؤ جو شخص سزا کے خوف سے عمل کو چھوڑ دے تو وہ کس چیز پر ناز کر رہا ہے؟ اس نے تو سزا کے خوف سے چھوڑا ہے۔ ہاں اگر فعل مباح ہوتا تو اس کا چھوڑنا کسی درجہ میں ناز کے قابل ہو سکتا تھا۔ یقیناً اگر وہ سمجھ سے کام لیتا تو ناز کرنے سے شرماتا۔ جیسا کہ حضرت

یوسف علیہ السلام نے کہا: وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ۔ (میں اپنے نفس کو پاک نہیں سمجھتا ہوں)

اور دوسرے نے رات بھر بچوں کو دودھ نہیں پلایا تاکہ والدین کو پہلے پلائے جبکہ اس کے بچے رات بھر فریاد کرتے رہے حالانکہ اس تنگی کے اندر بچوں کی تکلیف بھی چھپی ہوئی ہے لیکن صحیح فہم بہت نادر چیز ہے۔

پھر چونکہ انہوں نے اپنے ظن کے مطابق اچھا عمل کیا تھا اس لیے زبان حال نے کہا کہ جو کچھ بھی مانگیں ان کو دے دو کیونکہ اپنے عمل کی اجرت مانگ رہے ہیں۔

یقیناً اگر فہم کی کی نہ ہوتی تو کوئی متکبر نہ ہوتا اگر ہم جنس پر تکبر نہ کرتا اور ہر صاحب کمال خوف زدہ رہتا اور اپنے عمل کو حقیر سمجھنے والا ہوتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کے شکر میں کوتاہی ہر ایک سے ہوتی ہے۔

اس مضمون کو سمجھ لینا کبر کی گردن کو جھکا دے گا اور طبیعت میں ذلت و انکسار پیدا کرے گا۔

لہٰذا اس پر غور کرو! یہ بہت بڑی چیز ہے۔

توبہ کے بعد بھی لرزاں و ترساں رہے

مجلس... سمجھدار اور ہوش مند آدمی کو گناہوں سے توبہ کر لینے اور گریہ وزاری کے بعد بھی ڈرتے رہنا چاہیے جبکہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ قبولیت توبہ پر مطمئن ہو گئے۔ جیسے انہیں یقین ہو گیا ہو کہ توبہ قبول ہو گئی ہے حالانکہ یہ ایک پوشیدہ معاملہ ہے۔ پھر اگر مغفرت ہو بھی گئی ہو تو بھی گناہوں کے ارتکاب پر شرمندگی تو باقی رہ جاتی ہے۔

اور توبہ کے بعد بھی خوف کی تاکید اس روایت سے ہوتی ہے جو صحیح سند سے منقول ہے کہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جا کر عرض کریں گے کہ ہماری سفارش کر دیجئے تو وہ اپنا گناہ یاد کریں گے۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ اپنی غلطی یاد کریں گے۔ پھر اسی طرح حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاس جائیں گے اور یہی جواب پائیں گے۔ تو دیکھو! اگر تم ان حضرات کے گناہوں کو سوچو تو اکثر تو حقیقت میں گناہ ہی نہیں ہیں اور اگر ہوں بھی تو یہ حضرات اس سے توبہ اور

معذرت کر چکے ہیں ان کے باوجود ڈرتے رہیں گے۔

پھر یہ بھی ہے کہ توبہ کے قبول ہو جانے کے بعد بھی گناہ کی شرمندگی تو نہیں ختم ہوتی (وہ تو باقی رہتی ہے) کتنی اچھی بات کہی ہے حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے۔

"ہائے میری حسرتوں کی بے حیائی! اگرچہ تو مجھ کو معاف کر دے۔"

خدا کی قسم! گناہوں کو اختیار کرنے اور ایک لمحہ کی لذت کو ترجیح دینے والے پر "تف" ہے کیونکہ مومن کے دل سے گناہ نہ کرنے کی حسرت کبھی ختم نہیں ہو سکتی ہے۔ اگرچہ اس کو معاف کر دیا جائے۔ لہٰذا بہت پرہیز کرو اور بچو ایسے کاموں سے جو شرمندگی لا دیں۔ یہ ایک نصیحت ہے جس پر کسی تائب یا صوفی کی نگاہ کم ہی جاتی ہے۔ اس لیے کہ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اپنی توبہ کرنے کی وجہ سے گناہ معاف ہو چکے ہیں جبکہ میں نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس سے آدمی کو ہمیشہ احتیاط، ندامت اور شرمندگی دامن گیر رہے گی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے

مجلس... اللہ تعالیٰ بدفہمی سے خصوصاً اہل علم حضرات کی بدفہمی سے ہم سب کو محفوظ رکھیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ ابو عبدالرحمٰن سلمی اور حبان ابن عبداللہ نے آپس میں بحث کی۔ ابو عبدالرحمٰن نے حبان سے کہا تم جانتے ہو تمہارے "صاحب" یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کس چیز نے جنگ پر آمادہ کیا؟ حبان نے کہا تمہی بتاؤ! کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد نے کہ "مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو معاف فرما دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: تم لوگ جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔"

حالانکہ یہ ابو عبدالرحمٰن کی بدفہمی ہے کیونکہ انہوں نے گمان کر لیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو جنگیں فرمائیں وہ سب اس اعتماد پر کہ ان کی مغفرت ہو گئی ہے۔

پہلے تو حدیث کا مطلب سمجھنا چاہیے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے گزشتہ عمل جو کچھ بھی تھے میں نے ان کی مغفرت کر دی ہے۔ آئندہ گناہوں کی مغفرت تو اس روایت میں شامل نہیں ہے۔ فرض کیجئے کہ اگر خدانخواستہ اہل بدر سے شرک ہو جائے (کیونکہ وہ معصوم نہیں ہیں) تو ان کا مواخذہ نہ ہوگا؟ تو جب شرک پر پکڑ ہو سکتی ہے تو اسی طرح

گناہوں پر بھی ہو سکتی ہے۔

اور اگر ہم مان بھی لیں کہ آئندہ گناہوں کی مغفرت کو بھی شامل ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ "انجام کار تم لوگوں کی مغفرت ہو جائے گی۔"

پھر اس حدیث کو چھوڑو یہ تو دیکھئے کسی مسلمان کے لیے یہ بات حلال ہوگی کہ وہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق ایسی بدگمانی کرے کہ آپ نے مغفرت کی امید پر ناجائز کام کیا ہوگا؟ وہ ایسے الزام سے بالکل بری ہیں۔ انہوں نے تو دلیل کی بنیاد پر جنگ کی تھی جب کہ جنگ سے کوئی چارہ نہ تھا۔ لہٰذا آپ حق پر تھے۔ ...... اس بات میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس سے بھی جنگ کی ہے اس میں "حق" آپ ہی کے ساتھ تھا اور کیوں نہ ہوتا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اللّٰھم ادر معہ الحق کیفما دار "اے اللہ! حق کو علی کے ساتھ رکھ جدھر بھی وہ چلیں۔"

حاصل یہ کہ ابو عبدالرحمٰن نے بہت بڑی غلطی کی جس کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ "عثمانی" تھے۔

اخلاص اور ریاء

مصنف... میں نے اپنے زمانہ کے صوفیوں کے حالات پر غور کیا تو ایسی چیزیں نظر آئیں جو نفاق اور ریاء کاری کی علامت ہیں جبکہ وہ خود اخلاص کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ایک گوشہ پکڑ لیتے ہیں، پھر نہ کسی دوست کی ملاقات کو جاتے ہیں اور نہ کسی بیمار کی عیادت کرتے ہیں جس سے ظاہر یہ کرنا چاہتے ہیں کہ عبادت میں لگ کر خلق سے کنارہ کش ہیں۔ حالانکہ یہ محض اپنی ناموس کا خیال ہے تاکہ لوگ ان کی اس کنارہ کشی کی تعریف کریں کیونکہ اگر وہ لوگوں کے درمیان چلتے پھرتے تو ان کی ہیبت ختم ہو جاتی۔

پہلے کے لوگ ایسے نہیں تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کی مزاج پرسی فرماتے تھے بازار سے ضرورت کا سامان خود خرید لیتے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ریشم کی تجارت کرتے تھے۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قبریں کھودتے تھے۔

حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ مُردوں کو غسل دیتے تھے۔ ان لوگوں کے وہاں ناموس اور جاہ کوئی چیز نہ تھی۔

جبکہ ہمارے یہ دوست حضرات لوگوں کے مجمع میں سکوت، خشوع، عاجزی و کمزوری کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ یہ سب "نفاق" ہے۔

حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ کا حال تو یہ تھا کہ دن میں لوگوں کے مجمع میں خوب ہنسی بات کرتے تھے اور رات میں روتے تھے۔

اسی طرح میں نے ایک صوفی کو دیکھا جو روزانہ مسجد میں آتے تھے اور نفل پڑھتے تھے پھر لوگ جمع ہونے لگے اور ان کی نماز میں شریک ہونے لگے خواہ دن ہو یا رات اور یہ چیز مشہور ہو گئی تو ان کا نفس تعریف کے خیال سے بڑھ گیا جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفل کے بارے میں فرمایا ہے:

"اجعلوا هذه في البيوت" "نفل نمازوں کو گھر میں پڑھو۔"

ایسے ہی ہمارے ان دوستوں میں بعض ایسے ہیں جو اپنے مسلسل روزوں کا اظہار کر دیتے ہیں اور لوگوں کے اس کہنے سے ان کا نفس بڑھ جاتے ہیں کہ "فلاں شخص کسی دن روزہ ناغہ نہیں کرتے ہیں" حالانکہ یہ بیوقوف یہ نہیں جانتے کہ یہ عمل لوگوں کے لیے بن رہا ہے۔ اگر وہ لوگوں کو دکھانے کے لیے ایک دو دن روزہ نہ رکھتے اور لوگ جب تعریف کرنا چھوڑ دیتے تو پھر روزہ رکھنا شروع کر دیتے تو کیا حرج تھا؟ چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ جب بیمار ہوتے تو اپنے پاس اتنا کھانا رکھوا لیتے جتنا صحت مند لوگ کھاتے ہیں (تاکہ لوگ مزاج پرسی کے لیے آئیں تو یہی سمجھیں کہ یہ بیماری کی حالت میں اتنا کھاتے ہیں تو پھر صحت کی حالت میں کیا پوچھنا؟)

اسی طرح میں نے اپنے زمانے کے صوفیوں میں ایک صاحب کو دیکھا کہ وہ جمعہ کے دن فجر کی نماز پڑھتے ہیں اور اس میں "معوذتین" (یعنی "قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس") پڑھتے ہیں تاکہ یہ ظاہر کریں کہ میں نے قرآن پاک ختم کر لیا ہے۔

یہ سب افعال کھلے طور پر نفاق اور ریاکاری کی علامت ہیں۔

ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو مالدار ہونے کے باوجود صدقہ کا مال لے لیتے ہیں جس
میں اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ وہ کس سے لیا ہے یا اہل خیر حضرات سے۔ امیروں کے پاس
مانگنے کے لیے جاتے ہیں جبکہ ان کو معلوم ہے کہ مال کہاں سے اور کیسے حاصل ہوتا ہے؟

پس اللہ سے ڈر کر نیتوں کی اصلاح کرو کیونکہ اس طرح کے تمام اعمال (جن میں ریا
ہو) اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہیں۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "جو شخص
مخلص نہ ہو اس سے کہہ دو کہ اپنے کو بے وجہ نہ تھکائے۔"

اور ریاکار کو یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ ریا سے جو مقصود ہے یعنی دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا وہ
بھی اس کو حاصل نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ جب آدمی کے اندر اخلاص نہ ہو تو دلوں کی محبت سے محروم کر دیا
جاتا ہے کوئی شخص بھی اس کی طرف التفات نہیں کرتا جبکہ مخلص آدمی سب کا محبوب ہوتا ہے۔

یقیناً اگر ریاکار کو یقین ہو جائے کہ ان لوگوں کے دل جن کو وہ اپنی عبادت دکھا رہا ہے
اس ذات کے قبضہ میں ہیں جن کی وہ نافرمانی کر رہا ہے تو کبھی ریاکاری نہ کرتا۔

چنانچہ ہم نے کتنے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو اونی لباس پہنتے اور عبادت کا مظاہرہ
کرتے تھے مگر ان کی طرف کسی کا کچھ بھی میلان نہیں تھا جبکہ دوسرے کچھ لوگ عمدہ عمدہ
کپڑے پہنتے تھے اور ہنستے مسکراتے تھے لیکن لوگوں کے دل ان سے محبت کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ایسا اخلاص عطا فرمائیں جو ہم کو خالص اللہ کے لیے کر دے اور ایسی ریا
کاری سے پناہ میں رکھیں جو ہمارے اعمال کو باطل کر دیتی ہے۔ بلاشبہ وہ قدرت والا ہے۔

دنیا امتحان اور آزمائش کا گھر ہے

مجلس.... جہالت کی بات ہے کہ آدمی "تکلیف" یعنی دنیا میں بھیجے جانے کا
مقصود نہ سمجھے۔ بلاشبہ اصل تکلیف وہی ہے جو اپنی ضروریات و حاجات کے خلاف ہو۔ لہٰذا
سمجھدار انسان کو مقاصد کی محرومی سے ہی مانوس ہونا چاہیے۔

اگر دعا کرے اور کسی ضرورت کا سوال کرے تو یہ سمجھے کہ اس نے دعا کی عبادت پوری
کر دی ہے پھر اگر مل جائے تو شکر کرے اور اگر نہ ملے تو مانگنے میں اصرار مناسب نہیں ہے کیں

لیے کہ یہ دنیا ضروریات کی تکمیل کے لیے بنائی ہی نہیں گئی ہے اور حق میں یہ سوچ لے:

وَعَسٰۤی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ

"ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو حالانکہ وہ حقیقت وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔"

بہت بڑی نادانی ہے کہ ضروریات نہ پوری ہونے پر دل میں ناراضگی پیدا ہو جائے بلکہ کبھی اعتراض بھی پیدا ہو جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ میری ضرورت پوری کر دیتے میں کیا نقصان ہو جاتا؟ آخر میری دعا کیوں نہیں قبول کی جاتی؟ حالانکہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ آدمی کا ایمان کمزور ہے علم اور تقدیر کے فیصلے پر رضامندی نہیں ہے۔

بھلا بتاؤ! کون ایسا ہے جس کو کوئی غرض حاصل ہوئی ہو پھر اس میں کوئی کدورت نہ شامل ہوگئی ہو۔ یہ دیکھو حضرت آدم علیہ السلام جنت میں عیش کر رہے تھے پھر اس سے نکال دیئے گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے کے بارے میں سوال کیا لیکن ان کی دعا قبول نہیں ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں آزمائے جا رہے ہیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبح سے، حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹے کی گمشدگی سے، حضرت یوسف علیہ السلام خواہشات کے مقابلے سے، حضرت ایوب علیہ السلام بیماری سے اور حضرت داؤد و سلیمان علیہ السلام فتنہ سے اور ایسے ہی تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کسی نہ کسی چیز سے آزمائے گئے اور ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوک، تکلیف اور زندگی کی کدورتیں جو پیش آئیں وہ سب کو معلوم ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ دنیا آزمائش کے لیے بنائی گئی ہے۔ لہٰذا سمجھدار انسان کو چاہیے کہ اپنے آپ کو صبر پر آمادہ کر لے اور سمجھ لے کہ جو مراد حاصل ہوگئی وہ لطف و مہربانی ہے اور جو نہیں حاصل ہوئی تو یہی دنیا کی اصل فطرت ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے:

طبعت علی الکدر وانت تریدها صفوا من الاقذاء والاکدار

"یہ دنیا کدورتوں پر ڈھالی گئی ہے جبکہ تم اس کو ہر طرح کی کدورتوں اور آلودگیوں سے پاک حاصل کرنا چاہتے ہو۔"

ومکلف الایام ضد طباعها متطلب فی الماء جذوۃ نار

"خوش بختی اس کی طبیعت کے خلاف ہے، ایسے ہی جیسے پانی اور آگ کا شعلہ"

اور یہی وہ موقع ہے جہاں ایمان کی قوت اور ضعف کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا مومن کو اس بیماری کی دوا استعمال کرنا چاہیے یعنی مالک کے سامنے سر جھکا دینا اور حکیم کی حکمت کے فیصلے پر راضی ہو جانا چاہیے اور اپنے نفس سے کہے کہ دیکھو سید الکل فخر رسل صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا ہے:

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ. "آپ کو کسی چیز کا اختیار نہیں ہے۔"

پھر اپنے نفس کو اس طرح تسلی دے کہ محرومی بخل کی بناء پر نہیں ہے بلکہ کسی ایسی مصلحت کی وجہ سے ہے جس کو تم نہیں جانتے ہو اور جو شخص اپنی ضروریات سے صبر کرے اس کو اجر دیا جاتا ہے جیسا اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کن لوگوں نے اس کے فیصلے پر سر جھکایا اور راضی رہے۔

یہ بھی سوچے کہ آزمائش کا زمانہ بہت معمولی ہے اور ضروریات و اغراض کو ذخیرہ کیا جا رہا ہے جو تھوڑی مدت کے بعد مل جائیں گی۔ اس وقت ایسا معلوم ہوگا جیسے تاریکی سے اجالا ہو گیا ہو اور "اجر" کی "فجر" طلوع ہو گئی ہو۔

جب آدمی کی فہم ترقی کر کے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں تک پہنچ جاتی ہے تو اس کا ایمان تقاضا کرتا ہے کہ وہ بھی وہی چاہے جو خدا کا ارادہ ہو اور اس پر راضی ہو جائے جو خدا نے مقدر کر دیا ہو کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو بندہ درحقیقت بندگی کی حقیقت سے نکل جاتا ہے۔

یہ ایک اصل ہے جس پر غور کرنا اور مرادوں کے پورا نہ ہونے کے وقت اس پر عمل کرنا چاہیے۔

ظالم امیروں اور حاکموں کے دربار میں

مجلس... میں نے بہت سے علماء اور واعظوں کا حال یہ دیکھا کہ جب ان کو دنیاوی تنگی پیش آتی ہے تو دوڑ دوڑ کر امیروں اور بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں تاکہ ان سے کچھ حاصل کر سکیں حالانکہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ بادشاہ اور حاکم مال کو نہ تو جائز طریقے سے حاصل کرتے ہیں اور نہ صحیح مصرف میں خرچ کرتے ہیں۔ اکثر ایسے ہیں کہ جب ان کو خراج کا مال حاصل ہوتا ہے تو بجائے اس کے کہ اس کو مصالح مسلمین میں خرچ کرتے کسی شاعر کو انعام دے ڈالتے ہیں یا مثلاً کوئی فوجی جس کی تنخواہ حق کے اعتبار سے دس دینار ہوتی ہے تو

اس کو کسی خصوصیت کی بنا پر دس ہزار دینار دے دیتے ہیں، کبھی ایسا کرتے ہیں کہ جنگ سے جو مال غنیمت حاصل ہوتا ہے جس کو لشکر پر تقسیم ہونا چاہیے تو اس کو اپنے لیے خاص کر لیتے ہیں۔ یہ سب وہ مثالیں ہیں جو معاملات میں ان کے مظالم کے علاوہ ہیں۔

لہٰذا عالم کے اوپر سب سے پہلا جو وبال پڑتا ہے وہ یہ کہ علم کے نفع سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک نیک بزرگ نے ایک عالم کو دیکھا کہ یحییٰ بن خالد برمکی کے گھر سے نکل رہے ہیں تو کہا: اعوذ باللہ من علم لاینفع "غیر نافع علم سے خدا کی پناہ!!!"

اور یہ وبال کیوں نہ پڑے؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ تم منکرات کو دیکھتے ہو لیکن نکیر نہیں کرتے ہو ان کا وہ کھانا کھاتے ہو جو ہمیشہ ناجائز طریقہ سے حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے تمہارا دل بجھ جاتا ہے اور تم اللہ سے تعلق کی لذت سے محروم ہو جاتے ہو پھر تم کو یہ قدرت نہیں رہ جاتی کہ کوئی شخص تم سے ہدایت کا طالب ہو سکے بلکہ کبھی تو ایسے عالم کا فعل لوگوں کی گمراہی اور اپنی اقتداء سے اعراض کا سبب بن جاتا ہے۔ لہٰذا یہ عالم خود اپنے کو بھی اور اپنے امیر و حاکم کو بھی نقصان پہنچاتا ہے کیونکہ اس عالم کے آنے جانے اور نکیر نہ کرنے سے حاکم سوچتا ہے کہ اگر میں راہ راست پر نہ ہوتا تو یہ عالم صاحب میرے ساتھ نہ رہتے بلکہ مجھ پر نکیر کرتے اور عوام کو بھی نقصان ہوتا ہے کیونکہ وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ امیر کا طرز عمل درست ہے یا پھر یہ سوچتے ہیں کہ امیر کے پاس جانا اور نکیر کرنے سے سکوت اختیار کرنا جائز ہے ورنہ کم از کم عوام کے دلوں میں دنیا کی محبت تو بڑھ ہی جاتی ہے حالانکہ خدا کی قسم! ایسی دنیا میں کوئی بھلائی نہیں جو آخرت کا راستہ بند کر دے۔

میری زندگی ایسے لوگوں پر قربان ہے جنہوں نے ساری زندگی خواہشات کی تیز دھوپ میں دنیا کی پیاس پر صبر سے کام لیا، یہاں تک کہ موت کے وقت رضا اور خوشنودی کی شراب سے آسودہ ہوئے اور ان کے ایسے تذکرے باقی رہ گئے جو دلوں کی پیاس بجھا رہے ہیں اور ان کے زنگ کو دھو رہے ہیں۔

یہ دیکھو، یہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ محتاج ہو کر راستوں پر پڑے دانے اور چھلکے چن رہے ہیں لیکن بادشاہوں سے کچھ قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں۔

اور یہ دیکھو امام احمد حنبل صرف سبزی چباتے ہیں اس کے باوجود معتصم باللہ کا ایک ہزار دینار واپس کر رہے ہیں۔

اور یہ "بشر حافی" ہیں، بھوک کی شکایت میں مبتلا ہیں، جب کہا جاتا ہے کہ کیا آپ کے لیے آٹے کا گھول تیار کر دیا جائے تو کہتے ہیں کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھ نہ لیں کہ یہ آٹا تم کو کہاں سے ملا؟

خدا کی قسم! ان حضرات کے تذکرے باقی رہ گئے ہیں جبکہ ان کے صبر کرنے کی مدت پلک جھپکنے کے بقدر تھی اور وسعت پسندوں کی لذتیں ختم ہو چکی ہیں ان کے جسم پرانے ہو چکے ہیں اور اس کے ساتھ دین بھی کمزور ہو گیا ہے۔

پس صبر کر اے صاحب توفیق صبر کر! اور ان پر رشک نہ کر کہ جن کو دنیا میں وسعت حاصل ہوئی کیونکہ جب تو اس وسعت کو گہرائی سے سوچے گا تو دین کے سلسلے میں اس کو تنگی دیکھے گا اور اپنے آپ کو تاویلات میں آزردہ نہ کر کیونکہ دنیا میں تیری زندگی بہت تھوڑی ہے۔

وسواء اذا انقضی یوم کسری   فی سرور و یوم صابر کسرۃ

"برابر ہے خواہ کسریٰ بادشاہ کا دن سرور میں گزرے یا ٹکڑوں پر صبر کرنے والے کا دن تنگی میں گزرے"

اور جب نفس صبر کی کمی کی بناء پر پریشان ہو تو اس کو زاہدوں اور صوفیاء کے حالات سناؤ۔ اگر اس میں ہمت یا بیداری ہوگی تو ضرور شرمندہ ہو کر شکستہ ہوگا اور اپنی خواہش سے باز آ جائے گا اور اس کو تصور کراؤ کہ دیکھو کتنا فرق ہے۔ علی بن المدینی کی رخصت پسندی اور ابن ابی داؤد کے مال قبول کر لینے میں اور امام احمد کے صبر (اور بادشاہوں کا مال واپس کر دینے) میں اور سوچو کہ ان دونوں کی روایتوں میں سے زیادہ کس کی روایت نقل کی جاتی ہے اور زیادہ کس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ علی ابن المدینی اس وقت شرمندہ ہو جائیں گے جب امام احمد کہیں گے کہ "میرا دین محفوظ رہ گیا۔"

قوم کا حال

مجلس.... میں نے لوگوں کے حالات پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ اکثر افراد بندگی کے

بند حسن سے باہر ہیں۔ اگر عبادت کرتے ہیں تو وہی حسن کی عادت پڑچکی ہو یا جوان کے مقصد میں اس قدر خلل انداز نہ ہوں جس سے دل پر گرانی آ دے۔

اکثر بادشاہ مال کو ناجائز طریقے سے کماتے ہیں اور نامناسب جگہوں پر خرچ کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود اس کے مالک ہو گئے ہیں اس خدا کا مال نہیں ہے جس کے نام پر انہوں نے جنگ کی اور جس نے ان کو غنیمت کے طور پر عطا فرمایا ہے اس لیے سارا مال اپنے لیے خاص کر لیتے ہیں پھر اپنے اصحاب کو جس طرح چاہتے ہیں دیتے ہیں۔

علماء اپنے فقر کی زیادتی اور حرص کی شدت کی بناء پر بادشاہوں کی موافقت کرتے ہیں اور ان ہی کی لڑی میں اپنے کو پرونا چاہتے ہیں۔

تاجر ناجائز عقود و معاملات میں مبتلا ہیں اور عوام گناہوں اور شریعت کے احکام کی خلاف ورزی میں پڑے ہوئے ہیں۔ پھر غضب یہ ہے کہ جب کوئی ضرورت پوری نہیں ہوتی تو کہتے ہیں کہ اب ہم نماز نہیں پڑھیں گے۔ (اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرمائیں) زکوٰۃ دینا چھوڑ دیا ہے اور امر بالمعروف ترک کیے ہوئے ہیں۔

سو بعض تو ایسے ہیں کہ سزا کی تاخیر نے ان کو دھوکہ میں ڈال دیا ہے اور بعض معافی کا یقین کیے بیٹھے ہیں جبکہ اکثر کا حال یہ ہے کہ ان کا ایمان ہی ڈانواں ڈول ہے اللہ تعالیٰ ہم کو ایمان و اسلام کے ساتھ موت عطا فرمائیں۔ (آمین)

مال آبرو کا محافظ ہے

ملفوظ۔ جب معاش تنگ ہو جائے اس وقت کسی بھی صاحب عیال کا دین محفوظ رہ جانا بہت تعجب خیز ہے کیونکہ اس وقت اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے پانی میں شکر ڈال دی جائے تو اندر اندر اثر کرتی رہتی ہے یہاں تک کہ غالب ہو جاتی ہے ایسے ہی یہ صاحب عیال بھی ہے کہ جب معاش تنگ ہو جاتی ہے تو تدبیر کرتے کرتے اور حلال پر قدرت نہیں رہ جاتی تو مشتبہ مال میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پھر جب دین کمزور ہو گیا تو اس کا ہاتھ حرام کی طرف بھی بڑھ جاتا ہے۔ لہٰذا مومن جب اپنے کو دیکھے کہ کسب معاش میں کمزور ہے تو حتیٰ الامکان نکاح سے

پرہیز کرے اور اگر بیوی بچے موجود ہوں تو پھر خرچ میں کمی کرے اور تھوڑے پر قناعت کرے اور اگر کمانے کا کوئی ذریعہ موجود ہی نہ ہو جیسے علماء و صوفیاء کا حال ہے تو پھر سلامتی نہایت نادر ہے کیونکہ بادشاہوں کے وظیفے اور عوام کے ہدیے ان لوگوں سے ختم ہو چکے ہیں۔ اب اگر ان کے اہل خانہ زیادہ ہو جائیں تو کوئی بعید نہیں کہ جاہلوں سے زیادہ بدتر حالت میں مبتلا ہو جائیں۔ لہٰذا ان میں سے جس کو بھی کتابت وغیرہ کسی بھی ہنر کے ذریعہ کسب معاش کی قدرت ہو تو اس کو محنت کر کے کمانا چاہیے اور ساتھ میں خرچ کو کم کرنے اور تھوڑے پر قناعت کرنے کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے۔

کیونکہ اس زمانہ میں جس نے بھی رخصت اور آزادی پر عمل کیا وہ حرام میں مبتلا ہو جائے گا اس لیے کہ مال ان کو ظالموں سے حاصل ہوتا ہے جو دینی جاہ اور تصوف کے نام پر۔

اور جس کے پاس مال پہلے سے موجود ہو وہ اس کو بچانے اور حفاظت کرنے کی کوشش کرے کیونکہ اب ایثار کرنے اور قرض دینے والا کوئی شخص رہ گیا ہے بلکہ اکثر نہیں بلکہ سب کے سب ایسے ہو گئے ہیں۔ گویا وہ مال ہی کی عبادت کرتے ہیں اس لیے جس نے اپنے مال کی حفاظت کی تو سمجھ لو کہ اس نے اپنے دین کی حفاظت کی۔

ان جاہلوں کی بات مت سنو جو کہتے ہیں کہ سارا مال خرچ کر ڈالو (اور زہد اختیار کرو) کیونکہ اب اس کا وقت نہیں ہے۔

خوب سمجھ لو کہ جب فکر میں جمعیت اور سکون نہ ہو تو پھر نہ علم حاصل ہو گا اور نہ عمل اور نہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے تصور میں لگا جا سکے گا۔

گزشتہ حضرات کی فکر جن وجوہات کی بناء پر مطمئن رہتی تھی ان میں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ان کو ہر سال بیت المال سے وظیفہ ملا کرتا تھا۔ لہٰذا صلہ رحمی اور حقوق کی ادائیگی کے بعد بھی کچھ مال بچ رہتا تھا۔

کچھ حضرات ایسے تھے جو مال رکھتے تھے اور تجارت کرتے تھے جیسے حضرت سعید ابن المسیب، حضرت سفیان ثوری اور حضرت عبداللہ ابن المبارک رحمہم اللہ وغیرہم۔ اس لیے ان کی فکر پرسکون تھی اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ تو مال کو مخاطب کر کے کہتے تھے:

لوگوں کی تعمند لوتا ہیں۔ "اگر تو نہ ہوتا تو لوگ مجھے ہاتھ کا رومال بنا لیتے۔"

اسی طرح حضرت ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کی پونجی کھوگئی تو روئے اور فرمایا: "وہ میری دینداری کا ستون تھا۔"

بہت سے حضرات ایسے تھے جن کو ایسے دوستوں کے ہدیے اور تحفوں کی وجہ سے سکون حاصل تھا جو دینے کے بعد احسان نہیں رکھتے تھے (بلکہ یہ احسان مانتے تھے کہ قبول کر لیا گیا) چنانچہ حضرت ابن المبارکؒ حضرت فضیل وغیرہ کے پاس ہدیے بھیجتے تھے اور حضرت لیث ابن سعد ڈھونڈ ڈھونڈ کر اکابر کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ لہٰذا حضرت مالک کے پاس ایک ہزار دینار اور حضرت ابن لہیعہ کے پاس ایک ہزار دینار بھیجا اور منصور ابن عمار کو ایک ہزار دینار اور ایک باندی ہدیہ کی جو تین ہزار دینار کی تھی۔

زمانہ اسی طرح گزرتا رہا۔ یہاں تک کہ نوبت یہ پہنچی کہ سب کچھ ختم ہو گیا، بادشاہوں کے عطیے کم ہونے لگے اور دوستوں میں ایثار کا جذبہ بھر و پڑنے لگا مگر اس وقت بھی اتنا میسر ہو جاتا تھا جس سے زمانہ کی تنگی ختم کی جا سکے۔

رہا ہمارا زمانہ! تو اب تو سارے ہاتھ بالکل بند ہو چکے ہیں حتی کہ واجب زکوٰۃ نکالنے والے بھی کم ہی رہ گئے ہیں۔

تو پھر بتاؤ کہ ان علماء اور صوفیاء کی فکر کیسے پُرسکون ہو سکتی ہے جو دن رات اسی فکر میں رہیں کہ کیا کمائیں اور کس طرح کمائیں جب کہ نہ یہ ان کی شان ہے اور نہ ان کو اس کا سلیقہ۔

آخر انجام یہی ہوگا کہ بادشاہوں کے وہاں حاضری دیں اور ناجائز کاموں میں آزادی اختیار کرلیں اور صوفیا دنیا کے حصول کے لیے مکر و بناوٹ کا ذریعہ اپنائیں۔

لہٰذا اے وہ شخص! جو اپنی دینداری محفوظ رکھنا چاہتا ہے، خدا کا لحاظ کر اور اس کا تقویٰ اختیار کر۔ میں نے تجھ کو بار بار نصیحت کی ہے کہ خرچ کم کر دے جس قدر ہو سکے تعلقات کو گھٹا اور اس ایک درہم کی حفاظت کر جو تیرے پاس ہو کیونکہ وہ تیرا دین (اور تیری آبرو) ہے اور جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس کو اچھی طرح سمجھ!!

پھر اگر نفس اپنی ضروریات اور خواہشات کے لیے تڑپے تو اس سے کہہ کہ اے نفس!

اگر تیرے پاس ایمان ہو تو صبر کر لے کیونکہ اگر تو نے فانی چیز کے حصول کے لیے دین جیسی دولت خرچ کر دی تو کوئی نفع نہیں ہوا (بلکہ گھاٹا ہو گیا) اور ان علماء و جاہ پرست صوفیاء کے بارے میں سوچ! جنہوں نے غلط طریقوں سے مال حاصل کیا کہ ان کا دین بھی گیا جبکہ دنیا تو ختم ہو ہی گئی ہے اور ان علماء و صوفیاء کے حال پر بھی نگاہ ڈال جن میں امام احمد بن حنبل اور بشر حافی جیسے لوگ ہیں کہ ان کی تنگیوں کے ایام کس نہ کسی طرح گزر گئے جب کہ ان کا ذکر جمیل ہمیشہ کے لیے باقی رہ گیا ہے۔

حاصل مضمون یہ ہے: **مَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.**

"جس نے اللہ کا تقویٰ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے تنگیوں سے نکلنے کا راستہ پیدا فرما دیں گے اور اس کو ایسی جگہ سے عطا فرمائیں گے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو گا۔"

اور اللہ تعالیٰ کا یہ "رزق" بھی اس طرح بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آزمائشوں پر صبر کو آسان بنا دیتے ہیں اس طرح کہ دنیا کے یہ ایام کسی نہ کسی طرح گزر ہی جاتے ہیں جبکہ صبر جمیل کا انجام نہایت عمدہ اور جمیل ہے۔

ناپسندیدہ عورت کیساتھ صبر بڑی عبادت ہے

صبغلص.... مجھ سے ایک شخص نے شکایت کی کہ مجھ کو اپنی بیوی سے بہت نفرت ہے اور یہ بھی کہا کہ چند وجوہات کی بناء پر اس کو چھوڑنا بھی مشکل ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا قرض مجھ پر بہت زیادہ ہو گیا ہے جبکہ میرے اندر صبر کا مادہ کم ہے تو میں شکایت اور گفتگو میں زبان کی لغزشوں اور ایسے جملوں سے احتیاط نہیں کر پاتا ہوں جن سے اس کو میری نفرت کا پتہ چل جائے۔

میں نے کہا کہ یہ طرز ٹھیک نہیں ہے "گھروں میں دروازے سے آنا چاہیے" (یعنی کام کا جو طریقہ ہے اس طریقہ سے کرنا چاہیے) ایسا کرو کہ خلوت میں بیٹھ کر سوچو کہ وہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے تم پر مسلط کی گئی ہے۔ لہٰذا خوب توبہ اور معذرت کرتے چلے جاؤ اور تکلیف پہنچانے سے کیا فائدہ ملے گا؟ جیسا کہ حضرت حسن بن الحجاج رحمۃ اللہ

عمیہ نے فرمایا ہے "بری بیوی اللہ تعالیٰ کی سزا ہے لہذا اس کا مقابلہ تلوار سے کرنے کے
بجائے توبہ و استغفار سے کرو۔"

اور یہ سمجھو کہ تم آزمائش میں ڈالے گئے ہو لہذا صبر کرنے پر اجر پاؤ گے:

وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ.

"ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو جبکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔"

لہذا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے فیصلہ پر صبر کا معاملہ کرو اور کشادگی کا سوال کرتے رہو۔
اگر تم نے ان باتوں سے توبہ و استغفار، تقدیر پر صبر اور کشادگی کی دعا کو جمع کر لیا تو تم کو تین طرح
کی عبادت کی توفیق حاصل ہوگی جن میں سے ہر ایک پر ثواب پاؤ گے اور تمہارا وقت غیر مفید
کام میں ضائع نہ ہوگا۔ خبردار! اس گمان پر کہ تقدیر کا فیصلہ بدل سکو گے کوئی چال مت چلو۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ.

"اور اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی نقصان پہنچا دیں تو خدا ہی کے سوا کوئی بھی اس کا ازالہ نہیں کر سکتا ہے۔"

ہم سے یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن ایک فوجی حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کے
گھر میں گھس آیا۔ جب ابو یزید آئے اس کو دیکھا تو ٹھہر گئے اور اپنے اصحاب سے کہا کہ
فلاں کمرہ میں جا کر تازہ ڈلی ہوئی مٹی تو اکھاڑ ڈالو کیونکہ اس میں کچھ شبہ موجود ہے جونہی وہ
مٹی اکھاڑی گئی فوجی نکل بھاگا۔

رہا اپنی بیوی کو ستانا اور تکلیف پہنچانا تو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی
طرف سے تم پر مسلط کی گئی ہے لہذا ایسے وقت میں تم کو بلکہ اور طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔ چنانچہ
ایک بزرگ کا واقعہ منقول ہے کہ ایک شخص نے ان کو گالی دی تو فوراً اپنا رخسار زمین پر رکھ دیا اور کہنے
لگے "اے اللہ! میرے اس گناہ کو بخش دیجئے جس کی وجہ سے آپ نے اس کو مسلط کیا ہے۔"

اس شخص نے کہا کہ میری بیوی مجھ سے محبت بھی کرتی ہے اور میری خدمت بھی بہت
کرتی ہے مگر میری طبیعت میں اس کی نفرت بھری ہوئی ہے۔

میں نے کہا تو تم امتحان کے لیے اس پر صبر کیے رہو یقیناً تم کو ثواب ملے گا۔ حضرت
ابو عثمان نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو اپنے کس عمل سے سب سے زیادہ

امید ہے؟ انہوں نے فرمایا: "شروع جوانی میں میرے گھر کے لوگ بہت کوشش کرتے رہے کہ میں نکاح کر لوں مگر میں انکار کر دیتا تھا' ایک دن ایک عورت آئی اور کہا اے ابو عثمان! مجھ کو تم سے محبت ہو گئی ہے' تم کو خدا کا واسطہ مجھ سے نکاح کر لو میں نے اس کے باپ کو جو ایک غریب آدمی تھا بلوایا اور عورت سے اپنا نکاح پڑھوا لیا' وہ بیچارہ بہت خوش ہوا۔

جب رات ہوئی اور وہ عورت میرے پاس آئی تو میں نے دیکھا کہ کانی لنگڑی اور بدصورت تھی۔ پھر مزید امتحان یہ تھا کہ اپنی محبت کی وجہ سے مجھ کو باہر نکلنے سے بھی منع کرتی تھی تو میں اس کے لحاظ میں بیٹھ جاتا تھا' کبھی بھی اس سے نفرت کا اظہار نہ ہونے دیا حالانکہ نفرت کی وجہ سے میرا یہ حال تھا گویا میں انگارے کے اوپر بیٹھا ہوا ہوں۔

اسی حالت میں پندرہ سال گزر گئے۔ آخرکار وہ مر گئی' میرے گمان میں اس کی دلداری سے زیادہ کوئی عمل تو اب کوئی عمل میرے پاس نہیں ہے۔"

میں نے اس شخص سے کہا کہ دیکھو یہ ہے مردوں کا طریقہ! بھلا چیخ پکار اور اظہار نفرت سے کیا ہو سکتا ہے؟ بس اس کے لیے وہی طریقہ ہے جس کو میں ذکر کر چکا ہوں کہ توبہ واستغفار صبر اور دعا کا دامن تھاما جائے اور ان تدابیر کو سوچا جائے جن کی یہ سزا ہے۔

ان امور میں کوشش کرتے رہو اگر راستہ کھل جائے تو یہ الگ بات ہے ورنہ حساب میں کچھ نہیں رہے گا اور اگر نہ کھلے تو تقدیر پر صبر عبادت ہے۔

اور جو کلفت اظہار محبت اگرچہ دل میں نہ ہو تم کو بہت قدم ردکھے گا۔

یہ سمجھ لو کہ قید و بند کوئی گناہ نہیں ہے جس پر مذمت کی جائے اس لیے اس ذات کی طرف متوجہ ہو جاؤ جس نے تم کو اس قید میں ڈالا ہے والسلام

انتشار طبیعت کے دو بڑے اسباب

مجلس... اصل میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام پر ایمان رکھنے والے شخص کو ذکر و عبادات اور احکام کی بجا آوری کے لیے انہماک ضروری ہے اور انہماک کے لیے فکری سکون کی ضرورت ہوتی ہے۔

جبکہ آدمی کی طبیعت میں شہوتوں کی طرف میلان رکھ دیا گیا ہے جو خود ہی فکر کی سکون کو درہم برہم کرنے کے لیے کافی ہے۔

لہٰذا انسان کو اپنی فکر ، سکون رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ دین اللہ کے ذکر اس کے احکام پر عمل اور اس کی ملاقات کے لیے تیاری کر سکے اور یہ چیز حاصل ہوتی ہے موانع کو ختم اور رکاوٹوں سے پرہیز کرنے سے جبکہ تمام موانع کا ختم کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے جتنا ممکن ہو ان کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔

میں نے ان دو چیزوں کے برابر فکر کو منتشر اور قلب کو پاش پاش کرنے والی کوئی چیز نہیں دیکھی:

(۱) ایک تو یہ کہ نفس جس چیز کی بھی خواہش کرے اس کو پورا کیا جائے کیونکہ نفس کی خواہشات کسی حد پر ٹھہرتی نہیں ہیں۔ لہٰذا (اس چکر میں پڑ کر) دین اور دنیا دونوں برباد ہو جاتے ہیں اور پوری مراد بھی حاصل نہیں ہو پاتی ہے۔

مثلاً خوبصورت عورتوں کی یا مال جمع کرنے کی حرص پیدا ہو جائے یا سرداری کی طلب ہو جائے یا اور اسی طرح کی کوئی خواہش پیدا ہو جائے تو اس وقت ایسا انتشار رہتا ہے جس کو ختم نہیں کیا جا سکتا پھر زندگی برباد ہو جاتی ہے اور تھوڑی مراد بھی پوری نہیں ہو پاتی۔

دوسری چیز لوگوں سے میل جول ہے۔ خصوصاً عوام سے ملنا اور بازاروں میں گھومنا کیونکہ اس وقت طبیعت میں شہوتوں کا تقاضا بیدار ہو کر دینے سے کوتی کو بھلا دیتا ہے اور انسان عبادت میں سستی، غفلت، راحت اور بیکاری کو پسند کرنے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص لوگوں سے میل جول کا عادی ہو اس پر علم یا عمل کی مشغولیت گراں ہوتی ہے۔

پھر عوام سے اختلاط کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غیبت کرنا اور اوقات کو فضول ضائع کر دینا آسان ہو جاتا ہے۔

لہٰذا جو شخص فکر کی جمعیت اور سکون چاہتا ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ خلوت کو اس طرح اختیار کرے کہ کسی کی آواز بھی نہ سنے اس وقت دل کو معرفت کی باتوں اور اچھے مضامین کے ساتھ تنہائی ملے گی اور نفس کو خواہش و شہوت جیسا کوئی ساتھی نہیں مل سکے گا جو اس کو شہوت کی یاد دلائے۔

اور جب کسی سے ملاقات کی ضرورت پڑ جائے تو بہت جلدی ختم کر دے جیسے مینڈک ایک لمحے کے لیے نکلتا ہے پھر پانی میں لوٹ جاتا ہے۔ یہی خلوت ہی سلامتی کا راستہ ہے اس کے فائدوں پر غور کرتے رہو تو یہ خلوت خوشگوار ہو جائے گی۔

زمانہ کو برا کہنا حرام ہے

مجلس... میری نگاہ میں لوگوں پر اس سے بڑی کوئی مصیبت نازل نہیں ہوئی کہ وہ "زمانہ" کو برا بھلا کہنے اور "دہر" پر عیب لگانے میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

یہ مرض زمانہ جاہلیت میں تھا۔ پھر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا اور فرمایا:

لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ.

"زمانہ کو گالی نہ دو کیونکہ اللہ ہی زمانہ (لاتا) ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ تم لوگ اس ذات کو گالی دینا چاہتے ہو جس نے تمہارے خاندان میں جدائی پیدا کر دی اور گھر والوں کو موت دے دی لیکن اس کی نسبت زمانہ کی طرف کر دیتے ہو جبکہ اس کے فاعل اللہ تعالیٰ ہیں۔ (تو گویا تم نے خدا کو گالی دینا چاہا مگر نسبت دوسرے کی طرف کر دی۔ نعوذ باللہ)

اب میں حیرت میں ہوں کہ "بیچاروں" کو کس طرح یہ بات بتلائی جائے جبکہ وہ اسی مرض میں مبتلا ہیں۔ جس میں اہل جاہلیت مبتلا تھے ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی حتیٰ کہ جب بڑے بڑے ادیب ظریف اور ذہین لوگوں کی محفلیں جمتی ہیں تو ان کا مشغلہ بھی یہی زمانے کو برا بھلا کہنا ہوتا ہے۔ کبھی یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو "دنیا" سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "دنیا نے یہ کیا اور دنیا نے یہ بنایا" حتیٰ کہ میں نے ابوالقاسم حریری کے یہ اشعار دیکھے:

ولما تعامي الدهر وهو ابو الورى عن الرشد في انحائه ومقاصده

"جب زمانہ ہی اپنی روش اور اپنی گردش میں راہ راست سے اندھا ہو گیا ہے جبکہ وہی ساری مخلوق کا باپ ہے۔"

تعاميت حتى قيل انى اخو عمى ولا غرو ان يحذو الفتى حذو والده

"تو میں نے بھی اپنے کو اندھا بنا لیا تاکہ مجھے بھی اندھا کہا جائے کیونکہ یہ کوئی عجیب

بات نہیں ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی روش پر ہے۔"

حالانکہ لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ حضرات سمجھدار فقیہ ہیں لیکن اس طرح کے جملوں سے احتیاط نہیں کرتے۔

اگر یہ کہو کہ ان لوگوں کی مراد زمانہ نہیں ہے بلکہ اس کی گردش اور مرور ہے (یعنی اس سے یہ بولا جاتا ہے کہ زمانہ کے گزرنے ہی کے دوران حادثات پیش آتے ہیں) تو خود ہی سوچو کہ مرور زمانہ کو کیا اختیار ہو سکتا ہے وہ تو نہ کسی کا قصد کرتا ہے نہ ہدایت و گمراہی کو پہچانتا ہے تو اس کو ملامت کرنے کا کیا مطلب؟ وہ تو کسی کا تابع ہے خود صاحب تدبیر نہیں ہے خود اسی میں تصرف ہوتا ہے وہ کسی چیز میں تصرف نہیں کر سکتا ہے۔ لہٰذا کوئی سمجھدار آدمی یہ نہیں مان سکتا کہ جس کی مذمت کی جا رہی ہے جو اور ملامت سے بھڑکا ہوا ہے اور جس کا فیصلہ غلط ہے وہ "زمانہ" ہے۔

تو اس کے سوا کیا کہا جائے کہ یہ لوگ اسلام کے بندھن سے نکل گئے ہیں اور ان الزامات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر رہے ہیں کہ اس کی حکمت میں قصور ہے اور ایسے کام کرتا ہے جو نہ کرنا چاہیے تھا۔ جیسا کہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے قصے میں کہا تھا:

(اگر ان کا مطلب یہی ہے جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے تو) پھر اس گمراہی کے ساتھ اسلام کا اعتقاد اور نماز روزہ کچھ مفید نہیں ہے بلکہ یہ لوگ کافروں سے بدتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا کوئی کام نہ درست کرے اور نہ سیدھا راستہ دکھائے۔"

عمر غنیمت ہے

مجلس.... (بنی) اور ساری مخلوق کی ایک عجیب کیفیت یہ دیکھتا ہوں کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ عمر کی مدت مختصر ہے اور یہاں کے عمل کے بقدر ہی آخرت میں ثواب زیادہ ہو گا ان اعمال سے غفلت ہے جو ابھی ہمارے اختیار میں ہیں۔

---

[1] مصنف کا یہ شعر بالکل درست ہے کہ شرعاً شریعت میں زمانہ کو برا کہنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ برائی لوٹ کر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف جاتی ہے۔ جیسا کہ اسی مصنف نے ذکر فرمایا ہے۔ البتہ جن حضرات کے کلام میں اس طرح کی شکایات ہیں تو حضرات علماء نے اس کی تاویل کی ہے کہ ان کا مقصود کفر نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا کہا گیا کہ گزرے ہوئے والوں کی تاویل کی جائے اور خود ایسی بات سے پرہیز کیا جائے جس میں کفر کا اندیشہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ہر طرح کی آفت سے بچائیں۔ آمین۔ (مترجم)

پس اے مختصری عمر والے! اپنے ایک ایک دن کو غنیمت جان اور موت کی گھڑی کا انتظار کر۔
خبردار! اپنے دل کو ایسے کام میں مشغول نہ کر جس کے لیے وہ پیدا نہ کیا گیا ہو۔
اسی طرح کوئی کجی پر آمادہ ہو کر انکار کرے تو جھڑکی دے کر آگے بڑھا اور اس کی رسی ڈھیلی نہ ہونے دے کیونکہ تو ایک چراگاہ میں ہے (جہاں دوسرے کے بھی کھیت ہیں)
جو شخص جنگ کے میدان میں دونوں صفوں کے درمیان کھڑا ہو اس کا جنگ کے علاوہ کسی اور مشغلے میں لگنا بہت برا ہے۔

راز چھپاؤ

مجلس..... میں اس حقیقت کو اپنی اس کتاب میں کئی مرتبہ دہرا چکا ہوں کہ راز کی حفاظت کرو اور لوگوں کے سامنے اتنا نہ کھل جاؤ جو نامناسب حد سے آگے بڑھ جائے۔
کیونکہ بہت سے ایسے ہوئے جو کسی کو دوست سمجھ کر اس کے سامنے کھل گئے اور کسی دوست یا بادشاہ کے متعلق یہ سمجھ کر کہ مجھ پر کوئی الزام نہ آئے گا کوئی جملہ کہہ دیا وہی جملہ ان کی ہلاکت کا سبب ہو گیا اس لیے میں اس (بھولے بھالے) صاف دل شخص کو جو ہر ایک کے متعلق خوش گمان رہتا ہے نصیحت کرتا ہوں کہ لوگوں سے محتاط رہے اور کسی بھی شخص کے متعلق کوئی نامناسب جملہ نہ کہے۔
اور ایسے شخص پر بھی بھروسہ نہ کرے جو دوستی یا ہمدردی ظاہر کرتا ہو کیونکہ اب خباثت عام ہو گئی ہے۔

حقیقی تسبیح و استغفار

مجلس..... میں نے زیادہ تر لوگوں کی عبادتوں کو غور سے دیکھا تو اندازہ ہوا کہ وہ عبادات کے بجائے عادات ہیں جبکہ بیدار طبیعت لوگوں کی عادتیں بھی عبادات ہو جاتی ہیں۔
چنانچہ غافل عادتاً "سبحان اللہ" کہتا ہے اور ہوش مند عجیب عجیب مخلوقات اور خالق کی عظمت کو سوچتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ تحیر ہو کر بول اٹھتا ہے "سبحان اللہ"
اگر کوئی انسان ایک انار کو سوچے اور دیکھے کہ کس طرح اس کے دانوں کو ترتیب سے رکھا پھر دانوں کو پردوں کے ذریعے سکڑنے سے محفوظ کیا۔ کھجور کی گٹھلی پر پانی رکھا اور پردہ

لگا کر اس کو محفوظ کیا' انڈے کے پیٹ میں بچہ کی تصویر کشی کی اور ماں کے رحم میں آدمی کا نقش بنایا' اسی طرح باقی مخلوقات پر بھی غور کرے تو یہ فکر اور سوچ اس کے اندر خالق کی اتنی عظمت پیدا کر دیتی ہے کہ کہہ اُٹھتا ہے۔ ''سبحان اللہ''

تو یہ تسبیح فکر کا نتیجہ ہے اور یہی بیدار حضرات کی تسبیح ہے پھر ان کی فکر اسی طرح گردش کرتی رہتی ہے تو ان تسبیحات کے ذریعے ان کی عبادتیں حقیقت میں عبادت بن جاتی ہیں۔

ایسے ہی یہ حضرات اپنے گزشتہ گناہوں کی خرابیوں کو سوچتے رہتے ہیں تو اس سے دل میں قلق اور طبیعت میں شرمندگی پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کہہ اُٹھتے ہیں ''استغفر اللہ'' یہی ہے حقیقی تسبیح و استغفار!

جبکہ غافل لوگ یہ جملہ عادتاً کہتے ہیں۔ لہٰذا کتنا فرق ہے دونوں جماعتوں کے اندر؟

خلوت پرہیز ہے

مجلس.... جب تک مخلوق سے بالکل کنارہ کشی اختیار نہ کر لی جائے نہ عبادت ڈھنگ سے ہو سکتی ہے نہ تصوف کے اشغال اور نہ آخرت کے امور کی انجام دہی' آدمی اس قدر کنارہ کش ہو جائے کہ نہ لوگوں کو دیکھے' نہ ان کی باتیں سنے البتہ ضرورت کے اوقات مستثنیٰ ہیں مثلاً جمعہ کی نماز یا پنج وقتہ جماعت وغیرہ مگر ان اوقات میں بھی لوگوں سے محتاط رہے۔

اگر عالم ہے اور علم سے نفع رسانی چاہتا ہے تو ایک معین وقت لوگوں کو بتا دے اور اس میں بھی ان کو بولنے کا موقع نہ دے۔

اب جو شخص آج کے دور میں بازاروں میں چلے پھرے' اس تاریک دنیا میں خرید فروخت کرے اور طرح طرح کے منکرات اور گناہ کے کاموں کو دیکھے تو گھر لوٹتے وقت اس کا دل تاریک ہو چکا ہوگا۔

لہٰذا مرید اور سالک کو چاہیے کہ اگر نکلے تو صحراؤں اور قبرستانوں میں جائے (بازاروں میں نہ پھرے)

حضرات سلف خرید و فروخت کرتے تھے اور احتیاط بھی کرتے تھے اس کے باوجود ان میں سے بعض صاف دل حضرات کے لیے کوئی وقت صاف نہیں رہ گیا تو مخلوق سے الگ

ہو گئے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "میں عبادت اور تجارت دونوں کرتا تھا لیکن دونوں جمع نہیں ہو سکے تو میں نے عبادت کو اختیار کر لیا۔"

اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے: الاسواق تلھی وتلغی۔ (الحدیث)

"بازار آدمی کو غافل اور فضولیات میں مبتلا کر دیتے ہیں۔"

پس جو شخص اس وقت پرہیز پر قادر ہو پھر اختلاط یا اہل خانہ کے لیے کمانے پر مجبور ہو جائے تو اس کو ایسے ہی بچ کر چلنا چاہیے جیسے کانٹے دار جھاڑی میں آدمی چلتا ہے پھر بھی سلامتی کی امید بہت کم ہے۔

دل کی صفائی تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے

مجلس... جس کو پاکیزہ قلب اور مناجات کی لذت حاصل ہو وہ اپنے اس حال کی نگرانی رکھے اور اس کے بدل جانے سے ڈرے جبکہ یہ حال تقویٰ ہی سے باقی رہ سکتا ہے۔

دراصل مجھ کو ایک پاکیزہ قلب اور شیریں مناجات سے لطف آیا تھا۔ پھر ایک صاحب منصب حاکم نے اپنے وہاں کھانے پر بلایا جس سے بچنا میرے بس میں نہیں تھا تو میں حاضر ہوا اور کھانے میں بھی شریک ہوا جس کے نتیجہ میں مجھے سخت حالات پیش آئے اور میں نے فوراً اس سزا کا مشاہدہ کر لیا۔ پھر وہ حالات کافی دنوں تک باقی رہے میرا دل مجھ سے ناراض ہو گیا اور جو کچھ کیفیات تھیں سب رخصت ہو گئیں۔

تو میں نے کہا کہ ہائے تعجب! میں تو اس دعوت میں مجبور ہو کر شریک ہوا تھا۔ (پھر یہ سزا کیوں ہے؟) مگر جب قاعدہ سے سوچا تو خیال ہوا کہ چند لقموں سے بھی دلداری کی جا سکتی تھی لیکن خواہش نفس نے تاویل کے ذریعے اس سے زیادہ کھلا دیا جتنے سے ٹالنا اس کو ممکن تھا۔ اس پر نفس نے کہا کہ مجھ کو کہاں معلوم تھا کہ یقیناً وہ کھانا حرام تھا؟ تو بیداری نے جواب دیا کہ پھر شبہات سے پرہیزگاری کا موقع کیا ہے؟

حاصل یہ کہ جب میں نے تاویل سے ایسا لقمہ کھایا اور طبیعت نے اس کو پر لطف سمجھا تو دل کی کیفیات کے ختم ہو جانے کی وجہ سے مجھ کو دوخرابیاں پیش آ گئیں۔ (پہلے تو کیفیات کا نقصان ہوا دوسرے ورع پر عمل نہ ہو سکا)۔ "فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ"

مؤمن کے تصورات

مجلس.... چونکہ مؤمن کو آخرت کی دُھن لگی رہتی ہے' اس لیے دنیا کی ہر چیز اس کو آخرت کی یاد پر اُبھارتی ہے اور جس کو کوئی چیز اپنی طرف متوجہ کر لے تو سمجھ لو کہ اس کا شغل وہی ہے۔

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اگر چند پیشے والے کسی آباد مکان میں جاتے ہیں تو کپڑا بیچنے والا فرش اور بستر کو دیکھتا ہے اور اس کی قیمت کا اندازہ لگاتا ہے۔ بڑھئی کی نظر چھت کی کڑیوں (اور دروازے کی لکڑیوں) پر پڑتی ہے' معمار دیواروں کو دیکھتا ہے اور جولاہا بنے ہوئے کپڑوں اور پردوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

ایسے ہی مؤمن بھی جب تاریکی دیکھتا ہے تو اس کو قبر کی تاریکی یاد آ جاتی ہے' کوئی تکلیف پیش آتی ہے تو عذاب کو سوچتا ہے' اگر تیز گھبرا دینے والی آواز سنتا ہے تو نفخہ صور کو یاد کرتا ہے۔ لوگوں کو سوتا ہوا دیکھتا ہے تو قبر کے مردے یاد آ جاتے ہیں اور کوئی لذت پاتا ہے تو جنت کو یاد کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس کی ساری توجہ آخرت ہی کی طرف ہوتی ہے جو یہاں کی ہر نعمت سے اس کو غافل کیے ہوئے ہے۔

سب سے بڑا تصور جو اس کو حاصل ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ سوچتا ہے کہ جنت میں ہمیشہ کا قیام ہوگا۔ اس کی بقاء پر فنا اور زوال نہیں آئے گا' ساری تکلیفیں دور ہو جائیں گی اور جس وقت وہ اپنے کو ان دائمی لذتوں میں جن کے لیے فنا نہیں ہے' لطف اندوز ہوتے ہوئے تصور کرتا ہے تو مستی سے پھڑک اُٹھتا ہے اور اس پر جنت کے راستے میں پیش آنے والی تکلیفیں مثلاً درد و غم' بیماری' آزمائش' رشتہ داروں کی موت' اعزہ کی جدائیگی اور کڑوے گھونٹوں پر صبر وغیرہ آسان ہو جاتی ہیں کیونکہ کعبہ شریف کے مشتاقوں پر صحرائے زرود[1] کی ریت گوارا ہو جاتی ہے اور صحت کا خواہش مند دوا کی کڑواہٹ کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔

اور وہ جانتا ہے کہ پھل کی عمدگی یہاں کے بیج کی عمدگی پر موقوف ہے اس لیے عمدہ سے عمدہ بیج منتخب کرتا ہے اور زندگی کے موسم خریف میں بغیر کسی سستی کے کھیتی کر لینے کو غنیمت سمجھتا ہے۔

پھر مؤمن تصور کرتا ہے کہ کہیں جہنم اور سزا کا معاملہ نہ پیش آ وے' یہ سوچ کر اس کی

---

[1] صحرائے زرود عرب کا ایک بڑا ریگستان صحرا ہے

زندگی مکدر ہو جاتی ہے اور تنگی بڑھ جاتا ہے۔

لہٰذا اس کے پاس دونوں حالتوں میں دنیا اور سامان دنیا سے بے نیازی رہتی ہے جانور اس کا دل کبھی تو شوق کے میدانوں میں دوڑتا ہے اور کبھی خوف کے صحرا میں حیران رہتا ہے اس لیے وہ عمارتوں پر نگاہ نہیں رکھتا۔

تو پھر جب موت آتی ہے تو چونکہ دل سلامتی کی وجہ سے مضطرب اور اپنے لیے نجات کا امیدوار ہوتا ہے اس لیے آسان ہو جاتی ہے۔

پھر جب قبر کے اندر اترے گا اور سوال کرنے والے فرشتے آئیں گے تو ایک دوسرے سے کہیں گے کہ اس کو چھوڑ دو ابھی تو اس کو راحت ملی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ایسی کامل بیداری عطا فرمائیں جو فضائل کے حصول کی تحریک پیدا کرے اور رذائل کو اختیار کرنے سے روکے کیونکہ اگر اس نے توفیق دے دی تو بیڑا پار ہے ورنہ پھر کوئی چیز نافع نہیں ہے۔

انتخاب کے اسباب

مجلس۔۔۔ میں نے دیکھا تو مولا جل جلالہ کا ایک عجیب معاملہ دیکھا وہ یہ کہ وہ اپنی محبت اور قرب کے لیے ایسے ہی شخص کا انتخاب کرتا ہے جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے کامل ہو۔

ظاہر کے کمال سے مراد رنگ و روغن اور ناک نقشہ کا حسن نہیں ہے بلکہ اعضاء کا اعتدال ہے اور معتدل اعضاء حسن سے خالی نہیں ہوتے ہیں۔ پھر جب ظاہر معتدل ہو تو اس کے ساتھ باطنی خوبصورتی یعنی اخلاق کا کمال بھی حاصل ہوتا ہے اور رذائل ختم ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا باطن میں کوئی خبث و فساد اور رذیلت نہیں نظر آتا ہے بلکہ ظاہر کی طرح وہ بھی حسین ہو جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اتنے خوبصورت تھے کہ جو آپ کو دیکھتا فریفتہ ہو جاتا اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو چودھویں کے چاند سے بھی بڑھ کر تھے کبھی کوئی ولی بظاہر کالے رنگ کا ہوتا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے نہایت حسین صورت اور لطیف طبیعت کا ہوتا ہے۔

حاصل یہ کہ انسان میں جس قدر ظاہری و باطنی کمال ہوتا ہے اسی اعتبار سے اس کے اعمال ہوتے ہیں۔ پھر اعمال کے بقدر اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ کوئی تو باہر دروازہ کا نگراں

ہوتا ہے کوئی ادھ کا اصحاب ہوتا ہے اور بعض مقرب خادم کی طرح ہوتے ہیں جبکہ ایسا شخص بہت نادر ہے جس کو دونوں پہلوؤں سے کمال حاصل ہو۔ شاید سو سال میں کوئی ایک ہو جاتا ہے

اور یہ چیز اپنی کوشش سے ممکن حاصل ہو سکتی ہے بلکہ کوشش اور محنت وہی کرتا ہے جس کو یہ صفت حاصل ہو کیونکہ یہ صفت جب کامل ہوتی تو اپنے اندر کی دیکھ کر کوشش پر آمادہ کر دے گی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کے لیے کوئی تدبیر نہیں ہے کیونکہ یہ فطری چیز ہے۔ بس یہ سمجھو کہ:

إِذَا أَرَادَكَ لِأَمْرٍ هَيَّأَكَ لَهُ.

"جب کسی مرتبہ کے لیے تمہارا انتخاب کر لیں گے تو اس کے لیے تیار بھی کر دیں گے۔"

حکیم مطلق کے فیصلوں میں عقل کو دخل نہ دو

مجلس۔ میں نے ایسے لوگوں کے متعلق سوچا ہے جو عقل کے مدعی ہو کر اللہ تعالیٰ کی حکمت پر اعتراض کرتے ہیں کہ ان سے پوچھا جائے کہ جس عقل سے تم اس کی حکمت پر اعتراض یا انکار کرتے ہو کیا یہ عقل اسی کا عطیہ نہیں ہے؟ بھلا بتاؤ! کیا اس نے تم کو کامل عطا کر دیا اور خود نقص پر مبنی ہو گیا! یہ کھلا ہوا کفر ہے جو قباحت میں الحاد و زندقہ سے بھی بدتر ہے۔

ان میں سب سے پہلا معترض ابلیس ہے اس نے اپنی عقل سے سوچا کہ آگ کا مادہ مٹی کے مادے سے بہتر ہے۔ لہٰذا خالق کی حکمت کا انکار کر دیا۔ پھر اسی کے نقش قدم پر بہت سے معترضین چلے۔ مثلاً "ابن الراوندی اور المعری" جبکہ یہ ملعون المعری کہا کرتا تھا کہ "حجاج بن یوسف پر حماقت اور ظلم کا عیب کیسے لگایا جائے جبکہ زمانہ اس سے زیادہ بدکردار ہے۔"

تم ہی بتاؤ کیا "زمانہ" سے اس کی مراد زمانہ ہے؟ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اوقات کی گردش میں کسی فعل کی صلاحیت نہیں ہے بلکہ درحقیقت اس کا اشارہ اللہ جل جلالہ کی طرف تھا اور اس کا حال یہ تھا کہ وہ یہ گمان باندھ کر کہ مرنے کے بعد راحت پا جائے گا، موت کی دعا کیا کرتا تھا، لوگوں کو نکاح اور قربانی کو چھوڑنے کی نصیحت کرتا تھا اور کہتا تھا کہ انسانوں کو پیدا کرنے میں سوائے اس کے کہ تکلیف، مشقت میں پڑنا اور اہتمام کا بدن کا سڑ گل جانا ہو گا اور کوئی حکمت نہیں ہے حالانکہ اگر اس کا گمان درست ہوتا تو پھر یہ خلق اور ایجاد عبث و فضول

ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فعل عبث سے پاک ہیں فرماتے ہیں:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا.

"ہم نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی چیزیں فضول نہیں پیدا کی ہیں۔"

جب وہ چیزیں جو ہمارے لیے پیدا کی گئی ہیں عبث نہیں ہیں تو پھر ہم ان کی معرفت کے مکلف اور اس کے احکام تکلیفیہ کے محل ہیں کیا عبث ہی پیدا کر دیئے گئے ہیں۔

یقیناً ایسی جہالت اسی شخص سے صادر ہو سکتی ہے جو عقل کے ان فیصلوں پر اعتبار کرتا ہے جو ظاہر کو دیکھ کر عقل میں آتے ہیں۔ مثلاً دیکھتا ہے کہ ایک بنی بنائی عمارت توڑی جا رہی ہے تو عقل محض کو اس میں کوئی حکمت نظر نہیں آتی حالانکہ اگر حکمت ظاہر ہو جاتی تو یقین کر لیتی کہ توڑنا درست ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے کشتی توڑنے اور غلام کو قتل کرنے کی حکمت ظاہر ہوئی۔

یہ بات معلوم ہے کہ جانور کو ذبح کرنا، روٹی کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور کھانے کو چبانا ان کے اندر بذاتِ خود کوئی فائدہ نہیں ہے لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ یہ اس بدن کی غذا ہے جو ذبح کیے جانے والے جانور سے اشرف اور افضل ہے تو یہی فعل اچھا ہو گیا۔

ہائے تعجب! کیا عقلیں اس حکیم مطلق کی اطاعت کو لازم نہیں سمجھتی ہیں جس کی مخلوقات بھی حکمت سمجھنے سے خود عاجز ہیں؟ پھر بتاؤ کیسے اس کے مقابلہ پر آنے اور اس پر اعتراض کرنے کی ہمت کر رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو رسوائی اور اپنے تعلق کی محرومی سے پناہ میں رکھیں۔

حکمرانوں کو نصیحت کا طریقہ

مجلس.... جو شخص بادشاہوں اور حکمرانوں کو نصیحت کرنا چاہے اس کو بے حد نرمی اختیار کرنے کی ضرورت ہے ان کے سامنے کوئی ایسی بات نہ کہہ دے جس سے ان کا ظالم ہونا ظاہر ہو کیونکہ بادشاہوں کو اپنے دبدبہ اور غلبہ کا جو خیال ہوتا ہے اس لیے آزادانہ اور توبیخ سے کام لے گا تو اس میں ان کی ذلت ہے اور وہ لوگ ذلت کو برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔

بہتر یہ ہے کہ اپنی نصیحت کے ساتھ حکومت کی فضیلت اور رعایا کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں ثواب کی روایت کو بھی شامل کرے اور گزشتہ عادل بادشاہوں کے حالات سنائے۔

نصیحت سے پہلے بادشاہ کا مزاج دیکھ لینا چاہیے۔ اگر اس کی سیرت اچھی ہو اور بھلائی کا ارادہ رکھنے والا ہو جیسے کہ منصور بن عمار وغیرہ کا معاملہ خلیفہ ہارون رشید کے ساتھ تھا کہ وہ ہارون رشید کو نصیحت کرتے تھے اور ہارون رشید روتے تھے تو وعظ و نصیحت زیادہ سے زیادہ کرے اور اگر ظالم ہو جاہل ہو خیر کی طرف التفات نہ کرتا ہو تو اس کی کوشش کرے کہ نہ اس کے سامنے آوے اور نہ نصیحت کرے اس لیے کہ اگر سامنے آیا اور نصیحت کی تو اپنے کو خطرہ میں ڈالے گا اور ممکن ہے سرائی کی توہین ہو جائے گا۔

لیکن اگر ایسے کسی بادشاہ کو نصیحت کرنے پر مجبور ہو جائے تو اشارہ کنایہ میں بات کرے۔ (صاف صاف اس کو نہ کہے)

پہلے تو بہت سے بادشاہ ایسے ہوتے تھے جو نصیحت کے وقت نرم پڑ جاتے تھے اور واعظوں کی بات برداشت کر لیتے تھے حتیٰ کہ خلیفہ منصور عباسی کے منہ پر کہا جاتا تھا کہ تم ظالم ہو مگر وہ برداشت کر لیتا تھا لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے۔ اکثر حکمرانوں میں فساد پیدا ہو گیا ہے اور علماء ان سے مداہنت کرنے لگے ہیں اور جو مداہنت نہ کرنا چاہے وہ حق بات قبول کر لینے کی امید نہیں رکھتا ہے اس لیے خاموش رہتا ہے۔

پہلے تو حکومت وہی مانگتا تھا جو علم میں مضبوط اور تجربوں سے آراستہ ہوتا تھا لیکن اب اکثر حکام جہالت میں برابر ہوتے ہیں اور حکومت ایسے شخص کے ہاتھ میں پہنچی ہے جو اس کا اہل نہ ہو اس لیے ایسے لوگوں سے احتیاط اور دوری ہی بہتر ہے۔

البتہ جو شخص ایسوں کو وعظ و نصیحت کرنے کی آزمائش میں پڑ جائے تو اس کو چاہیے کہ جو کچھ کہے بہت محتاط ہو کر کہے ان کی پسندیدگی اور حسن قبول پر مغرور نہ ہو کیونکہ اگر ایک جملہ بھی ان کی اغراض کے خلاف نکلا تو ان کی حرارت جوش میں آ جائے گی۔

بادشاہ کو نصیحت کرنے والا خبردار دوسرے حاکموں اور گورنروں کی شکایت نہ کرے ورنہ اگر انھوں نے سن لیا تو پھر اس اندیشہ سے کہ کہیں بادشاہ ہمارا دشمن نہ جان کر پہنچنے لگے اور

سارا کام گڑبڑ ہو جائے۔ سب اسی واعظ کو ختم کرنے کی فکر میں پڑ جائیں گے۔

ویسے اس زمانہ میں بادشاہوں سے دور رہنا ہی بہتر ہے اور نصیحت کرنے سے خاموشی ہی میں عافیت ہے مگر جو مبتلا ہو ہی جائے وہ بہت نرمی سے کام لے اور نصیحت کا مخاطب عوام کو بنائے۔ اس طرح کہ وہ ان میں خاص اسی کو نصیحت کہے۔ "واللہ الموفق"

جھوٹے مدعیان نبوت اور ہمارے نبی

مجلس۔۔۔ "حق" باطل کے ساتھ مشتبہ نہیں ہو سکتا ہے اس لیے باطل سے وہی شخص دھوکہ کھاتا ہے جس کو عقل نہ ہو اور یہ اصول نبوت کے دعویداروں میں بھی جاری ہوتا ہے اور کرامت کے مدعیوں میں بھی۔

نبوتوں کا حال یہ ہے کہ جنہوں نے اس کا دعویٰ کیا مگر ان کی کمزوریاں ظاہر ہو گئیں اور رسوائیاں عام ہو گئیں اور ایسے افعال ظاہر ہوئے جن سے ہمت کی پستی اور خواہش پرستی معلوم ہوتی تھی اور اقوال و افعال میں ایسی کمزوری اور خرابی دیکھی گئی جس سے رسوائی اور ذلت ہی نصیب میں آ سکی۔

چنانچہ ان جھوٹے مدعیان نبوت میں ایک شخص "اسود عنسی" ہے۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنا لقب "ذوالحمار" (گدھے والا) رکھا کیونکہ کہتا تھا کہ میرے پاس ایک گدھے والا (یعنی گدھے پر سوار فرشتہ) آتا ہے۔ شروع میں کاہن تھا "شعبدے" دکھلاتا تھا اور عجیب عجیب تماشے کرتا تھا۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور میں نبوت کا مدعی بنا تو اس سے "مذحج" نے خط و کتابت کی اور "نجران" کا وعدہ کر لیا۔ پھر ان لوگوں نے حضرت عمرو بن حزم اور خالد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نکال دیا۔ اس طرح "یمن" پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ پھر شہر بن باذان سے جنگ کرتے ہوئے اس کو قتل کر دیا اور اس کی بیٹی سے نکاح کر لیا جس نے خود اس کے قتل میں مدد دی۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں ہلاک ہو گیا اور عقل مندوں پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ شعبدہ باز تھا۔

پاس کیا لائے ہیں؟

مسیلمہ نے پڑھا: اِنَّکُنَّ مَعْشَرَ النِّسَاءِ خُلِقْتُنَّ اَفْوَاجًا وَجُعِلْتُنَّ لَنَا اَزْوَاجًا نُوْلِجُهٗ فِیْکُنَّ اِیْلَاجًا۔

"تم لوگ اے عورتو! پیدا کی گئی ہو فوج در فوج اور بنائی گئی ہو ہمارے لیے بیویاں۔ ہم تم سے ہم بستری کرتے ہیں اچھی طرح۔"

سجاح نے کہا تم سچ کہتے ہو۔ تم یقیناً نبی ہو۔

مسیلمہ نے کہا: تو پھر کوٹھری میں چلو تمہارے لیے بستر تیار ہے پھر اگر چاہو تو چت لیٹ کر یا چار زانو بیٹھ کر یا پھر جھک کر۔ اور اگر چاہو تو پوری طرح لپٹ کر۔ اس نے کہا: بس آخری طرح لپٹ کر ہی ٹھیک ہے کیونکہ اس میں لذت زیادہ ہے۔

تنہا خود اپنے بھی اور ساتھیوں کے نزدیک ذلیل ہو گئی۔ عطارد بن حاجب نے کہا:

امست نبیتنا انثی یطاف بھا واصبحت انبیاء الناس ذکرانا

"ہماری نبیا ایک عورت ہوئی جس کے گرد چکر لگایا جاتا ہے جبکہ دوسرے لوگوں کے نبی مرد ہوتے۔"

فلعنة الله رب الناس کلھم علی سجاح ومن بالافک اغوانا

"تنہا اس اللہ کی جو سارے لوگوں کا رب ہے لعنت ہو سجاح پر اور اس شخص پر جس نے جھوٹ سے ہم کو دھوکہ دیا۔"

اعنی مسیلمة الکذاب لاسقیت اصداؤه من رعیث حیثما کانا

"یعنی مسیلمہ کذاب۔ خدا کرے جہاں بھی وہ دفن رہیں کسی دن بھی پیاس نہ بجھ سکے۔"

پھر اس نے اپنی گمراہی سے رجوع کر لیا اور اسلام لائی جب کہ مسیلمہ کی رسوائیاں روز بروز بڑھتی گئیں۔ یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا۔

انہی مدعیان نبوت میں سے طلیحہ بن خویلد ہے۔ یہ مسیلمہ کے دعوئ نبوت کے بعد ظاہر ہوا۔ بہت سے لوگ اس کے پیچھے ہو گئے اور "سمیرا" میں قیام کیا۔ اس کو "ذوالنون" کہا جاتا ہے کیونکہ کہتا تھا کہ جو (فرشتہ) میرے پاس آتا ہے اس کا نام "ذوالنون" ہے۔

اس کے کلام کا نمونہ یہ ہے: ان الله لا یصنع بتعفیر وجوھکم ولا قبح

اَدبارکم شیئاً فاذکروا اللّٰہ اَعِفّۃً وَّقیاماً۔

"اللہ کو تمہارے چہروں کی خاک آلودگی اور تمہاری سرینوں کی بیہودگی سے کچھ کام نہیں ہے۔ لہٰذا اس کا ذکر پاک دامن ہو کر کھڑے ہو کر کیا کرو۔"

اور اس کے قرآن کا کچھ حصہ یہ ہے:

والحمام والیمام والصرد الصوام، لیبلغن ملکنا العراق والشام۔

"کبوتر اور فاختہ کی قسم! روزہ دار بے چہونٹے بڑے لشکر کی قسم! ہماری حکومت عراق اور شام تک پہنچ جائے گی۔"

عیینہ بن حصین نے اس کی پیروی کی تھی۔ جب خالد بن ولید اس کے مقابلے میں آیا تو عیینہ بھاگ کر طلیحہ کے پاس پہنچا اور کہا بتاؤ کیا کوئی فرشتہ تمہارے پاس آیا؟ طلیحہ نے کہا نہیں واپس جاؤ اور جنگ کرو۔ اس نے جنگ شروع کی پھر آیا اور پوچھ کر کیا آ گیا؟ اس نے کہا کہ نہیں! عیینہ لوٹ گیا اور جنگ میں مشغول ہو گیا۔ پھر آیا اور پوچھا کہ کیا آ گیا؟ طلیحہ نے کہا ہاں آ گیا ہے؟ پوچھا کہ پھر اس نے تم سے کیا کہا؟ کہا کہ وہ کہہ گیا ہے کہ تمہارے لیے ایسا لشکر ہوگا جسے تم بھول نہیں سکو گے۔ پس عیینہ پکار اٹھا کہ "خدا کی قسم یہ شخص جھوٹا ہے۔"

چنانچہ اس کے پیرو شکست کھا کر لوٹے اور یہ بھاگ کر شام چلا گیا۔ پھر اسلام لایا اور مسلمان ہوا۔ پھر "نہاوند" میں شہید ہو گیا۔

واقدی نے ذکر کیا ہے کہ قبیلہ بنی یربوع کا ایک شخص جس کا نام "جندب بن کلثوم" اور لقب "کردان" تھا۔ اس نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور دعویٰ یہ کرتا تھا کہ اس کی نبوت کی دلیل یہ ہے کہ وہ موم کے اور مٹی کے کھلونا میں چراغ جلا دیتا ہے جس کی حقیقت یہ تھی کہ اس میں روغن بلسان[1] ڈال دیتا تھا اس لیے آگ سے روشن ہو جاتی تھی۔

ایک اور شخص نے جس کا نام "کہمش کلابی" تھا نبوت کا دعویٰ کیا اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے۔

ایھا الجائع اشرب لبنا تشبع ولا تضرب الذی لا ینفع فانہ لیس بمقنع۔

---

[1] ایک درخت ہے جس کے پھول چھوٹے سفید اور پتے کئی کی طرح ہوتے ہیں ۱۲ مترجم

"اے بھوکے اور دھوپ آ سودہ کر دیا جائے گا اور کسی کو مت مار جو نفع نہ دے کیونکہ اس میں کچھ فائدہ نہیں ہے۔"

اور یہ دعویٰ کیا کہ میری نبوت کی دلیل یہ ہے کہ اگر مجھ کو (بھوکے) درندوں کے درمیان ڈال دیا جائے تو وہ مجھ کو کھا نہیں سکتے جس کی تدبیر یہ کر رکھی تھی کہ روغن غار[1]، حجر بستان جلی ہوئی سینگ، مقدونی چھال، دریائی گھونگھے کی سیپ اور کچھ ادویہ وغیرہ لے کر اپنے جسم پر مل لیتا تھا اور جب درندے قریب آ کر ان چیزوں کی بو سونگھتے تو بھاگ جاتے تھے۔

اسی طرح "طائف" میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا جس کا نام "ابو جعوانہ عامری" تھا۔ اس نے یہ معجزہ پیش کیا کہ اگر روئی میں آگ ڈال دوں تو روئی جلے گی نہیں جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس میں ایک مشہور تیل چھڑک دیا کرتا تھا۔

انہی میں سے سعد بن زہیر کا "ہذیل بن یعفور" ہے۔ "اصمعی" نے نقل کیا ہے کہ اس نے سورۂ اخلاص کے مقابلہ میں ایک سورہ بنائی تھی۔

"قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ. إِلٰهٌ كَالْأَسَدِ. جَالِسٌ عَلَى الرَّصَدِ. لَا يَفُوتُهُ أَحَدٌ"

"کہہ دیجیے وہ اللہ ایک ہے، ایک معبود ہے شیر کی طرح بیٹھا ہوا ہے گھات میں اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔"

انہی میں "هذیل بن واسع" ہے۔ کہتا تھا کہ میں نابغۂ ذبیانی کی اولاد میں سے ہوں۔ اس نے سورۂ کوثر کا مقابلہ کیا تھا۔

ایک شخص نے اس سے کہا کہ تم نے کیا کہا ہے؟ تو اس نے سنایا۔

"إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْجَوَاهِرَ. فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَجَاهِرْ. فَمَا يَرُدُّكَ إِلَّا كُلُّ فَاجِرٍ"

"ہم نے تم کو جواہر عطا کیے ہیں۔ لہٰذا اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور بلند آواز سے پکارو تو تمہاری تردید وہی کرے گا جو بدکار ہوگا۔"

کچھ دنوں کے بعد "سفوری" اس پر غالب آ گیا اور قتل کر کے ایک ستون (کھمبے) پر لٹکا دیا تو جب اس شخص کا گزر ہوا (جس کو اس نے اپنی سورہ سنائی تھی) تو اس نے کہا:

۱۔ ایک قسم کا درخت۔ ۱۲ مترجم

اِنَّا اَعْطَیْنَاکَ الْعَمُوْدَ. فَصَلِّ لِرَبِّکَ مِنْ قُعُوْدٍ. بِلاَ رُکُوْعٍ وَّلاَ سُجُوْدٍ. فَمَآ اَرَاکَ تَعُوْدُ (ہم نے تم کو ستون دیئے۔ لہٰذا اپنے رب کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھو بغیر رکوع اور سجود کے ہم نہیں سمجھتے کہ تم اب لوٹو گے)

انہی لوگوں میں سے جنہوں نے ظاہر ہو کر وحی کا دعویٰ کیا ''مختار ابن ابی عبید ثقفی'' بھی ہے۔ یہ شخص اپنے دعویٰ میں بہت خبط کرتا تھا اور بہت سے لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ کہتا تھا کہ میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے آیا ہوں پھر قتل کر دیا گیا۔

انہی میں ''حنظلہ بن یزید کوفی'' ہے۔ کہا کرتا تھا کہ میری نبوت کی دلیل یہ ہے کہ میں شیشہ کی بوتل میں انڈا داخل کر کے صحیح سالم نکال سکتا ہوں اور کرتا یہ تھا کہ انڈے کو دیر تک کھٹے سرکہ میں بھگوئے رکھتا جس سے اس کا چھلکا نرم ہو جاتا' پھر بوتل میں پانی ڈالتا اور انڈا داخل کر دیتا تھا تو انڈا پانی سے مل کر سخت ہو جاتا تھا۔

اور بھی بہت سے لوگوں نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبوت کا دعویٰ کیا تھا جیسے ''زرادشت'' اور ''مانی'' وغیرہما مگر رسوا ہوئے اور کوئی بھی مدعی ایسا نہیں ہوا کہ جس کو لوگوں نے آخر کار چھوڑ نہ دیا ہو۔

''قرامطہ'' بھی بہت سے شعبدے پیش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ میں نے ان کا اور ان کے تمام شعبدوں کا ذکر اپنی کتاب ''المنتظم فی تاریخ الملوک والاُمَمِ'' میں کیا ہے اور ان میں بھی کوئی ایسا نہیں ہوا جس کو سوائے رسوائی کے کچھ ہاتھ آیا ہو۔

اس کے برخلاف ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کی صحت پر سورج سے زیادہ روشن دلیلیں قائم ہیں۔

چنانچہ دیکھو کہ آپ فقر کی حالت میں ظاہر ہوئے اور ساری مخلوق آپ کی دشمن تھی۔ ایسے وقت میں آپ نے حکومت ملنے کا وعدہ فرمایا اور وہ مل گئی۔ جن واقعات کی خبر دی کہ عنقریب ہو جائیں گے وہ ہو گئے۔ آپ کو بچپن ہی سے لالچ' حرص' ہمت کی پستی' جھوٹ اور تکبر وغیرہ سے محفوظ رکھا گیا اور اعتماد' امانت' پاکیزگی اور عفت سے سنوارا گیا۔ قریب اور دور سب کے لیے معجزات ظاہر کیے گئے۔ آپ پر ایسی کتاب اتری جس میں فصحاء عرب کی عقلیں حیران رہ

گئیں کہ پوری سورۃ تو درکنار ایک آیت بھی اس کے برابر کی نہ پیش کر سکے۔ چنانچہ جس نے بھی کچھ کہنے کی کوشش کی سب کے سامنے رسوا ہو گیا اور اس کو کہنا پڑا کہ قرآن کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ خود قرآن نے کہا ہے: "فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ" ایک سورہ بھی (اس کے برابر کی) بنا کر دکھاؤ۔ پھر کہا "فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا" اور تم نہ بنا سکے اور یقیناً بنا ہی نہیں سکتے ہو (تو پھر اس آگ کے لیے تیار ہو جاؤ جس کے ایندھن انسان اور پتھر ہیں)

ایسے ہی قرآن نے یہود سے کہا: فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ۔

''تو تم لوگ موت کی تمنا کرو اور یقیناً وہ اس کی تمنا نہیں کر سکتے۔''

چنانچہ کوئی ایک شخص بھی تمنا نہیں کر سکا حالانکہ اگر کوئی ایک شخص بھی کہہ دیتا کہ میں موت کی تمنا کرتا ہوں تو قرآن پاک کا دعویٰ غلط ہو جاتا۔

جنگ بدر کی رات آپ فرما رہے تھے کہ ''کل فلاں یہاں مقتول ہوگا اور فلاں یہاں'' (یعنی کافروں کے قتل کیے جانے کی جگہ کی نشاندہی فرما رہے تھے) تو ایک شخص بھی اپنی جگہ سے ہٹا ہوا نہیں دیکھا گیا۔

آپ نے فرمایا کہ ''جب یہ کسریٰ ختم ہو جائے گا تو پھر اس کے بعد کوئی اور کسریٰ نہ ہوگا اور جب یہ قیصر ہلاک ہو جائے گا تو پھر کوئی قیصر نہیں ہوگا۔'' چنانچہ ان دونوں کے بعد کوئی ایسا نہیں ہو سکا جس نے کچھ حیثیت اختیار کیا ہو یا جس کا معاملہ ثابت رہ گیا ہو۔

آپ کی سچائی پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ نے دنیا کو مقصود نہیں بنایا۔

چنانچہ بھوکے رہ کر رات گزار دیتے تھے جب کچھ موجود ہوتا تو ایثار کر دیتے تھے۔ ادنیٰ معمولی لباس پہنتے تھے اور رات میں اُٹھ کر عبادت فرماتے تھے۔

جاہ اور ناموس اس لیے مطلوب ہوتی ہے تاکہ اس کے ذریعے خواہشات پوری کی جا سکیں۔ جب آپ نے خواہشات کو نہیں اپنایا تو معلوم ہو گیا کہ آپ اس آخرت کی طرف رہنمائی فرمانا چاہتے تھے جس کا وجود برحق ہے۔ پھر دیکھو کہ آپ کا دین بلند اور غالب ہوتا ہی گیا۔ یہاں تک کہ ساری دنیا پر چھا گیا۔ اگرچہ کفر بھی دنیا کے گوشوں میں موجود ہے مگر ذلیل ہو کر ہے۔[1]

---

[1] کاش پھر ایسا ہی ہو جاتا جیسا حضرت علامہ کے زمانہ میں تھا۔ کاش پھر دین غالب آ جاتا اور سارے عالم پر چھا جاتا اور کفر مغلوب ہو کر گوشوں میں سمٹ جاتا۔ "اَللّٰهُمَّ انْصُرِ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَهُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَالْمُشْرِكِيْنَ اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ فِيْ جَمِيْعِ الْبُلْدَانِ وَالْاَقَالِيْمِ"

آپ کے پیروکاروں میں ایسے فقہاء ہوئے کہ اگر ان کے کلام اور ان کے حسنِ استنباط کو گزشتہ حضرات انبیاء دیکھتے تو حیرت زدہ رہ جاتے۔ ایسے ایسے صوفیاء ہوئے جن کو گزشتہ راہب دیکھتے تو حیران رہ جاتے اور ایسے ایسے ذہین و ذکی حضرات ہوئے جن کی پرانے زمانوں میں کوئی نظیر نہیں تھی۔

کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بچھڑے کی پوجا نہیں کرنے لگی؟ کیا وہ لوگ ایک گائے کے ذبح میں ٹال مٹول سے کام نہیں لے رہے تھے؟ کیا ایسا نہیں ہوا ابھی سمندر کو پار کر کے (اور خدائی معجزے کا مشاہدہ کر کے) نکلے تھے پھر کہنے لگے "اِجْعَل لَّنَا إِلٰهًا" (ہمارے لیے ایک معبود بنا دو)

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کو باوجود اس کے کہ اس کو جمع کرنے سے منع کیا گیا تھا مگر "مائدہ" کا بچا ہوا جمع کرنے لگی۔

اور ایک قوم مچھلیوں کے لیے "سبت" کے متعلق اللہ کی نافرمانی کرنے لگی۔

جب کہ ہماری یہ امت بحمد تعالیٰ ایسے افعال سے محفوظ ہے۔ اگرچہ کچھ لوگوں میں ناجائز شہوات کی طرف میلان ہے مگر یہ جزئیات کی غلطی ہے اصول کی نہیں۔ چنانچہ جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو روتے ہیں اور اپنی کوتاہیوں پر پچھتاتے ہیں۔

لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کی اس بات پر حمد کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں یہ دین عطا فرمایا اور ہم کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرمایا۔

تصوف میں بدعت میں اختیار کرنے والی ایک جماعت محبِ دنیا اور طالبِ جاہ کی طرف مائل ہوگئی ہے اور خواہش نفس نے ان کو اندھا کر دیا ہے جس سے وہ ایسے واقعات ظاہر کرنے لگی جو کرامت کے مشابہ ہیں۔ جیسے حلاج، [illegible] اور ان کے علاوہ کچھ لوگ ہیں جن کی تلبیس کا حال میں نے اپنی کتاب "تلبیس ابلیس" میں ذکر کیا ہے اور ایسا ان لوگوں نے اس لیے کیا کہ ان کے مقاصد مختلف ہیں تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ ایسے مجدد اور علماء پیدا کرتا رہتا ہے جو کہ ان کی کوتاہیوں اور تلبیسوں کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ وہ ایسے محدثین پیدا کرتا رہا جو کہ صحیح حدیث کے مجروحین کی پہرہ داری فرماتے رہے ہیں تاکہ یہ دین

محفوظ رہے اور تمام شبہات زائل ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ فقیہ اور محدث ہر زمانہ میں وضع حدیث اور تصوف و جاہ پرستی کے دعووں کا عیب و نقص ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں طبقوں کے دعوے صرف انہی لوگوں پر اثر انداز ہو سکتے ہیں جو علم و عمل سے دور ہوں۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ.

"تاکہ وہ حق کو ثابت کر دے اور باطل کو مٹا دے، اگرچہ مجرمین اس کو ناپسند کریں۔"

ہائے غفلت! ہائے بے خبری!

مجلس... تعجب ہے اس "موجود" پر جو اپنے وجود کا مقصود نہیں سمجھتا اور اگر سمجھتا ہے تو اس کے مطابق عمل نہیں کرتا۔

جانتا ہے کہ عمر مختصر ہے اس کے باوجود اس کو غفلت پیاری، فضول باتوں اور لذتوں کی جستجو میں مزا آتا ہے حالانکہ یہ چند دن "مزدوری" کے ہیں بیکاری کے نہیں۔

اس کو پابند بنایا گیا تھا کہ مال خرچ کر کے طبیعت کی مخالفت کرو لیکن بخل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن سانس تنگ ہو جائے گی۔ تب کہے گا کہ میرے بعد اس کو تقسیم کر دینا اور یہاں خرچ کر دینا، وہاں دے دینا، تو کیا اگر اس کی وصیت کے مطابق کر بھی دیا گیا جبکہ ایسا ہونا مشکل ہی ہوتا ہے تو بھی مقصود کہاں حاصل ہوا؟ مقصود تو یہ تھا کہ حیات ہی کے زمانہ میں صحت کے وقت میں جیب سے نکالنے کی مشقت کو برداشت کر کے طبیعت کی مخالفت کرو (مگر تم نے مقصود ضائع کر دیا) اب اگر سمجھ ہو تو خود ہی دونوں حالتوں کے فرق کو سمجھ لو۔

لہٰذا نیک بخت وہی ہے جو بیدار ہو کر عقل کے تقاضے کے مطابق عمل کرے۔ اس زمانہ کو غنیمت جانے جس کی انتہا دوام ہے اور اس عمر کے اوقات کو ضائع نہ کرے جو نہ جانے کب ختم ہو جائے۔ تمہارا برا ہو! تم اس مال کو جمع کر کے کیا کرو گے جو تمہاری زندگی میں نیکی درج نہ کرا سکے اور مرنے کے بعد کوئی عزت و مقام نہ دلا سکے۔ کیا تم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خرچ اور ثعلبہ کے بخل کا تذکرہ نہیں سنا؟ اور کیا تم نے "حاتم" کی مدح

اور ''حباحب'' کی مذمت ہوتے نہیں دیکھی؟

تمہارا برا ہو وہ اگر تم کو مال کے سلسلے میں آزمائش میں ڈال دیتا تو تم فریاد کرتے نظر آتے۔ ایک رات کے لیے بھی جسم میں کوئی بیماری ڈال دے تو تم شکایت کرنے لگ جاؤ۔تو (خود ہی سوچو کہ) تم تو اس سے اپنے مطلوبات پورے پورے وصول کرو لیکن اس کے حقوق نہ ادا کرو۔

وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ. (بربادی ہوناپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے)

خوب سمجھ لو کہ یہ تھوڑی سی زندگی جس میں کوتاہی کی جارہی ہے' ایسی ہمیشہ کی زندگی میں لے جائے گی جس میں اعمال کا بدلہ ملنا ہے۔

پس بڑی پاکیزہ ہے وہ ذات! جس نے ان لوگوں پر فضل فرمایا جنہوں نے مقصود کو سمجھا اور اپنے جسموں کو تھکایا اور کچھ لوگوں کے دلوں پر پردہ ڈال دیا تو ان کا وجود اور عدم برابر ہو کر رہ گیا۔

سمجھدار شخص کیوں اپنے بدن کو نہ تھکائے جبکہ جانتا ہے کہ جس کا مقصود ''منیٰ'' ہو اس کو اپنی سواری تھکانی ہی پڑتی ہے (ورنہ پہنچے گا کیسے؟)

تو بتا اے بندے! کیا تجھ کو وجود بخشنے میں حق تعالیٰ کی ذات کی جلوہ نمائی نہیں ہوئی؟ کیوں نہیں ضرور ہوئی خدا کی قسم! تیرا وجود اس کے وجود کی دلیل ہے اور تجھ پر اس کی نعمتیں اس کے وجود کو بتلا رہی ہیں۔ لہٰذا جیسے اس نے تجھ کو تمام جانداروں پر فضیلت بخشی اور مقدم کیا ہے تو ایسے ہی تو بھی اس کو اپنے دل میں تمام مطلوبات سے پہلے جگہ دے۔

ہائے اس شخص کی محرومی! جو اس سے ناواقف رہ گیا۔ ہائے اس بندے کی محتاجی! جس نے اس سے رُخ پھیر لیا۔ ہائے اس بیچارے کی رسوائی اور ذلت!! جس نے دوسرے سے عزت حاصل کرنی چاہیے اور ہائے اس نادان کی حسرت! جو اس کی اطاعت میں نہیں لگ سکا۔

موت کی تیاری کرلو

مجلس... مجھے اس آدمی پر تعجب ہوتا ہے جو عقل رکھتے ہوئے یہ دیکھتا ہے کہ اس کے ہم عمروں اور پڑوسیوں کو موت مغلوب کرتی پھر رہی ہے اس کے باوجود زندگی کے ٹھاٹھ میں کوئی فرق نہیں آتا' خاص کر جبکہ عمر بھی زیادہ ہو چکی ہو۔

تعجب ہے کہ ساتھیوں کو اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھ رہا ہے اس کے باوجود گھبراتا نہیں ہے۔ کیا بوڑھا اپنے اعضاء میں موت کی سرسراہٹ نہیں محسوس کرتا ہے؟ طاقت کی چھری نکل چکی ہے' ضعف کا سوار اتر آیا ہے' سیاہی سفیدی سے بدل چکی ہے اور روزانہ نقص بڑھتا جا رہا ہے۔ لہٰذا عقل مند آدمی کو اپنے حال پر غور کرنے سے ایسی چیزیں مل جائیں گی جس کے بعد دنیا کی ویرانی اور بھائیوں کی جدائیگی کی طرف نظر کرنے کی ضرورت نہیں رہ جائے گی۔ اگرچہ یہ بھی ڈرانے والی چیزیں ہیں مگر جس کا گھر خود جل رہا ہو اور وہ اپنا سامان نقل کرنے میں مشغول ہو اس کو پڑوسیوں کے گھر کی طرف توجہ کرنے کی فرصت کہاں ہے؟

اور دنیا کی فکر اور اس کی جدائیگی کو آسان کرنے والی ایک اہم تدبیر یہ ہے کہ اپنے دوست بدل دیئے جائیں (آدمی ایسے ماحول میں رہے جہاں لوگ اس کو نہ پہچانیں) (اور وہ لوگوں کو نہ جانے) چنانچہ ہم نے مالداروں کو دیکھا ہے کہ وہ (ماحول بدل جانے کے بعد) ایثار کرنے لگے' فقر و صبر پر آمادہ ہو گئے اور اپنا محاسبہ کرنے والے صوفیاء پرہیزگاری اختیار کرنے لگے' اس طرح بیوقوف عقل مندوں سے اور بخیل اہل سخاوت سے بدل گئے۔

کس قدر سہل ہے یہ سفر؟ شاید نفس ان لوگوں میں رہ کر جن کو چھوڑ بیٹھا ہے' ان لوگوں سے جا ملے جن سے محبت کرتا رہا۔

عقل کی پستی!

مجلس... میں نے اللہ تعالیٰ کی اس ارشاد میں غور کیا:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ
وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ.

"کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں وہ سب جو آسمانوں میں ہیں اور وہ سب جو زمینوں میں ہیں اور سورج' چاند' ستارے' پہاڑ' درخت' چوپائے۔"

پھر فرمایا: وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ. "اور بہت سے انسان بھی۔"

میں نے سوچا کہ جتنے مخلوقات ہیں ان کے بارے میں تو یہ کہا گیا کہ سب سجدہ کرتے ہیں جبکہ

اہل عقل (انسان) میں سے کچھ لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ اس پر مجھے کسی شاعر کا یہ شعر یاد آ رہا ہے۔

مَا جحد الصامت من انشاءہٖ ۔۔۔ ومن ذوی النطق اتی الجحوذ

''چپ رہنے والوں نے تو اپنے پیدا کرنے والے کا انکار نہیں کیا اور بولنے والوں کی طرف سے انکار سامنے آیا۔''

اور میں نے کہا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا ظہور ہے کہ وہ ایک شخص کو عقل دے کر اس کو عقل کے فائدہ سے محروم کر دیتا ہے۔ لہٰذا یہ اس بات پر مضبوط دلیل ہے کہ وہ ذات بہت قدرت اور غلبہ والی ہے۔

ورنہ کیسے کسی صاحب عقل سے یہ اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے وجود کو دیکھ کر بھی اس ذات کے وجود کو نہ پہچان سکے جس نے اس کو پیدا کیا ہے اور بھلا کیونکر اپنے ہاتھ سے ہی تراشے ہوئے بت کی پوجا کر سکتا ہے مگر بات وہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو ایسی ہی عقل دی ہے جو ان کے خلاف حجت کو مضبوط کرے اور جیسے چاہا لوگوں کے دلوں کو راہ راست سے اندھا کر دیا۔

ناجنسوں کا اختلاط

مجلس.... میں نے مومن کے حق میں ناجنسوں کی صحبت سے زیادہ مضر کوئی چیز نہیں دیکھی کیونکہ طبیعت چور ہوتی ہے اگر مان بھی لو کہ ان کی مشابہت سے بچ جائے گا اور ان کی عادات و اطوار سے محفوظ رہے گا تو بھی (اتنا نقصان ضرور ہوگا کہ) عمل میں سست ہو جائے گا دنیا کو دیکھنے سے طلب دنیا کا خیال اُبھرتا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دروازہ پر پردہ لٹکا ہوا دیکھا تو اس کو پھاڑ دیا اور فرمایا: مَالِیْ وَلِلدُّنْیَا. (مجھ کو دنیا سے کیا لینا دینا)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھول دار کپڑا زیب تن فرمایا تو اس کو بھی پھینک دیا اور فرمایا کہ ''اس کے پھولوں نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا'' ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی پہنی پھر اُتار کر پھینک دی اور فرمایا کہ ''ایک مرتبہ تمہاری طرف دیکھتا ہوں اور ایک مرتبہ اس کی طرف۔''

---

[1] پھاڑنے اور پھینکنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ضائع کر دیا بلکہ مراد یہ ہے کہ پردہ کو اس طرح پھاڑ دیا کہ دوبارہ پردہ نہ بنایا جا سکے بلکہ کسی دوسرے مصرف میں استعمال کیا جائے۔ اسی طرح انگوٹھی اور کرتا کسی دوسرے مصرف میں استعمال کیا گیا اور مقصود اس پھاڑنے اور پھینکنے سے دوسروں کی اصلاح تھی ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انگوٹھی اور قیمتی کپڑا پہننا بھی ثابت ہے۔ ۱۲ حمزہ

میں بھی حق دنیاداروں ان کے مکانات اور ان کے طور طریقوں کو دیکھنے کا سبب (کہ اس سے طلب دنیا کا خیال ابھرتا ہے) خاص کر اس شخص کو جس کی طبیعت میں بلندی و رفعت کی خواہش ہو۔

ایسے ہی گانا سننا اور ان پیروں کی مجلس میں بیٹھنا بھی ہے جن کی فکر و نظر کا محور صرف حاصل ہونے والی آمدنی ہو۔ کاش اور وہ اس کا خیال کر لیتے کہ کس جگہ سے قبول کر رہے ہیں کیونکہ ظالموں سے قبول کرنے میں ذرا بھی احتیاط نہیں کرتے ہیں اور ان کو اللہ کا وہ خوف حاصل نہیں ہے جو پہلے زمانے کے پیروں اور صوفیوں میں تھا۔ چنانچہ حضرت "سری سقطی" ساری رات روتے رہتے تھے اور پرہیزگاری میں مبالغہ کرتے تھے جبکہ ان کے پاس نہ "سری" کی پرہیزگاری ہے ورنہ "جنید" کی سی عبادت گزاری۔

اب تو ان کی مجالس میں کھانا پینا، رقص و سرود کا شغل اور بیکاری اور بے ریش لڑکوں سے قوالی سننے کے سوا کیا رہ گیا ہے۔ یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ ایک معتبر اور ثقہ شخص نے بتایا کہ میں "دبیع" کے مشائخ میں سے ایک بڑے پیر کی مجلس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ ایک بے ریش لڑکا قوالی گا رہا ہے تھوڑی دیر بعد پیر صاحب اٹھے اور ایک دینار نکال کر اس لڑکے کے گال پر چپکا دیا۔

ان سب حرکتوں کے بعد ان لوگوں کا یہ دعویٰ کرنا کہ ان چیزوں سے آخرت کی طرف میلان بڑھتا ہے کھلا ہوا جھوٹ ہے مجھ کو زیادہ تعجب ان لوگوں پر نہیں ہے بلکہ ان نادانوں پر تعجب ہوتا ہے جو ان کو ہدیہ تحفہ پیش کرتے رہتے ہیں جس کے عمل پر یہ ان سے عشق اور مکر کی بات کرتے ہیں۔

پہلے کے پیران و مشائخ اپنے سے پہلوں کی عبادت گزاری اور پرہیزگاری دیکھتے تھے اور ان کے حالات دیکھ کر حیرت کرتے تھے تو وہ لوگ اپنی اس حیرت میں معذور تھے کیونکہ اکثر صوفیاء صحیح راستہ پر تھے۔ جیسا کہ میں نے اپنی کتاب "تلبیس ابلیس" میں ان کے حوالے کی نشاندہی کی ہے۔

مگر اس دور میں تو پردہ دست گیا ہے۔ صوفی ظالموں کے پاس جاتا ہے ان کا مال کھاتا ہے ان سے مصافحہ کرتا ہے اور لباس ایسا پہنتا ہے جس میں پیوند نہ ہو کیونکہ اس کا تصوف صرف لباس میں ہے۔

کیا آپ کو خدا تعالیٰ سے اس بات پر شرم نہیں آتی کہ اچھے کپڑوں سے بے رغبتی اس

کے لیے نہیں صرف مخلوق کے لیے کر رہا ہے؟ جبکہ کھانے پینے اور مشتبہ مال سے پرہیز نہیں کرتا ہے۔ لہٰذا ان لوگوں سے بھی دور رہنا لازم ہے۔

غرض جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تنہائی اور خلوت اختیار کرے اس کو چاہیے کہ حتی الامکان بازار کی طرف نہ جائے اور اگر کسی ضرورت سے جانا ہو جائے تو نگاہ نیچی رکھے۔ کسی صاحب منصب کی زیارت اور ملاقات کو نہ جائے اور اگر مجبور ہو جائے تو اس کو خوش اسلوبی سے جلد ختم کر دے کسی عورت سے بلا ضرورت نہ ملے اور اگر ملے تو احتیاط کے ساتھ ساتھ اپنے اوپر بار بار نکاح کا دروازہ نہ کھولے بلکہ ایک بیوی پر قناعت کیے رہے جس میں دینداری ہو۔ چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے:

وَالْمَرْءُ مَا دَامَ ذَا عَيْنٍ يُقَلِّبُهَا　　فِي أَعْيُنِ الْعِينِ مَوْقُوفٌ عَلَى الْخَطَرِ

"آدمی کی نگاہیں جب تک مختلف عورتوں پر پھرتی رہیں گی خطرہ کی حالت میں رہتا ہے۔"

يَسُرُّ مُقْلَتَهُ مَا ضَرَّ مُهْجَتَهُ　　لَا مَرْحَبًا بِسُرُورٍ عَادَ بِالضَّرَرِ

"اس کی نگاہ کو ایسی چیز سے مسرت ملتی ہے جو روح کے لیے مضر ہے تو ایسی مسرت کا نہ ہونا بہتر ہے جو نقصان کا سبب ہو۔"

پھر دیکھو کہ اگر علم کا غلبہ ہے تو یکسوئی کے ساتھ درس و تدریس میں مشغول رہے مگر شاگردوں کے اختلاط سے پرہیز کرے اور اگر عبادت کا غلبہ ہو تو مزید احتیاط کی ضرورت ہے۔

خلوت کو اپنی قیام گاہ بنانا چاہیے اور حضرات بزرگان دین کی سیرتوں کے مطالعہ کو اپنا ہم نشین بنا لے، صالحین کی قبروں کی زیارت کا معمول بھی رکھے اور وہاں کچھ دیر خلوت میں بھی رہے۔

تہجد اور تہجد کو وظیفہ نہ چھوٹنے پائے اور اس کو نصف شب کے بعد شروع کر کے جتنی قدرت ہو اتنی دیر تک پڑھے، وہ ایسا وقت ہوتا ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔

اور اپنے نفس کے سامنے یہ تصور پیش کرے کہ جلد ہی دنیا سے جانا ہے تا کہ اس کی آرزوئیں کم ہو جائیں اور سفر کی درازی کے بقدر توشہ جمع کرنے میں لگ جائے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے بیداری اور عبادت و طاعت کی طرف میلان عطا فرمائیں اور ایسی بے رغبتی سے ہم سب کو دور رکھیں۔

شکر نعمت ہائے تو

مخلص۔ جب بھی میں نے اللہ تعالیٰ کی مسلسل اور پے در پے نعمتوں کو سوچا ہے تو ان کے شکر کے سلسلے میں حیرت زدہ ہو کر رہ گیا ہوں کیونکہ جب مجھ کو یہ معلوم ہے کہ "شکر" بھی اس کی ایک نعمت ہے تو بھلا کیسے شکر ادا کر سکتا ہوں؟

اس لیے میں اپنی کوتاہی کا اعتراف کر لیتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ میرا یہی "اعترافِ قصور" ہی کسی درجہ میں ادائگی حق کا ذریعہ ہے۔

دراصل مجھ کو ایک ایسی فضیلت حاصل ہے کہ جس سے مجھ کو ہر طرح کے خیر کی اُمید ہے۔ وہ یہ کہ جو شخص بھی روزہ نماز ادا کر لیتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ وہ عبادت اور فرمانبرداری کر کے معبود کا حق ادا کر رہا ہے جب کہ میں جب دو رکعت نماز پڑھتا ہوں تو یہ سوچتا ہوں کہ میں مانگنے کے لیے کھڑا ہوتا ہوں تو گویا اپنے لیے ہی عمل کر رہا ہوں کیونکہ معبود کو میری عبادت اور طاعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

بعض مشائخؒ کہا کرتے تھے کہ حدیث میں ہے: "اَلدُّعَاءُ عِبَادَةٌ" دعا عبادت ہے اور میں کہتا ہوں کہ "عبادت خود دعا ہے"

تو اس شخص پر تعجب ہے جو عبادت کیلئے کھڑا ہو کر اپنے حظوظ کا سوال کرتا ہے کہ آخر کیسے یہ تصور کر لیتا ہے کہ اس نے "کچھ" کارنامہ انجام دیا ہے۔

تم تو اپنی ضرورت اور حاجت کے کام میں لگے ہو اور اس ذات کے ممنون کرو جس نے تم کو بلا کر (خود تمہاری ہی ضرورت کی چیز مانگنے میں لگا دیا) یہ خود ایسا احسان ہے جس کے مقابلے میں تمہاری ساری عبادتیں ہیچ ہیں۔

لہٰذا اب میں بھی وہی کہتا ہوں جو پہلے کے کسی شاعر نے کہا ہے۔

يَا مُنْيَتِي لَا مالِي أنْ ت كفلتني وحفظتني

"اے میری آرزوؤں کے منتہی! تو نے ہی میری کفالت کی اور میری حفاظت فرمائی۔"

زعد الزمان علي كي يهجتا حتى فمنعتني

"زمانے نے مجھ کو ہلاک کرنے کے لیے حملہ کیا مگر تو نے بچا لیا۔"

فانقاد لی متخشعا لما اراک نصرتنی

"وہ تواضع کے ساتھ میرے سامنے جھک گیا جب دیکھ لیا کہ تو میرا مددگار ہے۔"

وکسوتنی ثوب الغنی ومن المطالب صنتنی

"تو نے ہی مجھ کو بے نیازی کا لباس پہنایا اور غالب آ جانے والے دشمن سے میری حفاظت کی۔"

فاذا سکت بدأتنی واذا سالت اجبتنی

"جب میں چپ رہا تو تو نے خود ہی سے عطا کیا اور جب مانگا تو فوراً قبول کر لیا۔"

فاذا شکرتک زدتنی لمنحتنی وبهرتنی

"جب میں نے تیرا شکر کیا تو تو نے اضافہ کیا اور خوب عطا کیا اور مجھ پر چھا گیا۔"

ار ان اجد بالسان لہ لا اموال انت الدلتنی

"اب اگر مجھ کو مال کے ذریعہ عطا حاصل ہوتا ہے تو وہ مال بھی تیرا ہی عطیہ ہے۔"

ظاہر پرست علماء

مجلس... میں نے اکثر علماء کو دیکھا کہ علم کے ظاہر میں مشغول ہیں۔ "فقیہ" کی ساری توجہ تدریس پر ہے اور "واعظ" کی اپنے وعظ پر۔

فقیہ کو دیکھو کہ اپنے درس پر نگاہ رکھتے ہوئے طلبہ کی کثرت پر اتراتا ہے جو شخص اس کی مخالفت کرے اس کے کلام میں خواہ مخواہ عیب نکالتا ہے اپنے اوقات بحث مباحثہ کے مضامین سوچنے میں گزارتا ہے تاکہ مخالف کو زیر کر سکے۔ اس کی نگاہ مجلسوں میں صدارت اور مسند نشینی پر لگی رہتی ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نیت بھی دنیا حاصل کرنے کی رکھتا ہے اس لیے بادشاہوں سے میل جول بڑھاتا ہے۔

اور واعظ کی ساری توجہ اس پر ہوتی ہے کہ اپنے کلام کو آراستہ کر کے مجمع کی مقدار بڑھائے اور لوگوں کے دلوں کو اپنی تعظیم پر آمادہ کرے۔ پھر اگر کوئی دوسرا واعظ بھی اس کا ہم پلہ سامنے آ جائے تو اس پر نکتہ چینی شروع کر دیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہیں کیونکہ اگر ان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت

نصیب ہوتی تو توجہ اسی کی طرف رکھتے۔ اس کی مناجات سے انس حاصل کرتے۔ اس کی اطاعت و بندگی کو ترجیح دیتے اور اس کے ساتھ خلوت کو اختیار کر لیتے لیکن چونکہ معرفت سے خالی ہیں اس لیے دنیا میں مشغول ہو گئے اور ان کا یہ شغل بھی دنیا ہی بن گیا۔

اب جس وقت یہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو کوئی لذت نہیں پاتے کیونکہ ان کو اس کا مجمع زیادہ محبوب ہوتا ہے اور مخلوق کی طرف سے زیارت و قدم بوسی زیادہ ذوق توجہ ہوتی ہے حالانکہ یہ بڑی محرومی کی علامت ہے۔

اس کے برخلاف جو عالم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس کی اطاعت میں مشغول ہوتا ہے تو اس کے لیے مخلوق سے ملنا اور ان سے بات چیت کرنا سب سے دشوار کام بن جاتا ہے اور اللہ کے ساتھ خلوت اس کو سب سے زیادہ محبوب ہو جاتی ہے۔ اپنے ہم پلہ لوگوں پر تکبر چینی اور طلب جاہ کی کوشش سے بے پرواہ رہتا ہے کیونکہ اس کی فکر و نظر کا محور آخرت ہوتی ہے اور آخرت اس طرح کی گھٹیا چیزوں سے کہیں اعلیٰ ہے۔

یہ سمجھ لو کہ نفس کے لیے کوئی مشغولی ضروری ہے۔ اب جو شخص مخلوق کی طاعت میں مشغول ہو گا وہ خالق سے رخ پھیرے گا کیونکہ وہ اپنا جاہ بڑھانے کی فکر میں رہے گا اور طلب جاہ اللہ تعالیٰ سے بے رخی کا سبب ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ.

"اللہ تعالیٰ نے کسی بھی انسان کے پہلو میں دو دل نہیں رکھا ہے۔"

شہوت کی حقیقت اور اس کا انجام

مجلس۔۔۔ حدیث میں آتا ہے: اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْاَشْيَاءَ كَمَا هِيَ.

"یا اللہ! ہم کو تمام چیزوں کی حقیقت دکھا دیجیے۔"

یہ جملہ بہت عمدہ ہے (اور یہ دعا بہت اہم ہے) کیونکہ اکثر لوگ چیزوں کی حقیقت اور ان کی صحیح معرفت نہیں رکھتے جو چیز فنا ہونے والی ہے اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں جیسے وہ "باقی" رہنے والی ہے اور یہ خیال بھی نہیں لاتے کہ جن دنیاوی نعمتوں میں وہ پلے

رہے ہیں وہ بھی زائل بھی ہو جائے گی۔ اگرچہ اس کا علم رکھتے ہوں مگر محسوسات کو دیکھنے والی نگاہ موجود کو دیکھنے میں مشغول رہتی ہے۔

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ لذت تو فوراً زائل ہو جاتی ہے اور اس کا گناہ باقی رہ جاتا ہے کیونکہ اگر چور کو ہاتھ کے کٹ جانے کا تصور ہو جاتا تو چرایا جانے والا مال بے حیثیت ہو کر رہ جاتا۔

لہٰذا جس شخص نے مال کو جمع کیا اور خرچ نہیں کیا تو گویا کہ وہ اس کی حقیقت سے بے خبر ہے کیونکہ مال تو اپنی ضروریات کے حصول کا ذریعہ ہے خود مقصود نہیں ہے۔

اسی طرح جس نے کسی گناہ کو شہوت کی نگاہوں سے دیکھا تو گویا کہ اس نے گناہ کی حقیقت کو نہیں سمجھا کیونکہ اس میں وہ عیوب تو ہیں ہی جو تم جانتے ہو اس کے علاوہ اس کا نتیجہ آخرت کا عذاب اور دنیا کی رسوائی ہے۔

سب سے بڑی حسی شہوت شکم سیری ہے۔ ذرا اس پر نگاہ ڈالو کہ لقمہ حاصل کرنے کے لیے کھانا پکانا ضروری ہے اور کھانے کے حصول کے لیے زمین جوتنے کی ضرورت ہے اور زمین جوتنے کے لیے جتائی کے بیل ہونے چاہئیں جن کے ساتھ ہل ہو جو کہ لوہے اور لکڑی سے بنایا جاتا ہے اور اس کو بیلوں سے باندھنے کے لیے رسی بھی چاہیے۔

پھر "رسی" بنانے کے متعلق سوچو کہ پہلے "سن"[1] بویا جائے پھر اس کی چھال چھڑائی جائے اور رسی بٹی جائے۔ ایسے ہی "لوہا" کان سے نکلوایا جائے اور ڈھالا جائے۔ "لکڑی" اگائی جائے اور کاٹی جائے پھر "رہٹ" بنایا جائے اور اس سے پانی چلایا جائے پھر جا کر کھیتی تیار ہو گی۔

پھر کھیتی کا کاٹنا اس کی بھوسی چھڑانا "پیسنا" گوندھنا اور روٹی بنانا پھر "تنور" تیار کرنا اور جلانے کی لکڑیاں فراہم کرنا۔

اگر اس طرح غور کیا جائے تو بہت سے کام ابھی باقی ہیں۔ اسی وجہ سے تجربہ کاروں نے کہا ہے کہ "ایک لقمہ حاصل کرنے کے لیے تقریباً تین سو آدمیوں کے عمل کی ضرورت ہے۔"

اب جب لقمہ منہ میں ڈال لیا تو سوچو کہ اس کو کاٹنے کے لیے سامنے کے دانت بنائے گئے ہیں اور پیسنے کے لیے ڈاڑھ کے دانت، پھر گوندھنے کے لیے شیریں لعاب دہن اور

---

[1] سن ایک پودا ہے جس سے رسی بنائی جاتی ہے۔ مترجم

اُٹھنے بیٹھنے کے لیے زبان پھر منہ کے عضلات کچھ اس طرح ہیں کہ کچھ چڑھتے ہیں اور کچھ باقی رہتے ہیں جس کی وجہ سے لقمے کا نگلنا آسان ہو جاتا ہے۔

پھر وہ غذا آنت میں پہنچتا ہے تو آنت اس کو ہضم کر کے جگر کے پاس بھیجتی ہے جو اس کو پکاتا ہے

پھر جب خون بن جاتا ہے تو اس کا گاڑھا حصہ تلی کے پاس پہنچ جاتا ہے اور پتلا حصہ گردے کے پاس۔

پھر خون کا سب سے خالص اور سب سے صاف جز چھن کر جگر دماغ اور دل کے پاس آتا ہے

پھر اس میں سے سب سے عمدہ جو ہر فوطوں میں پہنچتا ہے جو آدمی کی پیدائش کیلئے تیار کیا گیا ہے

پھر جب شہوت کی آگ بھڑکتی ہے تو وہ نطفہ کو دیتا ہے جبکہ شریعت نے اس کی طہارت[1] کا حکم لگایا ہے اور حکم دیا کہ اس کے لیے رحم بھی پاک رہے۔ (دوسرے کے نطفہ سے ناپاک نہ ہو) اور وہ جگہ بھی پاک ہو جس سے عضو تناسل ملتا ہے (یعنی حیض و نفاس کے خون سے ناپاک نہ ہو) تب جا کر اس سے ایسا خوبصورت انسان پیدا ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ انسان نہایت قیمتی ہے

لہٰذا سوچو کہ ان حالات سے گزرنے کے بعد جن کو ہم شمار نہیں کر سکے صرف اشارہ کر دیا ہے۔ کیا یہ بہتر ہوگا کہ یہ نطفہ حرام جگہ میں خرچ کر دیا جائے یا ناپاک محل میں بے حرمتی کر کے ضائع کر دیا جائے؟

پھر یہ سوچو کہ زناکاری سے کیسے کیسے نقصانات ہیں کہ "ایک لمحہ کی لذت" ان کے سوا یہ حصہ کے بارے بھی نہیں ہو سکتی ہے۔ مثلاً لوگوں کے درمیان بے آبروئی اور پردہ کی تمام ستروں کا ایک دوسرے کے سامنے کھولنا اگر عورت شادی شدہ ہو تو اپنے مسلمان بھائی کی خیانت اور اس عورت کی بھی رسوائی جو اپنی بہن کی طرح ہے یا بیٹی کے برابر۔ پھر اگر حمل ٹھہر گیا اور عورت شادی شدہ تھی تو یہ حمل (قانون اسلامی کے مطابق) شوہر کی طرف منسوب ہوگا یا اس طرح اس زنا کار کی وجہ سے غیر مستحق میراث میں شریک ہو جائے گا اور مستحقین کا حصہ کم ہو جائے گا اور یہ سلسلہ ہمیشہ نسلاً بعد نسل چلتا ہی رہے گا۔ پھر ان سب کے ساتھ حق تعالیٰ کی ناراضگی تو معلوم ہی ہے۔ فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاۤءَ سَبِيْلًا۔

---

[1] "منی" حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ناپاک ہے جبکہ دوسرے بعض ائمہ کے نزدیک پاک ہے۔ حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ چونکہ شافعی ہیں اس لیے پاکی کے قائل ہیں۔ ۱۲ مترجم

"اور تم لوگ زنا کے قریب نہ جاؤ یقیناً وہ بے حیائی اور برا راستہ ہے۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما من ذنب بعد الشرک اعظم عند اللّٰہ تعالٰی من نطفۃ وضعھا رجل فی رحم لا تحل لہ.

"اللہ تعالٰی کے نزدیک شرک کے بعد اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے کہ آدمی ایسے رحم میں نطفہ داخل کرے جو اس کے لیے حلال نہ ہو۔"

جس شخص کو بھی فہم حاصل ہے وہ جانتا ہے کہ نطفہ سے مقصود مومن اور توحید پرست انسانوں کی پیدائش ہے۔ اگر شہوت نہ پیدا کی گئی ہوتی تو کبھی ہم بستری نہ ہوتی کیونکہ اس میں ایسے دو عضو آپس میں ملتے ہیں جو بدصورت اور قابل نفرت ہیں نہ ان کی صورت اچھی ہوتی ہے اور نہ ان کی بو خوشگوار

جب کہ شہوت یہ کرتی ہے کہ آنکھ پر پردہ ڈال دیتی ہے تا کہ اولاد کا سلسلہ جاری رہ سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہوت ایک وقتی چیز ہے۔

اب جو شخص اس کو حاصل کرے اور زنا کاری کے نقصانات سے غافل ہو جائے تو سمجھو لو کہ اس کی نگاہ شہوت کی حقیقت سے بے خبر ہے۔

شہوت کا ذکر بطور مثال کے تھا اسی پر کھانے پینے کی چیزوں اور مال اکٹھا کرنے کو قیاس کر لو۔

نقصان دہ چیزوں کی تخلیق کی حکمت

مجلس۔ ۱۔ اگر کوئی پوچھے کہ مضر چیزوں کی تخلیق میں کیا فائدہ ہے؟ تو اس کا اصل جواب یہ ہے کہ خالق کا حکیم ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ اب اگر کسی معاملہ میں حکمت سمجھ میں نہ آسکی تو بھی سر جھکائے رکھنا ضروری ہے۔

۲۔ پھر یہ سمجھو کہ دنیا کی اچھی نعمتیں کسی وجہ میں ان انعامات کا نمونہ ہیں جو بطور ثواب کے ملیں گی اور تکلیف دہ چیزیں عذابوں کا نمونہ ہیں۔

۳۔ یہ واقعہ ہے کہ دنیا میں جو چیزیں تکلیف دہ پیدا کی گئی ہیں ان میں بھی کچھ نہ کچھ نفع ضرور ہے۔ ایک طبیب سے کہا گیا کہ فلاں آدمی کہتا ہے کہ میں بچھو کی طرح ہوں کہ کوئی

نفع نہیں دیتا صرف نقصان پہنچاتا ہوں۔ طبیب نے کہا "کیسا کم فہم ہے؟ اگر بچھو کا پیٹ چاک کر کے اس کو ڈسے ہوئے حصے پر باندھ دیا جائے تو فائدہ ہو جاتا ہے"

اسی طرح بچھو کو مٹی کی ہانڈی میں رکھ کر اس کو ہر طرف سے بند کر دیا جائے پھر ہانڈی تنور میں رکھ دی جائے جب جل کر راکھ بن جائے تو اس راکھ سے نصف دانگ یا اس سے کچھ زائد مقدار پتھری کے مریض کو پلائی جائے پتھری ٹوٹ کر نکل جائے گی اور جسم کے کسی حصہ کو نقصان بھی نہیں پہنچے گا۔

اگر پرانے بخار کے مریض کو بچھو ڈنک مارے تو اس کا بخار ختم ہو جاتا ہے۔ ایک مفلوج آدمی کو بچھو نے ڈس لیا تو اس کا فالج ختم ہو گیا۔

اگر اس کو تیل میں ڈال کر رکھ دیا جائے۔ یہاں تک کہ اس کا اثر تیل میں منتقل ہو جائے تو وہ تیل ہر طرح کے تخت اور بڑے ورم کے لیے مفید ہے۔

غرض اس طرح کے بہت سے فوائد ہیں۔ اس لیے یہی کہا جاتا ہے کہ "جاہل جس چیز سے ناواقف ہوتا ہے اس کا دشمن ہو جاتا ہے۔" جاہل کا عالم پر اعتراض کرنا سب سے بڑی حماقت ہے۔

خدایا یہ تیرے پُراسرار بندے

مجلس۔ جب عقل و فہم معرفت کے سمندر کی گہرائی میں اتر جاتی ہے تو خالق کی عظمت و رفعت اور تخلیق کی لطافت کا ایسا مشاہدہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی محبت میں حیران ہو کر اپنی ثابت قدمی کھو بیٹھتی ہے۔

یہی وجہ تھی کہ بہت سے لوگوں پر محبت کا غلبہ ہوا تو مخلوق سے میل جول باقی رکھنے پر قادر نہ ہو سکے۔ بعض اپنے ورد کرنے سے رک گئے۔ بعض ایسے ہو گئے جو صرف اسی وقت سوتے تھے جب نیند سے مغلوب ہو جاتے تھے۔ بعض دیوانے ہو کر جنگلوں میں پھرنے لگے اور بعض نے اپنے جسم میں آگ لگا لی۔

ہائے کیا خوب ہے ان حضرات کا نشہ! اور کس قدر لذیذ ہے ان نشہ کی مستی! اور ہائے کیا خوب ہے ان کی حسرتوں اور قلق کی لذت! اور کتنی عمدہ ہے اس لذت کی سرمستی!

حضرت ابو عبیدہ خواص رحمۃ اللہ علیہ پر وجد کا غلبہ ہوتا تھا تو بازاروں میں چکراتے پھرتے تھے اور کہتے تھے "ہائے اس محبوب کے دیدار کا شوق! جو مجھ کو دیکھ رہا ہے اور میں اسے نہیں دیکھ پا رہا ہوں۔"

حضرت فتح بن شخرف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے "تیری زیارت کا شوق بہت دراز ہو چکا ہے اب جلدی اپنے پاس بلا لے۔"

حضرت قیس ابن الربیع رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ جیسے بغیر شراب ہی کے نشہ میں مست ہوں۔

حضرت ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے "حق تعالیٰ کی راہ میں بے وقعت ہونا دوسرے کی راہ میں وقار اور رتبہ پانے سے بہتر ہے۔"

تم ہی بتاؤ کیا تم نے کوئی ننگا احرام والوں سے زیادہ بہتر دیکھا ہے؟
اور تمہیں صوفیاء سے زیادہ بہتر لباس والا کوئی صاحب لباس نظر آیا؟
تم نے تہجد گزاروں کی نیند سے بہتر کوئی خمار دیکھا؟
تم کو غم میں ڈوبے ہوئے والوں کے نشہ سے اچھا کوئی نشہ نظر آیا؟
تم نے پچھتانے والوں کے آنسوؤں سے زیادہ صاف اور عمدہ کوئی پانی دیکھا؟
تم نے شکستہ دلوں کے سر کی طرح کوئی جھکا ہوا سر پایا؟
بھلا بتاؤ کیا زمین پر نمازیوں کی پیشانی سے بہتر کوئی چیز رکھی گئی؟

کیا نسیم سحر جو درختوں کے پتوں کو جھومتی ہے اس کی یہ تحریک سحر خیز عبادت گزاروں کے دامن کی حرکت کو پا سکتی ہے؟

کیا کوئی اٹھنے والی ہتھیلی اور پھیلنے والے ہاتھ دعا کے ہاتھ کے مشابہ ہو سکتے ہیں؟

کیا کوئی گانے اور لہو کی آوازوں میں اس قدر حرکت پیدا کر سکتی ہے جتنی اہل شوق کے گریہ و بکا سے پیدا ہوتی ہے؟

آخر جب کسی بھی مقصد کی تحصیل یا کسی بھی ضرورت کے حصول میں بے وقعتی گوارا کی جا سکتی ہے تو پھر ہر لطف کے دینے والے کی بندگی میں بے وقعت ہو جانا کیوں بہتر نہ ہو گا؟

آج کل کے لیڈر

مجلس... اکثر ایسے ہوتے ہیں جو دین کے احکام سے ناواقف اور دینی طور وطریق سے عاری ہوں۔ جب کوئی شخص اصل خلقت ہی کے اعتبار سے بدفہم ہو اور اس بدفہمی کے ساتھ اور تربیت بھی نہ پاسکا ہو جس سے طبیعت میں تہذیب اور فکر وسوچ میں ثقافت آتی ہے تو پھر اس سے کس طرح خیر کی امید کی جاسکتی ہے۔

عقل کی نشوونما کے لیے تعلیم، تربیت، مشق اور ریاضت چاہیے جیسے اعضاء کو کسی کام میں مہارت کے لیے مستقل مشق و تمرین کرائی جاتی ہے۔

اور عقل کا کام غور وفکر کرنا، ہر کام کے انجام پر نظر رکھنا اور موجود سے غائب پر استدلال کرنا ہے جب کہ یہ لوگ ہمیشہ کھانے سے پر رہتے ہیں اور معدہ کا پر رکھنا عقل کے لیے مضر ہے۔

پھر دیر تک سوتے ہیں اور جب اٹھتے بھی ہیں تو شراب کا شغل شروع کر دیتے ہیں۔

اس طرح عقل کے حصہ میں بیکاری آتی ہے اور اس کے اوپر پردہ سا پڑ جاتا ہے جس کی وجہ سے سارا نظام چوپٹ ہے۔

عوام سے ان کی فہم کے بقدر خطاب کرو

مجلس... بڑے خطرے کی بات ہے کہ عوام سے ایسی گفتگو کی جائے جس کا وہ تحمل نہ کرسکیں یا کوئی بات صاف صاف کہہ دی جائے جس کے خلاف ان کے دل میں راسخ ہوچکا ہو۔

مثلاً جن لوگوں کے دل میں یہ عقیدہ راسخ ہوچکے ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی ویسے ہی اعضاء ہیں جیسے انسانوں کے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات عرش سے متصل ہے اور عرش ہی کے بقدر لمبی چوڑی ہے صرف اس سے چار انگل زائد ہے اور یہ سب انہوں نے اپنے معتقدوں سے سنا ہو۔ اسی طرح ان کے نزدیک یہ بھی ثابت ہو کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول کرتے ہیں تو بقیہ چھ آسمان عرش سے خالی ہو جاتے ہیں تو جب ایسے لوگوں کو عقیدہ "تنزیہ"[1] کی طرف دعوت دی جائے گی اور کہا جائے گا کہ تمہارے خیالات و تصورات صحیح نہیں ہیں بلکہ تم یہ گمان کرو کہ اس

---

[1] اللہ تعالیٰ کے لیے انسان کے مشابہ اعضاء ثابت کرنا عقیدہ تشبیہ کہلاتا ہے اور اس کی ذات کو جسم سے، اعضاء سے اور تمام مشابہت سے پاک ماننا عقیدہ تنزیہ کہلاتا ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ "تنزیہ" کے قائل ہیں۔ ۱۲منہ

لہٰذا کامل مرد وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی رعایت کرے (اور حدود وہی ہیں جو اس نے بندوں پر فرض اور واجب کیا ہے) اور نیت میں اخلاص پیدا کرے اس طرح کہ اس کا قول اور فعل سب اللہ کے لیے خالص ہو جائے نہ اس میں مخلوق کا قصد شامل ہو نہ اپنی تعظیم کیے جانے کا خیال۔

چنانچہ بہت سے لوگ خشوع اس لیے کرتے ہیں تاکہ صوفی کہے جائیں۔ چپ اس لیے رہتے ہیں تاکہ اللہ سے خوفزدہ سمجھے جائیں اور دنیا کو اس لیے ترک کرتے ہیں تاکہ زاہد کہے جائیں۔

مخلص کی پہچان یہ ہے کہ وہ جلوت میں بھی ویسے ہی رہتا ہے جیسے خلوت میں بلکہ کبھی بے تکلف لوگوں کے درمیان ہنسنا بولنا شروع کر دیتا ہے تاکہ صوفی کا لقب ختم ہو جائے۔ چنانچہ حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ دن میں لوگوں کے درمیان خوب ہنستے بات کرتے تھے اور جب رات آتی تو اس طرح روتے کہ جیسے پورے گاؤں بھر کے قاتل ہوں۔

خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کسی شریک کو پسند نہیں کرتے اس لیے مخلص آدمی تو صرف اسی کی نیت کرتا ہے جب کہ ریاء کار لوگوں کی مدح کی نیت کر کے شرک کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

حالانکہ ریاء کار کا یہ مقصود اُلٹ جاتا ہے کیونکہ لوگوں کے دل اسی ذات کے قبضہ میں ہیں جس کے ساتھ شرک کیا گیا ہے تو وہ دلوں کو اس کی طرف مائل کرنے کے بجائے اس سے پھیر دیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہی شخص باتوفیق ہے جس کا تعلق باللہ باطنی ہو اور اعمال صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہوں بلکہ ایسے شخص سے لوگ بھی محبت کرنے لگتے ہیں۔ اگر چہ وہ ان کی پرواہ نہ کرے جیسا کہ ریاء کار سے لوگ نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اگر چہ وہ اپنی عبادت میں اضافہ کر لے۔

پھر یہ بھی سمجھ لو کہ ان اوصاف سے آراستہ مرد کامل، کسی بھی علمی کمال کی طلب سے باز نہیں رہتا اور کسی بھی عملی فضیلت سے کوتاہ نہیں رہنا چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے اپنے اوقات میں گنجائش سے زیادہ بھلائیاں جمع کرتا ہے اور دل میں اس عمل سے سستی نہیں آنے پاتی جس کا حساب کیا جا رہا ہے (اور بدلہ ملنے والا ہے) کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں مشغول ہے۔

یہ بھی ''جاہ پرستی'' ہے

مجلس.... میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ باوجود دینداری میں کوتاہ ہونے کے وصیت کرتے ہیں کہ ''جب ہم مر جائیں تو ہم کو امام احمد بن حنبلؒ کے مقبرہ میں دفن کرنا۔''

تم ہی بتاؤ کیا انہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرز عمل نہیں سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھاتے تھے جس پر کچھ قرض ہو یا جو مال غنیمت میں خیانت کرتا ہو اور آپ نے فرمایا کہ "میری نماز ایسے شخص کو فائدہ نہیں پہنچائے گی۔

جب کہ میں نے بہت سے علماء کو دیکھا جن کو شہرت کی خواہش نے اس پر آمادہ کیا کہ انہوں نے بادشاہ سے اجازت حاصل کی پھر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے چبوترے میں دفن کیے گئے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ اس چبوترے میں بہت سی بوسیدہ ہڈیاں تہہ بہ تہہ موجود ہیں اور ہر شخص جانتا تھا کہ اس طرح کی چیزوں سے قرب خداوندی کا کوئی تعلق نہیں ہے تو بتاؤ کہ آخر اپنے کو حقیر سمجھنے کی خصلت کہاں گئی؟ کیا انہوں نے سنا نہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ شریفہ میں دفن کر دیا جائے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ شرک کے علاوہ باقی ہر گناہ میں آلودہ ہو کر بارگاہ خداوندی میں حاضر ہونا مجھ کو زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میں اپنے آپ کو اس کا اہل سمجھوں!!

مگر بات یہ ہے کہ اب رسم و رواج اور حاصل خواہش ان پر غالب ہو گئی ہے اور علم صرف زبانوں پر رہ گیا ہے عمل سے کوئی تعلق نہیں رہا۔

پھر نتیجہ ایسی جماعت تک پہنچا جو بادشاہوں سے میل جول رکھتی اور ظلم کا ارتکاب کرتی ہے اس کے باوجود امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرہ میں دفن ہونے کی کوشش اور وصیت جاری ہے۔ کاش! وہ اس کی وصیت کرتے کہ مجھ کو خالی جگہ میں دفن کیا جائے' وہ تو مردوں میں دفن کیے جاتے ہیں۔

کل قیامت میں ان لوگوں کی ہڈیاں نکالی جائیں گی اور ان کے ظلم کے ساتھ ان کا حشر کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ وہ ظلم بھی شامل کیا جائے گا جو مرتے وقت ان سے صادر ہوا (دوسرے مردوں کی قبروں کو کھود کر خود دفن کیے جانے کی وصیت کرنا) حالانکہ یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ بھی ظالموں کے مددگاروں میں سے ہیں۔

تم بتاؤ کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ ظالم کا مددگار خود ظالم ہے؟ جبکہ حدیث شریف میں ہے: "کفٰی بالمرء خیانۃ ان یکون امینًا للخونہ" آدمی کے خائن ہونے کے لیے

کافی ہے کہ وہ اہل خیانت کا ساتھی ہو جائے۔

ایک جیل کے داروغہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیا میں بھی ظالموں کا مددگار ہوں؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم خود ظالم ہو ظالموں کے مددگار تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمہاری اس ملازمت میں مدد کی۔

حسد کی حقیقت

مجلس۔۔میں نے دیکھا کہ لوگ حاسد کی بہت زیادہ مذمت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حسد وہی شخص کر سکتا ہے جس کی فطرت میں شرارت ہو کیونکہ وہ اللہ کی نعمت سے دشمنی کر رہا ہے اس کے فیصلہ پر راضی نہیں ہے اور اپنے مسلمان بھائی سے بخل سے کام لیتا ہے۔ جب اس پر غور کیا تو یہ سمجھ میں آیا کہ لوگوں کا خیال درست نہیں ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ انسان اس کو نہیں پسند کرتا ہے کہ دوسرا اس سے اوپر اٹھ جائے اس لیے جب کسی دوست کو دیکھتا ہے کہ وہ اس سے اوپر جا رہا ہے تو متاثر ہو کر نہیں چاہتا کہ وہ اوپر جا سکے بلکہ خواہش کرنے لگتا ہے کہ کاش یا میرے دوست کو یہ مرتبہ نہ ملتا یا میں بھی یہ مرتبہ پا جاتا تا کہ اس کو بلندی نہ حاصل ہو سکے۔ یہ جذبہ انسان کی خمیر اور فطرت میں داخل ہے اس لیے اس پر کوئی ملامت بھی نہیں ہے۔

ملامت کی بات یہ ہے کہ قول یا فعل کے ذریعے اس کے تقاضا پر عمل کر بیٹھے۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ حقیقت صرف میری ہی جستجو اور غور و فکر کا نتیجہ ہے لیکن پھر میں نے دیکھا کہ حضرت حسن بصریؒ مجھ سے پہلے ہی یہ بات فرما چکے ہیں۔

چنانچہ ہم کو عبدالخالق بن عبدالصمد نے ابن المنتو (المخلص) البغوی ابوروح خالد ابن الحسین کے واسطوں سے خبر دی کہ ہشام نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے آپ نے فرمایا "کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ حسد نہ پیدا کیا گیا ہو۔

دراصل یہ کہ جو شخص قول یا فعل کے ذریعے حد سے آگے نہ بڑھے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

زیادہ نکاح کے نقصانات

مجلس۔۔انسان کو سب سے زیادہ نقصان عورتوں کی کثرت سے پہنچتا ہے جس میں

سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ ان کی محبت میں گرفتار ہو کر قلبی سکون کھو بیٹھتا ہے اسی طرح ان کی دلجوئی آپس کی جنگ اور خرچ کے مطالبہ سے بھی فکر منتشر ہو جاتی ہے اور یہ بھی خطرہ ہے کہ کوئی ایک عورت اس کو ناپسند کرکے کسی دوسرے کی طرف میلان رکھنے لگے جس کی وجہ سے اس کو قتل کرکے چھٹکارا حاصل کرنا چاہے۔

اگر فرض کر لو کہ ان سب چیزوں سے بچ بھی جائے تو بھی اتنی عورتوں کے لیے کمانے کی فکر سے کیسے بچے گا؟ اور اگر اس سے بھی بچ جائے تو سب سے یا کسی ایک سے اکتا جانے سے تو نہیں بچ سکتا ہے۔

پھر طبیعت میں ان کے علاوہ ایک عورت کی طلب پیدا ہو جاتی ہے جس پر قدرت نہ ہوتی کہ اگر کوئی انسان شہر بغداد کی تمام عورتوں کو قبضہ میں کر لے پھر کوئی نقاب پوش عورت دوسرے شہر سے آوے تو اس کو یہی خیال ہوگا کہ شاید اس عورت کے پاس وہ لذت ہو جو ان سب عورتوں میں نہیں ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ "جدت میں لذت ہے" (یعنی ہر نئی چیز لذیذ ہوتی ہے) حالانکہ بہت سی پوشیدہ چیز جب کھلتی ہے تو رسوائی ہی سامنے آتی ہے۔

اور اگر یہ بھی مان لو کہ ہر نقصان سے محفوظ رہ گیا تو پھر یہ ہوگا کہ ہمبستری کی کثرت کی وجہ سے بدن کو ضعیف کر لے گا۔ لہٰذا اس کی یہ طلب لذت اس کو ہمیشہ کی لطف اندوزی سے محروم کر دے گی۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ "بعض لقمے بہت سے لقموں سے محروم کر دیتے ہیں" اور "بعض لذتیں بہت سی لذتوں سے محرومی کا سبب ہو جاتی ہیں۔"

اس لیے سمجھدار وہی ہے جو ایک ایسی بیوی پر اکتفاء کرے جو اس کی غرض کے موافق ہو۔ اگرچہ کوئی عورت ایسی نہیں ہو سکتی جس میں کوئی نہ کوئی صفت ناپسندیدہ نہ ہو مگر اعتبار غالب کا ہوتا ہے لہٰذا اکثر اوصاف میں اچھی عورت کی کوئی ایک خراب عادت برداشت کر لی جاتی ہے اور (عورت کے انتخاب میں) خوبصورتی سے پہلے دینداری دیکھنی چاہیے کیونکہ جس عورت میں دین کم ہوتا ہے اس سے کوئی شریف آدمی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

معمر آدمی کو جو چیز بہت جلد ہلاک کرتی ہے وہ "ہمبستری" ہے۔ لہٰذا اپنی خواہش نفس کے ابھار اور اپنے اعضاء کی ظاہری قوت سے دھوکہ نہ کھائے کیونکہ اب جو طاقت

خرچ ہوگی اس کا بدن نہیں حاصل ہو سکے۔ لہٰذا حرکت اور شہوت سے دور ہو کر بیٹھی نہ پڑے اور
اگر زندگی کی خواہش ہو تو عورتوں کے قریب نہ جائے۔

عقل اور حماقت کی پہچان

مجلس.... جب تم کسی کو اصل خلقت کے اعتبار سے کم عقل اور احمق دیکھو تو اس
سے کسی بھلائی کی امید نہ رکھو ہاں اگر عقل تو پوری رکھتا ہو لیکن خواہشات سے مغلوب ہو گیا
ہو تو اس سے امید کی جا سکتی ہے۔

اس کی علامت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص معاملات میں تدبیر کرتا ہو پھر جب کوئی بے حیائی کا کام
کر بیٹھے تو لوگوں سے چھپتا ہو کبھی کبھی اپنے حال کو سوچتا اور اپنی نگرانی کرتا ہو نصیحت کے وقت
روتا ہو اور بزرگوں کا احترام کرتا ہو تو یہ ایسا عقلمند ہے جو خواہشات سے مغلوب ہو گیا ہے۔

اور جب بھی ندامت کی وجہ سے بیدار ہو گا تو اس کی خواہشات کا شیطان دب جائے
گا اور عقل کا فرشتہ چھا جائے گا۔

اور اگر کوئی شخص فطرتاً کم عقل ہو جس کی علامت یہ ہے کہ دنیوی یا اخروی کسی بھی
انجام پر نگاہ نہ ڈالتا ہو کسی بے حیائی میں مبتلا دیکھ لیے جانے سے شرماتا نہ ہو اور اپنے دنیوی
امور کا انتظام نہ کر پاتا ہو تو پھر اس سے کوئی امید نہیں کی جا سکتی کم ہی ایسا ہو پاتا ہے کہ اس
طرح کے لوگ کامیاب ہو سکیں۔

جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی عقل پر خواہشات پردہ ڈالے رکھتی ہیں اور تھوڑی دیر کے
لیے کھول دیتی ہیں تو انسان ہوش میں آ جاتا ہے۔ لہٰذا ان کی مثال ایسی ہے جیسے مرگی زدہ جو
کسی وقت افاقہ میں رہتا ہے۔

پیش بینی

مجلس... جس چیز کا آئندہ واقع ہونا ممکن ہو اس سے احتیاط کرنی چاہیے یہ ندیکھے
کہ عام طور پر تو لوگ محفوظ ہیں۔

ہم نے کتنوں کو دیکھا کہ اپنے گھوڑوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے جس سے کشتی

ڈگمگائی اور سب لوگ ڈوب گئے حالانکہ اس صورت میں عام طور پر سلامتی ہی رہتی ہے۔

ایسے ہی انسان کو چاہیے کہ اپنے خرچ کا اندازہ مقرر کر لے۔ اگرچہ دنیا خوب فراوانی کے ساتھ حاصل ہو رہی ہو کیونکہ ممکن ہے کہ (کسی حادثہ کی وجہ سے) یہ آمدنی ختم ہو جائے جبکہ ضروریات کو پورا کرنا لابدی ہے۔ اب جس شخص نے فراخی کے وقت میں فضول خرچی کی ہوگی جب اس پر تنگی کا وقت آئے گا تو کوئی بعید نہیں کہ ناجائز راستوں پر پڑ جائے یا لوگوں سے مانگنے پر مجبور ہو جائے۔

ایسے ہی جو شخص عافیت میں ہو وہ بیماری کے لیے تیاری رکھے اور جو طاقت ور جوان ہو وہ بڑھاپے کے لیے تیاری کر لے۔

حاصل یہ کہ انجام پر نگاہ رکھنا اور ہر طرح ہر معاملے سے احتیاط کرنا عقل مندوں کی شان ہے اور صرف موجودہ حالت کو نگاہ میں رکھنا نادان احمقوں کی حالت ہے مثلاً یہ کہ اپنے کو تندرست دیکھ کر بیماری کو بھولا رہنا یا مالدار ہو تو فقر سے غافل رہنا یا فوری لذت میں مشغول ہو کر اس کے برے نتائج کو نہ یاد رکھنا وغیرہ۔

عقل کا کام ہی یہی ہے کہ انجام پر نگاہ رکھے اور سیدھی راہ عمل اختیار کرے۔

مومن مایوس نہیں ہوتا

مجلس۔ مومن کا ایمان آزمائش کے وقت ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس وقت خوب دعائیں کرتا ہے لیکن قبولیت کا اثر نہیں دیکھتا تو اس یقین کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ مصلحتوں سے زیادہ واقف ہیں نہ اس کی امید ختم ہوتی ہے اور نہ تمنا میں فرق آتا ہے۔ اگرچہ مایوسی کے اسباب بہت قوی ہوں۔

وہ یہ سوچتا ہے کہ مجھ سے صبر یا ایمان کا امتحان مقصود ہے جس ذات نے اس آزمائش کا فیصلہ کیا ہے وہ مجھ سے یا تو صبر کا امتحان کرنے کے لیے تسلیم و رضا دیکھنا چاہتا ہے یا (ایمان کا امتحان کرنے کے لیے) اپنے دربار میں دعا اور فریاد کی کثرت دیکھنا چاہتا ہے۔

رہا وہ شخص جو چاہتا ہے کہ قبولیت فوراً ظاہر ہو اور اگر نہ ظاہر ہو تو اللہ تعالیٰ پر بگڑنے اور

ناراض ہونے لگے تو اس کا ایمان کمزور ہے۔ سمجھتا ہے کہ قبولیت میرا حق ہے جو خدا پر لازم ہے یعنی گویا کہ وہ اپنے اعمال کی مزدوری کا تقاضا کر رہا ہے۔

کیا تم نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا قصہ نہیں سنا کہ اسی (۸۰) سال تک آزمائش میں رہنے کے باوجود ان کی امید میں فرق نہیں آیا۔ پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد "بنیامین" بھی کھو گئے تو بھی ان کی امید میں کوئی تغیر نہ ہوسکا اور فرمایا: "عسی اللہ ان یاتینی بھم جمیعا" امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس پہنچاویں گے اس مضمون کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔ فرمایا:

"ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم الباساء والضراء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین آمنوا معہ متی نصر اللہ الا ان نصر اللہ قریب۔"

(کیا تم نے یہ گمان باندھ رکھا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے جبکہ ابھی تم کو وہ حالات نہیں پیش آئے جو تم سے پہلے والوں کو پہنچے ان کو پکڑ لیا فقر اور تنگی نے اور وہ جھنجوڑ دیئے گئے یہاں تک کہ رسول اور ان کے ساتھ کے مومنین کہنے لگے کہ اب کب آوے گی اللہ کی مدد سن لو کہ اللہ کی مدد قریب ہے)

ظاہر ہے یہ بات یقینی ہے کہ رسول اور مومنین سے یہ جملہ اسی وقت صادر ہوا ہوگا جبکہ آزمائش کا زمانہ بہت طویل ہو کر کشادگی سے مایوسی ہونے لگی ہوگی۔ اسی وجہ سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لایزال العبد بخیر مالم یستعجل" بندہ اس وقت تک خیر میں رہتا ہے جب تک جلد بازی نہ کرے پوچھا گیا کہ "جلد بازی کیا ہے؟ فرمایا: "یقول دعوت فلم یستجب لی" کہنے لگے کہ میں نے دعا کی مگر قبول نہیں ہوئی۔

لہٰذا خبردار! مصیبت کی مدت کو دراز دیکھ کر گھبرا مت جاؤ اور دعا کی کثرت کے بعد چیخ و پکار نہ کرنے لگو کیونکہ مصیبت کے ذریعے تم کو آزمایا جارہا ہے جبکہ تم کو صبر و

دعا کی عبادت کی توفیق بھی دی جارہی ہے اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اگرچہ مصیبت کا زمانہ طویل تر ہو جائے۔

لمحہ کی خطا' صدیوں کی سزا

مجلس... سوچا کہ آخر جہنم میں داخل ہونے کی وجہ کیا ہوگی؟ تو یاد آیا کہ گناہ ہی اس کا ذریعہ بنیں گے پھر گناہوں پر غور کیا تو اندازہ ہوا کہ (اکثر گناہ) لذتوں کی طلب میں ہوتے ہیں۔ پھر لذتوں کے متعلق سوچا تو یہ سمجھ میں آیا کہ لذتیں کچھ بھی نہیں ہیں صرف ایک دھوکہ ہے جبکہ ان کے اندر ایسی کدورتیں بھی شامل ہیں جو ان کو گھٹن اور تکلیف بنا کر لذت سے خارج کر دیتی ہیں۔

تو بتاؤ کہ پھر ایک سمجھدار آدمی کیسے اپنے نفس کی پیروی کر کے ان تکلیف دہ کدورتوں کی وجہ سے (جن کو لوگ لذت سمجھتے ہیں) جہنم میں جانے کو پسند کر سکتا ہے؟

چنانچہ ایک لذت "زنا کاری ہے" اب یہ سمجھو کہ اس سے مقصود نطفہ کا استفراغ ہے تو اس کو (حلال طریقہ سے) حلال جگہ میں استعمال کرو اور اگر معشوق کا قرب مقصود ہے تو نفس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ محبوب کبھی جدا نہ ہو بلکہ ہمیشہ ساتھ رہے اس لئے اس کو نکاح کے ذریعے خرید کر اپنے قبضہ میں کرتا ہے پھر جو نہی محبوب پر قبضہ ہوتا ہے طبیعت اکتا جاتی ہے اور اگر تھوڑی دیر کی قربت ہو کر جدائی ہو جائے تو فراق کی حسرت قرب کی لذت سے بڑھ جاتی ہے

اور کہیں اگر زنا کاری سے اولاد ہوگئی تو ہمیشہ کی رسوائی' سخت سزا اور خالق و مخلوق سے شرمندگی اور ندامت کی مقدر ہے۔

یقینا جو شخص جاہل ہے وہ اپنی غرض کے حصول میں صرف لذت پر نگاہ رکھتا ہے دنیا و آخرت کو برباد کر دینے والی تلخیوں کو بھولا رہتا ہے۔

اسی طرح شراب پینے میں بھی لذت ہے مگر دیکھو کہ اس سے حد اور کپڑا ناپاک ہو جاتا ہے عقل دور چلی جاتی ہے اور خالق کے نزدیک اس کی تاثیرات تو معلوم ہی ہیں۔

لہذا اس شخص پر بہت تعجب ہے جو ایسی لذت کو اختیار کرے جس کا ثمرہ عذاب اور سب

دشمنی ہو بلکہ جو کبھی غصہ کی حالت میں قتل تک پہنچا دے۔

ابھی پر تمام لذات کو قیاس کر لو کیونکہ جب بھی ان لذتوں کو عقل کی ترازو پر تولا جائے گا تو وہ اپنی دنیاوی اور اخروی قباحتوں کے سویں حصہ کے برابر بھی نہ ٹک سکیں گی۔ پھر یہ بھی تو سوچو کہ یہ لذات اپنی ذات میں کچھ زیادہ بھی تو نہیں پھر آخر کیسے ان کے عوض آخرت کی لذات کو بیچ دیا جائے؟

بڑی پاکیزہ ہے وہ ذات جس نے کچھ لوگوں پر انعام فرمایا کہ جب بھی ان کے سامنے کوئی لذت ابھرتی ہے فوراً عقل کی ترازو قائم کر دیتے ہیں۔ پھر سوچتے ہیں کہ نتائج کیا ہوں گے؟ اور غور کرتے ہیں کہ اس کو چھوڑ دینے پر کیا ثمرات مرتب ہوں گے؟ پھر زیادہ بہتر نتیجہ والی صورت کو اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی طرح کچھ لوگوں کو رسوا کیا جس کی وجہ سے وہ ظاہری صورت کو دیکھ کر اس کے برے نتائج کو بھول جاتے ہیں۔

پھر یہ بات عجیب سی ہے کہ ہم ایک نوجوان کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی بیوی سے محض اس لیے دور رہتا ہے تاکہ (طاقت محفوظ رہے) پھر گھوڑ دوڑ کے مقابلہ میں تیز دوڑ سکے اور اس کو "سابق" کا خطاب مل جائے جس کا حاصل یہ ہوا کہ وہ اپنی خواہش کو اس سے بلند تر جنس مدح کے حصول کے لیے مغلوب کر دیتا ہے تو آخر تم آخرت کی مدح حاصل کرنے کے لیے حرام کاموں کو کیوں کر نہیں چھوڑ دیتے؟

پھر حاصل ہو کر ختم ہو جانے والی لذتوں کو سوچو اور اس کا اندازہ لگاؤ کہ وہ تم کو حاصل ہوئیں پھر بے حیثیت ہو کر ختم ہو گئیں اور تم ان کی تکلیفوں سے چھٹکارا بھی پا گئے تو اب اس وقت تم کو دوسرے کے مقابلے میں کیا حاصل ہے؟ بھلا سوچو کہ اس عالم کا تعب کہاں ہے جس نے پچاس سال تک علم حاصل کیا؟ تعب تو رخصت ہو گیا اور علم حاصل ہو گیا اور دیکھو کہ بدکار کی لذت کہاں ہے؟ وہاں صرف لذت تو رخصت ہو گئی بے عزتی اور ندامت کے سوا کچھ باقی نہیں رہا ہے۔

نفس کی پیروی ہلاکت اور عقل کی پیروی نجات ہے

مجلس:- جو شخص محسوسات کے تقاضوں پر رہا وہ ہلاک ہوا اور جس نے عقل کی پیروی کی وہ کامران ہو گیا۔

وجہ یہ ہے کہ حس کی نگاہ صرف موجود یعنی دنیا پر پڑتی ہے جبکہ عقل مخلوق کو دیکھ کر خالق

کے وجود کا یقین کرتی ہے اور سمجھتی ہے کہ اسی نے منع کیا ہے اسی نے مباح کیا ہے اسی نے اجازت دی ہے اور اسی نے حرام کیا ہے اور اسی نے یہ خبر بھی دی ہے کہ میں تم سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال کروں گا اور تمہارا امتحان لوں گا تاکہ میری فرمانبرداری میں اپنی خواہشات کو ترک کرنے سے میرے وجود کی دلیل ظاہر ہو جائے۔ یقیناً میں نے تمہارے لیے اس دنیا کے علاوہ ایک گھر بنا رکھا ہے جس میں فرمانبرداروں کو اچھا بدلہ اور نافرمانبرداروں کو سزا دی جائے گی۔

پھر اگر حس اور خواہش نفس کو ان کی اغراض کے ساتھ یونہی چھوڑ دیا جاتا تو معاملہ بگڑا ہوتا مگر یہاں تو زنا کا ارتکاب کرتا ہے تو کوڑا لگایا جاتا ہے شراب پی لے تو سزا دی جاتی ہے چوری کرے تو ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور اگر کوئی ذلت کا کام کرلے تو سب کے سامنے رسوا بھی ہو جاتا ہے اسی طرح اگر کوئی علم سے بے رخی کرکے بے کاری اختیار کرلے تو ہمیشہ ندامت دامن گیر رہتی ہے۔

پھر ہم بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں جنہوں نے اپنی عقل کے تقاضا پر عمل کیا تو ان کی دنیا اور آخرت دونوں محفوظ رہیں لوگوں کے درمیان تعظیم کا امتیاز بھی حاصل ہوا اور لذتوں کے اعتبار سے ان کی زندگی مجبور خواہش پرستوں کی زندگی سے بہتر ہی ہوتی ہے۔

لہذا جو کچھ میں نے عرض کیا اصحاب فہم کو چاہیے کہ اس کو سمجھیں اور "رہبر عقل" کے تقاضوں پر عمل کریں تاکہ محفوظ رہیں۔

ہم بستری میں احتیاط

مجلس:۔ اس شخص پر تعجب ہے جو خواہشات کو ترجیح دیئے ہوئے ہے۔ قرآن وحدیث سے قطع نظر کیا ان خواہشات کی حقیقت کو خود اپنی عقل سے نہیں سوچتا ہے؟

اس میں کوئی کلام نہیں کہ حسی لذتوں میں سب سے بڑی لذت ہمبستری ہے اب اس کی حقیقت دیکھو کہ خوبصورت عورت کا کمال تھوڑے ہی دن تک رہتا ہے کیونکہ تیس تک پہنچنے کے بعد ادرار وغیرہ کے حالات اس پر اثر انداز ہو جاتے ہیں بلکہ کبھی سر کے بال بھی سفید

ہو جاتے ہیں تو آدمی کو نفرت ہو جاتی ہے اور کبھی پہنچتے ہی اکتاہٹ ہو جاتی ہے کیونکہ کچھ دن رہن سہن کے بعد عیوب کھلنے لگتے ہیں۔

دنیاوی عورتوں کے عیب کے سلسلے میں یہ آیت نہایت جامع ہے فرمایا: "لهم فيها ازواج مطهرة" جنت میں اہل جنت کو پاکیزہ بیویاں ملیں گی (معلوم ہوا کہ دنیا کی عورتیں پاکیزہ نہیں ہوتی ہیں) اگر کوئی شخص ایسے جسم کے بارے میں سوچے جو نجاست سے بھرا ہوا ہو تو کبھی اس کو لپٹانا گوارا نہ کرے مگر وجہ یہ ہے کہ شہوت فکر کی نگاہ پر پردہ ڈال دیتی ہے۔

بڑا سمجھدار وہی ہے جس نے تمام لذتوں کو چھوڑ کر اپنے دین اور شرافت کی حفاظت کی خاطر جنگ میں اپنی قوت کو بچا کر اس کو علم و فن کے درجات کے حصول میں لگا دیا اپنی زندگی کو تاہ کرنے کی کوشش نہیں کی اور دل میں کسی ایسی چیز کی محبت سے انتشار پیدا نہیں کیا جس کا انجام پچھتانا ہو۔

مالي هواد بحكم من مهجتي عوض ان مت شوقا ولا فيها لها ثمن

اگر میں شوق میں جان دے دوں تو لوگوں کے پاس میری جان کا عوض اور قیمت موجود نہیں ہے ہم نے کتنے عمر رسیدہ لوگوں کو دیکھا کہ ہم بستری کی خواہش سے مغلوب ہو گئے تو ان کی عمر کی عمارت منہدم ہو گئی اور بہت جلد ہلاک ہو گئے۔

جبکہ بعض سمجھداروں کو دیکھا کہ اپنے آپ کو اس آزمائش سے بچا لیا اور صرف ضرورت ہی کے وقت ہم بستری کی تو ان کے بالوں کی سیاہی اور جسم کی قوت محفوظ رہی جس کی وجہ سے دنیوی زندگی کا لطف بھی حاصل ہوا اور بہت سے درجات بھی حاصل کرنے کا موقع مل گیا اور جب لوگوں نے ان کے عزم کی قوت کو دیکھ لیا تو پھر ان سے ایسی چیز کا مطالبہ نہیں کر سکے جو ان کے لیے نقصان دہ ہوتی۔

خواب میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی حقیقت

مجلس: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد "من رآني في المنام فقد رآني" (جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا تو واقعی اس نے مجھ کو ہی دیکھا) کا مطلب بہت سے حضرات کی سمجھ میں نہ آسکا اس لیے کہہ دیا کہ

"حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ حقیقت میں آپ کی ذات نظر آتی ہے"

حالانکہ کوئی آپ کو بوڑھا کوئی جوان کوئی بیمار اور کوئی صحت مند دیکھتا ہے اس لیے صحیح جواب یہ ہے کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ جسد مبارک جو مدینہ میں موجود ہے قبر سے نکل کر اس جگہ پہنچتا ہے جہاں آپ کو دیکھا گیا تو ایسی جہالت ہے جس کی کوئی نظیر نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ایک وقت میں ہزار جگہوں میں مختلف صورتوں میں ہزاروں افراد دیکھتے ہیں تو پھر ایک ہی شخص کے متعلق یہ چیز کیسے ممکن ہو سکتی ہے؟ لہذا آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مثالیہ دیکھتا ہے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو نہیں۔

تو اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد "من رآنی فقد رآنی" کا مطلب یہ ہوا کہ جس نے مجھ کو دیکھا تو یقینا اس نے میری ہی اس صورت مثالیہ کو دیکھا جس کو وہ صحیح سمجھتا ہے اور جس سے فائدہ مطلوب حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ پھر اللہ تعالی کی زیارت کے متعلق کیا کہتے ہو؟ تو ہم کہیں گے کہ اس کی تو صورت مثالیہ بھی نہیں بلکہ ایک مثال نظر آتی ہے کیونکہ مثال کے لیے برابری اور مشابہت ضروری نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن کی اور اس سے انتفاع کی مثال دیتے ہوئے فرمایا "انزل من السماء ماء فسالت اودیة بقدرھا" آسمان سے پانی اتارا جس سے وادیاں اپنے اندازے کے مطابق بہہ پڑیں۔

اور اس کی وضاحت اس سے بھی ہوتی ہے کہ جس نے بھی حق تعالی کو دیکھا اس نے ایک مخصوص ہیئت پر دیکھا حالانکہ اللہ تعالی کسی ہیئت سے پاک ہیں وہ تو ایسی ذات ہے (جو پورے عالم پر محیط ہے) لہذا جو کچھ ہم نے کہا ہے وہ بات واضح ہو گئی۔

طالبان علم حدیث کیلئے ضروری تنبیہات

مجلس۔۔خوب سمجھ لو کہ اگر عمر میں وسعت ہوتی تو میں ہر علم کی انتہا تک پہنچنے کی کوشش کو منع کرتا مگر عمر مختصر ہے اور علوم بے انتہا۔

لہذا حفظ قرآن کے بعد فن قرأت میں "قرأت عشرہ" مشہورہ پر اکتفا کرے (قرأت شاذہ کے پیچھے نہ پڑے)

اور فن حدیث میں جوامع، سنن اور مسانید و مصنفات پر اکتفا کرے کیونکہ حدیث کے علوم حد سے زیادہ مشکل ہو چکے ہیں جبکہ متن روایات محدود ہیں اور اختلاف زیادہ تر طرق میں ہے۔

علم حدیث کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے ایک فن کا دوسرے فن سے تعلق ہے اور سب کے حاصل کرنے کی خواہش بھی ہوتی ہے اس لیے فقہا ان کو "علم الکسالی" (کاہلوں یا سستوں کا علم) کہتے ہیں کیونکہ حدیث کے طلبہ صرف لکھنے اور سننے سے مطلب رکھتے ہیں، حفظ کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک اہم اور مشکل فن فقہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔

حالانکہ پہلے زمانے میں محدثین فقیہ بھی ہوتے تھے مگر اب ایسا زمانہ ہے کہ فقہا حدیث نہیں جانتے اور محدثین فقہ سے ناواقف ہیں۔ لہٰذا جو شخص ہمت بلند رکھتا ہو اور اپنی بھلائی کا طالب ہو اس کو چاہیے کہ ہر علم کے ضروری حصہ کو حاصل کرے پھر اپنا سب سے اہم مشغلہ فقہ کو بنائے کیونکہ وہ سب سے بڑا اور سب سے اہم علم ہے۔

حضرت ابوزرعہ رازی نے فرمایا کہ میرے پاس "ابوثور" نے لکھا کہ اس روایت کو اٹھانوے حضرات نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے جبکہ میرے پاس یہ روایت صحیح سند سے صرف چند طرق سے پہنچی ہے کیونکہ غیر صحیح سندوں میں مشغول ہونا اہم چیزوں کی مشغولی سے محروم کر دیتا ہے ہاں اگر عمر میں وسعت ہوتی تو تمام حدیثوں کی تمام سندوں کا حاصل کرنا بہت بہتر ہوتا مگر افسوس کہ عمر مختصر ہے۔

جب کوئی شخص "یحییٰ ابن معین" کی طرح طرق روایات میں مشغول رہے گا تو فقہ سے محروم ہو جائے گا۔ چنانچہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا حائضہ عورت مردہ کو غسل دے سکتی ہے؟ تو جواب نہ دے سکے جب "ابوثور" آئے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں جائز ہے اس لیے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ میں بحالت حیض حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں کنگھی کیا کرتی تھی۔

دیکھو! یحییٰ ابن معین اگرچہ ابوثور سے زیادہ علم حدیث کے ماہر ہیں مگر فہم کا استعمال نہ کر سکے۔ اسی لیے میں علم حدیث کے طالبعلموں سے کہتا ہوں کہ خبردار! طرق روایات کی کثرت تم کو فقہ سے روک دے۔

"بدترین بات یہ ہے کہ کسی پیش آمدہ مسئلہ میں ایسے شخص سے جس نے ساٹھ سال تک حدیثیں لکھی اور سنی ہوں مسئلہ پوچھا جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نہ سمجھ سکے۔"

اسی طرح میں تصوف اور خلوت نشینی اختیار کرنے والے کو علم سے بے رغبتی کرنے سے منع کرتا ہوں بلکہ اس کو کچھ علم بھی حاصل کر لینا چاہیے تاکہ لغزش کے وقت چھٹکارا پانے کی صورت سمجھ سکے۔

غذا میں اعتدال

مجلس… اللہ تعالیٰ کی معرفت اسی کو حاصل ہوتی ہے جس کی عقل کامل اور مزاج صحیح ہو اور محبت میں ترقی کے لیے بھی ان چیزوں کی ضرورت ہے۔

جبکہ کچھ لوگ ایسے ہوئے کہ ان کی عقل کم اور مزاج فاسد تھے اس لیے انہوں نے خراب اور کم غذا استعمال کی جس سے کچھ فاسد خیالات پیدا ہوئے تو حق تعالیٰ کی معرفت اور محبت کا دعویٰ کر دیا جبکہ ان کے پاس اتنا علم بھی نہیں تھا جو انہیں اس طرح کے دعوؤں سے روکتا لہٰذا ہلاک ہو گئے۔ اس لیے مومن پر واجب ہے کہ اپنے بدن کے حقوق کی رعایت کرے اور اچھی غذائیں منتخب کرے۔

یہ سمجھ لو کہ بعض غذائیں ایسی ہوتی ہیں جو عقل کو فاسد کر دیتی ہیں بعض سودا کو بڑھا دیتی ہیں جس سے مالیخولیا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مالیخولیا کے مریض کو دیکھو گے کہ خلوت پسند کرنے لگتا ہے لوگوں سے بھاگنے لگتا ہے بلکہ کبھی غذا میں تقلیل کر دیتا ہے تو مرض بڑھ جاتا ہے پھر ایسے خیالات و تصورات ابھرنے لگتے ہیں جن کو وہ سچے مشاہدات سمجھتا ہے۔

چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا ہے اور بعض کو بغیر کسی خاص بنیاد کے دعویٰ محبت اور مقام عشق کا وہم ہو جاتا ہے۔

جبکہ سمجھدار عالم راہ سلوک میں اپنے دو ساتھی علم اور عقل کے ساتھ سفر کرتا ہے کہ اگر کھانے میں کمی کی بھی تو عقل کے فیصلے سے جس کی حد یہ ہے کہ ضرورت نہ ہو یا مشتبہ غذا کو چھوڑتا ہے یا نفس کی عادت بگڑ جانے کے اندیشے سے کمی کرتا ہے کیونکہ قدرت کے باوجود

(اور ہر ضرورت سے حفاظت کے ساتھ) ہٹ یا دوری کرنا شعقل کی بات ہے شریعت کی اتباع اگر فقر اور احتیاج ہو تو مجبوراً تقلیل کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

جس نے بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے حالات پر غور کیا وہ دیکھے گا کہ یہ حضرات ایک خاص مقدار میں غذا حاصل کرتے تھے اور جسم کے لیے مفید غذاؤں کو چھوڑتے نہیں تھے۔ بلاشبہ کس قدر عمدہ اور کتنا معتدل ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ:

"ثلث طعام، ثلث شراب و ثلث نفس" (تہائی حصہ کھانا، تہائی حصہ پانی اور تہائی حصہ سانس) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جبکہ آپ بیمار تھے۔ فرمایا: "اصب من هذا الطعام فهو اوفق لک من هذا" تم یہ کھاؤ کیونکہ یہ تم کو اس سے زیادہ موافق ہے۔

اور خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم طبیبوں سے مشورہ لیتے تھے پچھنا لگواتے تھے علاج پر ابھارتے تھے اور فرماتے تھے: "ما انزل الله داء الا و انزل له شفاء فتداووا" (اللہ تعالیٰ نے جو بیماری بھی اتاری تو اس کے لیے دوا بھی ضرور نازل فرمائی ہے لہٰذا تم لوگ علاج کراؤ)

پھر کچھ لوگ پیدا ہوئے جو علم سے جاہل اور جسموں کی عادات کے متعلق حکمت سے ناواقف تھے تو ان میں سے بعضوں نے پہاڑوں میں اقامت اختیار کی اور صرف مباح پھل کھانا شروع کیا جس کی وجہ سے ان کو قولنج کا مرض ہو گیا بعض نے کھانے میں اس قدر کمی کی کہ ان کے قویٰ کمزور ہو گئے۔

بعض نے جنگل کی گھاس پر اکتفا کر لیا اور بعض صرف باقلا اور جو کھاتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کے جسم میں بیماریاں پیدا ہو گئیں پھر یہ بیماریاں عقل کو فاسد کرنے کا سبب بن گئیں۔

اتفاق ایسا کہ ان کے پاس علم کم تھا کیونکہ اگر علم رکھتے تو سمجھتے کہ یہ خیال حکمت کے خلاف ہیں کیونکہ بدن اخلاط سے مرکب ہے جب یہ اخلاط معتدل ہوں گے تو سلامتی حاصل ہوگی اور اگر کوئی ایک بڑھ جائے گا تو بیماری آ جائے گی۔ چنانچہ اکثر بیمار ہوئے اور جلد ہی مر گئے کچھ ایسے ہوئے جو اور بعض کو کچھ صورتیں نظر آئیں تو یہ دعویٰ کر دیا کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا ہے۔

اس کے برخلاف جو حضرات علم و عقل سے آراستہ ہیں تو وہ مخلوق سے اس امر کے ڈر سے بھاگتے ہیں کہ کہیں گناہ میں مبتلا نہ ہو جائیں یا کوئی منکر نہ سامنے آ جائے اور بعض ایسے ہیں کہ

ان کو اللہ تعالیٰ کی ایسی معرفت اور محبت حاصل ہوگئی جس نے ان کو مخلوق کی ملاقات سے روک دیا۔ تو دیکھو یہ خلوتیں صاف ستھری ہیں کیونکہ علم اور عقل کے ساتھ حاصل ہو رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ یہ سوچ کر اپنے بدن کی حفاظت کرتے ہیں کہ بدن کی مثال اس اونٹنی جیسی ہے جو منزل تک پہنچانے والی ہو۔

لہٰذا غذاؤں کے معاملہ میں لاپروائی نہ ہونی چاہیے خاص کر اس شخص کے لیے جو خشک غذاؤں کا عادی نہ رہا ہو۔ اسی طرح جو شخص عادی نہ ہو وہ اونی موٹا کپڑا نہ پہنے بلکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے طریقہ پر نظر رکھے کیونکہ یہی حضرات مقتداء اور نمونہ ہیں اور بے حیثیت صوفی لوگوں کی بات کی طرف توجہ نہ دی جائے کہ کہنے لگے کہ فلاں صوفی نے مٹی کھائی اور فلاں صوفی ننگے پیر چلتا تھا اور فلاں نے ایک ماہ تک کچھ کھایا نہیں کیونکہ ان صوفیوں میں جو محقق گزرے ہیں اور نہایت مخلص بھی تھے وہ بھی سیدھے راستہ سے منحرف[1] تھے کیونکہ سیدھا راستہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی پیروی ہے اور وہ حضرات ایسا نہیں کرتے تھے۔

بلاشبہ حضرات صحابہ میں بھی ایسے لوگ تھے جو پانی ملے ہوئے دودھ پر اکتفاء کرتے تھے اور کئی کئی دن تک چھوٹے پرندے کھا کر صبر کرتے تھے لیکن ایسا یا تو مجبوری کی وجہ سے ہوتا تھا یا اس وجہ سے کہ وہ اسی کے عادی تھے جیسا کہ دیہاتی لوگ صرف دودھ پینے کے عادی ہوتے ہیں اور یہ ان کے حق میں نقصان دہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

''عودوا کل بدن ما اعتاد'' (ہر جسم کو اس کی عادت کے مطابق غذا دو)

ان صوفیوں میں سے بہت سے ایسے ہوئے جنہوں نے زہد اختیار کرنے کے لیے سارا مال خرچ کر دیا حالانکہ معلوم ہے کہ ضروریات کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ لہٰذا جب ضرورت پڑے گی تو مانگنے پر مجبور ہوگا یا ایسے شخص سے مال قبول کرلے گا جس کے بارے میں معلوم ہوگا کہ

---

[1] مطلب یہ ہے کہ ان حضرات سے جو افعال صادر ہوئے جو بظاہر سنت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں تو ان کی پیروی کرنا یا ان کو سند بنانا درست نہیں ہے باقی یہ کہ ان حضرات سے ایسے افعال کا صدور کیوں ہوا؟ تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ وہ مغلوب الحال اور معذور تھے اور تفصیلی جواب کے لیے ''السنۃ الجلیۃ فی الجشتیۃ العلیہ'' مصنفہ حضرت حکیم الامت مطالعہ کرنی چاہیے جو یقیناً اس باب میں بے نظیر کتاب ہے۔ ۱۲ حمزہ

ظالم ہے اور آبرو بھی خرچ کرنی پڑے گی جبکہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تجارت کرتے اور مال کی حفاظت فرماتے تھے اور یہ جاہل صوفی مال جمع کرنے کو زہد کے خلاف سمجھتے ہیں۔

اس پوری تفصیل کا نچوڑ اور خلاصہ یہ سمجھ لو کہ جس شخص کو فہم سے حصہ ملا ہو اس کو چاہیے کہ جسم کی صحت کی کوشش کرے کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اس کو نقصان پہنچے' کوئی ایسی غذا نہ کھائے جو اس کے موافق نہ ہو' اپنا مال ضائع نہ کرے بلکہ اس کو بڑھانے کی کوشش کرے تاکہ دوسروں کا محتاج نہ ہو جائے کیونکہ جس صوفی نے بھی نفاق برتا ہے تو دنیا داروں ہی کے لیے (تاکہ دنیا حاصل کر سکے) باکمال حضرات سلف کی سیرتوں کا مطالعہ کرتا رہے اور علم میں مشغول رہے کیونکہ یہی رہبر ہے۔

اگر ان باتوں کی رعایت کر لی گئی تو طبیعت اس کو اپنے رب کے ساتھ خلوت پر ابھارے گی اور اس کو محبت کے شغل پر آمادہ کرے گی پھر جو کچھ ثمرہ حاصل ہوگا وہ پختہ پھل ہوگا نہ کہ کچا پھل۔ (واللہ الموفق)

عقل اور دنیا کا کھیل

مجلس.... میں نے عقلوں کے ساتھ دنیا کے کھیل سے زیادہ دلچسپ تماشا کوئی نہیں دیکھا۔ چنانچہ ہم نے سنا بھی اور دیکھا بھی کہ بہت سے سمجھ دار کامل العقل افراد کے ساتھ دنیا نے وہ کھیل کیا کہ بالکل مجنوں اور پاگل سے معلوم ہونے لگے کیونکہ جب انہیں حکومت ملی تو قتل' مار پیٹ' قید' گالی اور دین کی بربادی یعنی ظلم کے ارتکاب میں مشغول ہو گئے اور یہ سب صرف اس دنیا کے لیے کیا گیا جو بہت جلد ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور جتنی مدت رہتی بھی ہے تو بہت سی تکلیفوں اور گھٹن کے ساتھ رہتی ہے۔

لہٰذا اے عقل سے حصہ پانے والے! عقل کا حق نہ چھین' اس کا نور نہ بجھا' جو کچھ ہم مشورہ دے رہے ہیں اس کو غور سے سن اور طبیعت کے کم سن بچے کی فریاد کی طرف التفات مت کر جبکہ وہ اپنی خواہش کے فوت ہونے پر روئے کیونکہ اگر تو نے اس کے رونے پر ترس کھایا (اور خواہشات پوری کرتا رہا) تو چھڑانا مشکل ہو جائے گا اور تربیت ممکن نہیں رہ

جائے گا پھر وہ جاہل اور محتاج ہوکر بالغ ہوگا۔

لاتسه عن ادب الصغير لو اشكا الم التعب

''بچہ کی تربیت سے غفلت نہ کرو اگرچہ تکلیف کی شکایت کرے۔''

ودع الكبير لشانه .... كبر الكبير عن الادب

''اور بڑے کو اس کے حال پر چھوڑ دو بڑا تربیت سے اوپر اُٹھ چکا ہے۔''

خوب سمجھ لو آزمائش کا زمانہ ایسا مہمان ہے جس کی ضیافت صبر سے ہونی چاہیے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آزمائش کیا ہے؟ یہی اچھا کھانا چھوڑ کر معمولی کھانا اختیار کرنا اور اچھا لباس چھوڑ کر معمولی لباس پہن لینا اور یہ سب صرف چند دن کی بات ہے۔ لہٰذا ٹھاٹھ والوں کی لذت مت دیکھو بلکہ ان کے انجام کو سوچو اور معاش کی تنگی پر دل چھوٹا نہ کرو بلکہ چلنے والی اونٹنی کو ''حدی'' کے ذریعہ بہلا کر لے چلو۔

طاول بها اليل مال النجم ام جنحا   وماطل النوم ضن الجفن ام سمحا

''سواریوں کو بہلاؤ ستارے جھکیں یا مائل ہوں' نیند کو ٹالو' پلکیں بخل کریں یا سخاوت''

فان تشكت فعللها المجرة من   ضوء الصباح وعلها بالرواح ضحى

''پھر اگر شکایت کرنے لگیں تو صبح کی روشنی سے بہلاؤ اور دن چڑھے آرام کا وعدہ کرلو۔''

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہدیہ آیا آپ نے واپس فرمادیا پھر ایک سال کے بعد اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ ''اگر اس کو قبول کر لیتے تو بھی وہ اب تک ختم ہو چکا ہوتا۔

(مطلب یہ تھا کہ جیسے یہ پورا سال بغیر قبول کیے بھی عافیت کے ساتھ گزر گیا اگر قبول کر لیتے تو بھی گزر تا مگر ہدیہ دینے والے کے احسان کے بوجھ کے ساتھ۱۲)

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ ایک کنویں کے پاس سے گزر رہے تھے ساتھی نے کہا مجھے پیاس لگی ہے' آپ نے فرمایا اگلے کنویں پر پی لینا' جب اگلے پر پہنچے تو فرمایا اگلے والے پر...... پھر فرمایا کہ ''دنیا کی رہ گزر بھی اسی طرح طے کی جاتی ہے۔''

اسی طرح کچھ لوگوں آپ کے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ گھر میں چٹائی بھی نہیں ہے کسی نے پوچھا کہ کیا اس طرح بغیر چٹائی کے آپ کو تکلیف نہیں ہوتی؟ تو فرمایا کہ تکلیف

کی مدت جلد ہی ختم ہو جائے گی۔

حضرت داؤد طائی کے پاس رہنے کے لیے ایک بڑا مکان تھا۔ ایک کمرے کی چھت شکستہ ہو کر گر پڑی تو آپ دوسرے کمرے میں منتقل ہو گئے پھر اسی طرح منتقل ہوتے رہے یہاں تک کہ آپ کی وفات مکان کی باہری دہلیز پر ہوئی۔

تو دیکھو یہ لوگ ہیں جنہوں نے انجام پر نگاہ رکھی تھی مگر اس کے باوجود میں تم سے اس کا مطالبہ نہیں کرتا کہ تم یہ مرتبہ حاصل کرو بلکہ صرف تم سے یہ کہتا ہوں کہ اگر تم کو کوئی ایسا مباح مال جس میں نہ کسی کا احسان ہو نہ کوئی نقصان اور جسے نہ تو تم نے مانگ کر حاصل کیا ہو اور نہ کسی ظالم کے حرام اور مشتبہ مال میں سے پایا ہو تو بقدر ضرورت مباح حد تک استعمال کر لو مگر خرچ کا اندازہ لگا کر فضول خرچی سے پرہیز بھی کرو کیونکہ حلال مال فضول خرچی کا متحمل نہیں ہوتا اور اگر تم نے فضول خرچی کی تو پھر مخلوق سے مانگنے اور مشتبہ مال کھانے پر مجبور ہونا پڑے گا اور اگر مالی تنگی پیش آ جائے تو صبر سے کام لو پھر جب صبر نہ ہو سکے تو اس ذات سے سوال کرو جو تمام بند دروازے کھولنے والی ہے کیونکہ وہ کریم ہے اور اسی کے پاس خزانہ غیب کی تمام کنجیاں ہیں۔

خبردار! مخلوق کے لیے بناوٹ اور تصنع کر کے یا دولت مندوں سے مال کے حصول کے لیے قرب اختیار کر کے اپنا دین مت گنوا بیٹھنا بلکہ حضرات سلف کی روش کو سامنے رکھو۔

حضرت ابن سمعون رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک جوڑا ایسا تھا جس کو پہن کر لوگوں کے درمیان بیٹھتے تھے پھر اس کو لپیٹ کر اگلی مجلس کے لیے رکھ دیتے تھے اور وہ بھی باپ سے میراث میں ملا تھا۔ چالیس سال تک اسی کو استعمال کیا۔

حضرت میمونہ بنت شاقولہ لوگوں کو نصیحت اور وعظ کرتی تھیں آپ کا جوڑا بھی چالیس سال تک استعمال ہوتا رہا۔

جس کی نگاہ صاف ہوئی اور الفاظ مہذب اس کے وعظ سے نفع ہوتا ہے اور جس نے نگاہ میں کھوٹ رکھا اس کا نفع بھی کھوٹا ہو جاتا ہے اس سلسلے میں بلند مقام یہ ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے کہ صرف اسی پر بھروسہ ہو اور اسی کی طرف نگاہ ہو مخلوق سے دل پھیر لیا جائے۔

اگر ضرورت پیش آ جائے تو اسی سے مانگا جائے اور اگر کمزوری ہو جائے تو اس کی

طرف مائل ہوا جائے۔ یہ سمجھ لو کہ جب تک اسباب میں دل لگائے رکھو گے اس سے تعلق ٹوٹا
رہے گا اور جب دل درست ہو جائے گا (یعنی اسی ذات واحد سے تعلق استوار کرے گا) تو
سارے کام درست ہو جائیں گے۔

سچا دوست

مجلس... مجھے اندازہ ہوا کہ میرا دل ان ملنے جلنے والوں سے جن کو ہم دوست کہا
کرتے ہیں مانوس ہو رہا ہے تو میں نے ان کو تجربوں کی کسوٹی پر رکھ کر آزمایا تو معلوم ہوا کہ
اکثر تو نعمتوں پر حسد کرنے والے ہیں اور ایسے دشمن ہیں کہ کوئی لغزش چھپاتے نہیں ہیں، ہم
نشین کا حق نہیں پہچانتے اور اپنے مال سے کسی دوست کی مدد کرنا نہیں جانتے۔

یہ حالت دیکھ کر میں نے اس معاملہ کی حقیقت پر غور کیا تو یہ سمجھ میں آیا کہ اللہ تعالیٰ کو مومن
کے دل کے کسی چیز سے مانوس ہو جانے سے غیرت آتی ہے اس لیے وہ دنیا اور اہل دنیا کو مومن
کے لیے مکدر اور تنگ بنا دیتا ہے تاکہ سب سے ہٹ کر اس کا دل صرف اسی سے مانوس ہو۔

لہذا مناسب طریقہ یہ ہے کہ سب لوگوں کو جان پہچان والے لوگوں کے درجہ میں رکھا
جائے کسی کو دوست نہ سمجھا جائے بلکہ دشمن ہی سمجھ کر معاملہ کیا جائے اسی لیے کسی کے سامنے
بھی اپنا راز نہ ظاہر کرو اور کسی نامناسب شخص کو شدت تعلق کے لیے بیٹا بھائی اور دوست
خیال کرو بلکہ ان سب کے ساتھ ظاہرداری کا معاملہ رکھو میل جول بھی زیادہ نہ رکھو بس
ضرورت کے وقت احتیاط کے ساتھ تھوڑی دیر ملاقات کر لو پھر وہاں سے ہٹ جاؤ اور اپنے
خالق پر بھروسہ رکھتے ہوئے اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ۔

یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ذات بھلائی نہیں دے سکتی اور نہ اس کے سوا کوئی برائی کو
دور کر سکتا ہے لہذا وہی تیرا ہم نشین اور غم خوار ہے اسی پر تیرا بھروسہ ہو اور اسی سے شکایت کی
جائے حتیٰ کہ اگر تیری نگاہ بصیرت کمزور ہو تو اسی سے فریاد کرو اور اگر یقین میں کمی ہو تو اسی سے
قوت اور مضبوطی کا سوال کرو اور خبردار! کسی اور کی طرف مائل نہ ہو کیونکہ وہ بہت غیرت مند ہے۔

اگر تم اس کے فیصلوں پر شکایت کرو گے تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ ناراض ہونے کے
باوجود (اس وقت) عتاب نہیں کرتا (بلکہ کسی اور وقت کے لیے مہلت دے دیتا ہے لہذا شکوہ

شکایت سے پرہیز کرو) اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس وحی بھیج کر سوال کیے
کہ تم کو کنویں سے کس نے نجات دی؟ تمہارے ساتھ یہ کس نے کیا؟ وہ کس نے کیا؟ آپ ہر
سوال کے جواب میں کہتے رہے کہ (اے پروردگار) آپ نے تو پوچھا کہ پھر تم نے میرے علاوہ
غیر کا ذکر کیوں کیا؟ اچھا دیکھو اب میں تمہاری قید کی مدت دراز کر دیتا ہوں۔ (او کما قال)

یہ عتاب اس پر ہوا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک سبب مباح کا اختیار کر لیا تھا۔[1]
"اذکرنی عند ربک" (اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا) اسی طرح "ویوم حنین
اذ اعجبتکم کثرتکم" (اور یاد کرو حنین کا دن جبکہ تمہاری کثرت نے تم کو ناز میں مبتلا کر دیا)[2]

تو میں سمجھتا ہوں کہ اصل زندگی انہی کو حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر کے
اس کی معیت میں جی رہے ہیں اپنے کردار و گفتار میں اس طرح آداب کی رعایت کرتے
ہیں جیسے اس کو دیکھ رہے ہوں۔ اپنی نگاہ کے دروازے پر پہرہ دار بن کر کھڑے رہتے ہیں
تاکہ غلط جگہ نہ پڑ جائے زبان کے دروازے پر محافظ بن کر موجود رہتے ہیں تاکہ غلط بات نہ
نکل جائے اور سب سے بڑھ کر دل کی چوکھٹ پر دربانی کرتے ہیں تاکہ اس میں غیروں
کے آنے سے حفاظت رہے اور خدا میں مشغول ہو کر لوگوں سے وحشت کھاتے ہیں یہی لوگ
ہیں جو مرد عاقل ہیں اور باطن کے طریقہ پر عمل پیرا ہیں۔

اس کے برخلاف وہ لوگ جو اختلاط میں مشغول ہو جاتے ہیں تو ان کے دل میں کھوٹ
اور کدورت غالب ہو جاتی ہے جبکہ مخلص حضرات ہمیشہ رب جلیل کے طالب ہوتے ہیں کسی
کہنے والے نے کہا ہے۔

الا لا احب السیر الا مصاعدا ولا البرق الا ان یکون یمانیا

"میں اچھی رفتار وہی پسند کرتا ہوں جو اوپر چڑھنے والی ہو اور بجلی بھی وہی جو یمنی ہو۔"

---

[1] واقعہ یہ ہوا تھا کہ حضرت یوسف نے جیل خانہ میں خواب کی تعبیر بتلانے کے بعد نجات پانے والے ساقی سے کہا کہ
جب تم چھوٹ کر بادشاہ کی خدمت میں پہنچو تو میرا ذکر بھی کر دینا۔ مقصد یہ تھا کہ بادشاہ میں عدل کی باقی [illegible]
[illegible] خدا تعالیٰ کو غیر سے طلب مدد پر غیرت آئی تو ساقی کے ذہن سے بات بھلا دیا جس کی وجہ سے کچھ
مدت تک جیل میں مزید رہنا پڑا۔ ۱۲ مترجم [2] مطلب یہ ہے کہ جنگ حنین کے موقع پر کہ پہلے مرحلہ میں پسپائی کی
جو شکل پیش آئی تھی [illegible] کثرت پر نگاہ گئی تو خدا تعالیٰ کو غیرت آئی اور تنبیہ [illegible] ۱۲ مترجم

علم کا مقصود اور علماء کا حال

ضبط:... بہت سے علماء کو دیکھا کہ علم کے ظاہر میں مشغول ہیں نہ اس کی حقیقت سمجھتے ہیں نہ مقصود۔

قاری روایات میں لگا ہوا ہے شاذ قرأت میں الجھا ہوا ہے سمجھتا ہے کہ مقصود صرف تلاوت ہے اس لیے نہ متکلم (یعنی اللہ تعالیٰ) کی عظمت پر نگاہ ڈالتا ہے نہ قرآن پاک کی دھمکیوں اور جھڑکیوں کو سوچتا ہے۔

ممکن ہے سوچتا ہو کہ حفظ قرآن اس کی طرف سے دفاع کرے گا اسی وجہ سے اس کو دیکھو گے کہ گناہوں میں آزادروی اختیار کر لیتا ہے حالانکہ اگر فہم سے کام لیتا تو اس کو معلوم ہو جاتا کہ غیر قاری کے مقابلے میں اس کے خلاف حجت زیادہ قوی ہے۔

محدث طرق روایات جمع کرنے اور سندیں حفظ کرنے میں مشغول ہے اس لیے یہ نہیں سوچتا کہ روایات کا مقصود کیا ہے بلکہ یہ سمجھ لیا ہے کہ اور لوگوں کے مقابلے میں حدیث کا عمدہ حصہ اکٹھا کر لینے کی وجہ سے مجھ کو سلامتی اور حفاظت حاصل رہے گی۔

اور ممکن ہے کہ گناہوں میں اسی گمان سے رخصت پسندی اختیار کر لیتا ہو کہ دین کی خدمت اس کی طرف سے دفاع کا کام کر دے گی۔

جبکہ فقیہ کو یہ وہم ہو گیا ہے کہ ان جدلی مباحث کے سیکھ لینے کی وجہ سے جن سے مناظرہ اور مقابلہ میں قوت ملتی ہے یا ان مسائل کے سمجھ لینے کی وجہ سے جن سے فتویٰ دیا جاتا ہے اس کا مرتبہ بلند اور گناہ ختم ہو جائے گا۔

ممکن ہے کہ گناہوں پر اسی خیال سے ٹوٹ پڑتا ہو کہ یہ سب اس کی طرف سے دفاع کر دیں گے۔ بعض قرآن بھی حفظ نہیں کرتے اور نہ حدیث کی معرفت رکھتے ہیں اس لیے یہ بھی نہیں جانتے کہ قرآن و حدیث نرمی اور دھمکی کے ساتھ گناہوں سے روکتے بھی ہیں پھر قرآن و حدیث سے جہالت کے ساتھ جاہ پرستی کا مرض بھی شامل ہو جاتا ہے اور بحث و جدال میں غلبہ اور جیت کا خیال بھی جس سے دل کی قساوت اور بڑھ جاتی ہے۔

یہی روش اکثر علماء کی ہے کہ علم کو ظاہر ہی ان کا فن ہے جس سے ان کے اندر کبر اور حماقت پیدا ہوتی رہتی ہے۔

چنانچہ ایک معتبر آدمی نے ایسے شخص کے بارے میں نقل کیا جنہوں نے بہت سے علوم وفنون حاصل کرنے میں پوری عمر گزار دی تھی کہ آخری عمر میں اصرار کے ساتھ فسق میں مبتلا ہو گئے اور کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے لگے۔

یہ حال بتلا رہا ہے کہ وہ اسی گمان میں تھے کہ میرے علوم اس بد حالی کا شر دفع کر دیں گے اور کوئی نشان باقی نہیں رہ جائے گا۔ گویا ان کو اپنی نجات کا یقین ہو چکا تھا اس لیے خوف کی کوئی علامت اور گناہ پر پچھتاوے کا کوئی اثر نہیں رہ گیا تھا۔

ناقل کہتے ہیں کہ آخر کار ان کا حال بدل گیا یعنی فقر و احتیاج میں مبتلا ہو گئے پھر اس کے باوجود کہ سخت مصیبتیں جھیل رہے تھے اپنی بد حالی اور گناہ سے نہیں باز آتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن بھیک میں چند قیراط پائے تب شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے یا الٰہی آ گیا اس حد تک؟

ناقل کہتے ہیں کہ مجھے ان کی اس غفلت پر بہت تعجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو بھلا کر (اس کی نافرمانی کر کے) کیسے انہوں نے یہ سوچ رکھا تھا کہ اللہ ان کی حفاظت کرے گا، رزق میں وسعت دے گا اور ان کی تدبیر درست کر دے گا۔ گویا کہ اللہ کا یہ ارشاد نہیں سنا تھا "و ان لو استقاموا على الطريقة لاسقيناهم ماء غدقا" (اگر وہ سیدھے راستے پر ثابت قدم رہتے تو یقیناً ہم ان کو خوشگوار سیراب کرنے والا پانی پلاتے)

اور یہ نہیں جانتے تھے کہ گناہ رزق کا دروازہ بند کر دیتے ہیں اور یہ کہ جس نے بھی اللہ کے حقوق کو ضائع کیا اللہ تعالیٰ خود اس کو ضائع اور برباد کر دیتے ہیں۔

یہ واقعہ سن کر مجھ کو خیال ہوا کہ کوئی علم اس وجہ غیر مفید نہیں ہوتا بلکہ ان عالم صاحب کا علم غیر مفید ثابت ہوا کیونکہ عالم کی شان تو یہ ہوتی ہے کہ لغزش ہو جائے تو شکستہ دل ہو جاتا ہے جبکہ یہ شخص گناہوں پر مصر تھا اور گناہ سے اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے لیے اس فعل کو جائز کر لیتا تھا یا اس کا دین میں تحلیل و تحریم کا اختیار حاصل تھا۔ پھر وہ عالم جلدی بیمار ہوا اور بہت بری حالت میں اس کی موت ہوئی۔

ناقل کہتے ہیں کہ اسی طرح میں نے ایک اور عالم کو دیکھا کہ علم کے صرف ظاہری الفاظ حاصل کر رکھے تھے جو ان کو فائدہ نہیں پہنچا رہے تھے جو گناہ بھی ممکن ہوتا اس سے پرہیز نہیں کرتے تھے اور تقدیر کا جو فیصلہ بھی پسند نہ آتا تھا تو اللہ تعالیٰ پر اعتراض اور ملامت شروع کر دیتے تھے (نعوذ باللہ) چنانچہ بڑی تنگی میں زندگی گزاری اور نہایت برے عقیدوں کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔

دیکھو ان لوگوں نے علم کا معنی نہیں سمجھا کیونکہ الفاظ کی صورتوں اور نقش کا نام علم نہیں ہے بلکہ علم کا مقصود یہ ہے کہ الفاظ کے معنی و مراد کو سمجھا جائے جس سے خشیت اور خوف پیدا ہو اور یہ سمجھ میں آ جائے کہ سارا احسان اللہ تعالیٰ ہی کا ہے نیز علم والوں پر حجت زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ایسی بیداری اور ہوش عطا فرمائیں جو مقصود کو سمجھ کر معبود سے آشنا کر دے اور ان کمینوں کی روش سے بچائیں جن پر عالم ہونے کا نام لگا ہوا ہے لیکن علم کا بوجھ ان کو بد عملی سے نہیں روک پاتا ہے جو جانتے ہیں لیکن عمل نہیں کرتے ہیں پھر جس علم پر عمل نہیں ہے اس کے ذریعے دوسروں پر تکبر کرتے ہیں جو باوجود اس کے کہ جس دنیا کی ساز و سامان سے انہیں منع کیا جا چکا ہے اس کو قبول کرتے رہتے ہیں جن پر طبیعت اور خواہشات کا غلبہ ہے جن کو وہ علوم درست نہیں کر سکے جو وہ ہر وقت پڑھتے پڑھاتے رہتے ہیں اور (ان سب وجوہات کی بنا پر) جو بچھڑے ان عوام سے بھی بدتر حالت میں ہیں۔ "یعلمون ظاهراً من الحیاة الدنیا وهم عن الاخرة هم غافلون" (جو ظاہری دنیوی زندگی کا علم رکھتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں)

عالم کیلئے ایک گرانقدر نصیحت

مجلس.... مفتی کے لیے ضروری ہے کہ تاریخ، سیر، حدیث، لغت وغیرہ ہر فن کا کچھ نہ کچھ ضرور مطالعہ کرے کیونکہ فقہ میں تمام علوم کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہٰذا ہر فن سے ضروری اور بنیادی باتیں حاصل کر لینی چاہئیں۔

میں نے ایک مفتی کو یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ "حضرت شبلی اور قاضی شریک اکٹھا ہوئے" تو ان کی اس بات پر تعجب ہوا کہ کیسے وہ ان دونوں کے زمانے کے درمیان بعد سے ناواقف رہ گئے۔

ایک اور مفتی صاحب نے مناظرہ میں فرمایا کہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہما کے درمیان زوجیت کا حکم ختم نہیں ہوا تھا۔ اسی وجہ سے آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو غسل دیا تھا۔ میں نے کہا تمہارا یہ ادعا حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا کی صاحبزادی حضرت امامہ سے جو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی بھانجی ہوتی تھیں نکاح کیا تھا اس سے ثابت ہوا کہ زوجیت ختم ہو چکی تھی۔

ایسے ہی امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب احیاء العلوم میں احادیث اور تاریخ وغیرہ کے متعلق ایسی ایسی غلطیاں نظر آئیں جو آدمی کو حیرت زدہ کر دیتی ہیں۔ چنانچہ میں نے ان اغلاط کو ایک کتاب میں جمع بھی کر دیا ہے۔

انہوں نے اپنی ایک کتاب میں جس کا نام "المستظہری" رکھا ہے اور اس کو خلیفہ مستظہر باللہ کی خدمت میں پیش کیا تھا ذکر کیا ہے کہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے حضرت ابو حازم (جو ایک صوفی بزرگ تھے) کے پاس کہلا بھیجا کہ اپنے ناشتہ کا بچا ہوا کچھ بھیج دیجئے۔ انہوں نے بھنا ہوا چوکر بھیج دیا جس کو سلیمان نے ناشتہ میں کھایا پھر بیوی سے ہمبستری کی تو اس سے عبدالعزیز پیدا ہوئے۔ پھر عبدالعزیز سے عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوئے۔

حالانکہ بہت فاش غلطی کی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کو سلیمان بن عبدالملک کا پوتا اور سلیمان کو حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دادا قرار دیدیا جبکہ سلیمان حضرت عمر کا چچا زاد بھائی تھا۔

اسی طرح ابو المعالی جوینی نے اپنی کتاب "الشامل فی الاصول" کے آخر میں لکھا ہے کہ معتبر اور حقائق کی جستجو رکھنے والے حضرات کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ حلاج جبائی قرمطی اور ابن المقفع نے حکومتوں کا تختہ الٹنے، سلطنت کا نظام درہم برہم کرنے اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے ایک ایک علاقہ کی طرف سفر کرنے کا مشورہ کیا پھر جبائی "احساء" میں داخل ہوا۔ ابن المقفع ترک کے ممالک میں گھسا اور حلاج نے بغداد میں ڈیرہ ڈالا تو حلاج کے دونوں ساتھیوں نے کہا کہ تم بغداد میں ہلاک کر دیئے جاؤ گے اور یہ آرزو پوری نہ ہو سکے گی کیونکہ اہل بغداد دھوکا نہیں کھاتے ان کی سمجھ بہت تیز ہوتی ہے اور فراست بڑی پکی۔

میں نے کہا کہ اگر یہ صاحب یا جنہوں نے ان سے بیان کیا ہے یہ لوگ تاریخ سے

واقف ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ حلاج نے ابن المقفع کا زمانہ ہی نہیں پایا کیونکہ ابن المقفع کے قتل کا حکم منصور عباسی نے دیا تھا تو وہ ۱۴۴ھ میں قتل کر دیا گیا تھا جبکہ ابو سعید جبائی قرمطی ۲۸۶ھ میں ظاہر ہوا اور حلاج کو ۳۰۹ھ میں قتل کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ جبائی اور حلاج کا زمانہ تو ایک دوسرے سے قریب ہے مگر ابن المقفع کا ساتھ تو ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

لہٰذا ہر ذی علم کو باقی علوم سے بھی واقف رہنا چاہیے اور سب میں سے تھوڑا بہت مطالعہ کرنا چاہیے کیونکہ ہر علم کا دوسرے علم سے ربط ہوا کرتا ہے۔

کس قدر بری بات ہے کہ محدث سے کسی نئے پیش آمدہ مسئلہ کے متعلق پوچھ لیا جائے تو صرف اس لیے جواب نہ سمجھ سکے کہ طرق احادیث کے اکٹھا کرنے کے شغل نے اس کو فقہ سے محروم کر دیا۔ ایسے ہی فقیہ مفتی کے لیے عیب کی بات ہے کہ اس سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد کا مطلب پوچھ لیا جائے تو وہ نہ حدیث کی صحت سے واقف ہو اور نہ اس کا معنی ہی بتا سکے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل اور احسان سے ایسی بلند ہمت عطا فرمائیں جو نقائص اور عیب پر راضی نہ رہے۔

مطالعہ

مجلس... گزشتہ علماء کی ہمتیں بہت بلند تھیں جیسا کہ ان کی وہ تصانیف جو ساری زندگی کا نچوڑ اور کمائی ہیں ان کو دیکھنے سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

مگر ان حضرات کی اکثر کتابیں مٹ کر رہ گئی ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ طالبان علوم کی ہمتیں ضعیف ہو چکی ہیں اس لیے وہ طویل طویل کتابوں کو نشاط کے ساتھ نہ پڑھ سکنے کی وجہ سے مختصر کتابوں پر اکتفا کرنے لگے ہیں بلکہ اب تو صرف اپنی درسی کتابوں میں سے بھی بعض پر اکتفاء کر بیٹھے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کتابیں مٹ گئیں اور نقل نہیں کی گئیں۔

لہٰذا اب ان طالبان علوم کے لیے جو کمال پیدا کرنے کے خواہش مند ہوں یہی راستہ ہے کہ ان کتابوں کا بھی پتہ لگائیں (اور مطالعہ کریں) جو موجودہ کتابوں میں دستیاب نہیں ہیں اور مطالعہ کی مقدار بڑھا دیں تاکہ گزشتہ علماء کے وہ علوم اور وہ حوصلے نظر آویں جو ذہن کو تیز اور ارادوں میں جدوجہد کی تحریک پیدا کر دیتے ہیں

''جبکہ (یہ اصول ہے کہ) کوئی کتاب بھی فائدہ سے خالی نہیں ہوتی[۱]۔''

اور ان لوگوں کی عادات اور طور طریقوں سے تو اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھیں جن کے ساتھ ہم اس دور میں زندگی گزار رہے ہیں کیونکہ ان میں کوئی ایسا بلند ہمت نظر نہیں آتا جس کی مبتدی طلباء نقل کر سکیں اور نہ ایسا پاک باز صوفی دکھائی دیتا ہے جس سے مریدین استفادہ کر سکیں۔ پس خدا سے ڈرو اور حضرات سلف کی سیرتوں کا مطالعہ کرو ان کی تصنیفات دیکھو اور ان کی روایات پڑھو کیونکہ ان کی کتابوں کو زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنا گویا ان کی زیارت کرنا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے:

فاتنی ان اریٰ الدیار بطرفی   فلعلی اریٰ الدیار بسمعی

''میں محبوب کے در و دیوار کو نگاہوں سے نہیں دیکھ سکا تو اب ہو سکتا ہے کہ کانوں سے دیکھ لوں۔''

میں تم کو اپنا حال بتلاتا ہوں کہ مجھ کو کسی بھی کتابوں کے مطالعہ سے سیر نہیں ہوتی۔ اگر کوئی ایسی کتاب دیکھ لیتا ہوں جس کو اب تک نہ دیکھا ہو تو ایسا لگتا ہے جیسے کوئی مخفی خزانہ دریافت ہو گیا ہو۔

چنانچہ میں ان تمام کتابوں کا مطالعہ کر چکا ہوں جو مدرسہ نظامیہ کے کتب خانہ میں وقف کی گئی تھیں۔ جب میں نے اس کا رجسٹر دیکھا تو معلوم ہوا کہ تقریباً چھ ہزار جلدوں پر مشتمل تھا۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تمام کتابیں امام حمیدی کی تصنیفات، ہمارے استاذ عبدالوہاب بن ناصر کی کتابیں اور ابو محمد بن الخشاب کی کتابیں جو کئی بوجھ کے برابر تھیں اور ان کے علاوہ بہت سی وہ کتابیں جن پر مجھ کو قدرت مل سکی مطالعہ کر چکا ہوں۔ حتیٰ کہ اگر میں کہہ دوں کہ بیس (۲۰۰۰۰) ہزار جلدیں مطالعہ کر چکا ہوں تو درست ہوگا جبکہ ابھی میں اس کے بعد بھی طلب و جستجو میں لگا ہوا ہوں۔

ان کتابوں کے مطالعہ سے مجھ کو حضرات سلف کے وہ حالات، ان کی بلند ہمتی کے وہ مراتب ان کی یادداشت کی وہ قوت، عبادات کی وہ کثرت اور ایسے ایسے انوکھے علوم حاصل ہوئے جن کو مطالعہ نہ کرنے والے حضرات جان ہی نہیں سکتے تھے۔ اب میں اتنے علوم حاصل کر لینے کی وجہ سے ان معلومات کو معمولی سمجھنے لگا ہوں جو اس زمانہ میں عام علماء کو حاصل ہیں اور

---

[۱] یعنی ذی علم حضرات کو بھی فائدہ پہنچتا ہے کبھی نیا علم حاصل ہوتا ہے کبھی نئی تعبیر اور نیا سلیقہ حاصل ہوتا ہے کبھی اپنی تائید اور تقویت مل جاتی ہے، کبھی مصنف کا حال اور مقام ظاہر ہو جاتا ہے اور اگر کچھ نہ حاصل ہو تو کم از کم یہی حاصل ہو جاتا ہے کہ اس کتاب میں کچھ نہیں ہے اور یہ بھی فائدہ کی بات ہے۔ ۱۲ محمود

موجودہ زمانہ کے طالب علموں کی ہمتوں کو حقیر اور بے وقعت خیال کرنے لگا ہوں۔ (وللہ الحمد)

کفر.....حماقت ہے

مجلس....انسان کو سب سے زیادہ عزیز اپنی جان ہوتی ہے اس لیے مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو اس کو خطرہ اور ہلاکت میں ڈال دیں جبکہ اس کا سبب عقل کی کمی اور فکر کی خرابی ہے۔ چنانچہ بعض لوگ اس لیے جان کو داؤ پر لگا دیتے ہیں تا کہ بزعم خویش مدح حاصل ہو۔ مثلاً کچھ لوگ درندوں کے شکار میں جاتے ہیں، بعض کسریٰ کے محل پر چڑھتے ہیں تا کہ ''شاطر'' (تیز چالاک) کہلائیں اور دوڑ .والا تمیں میل دوڑتا ہے (تا کہ ''ساعی'' کا خطاب حاصل کر لے) حالانکہ اگر یہ لوگ اس مشغلہ میں ہلاک ہو جائیں تو جہنم میں ڈالے جائیں گے (کیونکہ خودکشی کے مترادف ہے۔۱۲)

دیکھو! اگر ان میں سے کوئی ہلاک ہو جائے تو وہ جان جس کے لیے مال (اور جاہ) حاصل کی جاتی ہے ختم ہو جائے گی۔

ان سب سے زیادہ تعجب خیز وہ شخص ہے جو اپنی جان کو ہلاکت کے خطرہ میں اس طرح ڈالے کہ اسے خبر بھی نہ ہو مثلاً غصہ میں آ کر کسی مسلمان کو قتل کر دے پھر اس کے اس غصہ کو جہنم کی آگ سے ٹھنڈا کیا جائے۔

اس سے بھی زیادہ عجیب یہود و نصاریٰ کا حال ہے کہ یہودی اور نصرانی کے لیے بالغ ہونے کے بعد ضروری تھا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر غور کرتا مگر جب اس نے اس میں کوتاہی کر دی تو پھر اس کے لیے ہمیشہ ہمیش کی سزا ہے۔

چنانچہ ان میں سے ایک شخص سے میں نے کہا کہ تمہارا برا ہو تم اپنے کو دائمی عذاب کے خطرہ میں ڈال رہے ہو کیونکہ ہم لوگ تمہارے انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور تمہارے نبیوں کو جھٹلائے یا تورات کا انکار کرے تو ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ہم تمہارے نبی کی سچائی اور اس کی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہماری ملاقات تمہارے نبی سے ہوگی تو ہم کو کوئی شرمندگی نہ ہوگی۔

اگر چہ وہ ہم پر عتاب کریں اور پوچھیں کہ تم نے یوم سبت (سنیچر کا دن) کا حق کیوں نہیں ادا کیا؟ کیونکہ سبت کا حکم فروعات میں سے ہے اور فروعات پر ہمیشہ کی سزا نہیں دی جائے گی۔

یہودیوں کے سردار نے کہا کہ ہم تم سے "یوم سبت" کی عبادت کا مطالبہ بھی نہیں کرتے ہیں کیونکہ "سبت" کا حکم صرف بنی اسرائیل کے لیے لازم تھا۔

میں نے کہا کہ تو پھر تمہارے نزدیک بالاتفاق ہم محفوظ ہیں اور تم ہلاک و برباد ہو کیونکہ اپنی جانوں کو دائمی عذاب میں ڈال رہے ہو۔

اس شخص پر تعجب ہے جو ایسے معاملہ میں غور وفکر نہ کرے جس میں سستی کرنے سے ہمیشہ کے عذاب کا اندیشہ ہو۔ اور ان سب سے بھی زیادہ تعجب خیز وہ شخص ہے جو اپنے خالق کا انکار کرے کیونکہ صنعت وکاریگری کو دیکھتے ہوئے بھی یہ کہتا ہے کہ کوئی "صانع" نہیں ہے جبکہ ان تمام چیزوں کا سبب عقل کی کمی (حماقت) اور غور وفکر کو ترک کر دینا ہے۔

اخفاءِ راز

مجلس..... سمجھ دار آدمی کے لیے کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے کہ اپنا کوئی راز ظاہر کر دے جب تک کہ اس کا یقین نہ ہو جائے کہ اگر وہ راز پھیل بھی گیا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

یہ بات متعین ہے کہ اظہار راز کی وجہ یہی ہے کہ آدمی راز کو ظاہر کر کے اپنی طبیعت ہلکی کر لیتا ہے حالانکہ یہ وقتی تکلیف ہے جس پر صبر کر لینا چاہیے۔

ورنہ بعض بعض لوگ بیوی سے کوئی راز ظاہر کر دیتے ہیں پھر جب طلاق دیتے ہیں تو وہ اس کو پھیلا دیتی ہے اور آدمی ہلاک ہو جاتا ہے۔

یا کسی دوست سے ظاہر کیا گیا اور اس نے حسد میں دوسروں پر افشاء کر دیا جبکہ برابر کا دوست ہو اور اگر عام لوگوں میں سے ہو تو عامی تو احمق ہی ہوتا ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی راز ظاہر ہو گیا اور ہلاکت کا سبب بن گیا۔

اے علم کے عاشق! اس عشق کے آداب ملحوظ رکھ

مجلس..... علم کی طلب میں آگے وہی بڑھتا ہے جسے علم سے عشق ہو اور عاشق کو

محبوب کی راہ میں پیش آنے والی تکلیفوں پر صبر ہی کرنا چاہیے۔
جو بھی علم کا شغل اختیار کرے گا اس کے لیے ضروری ہے کہ کسب معاش سے علیحدہ رہے پھر جبکہ امراء اور محبت کرنے والے مسلمان بھائیوں کی طرف سے علماء کی خبر گیری کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اس لیے علماء ان سے کٹ کر رہ گئے ہیں تو یقیناً علم میں مشغول حضرات کے لیے فقر واحتیاج لازم ہوگی۔
جبکہ فضیلتیں اور درجات (با آواز بلند) پکار رہی ہیں: "ھنالک ابتلی المؤمنون وزلزلوا زلزالا شدیدا" (اسی موقعہ پر آزمائے گئے اہل ایمان اور اچھی طرح جھنجوڑ دیے گئے)
اور جب بھی مبتلاء آزمائش پیچھے ہٹنے لگتا ہے تو کہتے ہیں:
لاتحسب المجد تمرا انت آکله لن تبلغ المجد حتّٰی تلعق الصبر
''عزوشرف کو کوئی چھوہارا نہ سمجھو جسے تم کھالو گے' اس کو اس وقت تک نہ پاسکو گے جب تک ایلواء نہ چباؤ گے۔''
دیکھو! جب حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے محتاج ہونے کے باوجود (طلب علم کو ترجیح دی تو چالیس سال تک اسی میں مشغول رہے حتیٰ کہ نکاح بھی نہیں کیا۔ لہٰذا غریب طالب علم کو اپنی غریبی پر ویسا ہی صبر کرنا چاہیے جیسے امام احمد نے کیا۔
اور کون ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے برابر طاقت رکھتا ہو؟ کیونکہ انہوں نے تقریباً پچاسیوں ہزار کا مال واپس کیا ہوگا جبکہ خود سرکہ کی چٹنی کھاتے تھے اور نمک کو سالن بناتے تھے۔
لہٰذا سمجھ لو کہ ان کا ذکر جمیل یونہی نہیں مشہور ہو گیا ہے اور ان کی قبر کی طرف لوگوں کے قدم بلاوجہ ہی نہیں اُٹھتے ہیں بلکہ اس کی کوئی خاص وجہ ہے۔
ہائے کیا تعریفیں ہیں جنہوں نے آفاق کو بھر دیا ہے کیسی خوبصورتی ہے جس نے علم کو زینت عطا کی ہے اور کیا عزت ہے جس نے ہر ذلت کو ختم کر دیا ہے۔ یہ سب تو دنیا میں ہے اور آخرت کا بدلہ تو ذکر ہی نہیں کیا جاسکتا۔
اس کے برعکس اکثر علماء کی قبروں کو دیکھو کہ نہ ان کو کوئی جانتا ہے اور نہ ان کی زیارت کی جاتی ہے۔ انہوں نے رخصت پسندی اختیار کی' تاویل سے کام لیا اور بادشاہوں سے

سبیل جوں رکھا جس کی وجہ سے ان کے علم کی برکت ختم ہو گئی قدر و منزلت گھٹ گئی اور موت
کے وقت ندامتوں کے گھونٹ پینا پڑا۔

افسوس ان حسرتوں پر جن کی تلافی نہیں ہو سکتی ہے ایسے گھاٹے پر جو پورا نہیں کیا جا سکتا ہے
جبکہ لذتوں کی صحبت پلک جھپکنے کے بقدر تھی اور حسرت و افسوس ہمیشہ کے لیے لازم ہو گیا ہے۔

پس اے فضیلتوں کے طالب! صبر کر کیونکہ خواہش نفس کی لذت یا بیکاری کی راحت
مٹ جائے گی اور غم باقی رہ جاتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

یا نفس ما هو الا صبر ایام　　　کان مدتها اضغاث احلام

"اے نفس! دنیا صرف چند دن کے صبر کا نام ہے گویا اس کی مدت ایک خواب کے برابر ہے۔"

یا نفس جوزی عن الدنیا مبادرة　　　وخل عنها فان العیش قدامی

"اے نفس! دنیا سے جلدی سے گزر جا اور اس کو چھوڑ دے کیونکہ عیش کا زمانہ آگے (جنت میں) ہے۔"

بتا اے غریب عالم! کیا تجھ کو کسی بادشاہ کی سلطنت خوش کر سکتی ہے؟ اور کیا تو اس کو
پسند کر سکتا ہے کہ جو علم تجھ کو حاصل ہے وہ حاصل نہ ہوتا؟ ہرگز نہیں! میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی
بیدار مغز اس کو ترجیح دے دے گا۔

پھر یہ دیکھو کہ جب تم کو کوئی عجیب نکتہ یا عجیب حقیقت سمجھ میں آتی ہے تو اس وقت تم کو
ایسی لذت ملتی ہے جس کو حسی لذات سے لطف اٹھانے والے نہیں پا سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ
جن کو خواہشات پر قابو دیا گیا ہے انہیں اس لذت سے محروم رکھا گیا ہے جو تم کو عطا ہوئی
ہے جبکہ آتی روزی میں جس سے زندگی گزر سکے تم ان کے شریک ہو اب ان کے پاس وہی
فضول لذات رہ گئی ہیں جن کے نہ ہونے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا ہے۔

اور یہ بھی سوچو کہ وہ عام طور پر آخرت کے باب میں خطرہ میں ہیں جبکہ تم عام طور پر
سلامتی کے ساحل پر رہتے ہو۔

لہٰذا اے بھائی! ان دونوں حالتوں کے انجام کو سوچو اور وہ سستی ختم کر جو فضیلتوں کے
حصول سے روک رہی ہے کیونکہ بہت سے علماء کی وفات اس حال میں ہوئی کہ کوتاہیوں کی

دینے سے حسرتوں اور ندامتوں میں تڑپ رہے تھے۔
ایک شخص نے ہمارے استاذ ابن الزاغوانی کو خواب میں دیکھا تو شیخ نے فرمایا "کہ تمہارے پاس زیادہ حصہ غفلت کا ہے جبکہ ہمارے پاس زیادہ حصہ ندامتوں کا تھا۔"
پس قید کیے جانے سے پہلے ہی.........اللہ تعالیٰ تجھ کو توفیق دے.........بھاگ لے اور بدلے کھانے سے قبل ہی خواہش نفس کے معاملہ کو ختم کر دے یہ سمجھ لے کر فضیلتیں سہولت سے نہیں ملا کرتیں اور ذرا سی کوتاہی بھی خوبصورت چہرے کو عیب دار کر دیتی ہے۔
لہٰذا قدم بڑھا جد بازی سے کام لے جبکہ ابھی تیرا سانس چل رہا ہے اور موت کا فرشتہ غائب ہے سامنے نہیں آیا ہے اور ایک پختہ ارادے کے ساتھ اٹھ کھڑا ہو۔
"اذا ھم القی بین عینیہ عزمہ" جب ارادہ کرتا ہے تو پختہ عزم کو سامنے کر لیتا ہے۔ "وتنکب عن ذکر العواقب جانبا" اور انجام کے خیال سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ "ولم یستشر فی امرہ غیر نفسہ" مشورہ بھی کرتا ہے تو صرف اپنی ذات سے "ولم یرض الاقائم السیف صاحبا" اور ساتھی اس کو بناتا ہے جو تلوار لیے تیار ہو۔
اسی ارادہ میں دنیا اور اہل دنیا کا خیال بھی چھوڑ دے اللہ تعالیٰ دنیا داروں کو دنیا میں برکت دیں بیچارے وہ محتاج ہیں جبکہ ہم بے نیاز ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

ولو علم الملوک و ابناء الملوک ماعحن فیہ لجا لدونا علیہ بالسیف.

"اگر ان بادشاہوں اور شاہزادوں کو ہماری دولت کی خبر ہو جائے تو تلواریں لے کر ہم پر حملہ کر دیں۔"
چنانچہ دیکھو تو کہ اکثر دنیادار جو لقمہ کھاتے ہیں یا تو حرام ہوتا ہے یا مشتبہ کیونکہ اگرچہ خود تو جائز معاملہ کریں مگر ان کا وکیل بدمعاملگی کر دیتا ہے اور یہ اپنے دین کی کمی کی وجہ سے کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ اگر عمارت تعمیر کراتے ہیں تو کاریگروں سے دباؤ ڈال کر کام لیتے ہیں اور اگر مال جمع کرتے ہیں تو نامناسب اور ناجائز طریقوں سے۔
پھر ہر دولت مند اور صاحب منصب کو ہر وقت اس کا اندیشہ بھی رہتا ہے کہ کہیں اسے

قتل نہ کر دیا جائے، منصب سے معزول نہ کر دیا جائے اور عوام گالی نہ دیں۔ لہٰذا ان کا عیب بھی نقص ہے جبکہ ہم وہ کھاتے ہیں جس کا جائز اور حلال ہونا ظاہر شریعت سے ثابت ہو نہ کسی دشمن سے ڈرتے ہیں اور نہ ہمارے منصب میں معزولی کا خطرہ ہے۔

پھر دنیا میں بھی عزت کا پلہ ہماری ہی طرف ہے نہ کہ ان کی طرف، خلق خدا کا میلان بھی ہماری ہی طرف ہے بلکہ خود انہی میں سے زیادہ تر ہماری دست بوسی اور تعظیم کرتے ہیں اور آخرت میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درجات میں واضح فرق ہوگا۔

اگر یہ دنیادار اپنی گردنیں گھما کر دیکھیں تو انہیں ہماری فضیلت اور درجے کا پتہ چلے اور اگر ان کے ہاتھ ہم کو عطا کرنے سے بند ہو گئے تو (کچھ حرج نہیں کیونکہ) عفت کی لذت بڑی پاکیزہ ہے جبکہ احسان کی تلخی عطیے کی شیرینی سے زیادہ ہوتی ہے۔ زندگی کیا ہے؟ معمولی کھانے پر اکتفا اور معمولی لباس پر قناعت کیونکہ چند روز کا معاملہ ہے۔

تعجب ہے کہ وہ شخص جس کی ذات میں شرافت اور کمال ہو جس کی وجہ سے اس نے علم حاصل کیا کیونکہ علم وہی حاصل کرتا ہے جس کے اندر شرافت اور خودداری ہوتی ہے کہ آخر کیا سوچ کر وہ ایک ایسے شخص کے سامنے جھک جاتا ہے جس کی ساری عزت دراہم و دینار سے ہے اور جس کا فخر مکان پر ہے۔ مجھ کو ابو یعلیٰ علوی نے یہ اشعار سنائے۔

رب قوم فی خلائقهم　　　　عرر قد صیروا غررا

"بہت سے لوگوں کی طبیعتوں میں نقص ہوتا ہے جس کو وہ خوبی اور کمال بنا کر ظاہر کرتے ہیں۔"

ستر المال القبیح لهم　　　　ستری ان زال ما سترا

"کیونکہ مال ان کی برائیوں پر پردہ ڈالے رہتا ہے۔ چنانچہ اگر مال ختم ہو جائے تو تمہیں ان کا عیب نظر آ جائے۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں غافلوں کی نیند سے بیدار فرما کر بیدار مغزوں کی فکر عطا فرمائے اور علم و عقل کے تقاضوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ بلاشبہ وہ قریب ہے دعا کو قبول فرمانے والا ہے۔

بدن کے ساتھ برتاؤ

مجلس... کسی شخص کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ اپنے بدن کے ساتھ

ناقابل برداشت سلوک کرے۔ بدن کی مثال تو ایک سواری کے جانور جیسی ہے کہ اگر اس کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا جائے تو سوار کو منزل تک نہیں پہنچاتی۔

چنانچہ لوگوں میں تم کو ایسے افراد نظر آئیں گے جنہوں نے زہد اور تصوف اختیار کر کے طبیعت کی مانوس غذاؤں کو ترک کر دیا جبکہ ان کا جسم ٹھاٹھ اور نعمت میں پروان چڑھا تھا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ طرح طرح کے نئے نئے امراض میں مبتلا ہو گئے اور بہت سی عبادتوں سے محروم ہو گئے۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے:

عودوا کل بدن ما اعتاد "بدن کو اس کی عادی غذائیں دیا کرو۔"

اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوہ پیش کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**اجدنی اعافه لانه لیس بارض قومی**" "میری طبیعت کو ناگوار معلوم ہو رہی ہے کیونکہ یہ میری قوم کے علاقہ میں نہیں پائی جاتی۔"

اور حدیث ہجرت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سایہ تلاش فرمایا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام کرنے کے لیے پوستین بچھائی اور اس پیالہ پر جس میں دودھ تھا' پانی بہاتے رہے یہاں تک کہ ٹھنڈا ہو گیا۔

خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم میں تشریف لے گئے تو فرمایا: "اگر تمہارے پاس پرانے مشکیزہ میں رات کا رکھا ہوا پانی ہو تو لاؤ ورنہ پھر ہم منہ لگا کر پی لیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرغی کا گوشت بھی کھاتے تھے اور صحیح روایت میں ہے کہ "شیرینی اور شہد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا۔"

البتہ جب یہ نعمتیں نہ رہتیں تو پھر جو کچھ موجود ہوتا اسی پر قناعت فرما لیتے تھے۔ خوب سمجھ لو کہ عرب والوں میں اور اہل دیہات میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کو لباس اور کھانے میں موٹے جھوٹے کے استعمال سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لہٰذا جب ایسے عادی لوگ معمولی لباس اور کھانے عادت کے مطابق کھائیں گے تو ان کو نقصان نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف جو لطیف غذاؤں اور باریک لباس کا عادی رہ چکا ہو اگر وہ اپنی حالت بدلے (اور موٹے جھوٹے کو اختیار کرنا چاہے) تو اس کے بدن کی حالت متغیر ہو جائے گی اور عبادت میں کمی پیدا ہو جائے گی۔

چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ پابندی سے گوشت کھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ "یہ ہے مالک کی دو چپاتیاں اور فرقد رحمۃ اللہ علیہ کے دو پیالے" حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر کو حلوے سے خالی نہیں رکھتے تھے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سفر کرتے تھے تو تھیلے میں بھنا ہوا گوشت اور فالودہ رکھ کر ساتھ لیا کرتے۔

اور حضرت رابعہ بصریہؒ نے فرمایا: "میں نہیں سمجھتی کہ جس بدن سے اللہ کے لیے عبادت کا کام لینا ہو اگر وہ فالودہ کھالے تو اس میں کوئی عیب کی بات ہے۔"

لہٰذا جو شخص پُرتکلف غذا کا عادی رہ چکا ہو اس کو اپنے جسم کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے جبکہ اس پر قدرت بھی ہو۔

اور یہ بات مجھ کو خود اپنی حالت سے سمجھ میں آئی ہے کیونکہ میری پرورش اچھی غذاؤں میں ہوئی تھی پھر جب میں نے تقشف کی شروع کی اور پسندیدہ کھانوں کو چھوڑ دیا تو اس سے میرے اندر بیماری پیدا ہو گئی جس نے مجھ کو بہت سی عبادتوں سے محروم کر دیا۔

چنانچہ بہت دنوں سے میرا معمول تھا کہ ہر روز قرآن پاک کے پانچ پارے پڑھتا تھا لیکن جب ایک دن معمولی غذا استعمال کی تو اس دن اتنی تلاوت نہیں ہو سکی تو میں نے سوچا کہ وہ لقمہ جس کا یہ اثر ہو کہ پانچ پارے تلاوت کا ذریعہ بن جائے جبکہ ہر ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں تو اس کا کھانا ٹھیک بلکہ عبادت ہے اور جو کھانا بدن کے لیے نقصان دہ ہو کر کسی نیک کام کے ترک کا سبب بن جائے اس کو چھوڑ دینا ہی ضروری ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو جو بدن کی نزاکت کی وجہ سے لاغر ہو گئے تھے دیکھا تو فرمایا: "من امرک بهذا" تمہیں ایسے زہد کا کس نے مشورہ دیا تھا۔

لہٰذا سمجھدار وہی ہے جو اپنے بدن کو ایسی غذائیں دے جو طبیعت کے موافق ہوں جس طرح فوجی اپنے گھوڑے کو صاف ستھرا رکھتا ہے۔

خبردار! یہ سمجھ لینا کہ میں تم کو خواہشات نفس اور لذیذ غذاؤں میں کثرت کا مشورہ دے رہا ہوں۔ نہیں بلکہ میرا مشورہ یہ ہے کہ ایسی غذا کھاؤ جس سے جسم کی حفاظت ہو اور میں تم کو ان غذاؤں سے باز رکھنا چاہتا ہوں جو بدن کے لیے مضر ہوں۔

دہی کھانوں میں زیادتی تو پیٹ ٹھنڈک کا سبب ہے اور آسودگی سے دل اندھا ہو جاتا ہے اور بدن لاغر کمزور ہو جاتا ہے۔ لہٰذا میرے مشورہ کی حقیقت کو سمجھو کیونکہ راہ وہی ہے جو معتدل ہو۔

گناہ کی اصل وجہ عقل کی کمی ہے

مجلس... جب عقل کامل ہوتی ہے تو ذہانت اور فطانت بھی بڑھ جاتی ہے اور ذہین شخص جب کسی مصیبت میں پھنس جاتا ہے تو چھٹکارے کی راہ نکال لیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ چور اگر ذہین اور حاضر دماغ ہوتے تو ان کا ہاتھ نہ کاٹا جا سکتا۔ رہا بیوقوف معقل تو وہ خود اپنے اوپر مصیبتیں لا دیتا ہے۔

یہ دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے باپ سے اس لیے دور کیا تا کہ خود باپ کا قرب حاصل کر لیں اور یہ نہیں سمجھ سکے کہ یوسف علیہ السلام کے فراق کا غم حضرت یعقوب علیہ السلام کو مشغول کیے رہے گا بلکہ یوسف علیہ السلام کے سلسلے میں بھائیوں پر شبہ کا دھبہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں نفرت ہی بڑھا دے گا۔

پھر دیکھو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال کر یہ سوچا کہ کوئی قافلہ اٹھا لیجائے گا حالانکہ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نا سمجھ بچے نہیں بلکہ بڑے اور سمجھدار بچے ہو چکے تھے تو یہ نہیں سمجھ سکے کہ اگر کوئی قافلہ ان کو اٹھائے گا تو یہ اپنا حال بتا دیں گے اور خبر ابا جان کو پہنچ جائے گی۔ معلوم ہوا کہ یہ تصور محض عقل کی کمی ہی تھا۔

پھر (گھر آئے تو) کہا کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا حالانکہ ان کا خون آلود کرتا صحیح سالم لے کر پہنچے تھے۔ اگر کرتہ پھاڑ دیتے تو سچائی کا گمان ہو سکتا تھا۔

پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام کے دربار میں غلہ لینے کے لیے پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ اگلی مرتبہ اپنے بھائی بن یامین کو بھی لاؤ۔ اب اگر ان کی سمجھ کامل ہوتی تو سوچتے کہ مصر کے بادشاہ کو ہمارے بھائی سے کیا غرض؟

اسی طرح جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو قید کر لیا اور کہا کہ یہ چیز تم مجھ کو

جاتا ہے کہ ایسا اہم واقعہ ہوا تھا تو یہ سب دیکھ کر بھی کچھ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

اس کے برخلاف جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ باتیں معلوم ہوئیں تو فرمایا "اذھبوا فتحسسوا من یوسف" جاؤ یوسف کا پتہ لگاؤ۔ ادھر یوسف علیہ السلام کو وحی کے ذریعے منع کر دیا گیا تھا کہ اپنے ابا جان کو اپنے وجود کی خبر نہ ہونے دیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب دونوں حضرات میں ملاقات ہوئی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے پوچھا کہ تم نے مجھ کو خط کیوں نہیں لکھا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے منع کر دیا تھا۔

لہٰذا جب یوسف علیہ السلام کو آزمائش کی تکمیل کے لیے اطلاع سے منع کر دیا گیا تو آپ نے بھائی بنیامین کے ساتھ جو کچھ کیا اس سے مقصود اشارۃً اپنے وجود پر تنبیہ کرنا تھا جیسے کہ عدت گزارنے والی عورت کو اشاروں میں پیغام دیا جاتا ہے۔

اور سچ پوچھو تو حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ فہم اور کریہ صرف حضرت یوسف علیہ السلام کی فہم و فراست (اور کمالات) پر تھا نہ کہ صورت کے حسن پر۔

دنیاوی تقاضوں کی تدبیر

مجلس... آدمی کے اندر ایسے تقاضے رکھ دیے گئے ہیں جو فکر کو منتشر کرتے رہتے ہیں۔ نگاہ حسین صورتیں تلاش کرتی ہے، زبان بولنا چاہتی ہے، پیٹ کھانا مانگتا ہے، شرمگاہ نکاح کا تقاضا کرتی ہے اور طبیعت مال جمع کرنا چاہتی ہے جبکہ ہم کو آخرت کی یاد کے لیے فکری سکون اور اطمینان کا حکم دیا گیا ہے اور خواہشات ان کو منتشر کرنے پر لگی ہوئی ہیں۔

تو بتاؤ کہ پھر کس طرح قلب کو سکون ہوگا جبکہ اپنے جسم کی غذا اور بال بچوں کے کھانے کی فکر اور ان کی ضروریات کا خیال غالب ہوگا؟

جب صبح اٹھ کر دکان جائے گا اور مال حاصل کرنے کی فکر کرتے ہوئے اپنی ہمت کی قوت کو ضروریات کے حصول کی فکر میں لگا دے گا تو دل میں جمعیت اور سکون کیسے پیدا ہوگا؟ خصوصاً اگر کسی چیز کے متعلق حرص و عشق میں گرفتار ہو گیا ہو تو پھر عمر ختم ہو جائے گی اور دکان سے اٹھ کر قبر ہی میں اترے گا پھر آخر علم یا عمل یا اخلاص نیت اور دوسرے فضائل کی تحصیل کب

کرے؟ لہٰذا اب صورت یہی ہو سکتی ہے کہ جیسے بیدار مغزی عطا کی گئی ہو وہ فضائل و کمالات کے حصول کے لیے صبر و ہمت سے کام لے۔ چنانچہ اگر بیوی بچوں کے خرچ سے آزاد ہو اور کچھ پونجی نہ رکھتا ہو تو تھوڑی کمائی پر اکتفا کرے۔ جیسا کہ "اہل سبت" سنیچر کے دن کام کر کے باقی پورے ہفتہ میں اسی کمائی پر گزارہ کرتے تھے۔

اور اگر کچھ مال موجود ہو تو ایسے شخص کے کاروبار میں سرمایہ کاری کرے جو اپنی دیانت داری اور اعتماد کی وجہ سے خود اس کو محتاج ہونے سے بچا سکتا ہو۔

اور اگر بال بچوں کی ذمہ داری بھی ہو تو پھر ان کے لیے کمانے کی طرف متوجہ ہو جائے اور اسی کی نیت سے کمائے تو کمانے ہی میں عبادت کا ثواب پائے گا یا یہ کرے کہ جائیداد جیسے مال کو دو حصوں میں تقسیم کر کے آدھا اپنے استعمال میں رکھے (اور آدھے کو کرایہ پر اٹھا دے) تاکہ اس کی آمدنی سے کفایت ہوتی رہے۔

ان سب کے ساتھ حتی الامکان اپنے تعلقات کا دائرہ کم کرتے رہے تاکہ آخرت کی یاد کے لیے فکر پُرسکون ہے کیونکہ اگر ایسا نہیں کیا تو پھر غفلت میں پڑ کر ندامت کے گڑھے میں پڑا رہے گا۔

سب سے بہتر صورت اس عالم فقیہ کا ہوتا ہے جو اپنی فکر کو آخرت کی یاد کے لیے جس وقت بھی جمع کرنا چاہے تو دل بچوں کی روزی کے لیے منتشر ہو کر رہ جائے بلکہ کبھی ظالموں سے تعلق مشتبہ مال کے حصول نیز آبرو کے خرچ کرنے کا محتاج ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے عالم کو خرچ میں احتیاط کرنا ضروری ہے اور جب اسے کچھ مال کسی طریقہ سے حاصل ہو تو اس کو تدبیر سے خرچ کرے۔

یہ نہ ہو کہ فقراء اس کو اپنا سب مال خرچ کر دینے پر ابھار دیں کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "لان تترک ورثتک اغنیاء خیر من ان تترکھا عالۃ یتکففون النّاس" (اپنے ورثہ کو مالدار چھوڑ جانا اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو محتاج چھوڑ دو اور وہ لوگوں سے ہاتھ پھیلا کر مانگتے پھریں۔"

"سب سے بڑی ذلت بخیلوں اور دولت مندوں کے دوار پر حاضری ہے۔"

لہٰذا اپنے مال کو تدبیر سے خرچ کرو تعلقات کم کرو اپنی آبرو کی حفاظت کرو یہ سمجھ کر زندگی بس چند ایام کی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کچھ مال ہدیہ بھیجا گیا اور صاحبزادہ نے قبول کر لینے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا! اے صالح! مجھے کچھ وقت دو پھر فرمایا کہ میں استخارہ کروں گا جب صبح ہوئی تو فرمایا اے بیٹے! میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ قبول نہیں کروں گا۔ دیکھو یہ اس مال کے ساتھ معاملہ ہے جو ہر طرح سے عمدہ تھا اور صحیح طریقوں سے حاصل ہوا تھا جبکہ اب تو حالات بھی بدل چکے ہیں۔

حاسد سے احتیاط کرو

صیحت:... مخلوق سے الگ ہو کر گوشہ نشین ہونا خوشگوار زندگی کا ذریعہ ہے مگر چونکہ میل جول کے بغیر چارہ نہیں ہے اس لیے دشمن کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو بلکہ اس سے معافی کرتے رہو کیونکہ کبھی تمہارے خلاف سازش کر کے ہلاک بھی کر سکتا ہے جو تم سے بدسلوکی کرے اس سے حسن سلوک سے پیش آؤ اپنے ارادوں کی تکمیل میں رازداری سے اور لوگوں کو صرف جان پہچان والے لوگوں کے درجہ میں رکھو کسی کو سچا دوست بنانے کی آرزو مت کرو کیونکہ سچے دوست کا وجود سب سے زیادہ نادر ہے۔

جس کی وجہ یہ ہے کہ دوست کو ہم پلہ ہونا چاہیے۔ اب اگر تم کسی عامی سے دوستی کرو گے تو اس کی بد خلقی، کم علمی اور بد تہذیبی ہی کی وجہ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکو گے اور اگر کسی برابر کے شخص کو دوست بناؤ گے تو وہ تم سے حسد میں مبتلا ہو جائے گا اور اگر تم کو بیدار مغزی حاصل ہے تو اس کے کردار و گفتار سے تم کو سمجھ میں آ جائیگا کہ وہ تم سے حسد کرتا ہے۔

"ولتعرفنهم في لحن القول" اور یقیناً آپ انکو پہچان لیں گے گفتگو کے انداز سے اور اگر یقینی طور پر اس بات کا اندازہ لگانا چاہتے ہو تو اس کے پاس ایسے شخص کو بیٹھنے کا موقع دو جو اس کے ساتھ تمہاری عیب جوئی کرے پھر دیکھو کہ جو کچھ اس کے دل میں ہوگا سب اس کے سامنے ظاہر کر دے گا۔

اس لیے اگر زندگی کا آرام چاہتے ہو تو حاسدوں سے بہت دور رہو کیونکہ وہ تمہاری نعمت کو دیکھ کر (کچھ نہیں کر سکتا تو کم از کم) نظر بد ہی لگا دے گا۔

اگر ایسے کسی شخص سے ملنے کی ضرورت پڑ ہی جائے تو اپنے راز اس پر نہ ظاہر کرو نہ اس سے مشورہ لو۔ دیکھو اس کی چالبازی تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے، نہ اس کی دینداری اور عبادت سے دھوکہ میں نہ پڑ جانا کیونکہ حسد ایسی بیماری ہے جو دین پر غالب آ جاتی ہے۔ چنانچہ تم کو معلوم ہی ہے کہ قابیل کو حسد ہی نے ہابیل کے قتل پر مجبور کیا تھا اور حسد ہی کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کو آپ کے بھائیوں نے معمولی قیمت میں فروخت کر دیا تھا۔

اسی طرح ابو عامر راہب جو نہایت سمجھدار عبادت گزار شخص تھا اور عبداللہ بن ابی جو مدینے کے سرداروں میں تھا ان کو حسد ہی نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نفاق برتنے اور مانا حق پر آنے سے روک دیا۔

تمہارے لیے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ تم حاسد کے لیے اس سزا سے زیادہ کسی سزا کا خیال لاؤ جس میں وہ مبتلا ہے کیونکہ وہ بیچارہ خود ہی بہت بڑی سزا میں مبتلا ہے کہ اس وقت تک خوش نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمہاری نعمت ختم نہ ہو جائے اور جتنی تمہاری نعمت بڑھتی جائے گی اس کی سزا اور تکلیف بڑھتی رہے گی اس لیے اس کو راحت اور سکون مل ہی نہیں سکتا۔

یہ حقیقت ہے کہ اہل جنت کو بھی راحت جب ہی ملے گی جبکہ ان کے سینوں سے حسد اور کینہ ختم کر دیا جائے گا ورنہ اگر آپس میں حسد کرنے لگیں تو سارا لطف برباد ہو جائے۔

دین سے دنیا بھی سنورتی ہے

مجلس..... جو شخص عقل کے تقاضوں پر چلے خواہش نفس کو دبائے اور انجام پر نگاہ رکھے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دنیاوی لذتوں سے ان لوگوں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے جنہوں نے خواہشات پر عمل کیا۔

رہا جلد باز شخص تو وہ دنیا کی لذتوں اور بھی شہوت سے اپنے کو محروم کر لیتا ہے اور یہی اس کی لذتوں سے محرومی کی اصل وجہ ہے۔

اس کی وضاحت دو طرح سے ہوتی ہے ایک تو یہ کہ اگر نکاح کی خواہشات کی طرف مائل ہو کر کثرت سے ہمبستری کرے گا تو لطف اندوزی کم ہوتی جائے گی اور جسم کی حرارت و

قوت گھٹ جائے گی اور یہ چیز ہمبستری سے مقصود لذت سے محرومی کا ذریعہ بن جائے گی۔ اس کے برخلاف جو شخص عقل کی اجازت کے بقدر ہمبستری کرے اور برداشت سے کام لے تو اس کی لطف اندوزی زیادہ ہوگی کیونکہ دو ہمبستری کے درمیان وقفہ کی زیادتی لذت میں اضافہ کا سبب ہے اور حرارت کے باقی رہنے کی وجہ سے ہمیشہ ہمبستری کی قوت بھی رہے گی۔

ایسے ہی اگر کوئی شخص لین دین اور تجارت میں خیانت اور دھوکہ سے کام لیتا ہے تو لوگ اس سے معاملہ کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر ایک مرتبہ کی خیانت کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے تجارت کے نفع سے محروم ہو جاتا ہے حالانکہ اگر دیانت اور اعتماد کی شہرت ہوتی تو لوگ معاملہ کرتے رہتے اور نفع بڑھتا رہتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کر کے علم میں مشغول ہوتا ہے یا سچے تصوف میں تو اس کو حلال اور جائز آنی فتوحات ہوتی ہیں جن سے خوب لطف اندوز ہو لیتا ہے اس کے برخلاف جو شخص کاہلی اور سستی کی وجہ سے علم سے یا خواہش کے غلبہ کی وجہ سے سچے تصوف سے محروم ہو گیا اسے اپنی مراد بہت کم حاصل ہو پاتی ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وان لو استقاموا علی الطریقۃ لاسقیناہم ماءً غدقا" (اور یہ کہ اگر وہ سیدھے راستے پر رہیں تو ہم انہیں خوشگوار پانی پلائیں گے)

خدا تعالیٰ کی معیت

مجلس..... ہر عمل اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہونا چاہیے اس کی معیت میں ہو اور اس کی وجہ سے ہو جبکہ اسی نے ہر مخلوق سے تمہاری کفایت کی ہے اور ہر چیز تمہارے لیے مہیا کیا ہے خبردار! خواہش نفس کی موافقت یا کسی مخلوق کی خوشنودی کے لیے اس سے بے رخی نہ کرو ورنہ وہ تمہارے حالات بدل دے گا پھر تمہارا مقصود نہیں حاصل ہو سکے گا۔

حدیث شریف میں ہے: "من ارضی الناس بسخط اللّٰہ عاد حامدہ من الناس ذاما" (جس نے خدا تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرنا چاہا تو اس کی تعریف کرنے والے لوگ مذمت کرنے لگ جاتے ہیں)

یہ واقعہ ہے کہ سب سے خوشگوار زندگی اسی شخص کی ہے جو خدا تعالیٰ کی معیت میں زندگی گزار رہا ہے۔

اگر کوئی پوچھے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ زندگی گزارنے کا کیا مطلب ہے؟ میں کہوں گا کہ اس کے حکموں کو بجالانا اس کی منع کردہ چیزوں سے پرہیز کرنا' اس کی حدود کی رعایت کرنا' اس کے فیصلوں پر راضی رہنا' خلوت میں حسن ادب کے ساتھ رہنا' کثرت سے اس کا ذکر کرنا اور اس کے تکلیف دہ فیصلوں پر دل کو اعتراض اور شکایت سے محفوظ رکھنا۔

اگر تم کو ضرورت پیش آئے تو اسی سے سوال کرو۔ پھر اگر مل جائے تو ٹھیک ورنہ نہ ملنے پر راضی رہو اور اس کا یقین رکھو کہ بخل کی وجہ سے محروم نہیں کیا ہے بلکہ اس میں تمہاری ہی کوئی مصلحت ہے اور دعاء وسوال کا سلسلہ ختم نہ کرو کیونکہ دعاء کے ذریعے بھی بندگی کا حق ادا کر رہے ہو۔

اگر ان چیزوں پر پابندی سے عمل کرلو تو وہ تمہیں اپنی محبت اور سچے توکل کی توفیق سے نواز دے گا پھر یہ محبت تم کو مقصود کی طرف لے چلے گی اور نتیجتاً اس کو بھی تم سے محبت ہو جائے گی پھر تمہاری زندگی صدیقین کی طرح گزرے گی۔

لیکن اگر یہ سب نہ ہو سکا تو پھر اس زندگی میں کوئی اچھائی نہیں ہے کیونکہ اکثر لوگ اپنی زندگی میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں' اسباب و ذرائع کی طرف توجہ کیے ہوئے ہیں' انہی کی طرف دل سے مائل ہیں' حد سے زیادہ حرص کے ساتھ روزی کے حصول میں اپنے کو تھکا رہے ہیں' مخلوق کی طرف مائل ہوئے جا رہے ہیں اور مقاصد سے محرومی کے وقت اعتراض بھی کر رہے ہیں۔

تقدیر کا فیصلہ نافذ ہو رہا ہے اور ان کو خدا تعالیٰ کی ناراضگی کی پرواہ نہیں ہے جبکہ حاصل وہی ہوتا ہے جو تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے اور ان سب کے ساتھ حق تعالیٰ کا قرب اور اس کی محبت اور اس کے ساتھ حسن ادب کی نعمت سے بھی محروم ہیں تو دیکھو یہ جانوروں اور چوپایوں کی زندگی ہے۔

محتاط روش

مجلس.... ایک مرتبہ میں نے نکاح' لباس اور کھانے پینے کی حکمت پر غور کیا تو اندازہ ہوا کہ چونکہ آدمی ایسے عناصر سے پیدا کیا گیا ہے جو تحلیل ہوتے رہتے ہیں' یعنی پانی'

آگ، مٹی اور ہوا سے اور انسان کا بقا ہمیشہ پیدا ہونے والی رطوبت اور حرارت سے ہوتا ہے اس لیے انسان کو ایسی غذا حاصل کرنا ضروری ہے جو فنا ہونے والی رطوبت اور حرارت کا بدل بن سکے۔

پھر چونکہ گوشت کا بدل گوشت ہی ہو سکتا تھا اس لیے شریعت نے جانوروں کے ذبح کو حلال کر دیا تاکہ ان کے گوشت کے ذریعے وہ قوت حاصل کر سکے جو ان سے کہیں زیادہ افضل اور اشرف ہے۔

اور چونکہ بدن کو کپڑے کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ انسان کے اندر عقل اور تمیز کی قدرت ہے اور اس کو یہ قوت حاصل تھی کہ موسموں کے نقصان سے حفاظت کے لیے روئی اور اون کے کپڑے بنا سکے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم پر خلقی طور پر ایسی کھال نہیں بنائی جو اس کی حفاظت کا کام کرے بخلاف اس کے جانوروں میں چونکہ اپنے جسم کو چھپانے والی چیزوں کے بنانے اور حاصل کرنے پر قدرت نہیں تھی اس لیے ان کو اس کے عوض پر بال اور اون سے ڈھک دیا۔

اسی طرح جب یہ مقدر ہو چکا تھا کہ آدمی اور جانوروں کو موت سے چھٹکارا نہیں ہے (اور اس عالم کو ایک متعین مدت تک باقی رکھنا تھا) اس لیے ان کے اندر ہمبستری کی خواہش ابھار دی تاکہ نسل کا سلسلہ چلتا رہے۔

لہٰذا اس عقل کا تقاضا جو ان مصلحتوں کے حصول پر آمادہ کرتی ہے یہی ہے کہ کھانا اور پینا بقدر ضرورت اور بقدر مصلحت ہو کہ عافیت اور صحت کے ذریعے لطف اندوزی حاصل ہوتی ہے۔

یہ بڑی آفت کی بات ہے کہ آدمی کھانے پینے کی چیزوں سے لطف اندوزی کی کوشش کرے ان کا استعمال مناسب مقدار پر نہ ہو اور پھر کھانے میں بھی حرص کا مظاہرہ کرے۔ اسی طرح لباس اور نکاح میں بھی حد سے آگے بڑھ جائے۔

البتہ یہ احتیاط کی بات ہے کہ کچھ مال حاصل کر کے اس کو جمع کر لیا جائے تاکہ بوقت ضرورت کام آسکے یہ تو نادانی کی بات ہے کہ حاصل شدہ سب کو خرچ کر ڈالا جائے کیونکہ جب کوئی ضرورت پیش آجاتی ہے اور پوری نہیں ہو پاتی تو پھر یا تو ضرورت کو روکنے سے جسم کو نقصان پہنچتا ہے یا پھر لوگوں سے مانگنے میں آبرو کو دھکا لگتا ہے۔

بدترین بات ہے کہ ظاہری لذت کے حصول کے لیے ہمبستری میں منہمک ہو کر وہ

جائے اور یہ بھول جائے کہ اس کے نتیجہ میں کس قدر قوت تحلیل ہو جاتی ہے جبکہ حرام ہمبستری میں مزہ کی تکلیف مزید۔

حاصل یہ کہ جو شخص عقل کے مشورہ سے دنیا کی طرف جھکا اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی وہ نقصان میں رہا اور جس نے اس کے مشورہ سے منہ پھیر لیا اور اس کی بات نہیں مانی اس کی ہلاکت میں تو خیر کوئی شبہ ہی نہیں۔

لہٰذا تمام مقاصد اور خواہشوں کا مقصود و مراد اور ان کی حکمتوں کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ جس نے اس کو نہیں سمجھا یا سمجھا مگر تقاضا پر عمل نہیں کیا وہ جاہل عوام سے بھی بدتر ہے۔ اگرچہ بظاہر عالم سمجھا جاتا ہو۔

حکام سے ربط کے تقاضا جات

مجلس... جس کے پاس بھی عقل یا تھوڑی سی دینداری ہو اس پر حیرت ہوتی ہے کہ کیا سوچ کر حاکموں سے میل جول کو اختیار کرتا ہے؟ کیونکہ ان کے ساتھ میل جول یا ان کے ساتھ رہ کر حکومت میں حصہ لینے سے ہمیشہ معزول یا قتل ہونے میں زہر کا خطرہ لگا رہتا ہے اور یہ ممکن نہیں ہوتا کہ ان کے حکم اور مرضی کے خلاف کوئی کام کیا جا سکے۔ چنانچہ اگر وہ کوئی ناجائز کام کرنے کو کہیں تو اس سے پہلو تہی کی قدرت نہیں ہوتی۔

معلوم ہوا کہ ایسا شخص دنیا کے لئے اپنا دین فروخت کر دیتا ہے کیونکہ حاکم کے خوف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم نہیں رہ پاتا جس کی وجہ سے آخرت برباد ہو جاتی ہے۔

ہاں! وقتی تعظیم اور کچھ حضوری مل جاتی ہے اور کچھ دن اس کے احکامات نافذ ہوتے رہتے ہیں مگر دین کے بارے میں سلامتی سے دور ہو جاتا ہے اور دنیا بھی معزولی یا قتل کے خطرات کے ساتھ حاصل ہوتی ہے۔

احتیاط اور دور اندیشی

مجلس... یہ بڑی غلطی ہے کہ معزول حکمرانوں کے حق میں نامناسب کلمے بولے جائیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ پھر حاکم ہو جائے اور انتقام لے لے۔

اصل تو یہی ہے کہ کسی سے بھی دشمنی کا اظہار نہ کرنا چاہیے کیونکہ کبھی معمولی شخص

صاحب منصب ہو جاتا ہے اور جو کسی شمار میں نہیں ہوتا اس کو قابو مل جاتا ہے۔

دشمنوں کا کینہ بھی چھپائے رکھنا چاہیے اور اگر کبھی انتقام کا موقع مل جائے تو معافی بھی انتقام ہی ہے کیونکہ معافی دشمن کو ذلیل کر دیتی ہے۔

بہتر یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرے خاص کر اس شخص کے ساتھ جس کے حاکم ہو جانے کا احتمال ہو اور معزول حاکم کی بھی کچھ خدمت کرے کیونکہ کبھی اس کو حکومت مل جاتی ہے تو فائدہ پہنچاتا ہے۔

ہم سے یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے قاضی القضاۃ ابن ابی داؤد کے پاس آنے کی اجازت طلب کی اور خادم سے کہا قاضی صاحب سے کہہ دو کہ "ابو جعفر دروازے پر کھڑا ہے" قاضی ابن داؤد نے سنا تو بہت خوش ہوئے اور کہا ان کو اندر بلاؤ' جب اندر آیا تو قاضی صاحب اُٹھے اس سے ملاقات کی' اعزاز و اکرام کیا' پھر پانچ ہزار درہم تحفہ میں پیش کیے اور دروازے تک رخصت کرنے آئے۔

کسی نے کہا کہ یہ تو ایک عام آدمی تھا اس کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا؟ قاضی صاحب نے کہا جب میں غریب تھا اس وقت یہ میرا دوست تھا' ایک دن میں اس کے پاس آیا اور کہا کہ بھوکا ہوں اس نے مجھے بٹھایا اور باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد حلوہ روٹی اور بھنا ہوا گوشت لے کر آیا اور کہا کھاؤ۔ میں نے کہا تم بھی میرے ساتھ کھاؤ' اس نے انکار کیا میں نے کہا خدا کی قسم! جب تک تم نہیں کھاؤ گے میں نہیں کھاؤں گا۔ آخر اس نے کھانا شروع کر دیا مگر اسی کے ساتھ اس کے منہ سے خون جاری ہو گیا۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا بیماری ہے! میں نے کہا تم کو خدا کا واسطہ! تم مجھ کو اس راز سے آگاہ کرو' تب اس نے بتایا کہ جب تم آئے تھے اس وقت میرے پاس کھلانے کے لیے کوئی چیز نہ تھی' البتہ میرے دانت سونے کے تار سے بندے ہوئے تھے' تو میں نے وہی تار نکالا اور اس کی قیمت سے کھانا خرید کر لایا ہوں (قاضی صاحب نے یہ واقعہ سنا کر کہا کہ) پھر بتاؤ کیا میں اس کا بدلہ نہ اُتاروں؟

اس کے برعکس خلیفہ واثق باللہ کے وزیر ابن الزیات کا واقعہ ہوا کہ وہ متوکل باللہ کی مذمت کیا کرتا تھا جب متوکل باللہ کی حکومت ہوئی تو اس نے ابن الزیات کو طرح طرح

سزاؤں اور تکلیفوں میں مبتلا کیا۔

ایسے ہی ابن جوزی خلافت سے پہلے مسترشد باللہ کا لحاظ نہیں کرتا تھا جب مسترشد خلیفہ ہوا تو ابن الجوزی کو بہت سی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

اس لیے سمجھدار وہی شخص ہے جس نے انجام کو سوچ کر اس کے مطابق معاملہ کیا اور جن باتوں کا ہونا ممکن تھا ان کو تصور میں رکھ کر احتیاط کے تقاضوں پر عمل کیا۔

ان میں سب سے اہم بات فی الحال موت کے آ جانے کا تصور کرنا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ بغیر کسی بیماری کے بھی اچانک آ جاوے۔

اس لیے محتاط وہی شخص ہے جو اس کے لیے تیار رہ کر اس طرح عمل کرتا رہے کہ جب موت آوے تو شرمندہ نہ ہونا پڑے اور گناہوں سے بچتا رہے کیونکہ گناہ کی مثال اس دشمن جیسی ہے جس کے لیے بدلہ اور سزا گھات میں ہوں اور نیک اعمال کا ذخیرہ کرلے کیونکہ نیک اعمال کی مثال اس سچے دوست کی طرح ہے جو مصیبت کے وقت کام آ دے۔

اور سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ ہے کہ مومن کو یقین رکھنا چاہیے کہ جب نوافل و مستحبات اور سنتوں پر عمل میں اضافہ ہو گا تو جنت میں رتبہ بڑھ جائے گا کمی ہونے کی صورت میں درجات گھٹ جائیں گے۔ تو اگرچہ دوسرے کے کمال کے مقابلہ میں جنت میں اس کا درجہ کم ہی رہے گا مگر بے شعوری میں اس پر راضی رہنا خود نقص ہے۔

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو انجام پر نگاہ رکھتا ہو اور اس کے مطابق عمل کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ ہی اس کی توفیق دینے والے ہیں۔

دنیا کی طرف میلان

مجلس…. جب میں نے اپنی کتاب "المنتظم فی تاریخ الملوک والامم" کی تصنیف شروع کی تو بہت سے بادشاہوں، وزیروں، عالموں، ادیبوں، فقیہوں، محدثوں اور صوفیوں کے حالات مطالعہ میں آئے تو میں نے دیکھا کہ ان میں سے اکثر کے ساتھ دنیا نے وہ کھیل کھیلا کہ ان کا دین برباد کر کے رکھ دیا، ان کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ

گویا وہ سرے سے اپنا ایمان ہی نہیں رکھتے تھے۔

چنانچہ امرا اور حکام ایسے تھے جو قتل کرتے تھے زبردستی چھین لیتے تھے ہاتھ کاٹ دیتے تھے قید کر دیتے تھے اور یہ سب ناحق ہوتا تھا، پھر اور گناہوں کی لڑی میں اس طرح سے منسلک ہو کر آتے ہیں گویا سارا اختیار انہی کو ہے اور عذاب سے حفاظت کا پروانہ پا چکے ہیں۔ ممکن ہے کہ سوچتے ہوں کہ دعا کی قبولیت ان کی طرف سے دعا کا کام کرے گی۔ مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے: "قل انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم" (کہہ دیجیے کہ اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں) اسی طرح علم کی شہرت رکھنے والے حضرات کی ایک جماعت گناہوں کی لڑی میں منسلک ہو گئی تا کہ دنیاوی فوائد حاصل ہو سکیں۔ گویا ان کے علم نے ان کو کچھ فائدہ نہیں پہنچایا۔

ایسے ہی ہم تو بہت سے صوفیا کو فوائد دنیوی کے حصول میں مشغول نظر آتے ہیں تو یہ سب اس وجہ سے ہے کہ دنیا جال ہے اور لوگوں کی مثال چڑیا کی سی ہے کہ چڑیا دانہ دیکھ کر گردن کی گھٹن بھول جاتی ہے۔

اکثر حضرات دنیا کی وقتی لذتوں کی طرف مائل ہو کر اپنے مآل اور انجام کو بھول گئے ہیں۔ لہٰذا خواہشات کی موافقت میں لگ کر عقل کے مشورے کی طرف التفات چھوڑ دیا۔ معمولی لذت کے لیے بڑے خیر کو بیچ ڈالا اور حقیر شہوتوں کے بدلے میں بڑے عذاب کو لے لیا۔

پھر جب ایسے لوگوں میں سے کسی پر موت آتی ہے تو کہتا ہے کہ کاش! میں نہ پیدا ہوا ہوتا، کاش میں مٹی ہوتا" تو اس سے کہا جاتا ہے کہ اب یہ بات کہتے ہو؟

افسوس ہے اس چھوٹ جانے والے عمل پر جس کی تلافی ممکن نہیں ہوتی اس مال و زر پر جس کا چھوڑنا ممکن نہ ہو سکے۔ اس ندامت پر جس کا زمانہ اور مدت ختم نہیں ہو سکتی اور اس جلانے والے عذاب پر جس کی حفاظت امر دشوار ہو۔

خدا کی قسم! ان عقلوں سے فائدہ انہی کو پہنچتا ہے جو اس کے مشوروں کی طرف التفات اور اس پر اعتماد کرے جبکہ عقل کے مشوروں کو خواہشات سے صبر کے پختہ ارادے کے بغیر قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔

حاکموں اور امیروں میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر بن عبدالعزیز
رحمہ اللہ کے حالات پر غور کرو۔ علماء میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور صوفیاء میں حضرت
اویس قرنی رحمہ اللہ کو دیکھو کہ ان حضرات نے احتیاط کا حق ادا کیا ہے اور دوسروں کا قصور سمجھا ہے۔
جب کہ جو لوگ بھی ہلاک ہوئے ہیں وہ خواہشات سے صبر نہ کرنے کی وجہ سے بلکہ بعض تو
ان میں ایسے بھی ہوئے جو شاید آخرت اور عذاب پر ایمان ہی نہیں رکھتے تھے لیکن تعجب ان لوگوں
پر نہیں ہے بلکہ اس صاحب ایمان پر ہے جو آخرت اور عذاب کا یقین رکھتا ہے مگر اس کا یہ یقین اس
کو کچھ فائدہ نہیں دیتا ہے اسی طرح وہ انجام کو دیکھتا ہے مگر یہ دیکھنا اس کو کچھ کام نہیں دیتا ہے۔

بلند ہمتی کا معیار

مجلس..... جسے جس قدر بلند ہمتی سے نوازا جاتا ہے وہ اتنی ہی تکلیف اور مصیبت
میں مبتلا رہتا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے کہ

وإذا كانت النفوس كبارا تعبت في مرادها الاجسام

"طبیعت جب بلند ہوتی ہے تو اس کے مقاصد کے حصول میں جسم کو تھکنا پڑتا ہے۔"

اور دوسرا شاعر کہتا ہے:

ولكل جسم في النحول بلية وبلاء جسمي من تفاوت همتي

"ہر جسم کے لاغر ہونے میں کوئی نہ کوئی مصیبت ہوتی ہے اور میرے جسم کی مصیبت میری بلند ہمتی ہے۔"

اس کی وضاحت یہ ہے کہ جس کی ہمت بلند ہوتی ہے وہ تمام علوم کو حاصل کرنا چاہتا
ہے پھر ہر علم کے مختصر حصہ پر قناعت نہیں کرتا بلکہ پورے علم کو حاصل کرنا چاہتا ہے جبکہ بدن
اس کا تحمل نہیں کر سکتا۔

پھر دیکھتا ہے کہ عمل سے مقصود یہ ہے اس لیے رات کی نوافل اور دن کے روزوں کا
اہتمام شروع کر دیتا ہے جبکہ علم اور ایسی عبادات کو جمع کر لینا بہت دشوار ہے۔

پھر سوچتا ہے کہ دنیا کو ترک کر دے حالانکہ ضروریات کا محتاج ہے اور چاہتا ہے ایثار
کرے کیونکہ بخل کی عادت نہیں رکھتا۔ اسی طرح کرم و بخشش کا تقاضا ہوتا ہے کہ خرچ کرے

جبکہ عزت نفس کی وجہ سے کمانے میں ذلت کے راستے نہیں اختیار کرسکتا ہے۔ اب اگر اپنی طبیعت کی سخاوت پر عمل کرے تو محتاج و فقیر ہو جائے اور اپنے جسم اور بال بچوں کو تکلیف پہنچے اور اگر بخل سے کام لے تو طبیعت اس پر راضی نہیں ہوتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ہر وقت سخت مشقت اور اضداد کو جمع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہٰذا صاحب ہمت ہمیشہ نہ ختم ہونے والی تھکن اور نہ زائل ہونے والی مشقت میں مبتلا رہتا ہے۔

پھر اگر عمل میں اخلاص پیدا ہو جائے تو تھکن اور بڑھ جاتی ہے اور مشقت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔

اب بتاؤ کہاں ایسا عالی ہمت عالم اور کہاں پست حوصلہ مولوی؟ دونوں میں کیا نسبت ہے!؟ اگر یہ پست حوصلہ فقہ سے تعلق رکھتا ہے اور کسی حدیث کے متعلق اس سے پوچھا جائے تو کہتا ہے میں نہیں جانتا اور اگر حدیث میں مشغول ہو اور فقہ کا کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو کہتا ہے میں نہیں جانتا اور کم ہمت عالم کو اس کی پرواہ بھی نہیں ہوتی کہ اسے کم علم کہہ دیا جائے گا۔

جبکہ بلند حوصلہ عالم کسی بھی علم میں کمی کوتاہی کو ایسی رسوائی سمجھتا ہے جو اس کے عیب کا اعلان کرنے والی ہے بلکہ سوچتا ہے کہ اس کوتاہی نے گویا لوگوں کے سامنے میری ستر کھول کر رکھ دی ہے۔

اسی طرح پست حوصلہ شخص لوگوں کے احسانات کی پرواہ نہیں کرتا۔ ان سے سوال کو برا نہیں سمجھتا اور دھتکارے جانے سے اس کو غیرت نہیں آتی جبکہ بلند ہمت شخص اس کا تحمل نہیں کرسکتا ہے۔ مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ بلند ہمت شخص کا تعب حقیقت میں راحت ہے اور کم ہمت شخص کی راحت اگر سمجھ سے کام لے تو مشقت اور عیب ہے۔

یہ دنیا تو اعلیٰ مرتبوں کے حصول کے لیے دوڑ اور مقابلہ کا میدان ہے۔ لہٰذا بلند ہمت شخص کو اس کی دوڑ میں ذرا بھی کوتاہی نہ کرنی چاہیے۔ پھر اگر سبقت مل جائے تو یہی مقصود ہے اور اگر کوشش کے بعد گھوڑا کہیں ٹھوکر کھا جائے تو کوئی ملامت کی بات نہیں۔

عجب و ناز

مجلس…… سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ انسان اپنی ذات سے خوش اور اپنے علم پر مطمئن رہے جبکہ یہ مصیبت اکثر لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

چنانچہ یہودی یا نصرانی کو دیکھو کہ وہ اپنے کو راہ صواب پر سمجھتے ہوئے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل کو نہ دیکھتا ہے اور نہ اس کی تحقیق کرتا ہے بلکہ اگر کبھی ایسی بات سننے کا موقع آجاتا ہے جس سے دل میں نرمی آوے۔ مثلاً قرآن پاک وغیرہ تو اس خیال سے بھاگ نکلتا ہے کہ کہیں کوئی دلیل کان میں نہ پڑ جائے۔

اسی طرح ہر خواہش پرست اپنے مسلک پر ثابت قدم رہتا ہے یا تو اس وجہ سے کہ وہ اس کے باپ یا گھرانہ اور خاندان کا مذہب ہے یا پہلی مرتبہ غور وفکر میں اس مسلک کو درست سمجھ لیا پھر اس کی معارض اور مخالف دلیلوں کو نہیں دیکھا اور علماء سے تحقیق بھی نہیں کی کہ وہی اس کی خطا ظاہر کر دیتے۔ چنانچہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف اُٹھنے والے خوارج کا یہی معاملہ ہوا کہ انہوں نے اپنے خیالات کو درست اور مستحسن سمجھ کر کسی جاننے والے سے پوچھنے اور سمجھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے ملے اور ان کی غلطی ظاہر فرمائی تو دو ہزار افراد نے رجوع کر لیا۔

اور جن لوگوں نے اپنی خواہش سے رجوع نہیں کیا ان میں سے ابن ملجم بھی تھا کہ اپنے مذہب کو حق سمجھ کر امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کو حلال سمجھ بیٹھا بلکہ اس کو دین تصور کیا۔ یہی وجہ تھی کہ جب کہ اس کے اعضاء کاٹے جا رہے تھے تو کوئی مزاحمت نہیں کی۔ پھر جب اس کی زبان کاٹنے کے لیے کہا گیا کہ زبان نکال تو پیچھے ہٹ گیا اور کہا کہ

"کیسے دنیا میں وہ اوقات گزاروں گا جن میں اللہ کا ذکر نہیں کر سکوں گا۔"

تو دیکھو ایسے شخص کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ یہی حال حجاج کا تھا کہ کہا کرتا تھا "خدا کی قسم! بھلائی کی جو کچھ امید ہے وہ موت کے بعد ہے" دیکھو یہ اس کا جملہ ہے جبکہ کتنے ایسے لوگوں کو قتل کرایا ہے جن کا قتل حلال نہیں تھا جن میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔

ہم کو عبدالوہاب اور حافظ بن ناصر نے مبارک بن عبدالجبار' حسین بن محمد النصیبی' اسماعیل بن سعید' ابوبکر بن الانباری' ابوعیسیٰ الختلی' ابویعلیٰ' الاصمعی' ابوعاصم' عباد بن کثیر کے واسطوں سے بتایا کہ قحذم نے بیان کیا ہے کہ "حجاج کے جیل میں ۳۳۰۰۰ تینتیس ہزار افراد ایسے پائے گئے جن پر نہ سولی کا جرم تھا نہ قتل کا نہ ہاتھ کاٹے جانے کا"

میں کہتا ہوں کہ اکثر بادشاہ اور حکام بغیر سوچے سمجھے قتل اور ہاتھ کے کاٹنے کا حکم دے دیتے ہیں حالانکہ اگر علماء سے پوچھ لیتے تو صحیح حکم ظاہر ہو جاتا اور اکثر عوام صوفیاء پر اعتماد کر کے گناہ کر لیتے ہیں اور سزا کو بھول جاتے ہیں۔ چنانچہ بعض یہ سوچتے ہیں کہ میں اہل سنت میں سے ہوں اور میری نیکیاں کام آئیں گی حالانکہ یہ سب جہالت کی زیادتی کی وجہ سے ہے۔

لہذا ہر انسان کو دلیل کے حاصل کرنے اور اس کو پہچاننے کی پوری کوشش کرنی چاہیے اور اپنے شبہات کو دل میں نہ رکھنا چاہیے اور نہ اپنے علم پر اعتماد کرنا مناسب ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو تمام آفات سے سلامتی عطا فرمائیں۔

پاداش عمل

مصنف۔ خوب سمجھ لو کہ خوشی ہو یا برائی بدلہ ضرور ملتا ہے۔ یہ دھوکہ کی بات ہے کہ کوئی گنہگار اگر گناہ کے بعد سزا کا اثر نہ دیکھے تو سمجھے کہ اس کو معاف کر دیا گیا حالانکہ سزا کبھی کچھ مدت بعد بھی آجاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی نے گناہ کیا ہو اور اسے اس کے موافق سزا ملتی ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "من یعمل سوءا یجز بہ" (جس نے بھی کوئی برائی کی اس کا بدلہ دیا جائے گا) دیکھو حضرت آدم علیہ السلام نے ایک لقمہ کھایا تو جو کچھ آپ کو پیش آیا سب جانتے ہیں۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ کیا میں نے تم کو اپنے لیے نہیں بنایا تھا؟ کیا میں نے تمہارے لیے اپنا گھر نہیں حلال کر دیا تھا؟ اور کیا میرے فرشتوں نے تم کو سجدہ نہیں کیا؟ لیکن تم نے میرے حکم کی نافرمانی کی اور میرے عہد بھول گئے؟ میری عزت کی قسم اگر میں زمین کو بھر دیتا ان سب مردوں سے جو تمہاری طرح عبادت کرتے اور دن رات تسبیح پڑھتے رہتے پھر میری نافرمانی بھی کر دیتے تو میں ان کو گنہگاروں کے درجے میں رکھتا۔

پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کے سر سے تاج اتار لیا اور حضرت میکائیل علیہ السلام نے پیشانی سے تاج کی پٹی کھول لی اور آپ کے سامنے کے بال پکڑ کر کھینچا اتارا گیا پھر آپ تین سو سال تک سوتے رہے اور آپ کے آنسو جاری

[illegible]

وادیوں میں بہتے رہے تو انہی آنسوؤں سے یہ تمہارے عطر کے درخت اُگے ہیں[1]۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے کسی عورت کو ایک نگاہ دیکھ لیا تو اللہ تعالیٰ کا عتاب ہو گیا پھر مسلسل روتے رہے یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے سبز گھاس اُگ آئی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس مقدمہ کے لیے کچھ لوگ آئے تو آپ کا میلان ایک فریق کے ساتھ ہو گیا جس کی وجہ سے سزا میں مبتلا کیے گئے اور لوگوں کی نگاہوں میں گر گئے۔ حتیٰ کہ کہتے تھے مجھ کو کھلا دو تو کوئی کھانا نہیں دیتا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ نے اپنی والدہ کے سامنے ایک بچھڑا ذبح کر دیا تو اس کی سزا میں حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں مبتلا کیے گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی زلیخا کی طرف ایک لمحہ کے میلان پر گرفت ہوگئی تو ان کے ہر بھائی کے تو بارہ لڑکے ہوئے جبکہ آپ کے اس میلان کی وجہ سے گیارہ ہی ہوئے (ایک کم ہو گیا)

حضرت ایوب علیہ السلام نے چند گھوڑوں کے لیے جو ایک بادشاہ کے علاقہ میں تھے وہاں کے ظالم بادشاہ پر نکیر میں کمی کی تو بیماری میں مبتلا کر دیے گئے۔

حضرت یونس علیہ السلام بغیر اجازت خداوندی کے اپنی قوم سے نکل گئے تو مچھلی نے لقمہ بنا لیا۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیا نبی کے پاس وحی بھیجی کہ ''تیری قوم نے اس دین کو چھوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے ان کے آباء و اجداد معزز ہوئے۔ میری عزت کی قسم! میں ان پر ایسے لشکر ابھاروں گا جو ان کی گریہ وزاری پر ترس نہیں کھائیں گے۔

حضرت ارمیاء نے عرض کیا'' اے میرے رب! یہ لوگ تیرے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی اولاد' تیرے صفی موسیٰ کی اُمت اور تیرے نبی آدم علیہ اسلام کی قوم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں نے ابراہیم' موسیٰ اور داؤد علیہ اسلام کو اپنی طاعت کی وجہ سے معزز مکرم بنایا تھا اگر وہ بھی میری نافرمانی کرتے تو میں انہیں بھی گناہ گاروں کے مقام پر رکھ دیتا۔''

ایک عبادت گزار نے ایک خوبصورت شخص کو گھور کر دیکھا تو اس کے شیخ نے فرمایا کہ یہ

---

[1] یہ اور اسی طرح آگے بعض روایات جھوٹی اسرائیلی روایات ہیں ان پر یقین کرنا درست نہیں ہے' رہا مصنف کا ان روایات کو ذکر کرنا تو اس کا جواب یہ ہے کہ'' گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں'' ''فلمامکنار سلم من العثار'' ۱۲ حمزہ

بدنگاہی کیوں کی؟ جلدی ہی اس کا نتیجہ دیکھو گے۔ آخر کار چالیس سال کے بعد قرآن پاک بھول گیا۔ ایک اور شخص کا بیان ہے کہ میں نے ایک ایسے شخص کو جس کے دانت ٹوٹ گئے تھے عیب لگا دیا تو میرے دانت بھی ٹوٹ گئے اور میں نے ایک ایسی عورت کو دیکھ لیا جس کا دیکھنا حلال نہیں تھا تو میری بیوی کو بھی ایسے شخص نے دیکھا جس کو میں نہیں پسند کرتا تھا۔

ایک نافرمان بیٹے نے اپنے باپ کو مارا اور گھسیٹا تو باپ نے کہا کہ بس یہیں تک رہنے دو کیونکہ میں نے بھی اپنے باپ کو یہیں تک گھسیٹا تھا۔

حضرت ابن سیرین نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو فقر و افلاس کا عیب لگا دیا تو خود ہی افلاس میں مبتلا ہو گیا اور ایسے واقعات بہت ہیں۔ سب سے عجیب واقعہ تو وہ ہے جو ہم نے وزیر ابن الحصیر ملقب بہ "نظام" کے متعلق سنا کہ خلیفہ مقتفی باللہ نے ناراض ہو کر اس پر دس ہزار دینار کا جرمانہ کر دیا (جب وزیر گھر گیا تو) گھر والے غمزدہ حالت میں اس کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ کو دس ہزار دینار کہاں سے مل سکیں گے؟

وزیر نے کہا کہ مجھ سے دس ہزار لیا جائے گا نہ پانچ ہزار نہ چار ہزار۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیسے معلوم ہوا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے ایک شخص پر ظلم کر کے تین ہزار دینار اس پر لازم کر دیا تھا تو اب مجھ سے اس سے زیادہ نہیں لیا جا سکتا ہے۔ آخر یہی ہوا کہ جب اس نے دو تین ہزار دینار ادا کیا تو بادشاہ نے چھٹکارا دے دیا اور باقی کو معاف کر دیا۔

اب میں خود اپنے متعلق بتاتا ہوں کہ مجھ کو خود بھی جو آفت پہنچی یا تنگ دلی پیش آئی وہ کسی لغزش ہی کی وجہ سے آئی جس کو میں سمجھ جاتا ہوں حتیٰ کہ میں بتا سکتا ہوں کہ یہ آفت فلاں لغزش کا اثر ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ میں نے بہت پہلے کسی عمل میں تاویل سے کام لیا تھا اور اس کی سزا اب دیکھ رہا ہوں۔

لہٰذا ہر انسان کو گناہوں کی پاداش پر نگاہ رکھنی چاہیے کیونکہ کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی محفوظ رہ جائے اور پکی توبہ کا اہتمام کرنا چاہیے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے

ما من شيء أسرع لحاقا بشيء من حسنة حديثة لذنب قديم

"کوئی چیز کسی چیز سے ملنے میں اتنی تیز نہیں ہے جتنی کہ نئی نیکی پرانے گناہ سے"

اور توبہ کے ساتھ بھی مواخذہ سے ڈرتا رہے مطمئن نہ ہو جائے کیونکہ یہ کھلی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کی توبہ قبول فرما چکے ہیں اس کے باوجود حدیث شفاعت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی غلطی یاد کریں گے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی غلطی۔ اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "من یعمل سوء ا یجز بہ" (جو شخص برا عمل کرے گا اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا)

خبر ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی گنہگار کو معاف نہ کیا جائے گا حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ توبہ قبول ہوتی ہے اور گنہگار کو معاف کیا جاتا ہے تو اس کا جواب دو طرح ہے۔

ایک یہ کہ اس آیت کو ایسے گنہگار پر محمول کر لیا جائے جو گناہ پر اصرار کے ساتھ بے توبہ کے مر گیا ہو کیونکہ توبہ پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آیت کو اپنے اطلاق پر باقی رکھا جائے اور میں اسی کو اختیار کرتا ہوں اور عقل و نقل سے اس کو ثابت کرتا ہوں۔ چنانچہ نقل تو یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ او نجازی بکل ما نعمل؟" (کیا ہم ہمارے ہر برے عمل کا بدلہ دیا جائے گا؟)

آپ نے فرمایا کیا تم بیمار نہیں ہوتے ہو؟ کیا تم غمگین نہیں ہوتے ہو؟ کیا تم کو مصیبت نہیں پہنچتی ہے؟ تو انہی چیزوں سے تم بدلہ پاتے ہو۔

اور عقل و معنی کی دلیل یہ ہے کہ توبہ و ندامت کے بعد بھی مومن کو اپنے گناہ پر ہر وقت افسوس اور غم ایسا ہوتا ہے جو ہر سزا سے بڑھ کر ہے۔ سو اس شخص کے لیے یہ بڑی بات ہے جو دائمی سزا میں گھرا ہو جاتا ہو اس کے باوجود ایک گھڑی لذت گناہ کو ترجیح دیتا ہو۔

توحید زندگی

مجلس... ایک دن میں نے اپنے بارے میں بہت تحقیق کے ساتھ سوچا اور حساب لیے جانے سے پہلے ہی خود کا محاسبہ کیا اور تولے جانے سے قبل ہی اپنے کو میزان پر رکھا تو محسوس ہوا کہ ابتداء طفولیت سے اب تک الطاف خداوندی مجھ کو ایک کے بعد ایک طرف سے تواتر سے رہے میرے عیوب پر پردہ ڈالے رہے اور جن غلطیوں پر سزا ہوتی

چاہیے تھی ان کو صرف کرتے رہے جبکہ میں ان کا شکر زبان ہی سے ادا کر پاتا ہوں۔

پھر میں نے اپنی ان غلطیوں اور خطاؤں کو سوچا جن میں سے کسی ایک پر بھی اگر گرفت ہو جائے تو میں فوراً ہلاک ہو جاؤں گا اور اگر کوئی ایک بھی لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے تو مجھے شرمندگی ہو۔ یہ سن کر کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ میری مراد ان خطاؤں سے گناہ کبیرہ ہیں کہ پھر یہ سمجھ کر میرے بارے میں بھی انہی گناہوں کا تصور باندھ لے جو فاسقوں میں پائے جاتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے بلکہ میری مراد وہ چیزیں ہیں جو مجھ جیسے عالم کے حق میں بڑے گناہ کے درجہ میں ہیں جن کا ارتکاب میں نے فاسد اور غلط تاویلوں کے سہارے کر لیا ہے۔

لہٰذا جب میں نے دعا کی تو یہ عرض کیا "اے اللہ! آپ کو آپ کی تعریف و حمد اور میرے گناہوں کی ستاری (پردہ پوشی) کا وسیلہ ہے کہ میری مغفرت فرما دیجئے۔

پھر میں نے اپنے آپ سے مطالبہ کیا کہ ان احسانات پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کر، تو جیسا شکر چاہیے تھا ادا نہیں کر سکا اسی طرح یہ دیکھا کہ میں خدا تعالیٰ سے اپنی خواہشات اور آرزوؤں کا جس طرح مطالبہ کرتا ہوں اپنے نفس سے مصیبت پر صبر اور نعمت پر شکر کا مطالبہ اس طرح نہیں کر پاتا ہوں اس لیے اب میں محسن کے شکر میں کمی اور سچے عمل کے بغیر صرف حصول علم سے لطف اندوزی کی کوتاہیوں پر نوحہ کرتا ہوں کیونکہ میں نے بڑوں کے مقامات کی آرزو کی تھی مگر عمر رخصت ہو گئی اور گوہر مقصود حاصل نہ ہو سکا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ابو الوفا ابن عقیل نے بھی میری طرح اپنی زندگی کا نوحہ کیا ہے چونکہ مجھے ان کا انداز اچھا لگا اس لیے اس کو یہاں لکھتا ہوں (اور میرا بھی حال یہی ہے) کہ وہ اپنے آپ سے کہتا ہے:

"اے بیوقوف! تو الفاظ کو اس لیے درست کرتا ہے تاکہ تجھے مناظر کہا جائے حالانکہ اس کا نتیجہ صرف یہ ہے کہ کہہ دیا جائے اے مناظر! جیسا کہ چالاک تندرست پہلوان کو پہلوان کہہ دیا جائے۔ تو نے عمر کے وہ ایام جو عقلمندوں کے نزدیک سب سے زیادہ قیمتی اور نفیس ہوتے ہیں اس لیے ضائع کر دیئے کہ ان لوگوں کے درمیان جو کل فنا ہو جائیں گے تیرے مناظر ہونے کی شہرت ہو جائے۔ حالانکہ جب یہ لوگ ختم ہو جائیں گے تو ذاکر اور مذکور دونوں بھلا دیئے جاتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی مشکل ہے کہ شہرت کا معاملہ اپنی مدت تک ہی

حاصل ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی نوجوان عالم جو مجھ سے بھی زیادہ تیز ہوا ابھر آوے تو لوگ اس کی طرف مائل ہو جائیں اور شہرت اسی کی ہو جائے جبکہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والے حضرات ایسے کام میں مشغول ہوئے کہ جب موت آ دے گی تو وہ کام ان کو مشہور کر دے گا یعنی اپنے علم پر عمل اور نفس کی نگرانی میں لگے (جس کا انجام شہرت ہے) مجھ پر افسوس ہے کہ میں نے مختلف فنون پر کئی کئی جلدیں تصنیف کر دیں مگر ان کی وجہ سے کسی فضیلت کی مجھ کو مہک نہیں مل سکی۔

ذکر مجھ سے مناظرہ کیا گیا تو نفس نے تکبر کیا اور اگر نصیحت کی گئی تو اکڑ دکھلائی جبکہ اگر کہیں دنیا کی جھلک آ گئی تو نفس کا گدھ وہاں تک اڑ کے پہنچا اور ایسے گرا جیسے مردار پر کوے گرتے ہیں۔ پھر کاش! اس نے دنیا سے اتنا ہی کھایا ہوتا جتنا بھوک سے مرنے والا مردار سے کھاتا ہے۔ لوگوں سے میل جول بڑھا کر بہت سے ایسے عیب جمع کر لیے جو برباد کر دیں گے اور اپنی طرف حق تعالیٰ کی نگرانی سے ذرا نہیں شرمایا۔ اگر کوئی حاجت پوری نہ ہو سکی تو تڑپ جاتا اور اگر نعمتیں بڑھا دی گئیں تو محسن اور منعم کو بھول گیا۔

افسوس مجھ پر جبکہ آج روئے زمین پر چلتا اور کل زیر زمین کے نیچے رہوں گا خدا کی قسم! مٹی کے نیچے تین دن کے بعد والی میرے جسم کی بدبو کم ہوگی اس بدبو سے جو اس وقت اپنے احباب کے درمیان رہتے ہوئے میرے اندر موجود ہے۔

خدا کی قسم! اس ذات کریم کے علم نے مجھ کو میرے نفس سے مغلوب کر دیا ہے کس طرح اس نے میری ستاری کی جبکہ میں پردہ دری کر رہا تھا اور کیسے مجھ کو سکون دیا ہے جبکہ میں انتشار کے اسباب اختیار کرتا رہتا ہوں۔ کل کہا جائے گا کہ ایک نہایت صالح اور بڑے عالم کی وفات ہو گئی حالانکہ اگر وہ لوگ مجھ کو اس طرح پہچان لیتے تو مجھ کو دفن کرنا بھی گوارا نہ کرتے۔

خدا کی قسم! میں اپنے متعلق اس طرح آواز لگاؤں گا جیسے کوئی شخص اپنے دشمنوں کے عیب کھولتا ہے اور میں نوحہ خوانوں کی طرح اپنا نوحہ خود کروں گا کیونکہ میری ان پوشیدہ مصیبتوں اور ان چھپی ہوئی خصلتوں پر نوحہ کرنے والا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا جن کو اس ذات نے چھپا دیا جس کو ان کا علم ہوا۔

خدا کی قسم! میں اپنے اندر کوئی ایسی پسندیدہ خصلت نہیں پاتا ہوں جس کے وسیلے سے کوئی دعا کرسکوں اور عرض کرسکوں "اے خدا میرے فلاں عمل کی وجہ سے فلاں گناہ کو معاف فرما دیجیے۔ خدا کی قسم! جب بھی میں نے التفات کیا تو یہی دیکھا کہ خدا تعالیٰ کا کوئی احسان میری کفایت کر رہا ہے اور اس کی حفاظت مجھ کو بچا رہی ہے حالانکہ مجھ پر بہت سے دشمن مسلط ہیں۔

اور جب بھی میں نے کسی ضرورت کے لیے ہاتھ پھیلایا ہے تو اس نے ضرور پوری کر دی ہے۔ یہ تو اس کا سلوک ہوا میرے ساتھ حالانکہ وہ پروردگار مجھ سے بے نیاز ہے اور دیکھو میرا عمل جبکہ میں اس کا محتاج بندہ ہوں۔ بھلا یہ بھی کوئی عذر ہے کہ میں کہوں میں نے جانا نہیں یا مجھ سے بھول ہو گئی۔

خدا کی قسم! اس نے مجھ کو ٹھیک سالم پیدا کیا میرے دل کو سمجھ اور ذہانت سے روشن کیا جس کی وجہ سے غائب اور پوشیدہ چیزیں بھی میری سمجھ پر منکشف ہو جاتی ہیں۔

لہٰذا ہائے افسوس! اس زندگی پر جو بندگی کے تقاضوں کے خلاف گزری اور ہائے میری محرومی سمجھدار اور ذہین حضرات کے مقامات سے ہائے میری حسرت ان کوتاہیوں پر جو میں نے اللہ کے حق میں کیں اور اپنے اوپر دشمنوں کو مسلط پایا۔ ہائے اس وقت ان لوگوں کی حیرت اور مایوسی جو مجھ سے حسن ظن رکھتے ہیں جبکہ اعضاء کو میرے خلاف گواہی دیتے ہوئے دیکھیں گے اور ہائے میری رسوائی جبکہ میرے خلاف حجت قائم کی جائے گی میرے سمجھدار ہونے کے باوجود خدا کی قسم! شیطان مجھ پر غلبہ پا رہا ہے اور میرا مذاق اڑا رہا ہے۔

اے اللہ! میں ان آلودگیوں سے خالص توبہ چاہتا ہوں اور جو گناہ یہاں ہو گئے ہیں ان کی اصلاح و ازالہ کے لیے تیری بیداری کی توفیق مانگتا ہوں جبکہ میں تیرے پاس بھاگ کے حق کے بعد حاضر ہوا ہوں اور اپنا سامان برباد کر کے لا رہا ہوں۔

علم نے انکار کر دیا ہے کہ عداوت کے سرچشمہ کی طرف لے جانے کے سوا کہیں اور لیجائے جبکہ میرے پاس افسوس اور شرمندگی کے سوا کوئی وسیلہ نہیں ہے۔

تیری ذات کی قسم میں نے تیری بے قدری تیری نعمتوں کی قدر سے ناواقف ہو کر نہیں کی بلکہ میں تیرے سابقہ کرم کو بھولا نہیں ہوں لہٰذا میرے سابقہ گناہوں کو اپنے کرم سے معاف فرما۔

رشتہ داروں سے عداوت

مجلس..... رشتہ داروں کی عداوت بڑی سخت چیز ہے کیونکہ کبھی چلتی ہی رہتی ہے
جیسے وائل کے بیٹوں بکر اور تغلب کی جنگ بغیض کے بیٹوں عبس اور ذبیان کی جنگ اور قیلہ
کے بیٹوں اوس اور خزرج کی لڑائی۔

"جاحظ" نے لکھا ہے کہ اوس اور خزرج کی جنگیں چالیس سال تک جاری رہی ہیں اور
وجہ اس کی یہ ہے کہ کوئی رشتہ دار یہ نہیں پسند کرتا کہ اس کا عزیز اس سے زیادہ بلندی حاصل
کرے اس لیے آپس میں حسد اور جلن شروع ہو جاتی ہے۔

لہٰذا جسے بلندی حاصل ہو اس کو چاہیے کہ دوسروں سے تواضع سے پیش آئے حتی الامکان
ان کی تعظیم کرے اور نرمی سے پیش آوے تو امید ہے کہ دوسرے لوگ جھک جائیں گے۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے کچھ رشتہ دار ہیں جن
سے صلہ رحمی کرتا ہوں تو وہ مجھ سے تعلق توڑتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

فکانما تسفهم المل ولن یزال معک من اللہ ظهیر مادمت علی ذلک

"تو گویا تم ان کے منہ میں گرم راکھ ڈال رہے ہو اور ہمیشہ جب تک تم اس حالت پر
رہو گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارا ایک مددگار مقرر رہے گا۔"

مؤمن کی تہذیب اور غیروں کا برتاؤ

مجلس..... میں نے دیکھا کہ شکاری کتے جب محلہ کے کتوں کے پاس سے
گزرتے ہیں تو محلے کے کتے ان کو دور دور سے بھونکتے ہیں اور پیچھے پیچھے دوڑتے ہیں۔ گویا
شکاری کتوں کو بہت معزز و محترم خیال کر کے ان کی عزت سے حسد کرتے ہیں جبکہ اس وقت
شکاری کتے ان کی طرف ذرا بھی التفات نہیں کرتے بلکہ نگاہ بھی نہیں اٹھاتے اور ان کی
بھونک کو کچھ اہمیت نہیں دیتے تو اس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ کتے ان کی جنس ہی
سے نہیں ہیں۔ اس لیے کہ محلے کے کتے موٹے جسم بدہیئت اور بھدے اعضا رکھتے ہیں اور
ان میں مانت بھی نہیں ہوتی جبکہ یہ پتلا چھلا بدن چکنے چکنے اعضا رکھتے ہیں اور اس کے

ساتھ اسکی تہذیب بھی جو ان کی غفلت کے باعث سب ہو پھر یہ کہ یہ سب خواہ اپنے مالک کے خوف سے یا ان کی نعمت کے شکر میں اس کے شکار کو محفوظ رکھتے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ تہذیب اور حسن معاشرت سے جسم میں لطافت اور روح میں صفائی حاصل ہوتی ہے اسی طرح سمجھدار مومن کا حال بھی یہی ہوتا ہے کہ اپنے حاسدوں کی طرف بالکل التفات نہیں کرتا اور نہ ان کو کسی شمار میں لاتا ہے کیونکہ وہ نیک خیال میں رہتا ہے اور اس کے حاسد دوسرے ہی چکروں میں۔ حاسد دنیا کے متعلق اس سے جلتا ہے جبکہ مومن کی ساری توجہ آخرت کی طرف ہوتی ہے اور دونوں کا فاصلہ ظاہر ہے۔

مسئلہ تقدیر

مجلس… اس فصل کو ہمیشہ محفوظ رکھنا بہت ضروری ہے جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اور یہ یقین رکھے کہ وہ حکمت والا ہے ہر مخلوق کا مالک ہے اور کوئی کام فضول نہیں کرتا ہے۔

لہٰذا اگر کسی فیصلے کی حکمت مخفی رہ جائے تو جہالت اور نادانی کی نسبت اپنی طرف کرے مالک اور حکیم کے سامنے سر جھکا دے اور اگر عقل حکمت کا مطالبہ کرے تو کہہ دے کہ تجھ پر ظاہر نہیں ہوگی جب تیرے لیے میرے سامنے ہے۔ مالک کے فیصلوں کو (بلا سمجھے) مان لینا ضروری ہے۔

بہت سے لوگوں نے محض عقل سے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر نگاہ ڈالی اور دیکھا کہ اگر یہ امور مخلوق سے صادر ہوتے تو خلاف حکمت سمجھے جاتے ہیں اس لیے خدا تعالیٰ کے فیصلوں کو بھی خلاف حکمت کہہ دیا حالانکہ یہ تو کفر اور کھلا ہوا پاگل پن ہے کیونکہ جہالت کی نسبت اپنی طرف کرنا ضروری ہے کیونکہ عقلیں اللہ تعالیٰ کی حکمت سمجھنے سے قاصر ہیں۔

سب سے پہلے یہ حرکت جس نے کی وہ ابلیس ہے کیونکہ اس نے دیکھا کہ مٹی کو آگ پر فضیلت دی جا رہی ہے حالانکہ عقل آگ کو افضل قرار دیتی ہے تو اللہ کی حکمت پر نکتہ چینی کر دی اور یہ بیماری عام اور ہر مذہب میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ کتنے عالموں کو اعتراض کرتے ہوئے اور کتنے جاہلوں کو انکار کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ کافر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ مصیبت اکثر لوگوں میں موجود ہے۔

دیکھتے ہیں کہ عالم پر معاش تنگ ہے اور بدکار پر وسیع تو کہہ دیتے ہیں یہ حکمت کے مناسب نہیں ہے حالانکہ علماء اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ، خراج، جزیہ، غنیمت اور تمام کفارات اسی لیے مقرر فرمائے ہیں تاکہ ان کے ذریعے فقراء کو بھی فائدہ حاصل ہوسکے لیکن جب ظالموں نے ان سب کو اپنے لیے خاص کر لیا اور دولت مند حضرات زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لیے حیلے کرنے لگے تو فقیر بھوکا اور ضرورت مند رہ گیا۔ لہٰذا اب ہم کو چاہیے تھا کہ ہم ان ظالموں کی مذمت کرتے نہ یہ کہ اس ذات پر اعتراض کرنے لگیں جس نے فقراء کے لیے کفایت کا یہ سب انتظام کیا ہے۔

ویسے اس کے ضمن میں فقراء کا حق محبوس کرنے کی وجہ سے ظالموں کی سزا اور اپنے حظوظ سے محرومی پر فقراء کی آزمائش بھی چھپی ہوئی ہے۔

اسی طرح کے بکثرت جان نکلنے کے وقت ایسے اعتراض اور شبہ سے محفوظ نہیں رہ پاتے ہیں جو کفر کی طرف لیجاتے۔ لہٰذا ان کی جان کفر کی حالت میں نکلتی ہے۔

کتنے ہی اس طرح کہتے نظر آتے ہیں کہ فلاں صاحب آزمائش میں مبتلا ہیں حالانکہ وہ اس کے مستحق نہیں تھے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے ساتھ صحیح سلوک نہیں کیا گیا۔ اسی طرح ایک بے حیا نے کہا ہے:

ایا رب تخلق اقمار لیل   واغصان بان وکثبان رمل

"اے میرے رب! تو پیدا کرتا ہے رات کے چاند سفیدے کی ٹہنیاں اور ریت کے ٹیلے (یعنی خوبصورت چہرے، قد اور جسم والوں)"

وتنہی عبادک ان یعشقوا   ایا حاکم العدل ذا حکم عدل؟

"پھر اپنے بندوں کو عشق کرنے سے منع بھی کرتا ہے۔ اے منصف بادشاہ! کیا یہ عدل کا فیصلہ ہے؟"

اس طرح کے اشعار بعض علماء بھی پڑھتے اور پسند کرتے ہیں حالانکہ یہ صریح کفر ہے۔

درحقیقت ان لوگوں نے نہی کا راز اور اس کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ ہم کو عشق سے نہیں منع کیا گیا ہے بلکہ عشق کے تقاضوں پر عمل کرنے سے منع کیا گیا ہے جن میں سے بہت سی حرام چیزیں ہیں۔ مثلاً بدنگاہی، جسم کو چھونا اور بدکاری وغیرہ۔

جبکہ خواہشات سے پرہیز کرنے سے ایسی ذات کے وجود پر ایمان بھی ظاہر ہوتا ہے جس نے ان سے روکا ہے جیسے پیاسے شخص کا رمضان شریف میں صبر کرنا کہ یہ دلیل ہے اس ذات کے وجود پر ایمان کی جس نے روزہ کا حکم دیا ہے اسی طرح اپنی جانوں کو قتل اور جہاد کے لیے پیش کر دینا دلیل ہے روز جزا پر یقین کی۔ پھر یہ بھی سوچو کہ پسندیدہ اور خوبصورت خواہشات جنت کی نعمتوں کا نمونہ ہیں (یعنی ان سے پرہیز کرنے میں جنت میں اسی کے مشابہ اور اس سے بہتر نعمت میسر ہوگی) تو پھر انجام سوچنے والی عقل کا کیا فائدہ ہوا؟ کچھ بھی نہیں کیونکہ اگر وہ انجام کو سوچ کر تھوڑا صبر کر لیتی تو بہت زیادہ نفع اٹھاتی۔

اگر میں علماء اور عوام کے ان اعتراضات کو جو مجھے معلوم ہیں نقل کرنے بیٹھوں تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ البتہ اس مسئلہ میں سب سے کم درجہ کا حال وہ ہے جو ابن الراوندی سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک دن سخت بھوک سے پریشان ہو کر راستہ کے پل پر آ کر بیٹھ گیا جبکہ بھوک اس کو چور چور کر رہی تھی۔ اتفاق سے چند گھوڑے ریشم و دیبا سے آراستہ ادھر سے گزرے تو پوچھا کہ یہ گھوڑے کس کے ہیں؟ لوگوں نے کہا خلیفہ کے غلام علی بن بلتق کے ہیں' پھر کچھ خوبصورت باندیاں گزریں' پوچھا کہ یہ کس کی ہیں؟ لوگوں نے کہا علی بن بلتق کی۔

پھر ایک شخص ادھر سے گزرا اور اس نے ابن الراوندی کے چہرہ پر کمزوری اور فقر کے آثار کو دیکھ کر دو روٹی اس کی طرف پھینک دی۔ ابن الراوندی نے ان روٹیوں کو لیا اور پھینک دیا اور کہا کہ یہ سب چیزیں علی بن بلتق کو ملیں اور یہ دو چپاتی میرے مقدر میں ہے؟

اس وقت یہ احمق جاہل اپنے اعتراض اور بکواس کی وجہ سے یہ بھی بھول گیا کہ خود بھوکا ہے (اور بھوک ہی کی وجہ سے پل پر آیا تھا)

اے اعتراض کرنے والو! جبکہ تم انتہائی ناقص ہو اور ایسی ذات پر معترض ہو جس کے فیصلوں میں کوئی عیب نہیں تم لوگ ابتداء میں مٹی اور پانی تھے پھر ناپاک نطفے سے پیدا ہوئے ہو اور اب ہر وقت نجاستیں اٹھائے پھرتے ہو۔ سوچو کہ اگر صرف ہوا بند کر دی جائے تو تم سب مردار ہو جاؤ۔

تمہارے محتاط اور ہوشیار لوگ کتنی رائیں ایسی قائم کرتے ہیں جو دوسروں کے سامنے پہنچ کر قبیح اور غلط ہو جاتی ہیں پھر یہ کہ تمہاری طرف سے گناہ اور نافرمانیاں کس قدر ہیں؟

اب غور کرو کہ سوائے مالک اور حکیم پر اعتراض کے تمہارے پاس کیا رہ گیا ہے؟

اور اگر ان آزمائشوں میں اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہ ہوتا کہ ہم سے تسلیم و رضا کا امتحان لیا جائے تو بھی کافی ہوتا بلکہ اگر وہ ساری مخلوق کو صرف اس لیے پیدا کرتا کہ اس کے وجود پر دلیل ہو پھر سب کو ہلاک کر دیتا اور دوبارہ زندہ نہ کرتا تو اس کو اس کا حق تھا اس لیے کہ وہ مالک ہے لیکن اس نے محض اپنے فضل سے دوبارہ پیدا کرنے کا وعدہ کیا ہے اور آخرت میں ہمیشہ کی نعمتوں میں رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

حاصل یہ کہ جب بھی کوئی ایسا فیصلہ سامنے آوے جس کی علت تم نہ سمجھ سکو تو اس کو اپنے علم کے قصور کی طرف منسوب کرو چنانچہ تم دیکھتے بھی ہو کہ ایک شخص مظلوم ہو کر قتل کر دیا گیا حالانکہ وہ مظلوم اس سے پہلے کتنے قتل کر چکا ہوتا ہے کتنے مظالم ڈھا چکا ہوتا ہے۔ اس طرح یہ قتل اس کے صرف ایک قتل کا بدلہ ہوتا ہے۔

بہت کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو کوئی آفت یا مصیبت پہنچے اور وہ اس کا مستحق نہ ہو مگر وہ اسباب جن کی وجہ سے یہ بدلہ ملتا ہے پوشیدہ رہ جاتے ہیں اور صرف بدلہ نظر آتا ہے۔

لہٰذا سر جھکا دو کہ محفوظ رہو اور اعتراض کا کلمہ زبان پر لانے یا دل میں چھپانے رکھنے سے پرہیز کرو کیونکہ بعض اعتراض تم کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیں گے۔

عید کا دن اور قیامت کا منظر

مجلس... میں نے عید کے دن لوگوں کو دیکھ کر ان کے حال کو قیامت کے دن سے تشبیہ دی ہے کیونکہ عید کے دن جب سب لوگ اٹھتے ہیں تو عیدگاہ کی طرف نکل پڑتے ہیں جیسے کہ مردے اپنی قبروں سے نکل کر میدان حشر کی طرف بڑھیں گے۔ پھر بعض اعلیٰ درجہ کی زینت اختیار کرتے ہیں اور اعلیٰ درجہ کی سواری پر آتے ہیں جبکہ بعض متوسط طبقے کے ہیں اور بعض بالکل پست اور قیامت کے دن بھی لوگوں کا یہی حال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا" (جس دن ہم متقیوں کو رحمن کے پاس جمع کریں گے اس حال میں کہ وہ سوار ہوں گے۔ وفدا کا مطلب ہے رکبانا (سوار)

"ونسوق المجرمین الی جھنم وردا" (مجرموں کو جہنم کی طرف کھینچیں گے

قابل قدر رہوگی) اور جو لوگ ان سے کمتر ہوتے ہیں ان کا حال مختلف ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض تو آباد گھروں کی طرف جاتے ہیں۔ "بما اسلفتم فی الایام الخالیة" (ان اعمال کی وجہ سے جو تم نے کیے گزشتہ دنوں میں)

اور بعض متوسط ہوتے ہیں جبکہ بعض ویران گھروں کی طرف جاتے ہیں۔

"فاعتبروا یآ اولی الالباب" (پس عبرت حاصل کرواے عقل والو)

علماء اور صوفیاء سے خطاب

مجلس.... یہ فصل علماء اور صوفیاء کو نصیحت پر مشتمل ہے۔

اے قوم! تم لوگ جانتے ہو کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "الا للّٰہ الدین الخالص" (سنو اللہ کے لیے خالص دین ہو)

کا مطلب سمجھ چکے ہو اسی طرح حضرات سلف کے متعلق سن چکے ہو کہ وہ کوئی عمل یا قول اس وقت تک نہیں کرتے تھے جب تک کہ پہلے نیت صحیح نہ کر لیں۔

تو اے فقہاء کرام! سوچو کہ کیا تمہارا زمانہ بحث و مباحثہ اور جھگڑے میں گزر جائے گا؟ اور تمہاری آوازیں عوام کے اجتماعوں میں غلبہ اور جیت کے لیے بلند ہوتی رہیں گی؟ کیا تم نے سنا نہیں کہ "من طلب العلم لیبا ھی بہ العلماء او لیماری بہ السفھا و او لیصرف وجوہ النّاس الیہ لم یرح رائحہ الجنة" جس نے علم اس نیت سے حاصل کیا کہ اس کے ذریعے علماء پر فخر کرے گا یا بیوقوفوں سے جنگ کرے گا یا لوگوں کے چہرے اپنی طرف پھیر لے گا تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔

پھر تم میں سے بعض لوگ باوجود اہلیت نہ رکھنے کے فتویٰ دینے کی جرأت کرتے ہیں حالانکہ حضرات سلف فتویٰ کو ایک دوسرے پر ٹالتے تھے۔

اور اے صوفیاء کے گروہ! یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ راز اور پوشیدہ نیتوں کا حال خوب جانتے ہیں تو بتاؤ آخر کیوں اپنے لباس سے فقر کا اظہار کرتے ہو جبکہ نفسانی خواہشات پوری پوری وصول کر لیتے ہو؟ اور کیوں خشوع و گریہ و زاری کا مظاہرہ خلوتوں کے بجائے جلوتوں میں کرتے ہو؟

حضرت ابن سیرینؒ تو (لوگوں کے درمیان) ہنستے اور قہقہہ لگاتے تھے مگر جب خلوت میں ہوتے تو رات کا زیادہ حصہ رونے میں گزارتے تھے۔

حضرت سفیان ثوریؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھی سے فرمایا "اے بے شرم! جب لوگ تم کو دیکھتے ہیں تب نماز پڑھتے ہو اور جب دیکھے جانے کا وقت نہیں ہوتا تب سوتے ہو۔

افدی ظباء فلاۃ ما عرفن بہا مضغ الکلام ولا صبغ الحواجب

"میں ان جنگلی ہرنوں پر قربان ہوں جو چبا چبا کر بات کرنا اور ابروؤں کو رنگ لینا نہیں جانتے" ریاکار پر اس دن حسرت ہوگی۔"

جبکہ "وحصل ما فی الصدور" نکال لیا جائے گا ان چیزوں کو جو سینے میں پوشیدہ ہیں یعنی نیتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا۔

لہٰذا تم لوگ اپنے نشے سے ہوش میں آؤ اپنی لغزشوں سے توبہ کرلو اور سیدھے راستے پر رہو۔

"ان تقول نفس یا حسرتا علی ما فرطت فی جنب اللّٰہ"

(یہ کہ کوئی نفس کہے ہائے حسرت! ان کوتاہیوں پر جو میں نے اللہ کے حق میں کیں)

علماء اور صوفیاء کی بعض کوتاہیاں

مجلس۔۔۔میں نے: اکثر لوگوں کو سنت سے منحرف اور عادات و رواج سے مانوس پایا اور بالخصوص دو گروہ اس سے مستثنیٰ ہو سکتے تھے۔ (۱) علماء کی جماعت (۲) عبادت گزار صوفیاء کا گروہ لیکن میں نے علماء کے حالات کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ اکثر بد پرہیزی میں مبتلا ہیں۔

چنانچہ بعض صرف دنیاوی یعنی دین کے مسائل پر اکتفاء کرکے آخرت کے معاملات سے غافل ہیں اور اس کی وجہ یا تو جہالت ہے یا آخرت کے معاملہ کی دشواری بہرحال یہ لوگ علم کے تقاضے کے مطابق نفس پر گراں گزرنے والے اعمال پر عمل پیرا نہیں ہوتے ہیں اور باقی میں صرف عادت اور رواج کی پیروی کرتے ہیں۔ ممکن ہے یہ سوچتے ہوں کہ عالم ہونے کی وجہ سے چشم پوشی کا معاملہ ہو جائے گا حالانکہ یہ بھول گئے کہ علم ہی ان کے خلاف حجت ہے۔

بعض علماء صرف علم کے ظاہر اور الفاظ میں مشغول ہوکر مقصود یعنی عمل سے غافل ہیں

اور بعض بادشاہوں اور حاکموں سے میل جول رکھتے ہیں جس کی وجہ سے خود اپنا نقصان تو یہ کرتے ہیں کہ ان کے مظالم اور گناہوں کو دیکھنے کے باوجود نکیر نہیں کرتے (تو گنہگار ہوتے ہیں) بلکہ کبھی مدح بھی کر دیتے ہیں (جو اور زیادہ خطرناک ہے) اور بادشاہ کو بھی ان کی صحبت سے نقصان ہوتا ہے کیونکہ وہ سوچتا ہے کہ اگر مجھ میں کمی ہوتی اور میں غلطی پر ہوتا تو یہ عالم میرے پاس نہ بیٹھتا اور عوام کو بھی ضرر پہنچتا ہے کہ وہ کہنے لگتے ہیں کہ اگر بادشاہ کا حال ٹھیک نہ ہوتا تو یہ عالم ان کے ساتھ نہ رہتے۔

ایک کوتاہی میں نے شریف اور عالی نسب لوگوں میں یہ دیکھی کہ اپنے آباؤ اجداد کی سفارش پر بھروسہ کیے رہتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ یہود بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ رہا دوسرا گروہ عبادت گزاروں کا تو ان میں بھی اکثر بدپرہیزی میں مبتلا نظر آئے کیونکہ جن کی نیت درست ہے وہ بھی اپنے اکثر اعمال میں سنت پر نہیں ہیں۔

دراصل بعض متقدمین نے ایسی کتابیں لکھ دی ہیں جن میں کچھ غلط مضامین اور غیر صحیح حدیثیں بھی آ گئی ہیں اور وہ حضرات کچھ ایسے امور کا مشورہ دیتے ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں مثلاً حارث محاسبی اور ابو عبداللہ ترمذی کی کتابیں ابو طالب مکی کی قوت القلوب اور ابو حامد طوسی کی کتاب احیاء العلوم[1]۔

اب جس وقت مبتدی کی آنکھ کھلی اور وہ طریق سلوک طے کرنے کا ارادہ کر کے ان کتابوں کو دیکھتا ہے تو یہ کتابیں اس کو غلطیوں میں مبتلا کر دیتی ہیں کیونکہ ان حضرات نے موضوع حدیثوں پر کتاب کی بنیاد رکھی ہے۔ یہ لوگ دنیا کی مذمت کرتے ہیں حالانکہ یہ نہیں جانتے کہ دنیا کیا ہے؟ لہٰذا مبتدی دنیا کی مذمت کا تصور کر کے سارے تعلقات ختم کر دیتا ہے پہاڑ کی طرف نکل کھڑا ہوتا ہے پھر کبھی اس سے جماعت کی نماز اور جمعہ بھی چھوٹ جاتا ہے اور صرف بلوط اور ناشپاتی کھاتا ہے جس کی وجہ سے قولنج کا مریض ہو جاتا ہے۔

---

[1] یہ مطلب نہیں کہ یہ کتابیں غیر معتبر ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان میں کہیں کہیں مصنفین سے چوک ہو گئی ہے وہ لہٰذا طالبین کو آنکھ بند کر کے عمل نہیں شروع کر دینا چاہیے بلکہ علماء سے تحقیق کے بعد عمل کریں رہا غلطی ہونا یہ کچھ عیب نہیں خود مصنف کتاب علامہ ابن الجوزی کی کتابیں چوک سے پاک نہیں ہیں زہد کے مضامین میں موضوعات تک بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ فقط حمزہ

بعض صرف دودھ پر اکتفا کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے طبیعت کمزور ہو جاتی ہے، بعض صرف
باقلا اور دال کھاتے ہیں جس سے قراقر پیدا ہو جاتا ہے۔

مثلاً جس کو حج کا سفر کرنا ہو اس کو چاہیے کہ اونٹنی کے ساتھ پہلے ہی سے نرمی اور اچھا
برتاؤ کرے تاکہ پہنچ سکے۔ کیا تم سمجھدار لوگوں کو نہیں دیکھتے ہو کہ اپنی روزی سے پہلے اپنے
گھوڑے کے چارہ کا انتظام کرتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ واعظ حضرات سلف اور حضرات
صوفیہ کے احوال بیان کرتا ہے تو سالک مرید اس پر عمل کر کے تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اور جب ہم اس طرح کے واقعات کی تردید کرنے والوں کی غلطی بیان کرتے ہیں تو
جاہل لوگ کہتے ہیں کیا تم صوفیاء کی تردید کرتے ہو؟ حالانکہ ان کو چاہیے تو کہ شیخ طریقت کی
پیروی کرتے اور ان حضرات کے نام پر نگاہ نہ ڈالتے جن کی عظمت دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے
کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان کی
مخالفت کرتے ہیں اس لیے دلیل ہی کی اتباع کرنی چاہیے۔

مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کلام کی فضیلت
بیان فرما رہے تھے میں نے عرض کیا کہ حضرت ابراہیم ابن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے
یہ سن کر آپ نے ڈانٹا اور فرمایا چھوڑو ان راستے کے جھگڑوں کو اور اپنے اوپر اس طریق کو
لازم کرلو جس پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تھے۔

اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حارث محاسبی کے حصے میں کلام کیا اور
حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی تردید کی جبکہ انہوں نے یہ کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حرفوں کو
پیدا فرمایا تو الف کھڑا رہ گیا اور باقی نے سجدہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو ان کی مجلس سے ہٹاؤ۔

معلوم ہوا کہ حق بات میں دیکھنا چاہیے کیونکہ وہ حقیقت ہے۔ میں نے بھی دیکھا
ہوں کہ بہت سے لوگ شریعت اور سنت سے منحرف ہو گئے ہیں اور صوفیاء کے ملفوظات و
اقوال کو اپنے لیے مثل شریعت کے بنا لیا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ
نے فرمایا ہے کہ حضرات سلف میں ایسے حضرات بھی تھے جو ایک کھجور کے برابر وزن کر کے
لیتے تھے اور وہ کھجور بھی ہر روز کم ہوتی جاتی تھی حالانکہ یہ طریقہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم

نے جانا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے۔ وہ حضرات تو آسودگی سے کچھ کم کھاتے تھے بلکہ اپنے اوپر بھوک کی مشقت ڈالنا تو ضع ہے۔

اسی طرح کوئی کہتا ہے کہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ جب تم ٹھنڈا پانی پیتے ہو تو موت کو کب پسند کر سکتے ہو؟ جبکہ آپ کا پانی مٹکے میں رہتا تھا اور یہ نہیں سمجھا کہ نفس کا بھی کچھ حق ہے اور گرم پانی معدہ کو ڈھیلا کر کے نقصان پہنچاتا ہے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ٹھنڈا پانی لایا جاتا تھا۔

کوئی کہتا ہے کہ پچاس سال سے بھنا ہوا گوشت کھانے کی خواہش رکھتا ہوں لیکن اب تک اس کے لیے صاف اور حلال درہم نہیں ملا۔

کوئی کہتا ہے کہ میں گاجر کو شیرہ میں بھگو کر کھانا چاہتا ہوں مگر خالص حلال طریقہ سے نہیں پاتا ہوں' بھلا بتاؤ! کیا یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ دانہ جب سے زمین سے نکلا ہے کسی مشتبہ جگہ نہ پہنچا ہو؟ اگر یہ خیال ہے تو یہ ایسی چیز ہے جس پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نگاہ نہیں فرمائی۔ اگر چہ پرہیز گاری بہت اچھی چیز ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اپنے اوپر سخت مشقتیں لادلی جائیں۔

یہ دیکھو حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حدیث اس لیے نہیں بیان کرتا ہوں کہ میرے دل میں حدیث بیان کرنے کی خواہش ہوتی ہے حالانکہ یہ توجیہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ انسان کو نکاح کا حکم دیا گیا ہے اور نکاح سب سے بڑی خواہش نفس کی چیز ہے اور حضرت بشر ننگے پیر رہتے تھے اس وجہ سے آپ کو حافی (ننگے پیر والا) کہا جانے لگا حالانکہ اگر وہ اپنا حال چھپا لیتے اور چپل پہنتے رہتے تو زیادہ بہتر تھا کیونکہ ننگے پیر رہنے سے آنکھ کو نقصان پہنچتا ہے اور اس کو دنیا نہیں کہا جا سکتا کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جوتا رہتا تھا۔

حاصل یہ کہ آج کل صوفیاء جس طریقہ پر نظر آتے ہیں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا طریقہ یہ نہیں تھا۔ چنانچہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے تھے' مزاح فرماتے تھے' خوبصورت عورتوں کو پسند فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دوڑ میں مقابلہ فرماتے تھے۔ گوشت کھاتے تھے' حلوہ اور شیرینی پسند فرماتے تھے اور

پہلے کے صوفیاء کے بالکل برعکس اور ان کی ضد ہیں۔ اور مجھے ان سے زیادہ ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو ایسے بڑے ہوئے لوگوں کو بہ تکلف پیش کرتے ہیں۔

نگاہ عبرت

مجلس... اللہ تعالیٰ نے آدمی کے تمام احوال کے لیے کچھ مثالیں پیدا فرمادی ہیں تاکہ ان کے ذریعے عبرت حاصل کی جائے۔

۱۔ چنانچہ ایک مثال تو چاند کی ہے کہ شروع میں چھوٹا سا ظاہر ہوتا ہے پھر رفتہ رفتہ بدر کامل بنتا ہے پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے اور کبھی کبھی اس کو ایسی چیزیں بھی پیش آتی ہیں جو بگاڑ دیتی ہیں۔ مثلاً گرہن وغیرہ جبکہ یہی معاملہ آدمی کا بھی ہے کہ شروع میں نطفہ ہوتا ہے پھر فساد سے اصلاح کی طرف ترقی کرتا ہے۔ اسی طرح تمام ہو کر بدر کامل کی طرح ہو جاتا ہے پھر اس کے احوال میں ضعف کے ساتھ کمی شروع ہوتی ہے اور کبھی بدر کامل ہونے سے پہلے ہی موت آجاتی ہے جیسے کہ چاند کو گرہن پیش آجاتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

والمرء مثل هلال عند طلعته يبدو ضئيلاً لطيفاً ثم يتسق

"آدمی کی مثال ایسی ہے جیسے پہلی تاریخ کا چاند کہ شروع میں دبلا ظاہر ہوتا ہے پھر بڑھتا اور پورا ہوتا ہے۔"

يزداد حتّى اذا ما تم اعقبه كر الجديدين نقصا ثم ينمحق

"بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ کامل ہو جاتا ہے پھر زمانہ اس پر حملہ کر کے گھٹا دیتا ہے یہاں تک کہ ختم ہو جاتا ہے۔"

۲۔ دوسری مثال ریشم کا کیڑا ہے جو زندہ رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی روزی کا پودا پیدا ہوتا ہے یعنی شہتوت کا پتہ پھر پتہ سبز ہو جاتا ہے تو اس میں روح سرایت کرتی ہے پھر بچہ کی طرح ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے پھر سو جاتا ہے جیسے آدمی انجام سے غافل رہتا ہے پھر جاگتا ہے اور کھانے کی خواہش کرتا ہے جیسے حریص آدمی حصول دنیا میں لالچ سے کام لیتا ہے۔ پھر اپنے اوپر ریشم بننا شروع کرتا ہے جیسے آدمی دنیا میں بہت سے گناہ اپنے اوپر لاد لیتا ہے پھر وہ اسی ریشم کی قید میں محبوس رہتا ہے جیسے میت قبر

میں مجہول رہتی ہے پھر اس کو کاٹا جاتا ہے تو ایک نئی کونپل نکلتی ہے جیسے کہ مردے غیر مختون اور ساکت وصامت اٹھائے جائیں گے۔ اور قیامت کے دن اٹھائے جانے پر دلیل قائم فرمادی ہے کہ نطفہ کی مثال میت کی سی ہے پھر آدمی بن جاتا ہے۔

اسی طرح زمین کے اندر دانہ ڈالا جاتا کہ سڑگل جاتا ہے پھر سرسبز ہو کر لہلہانے لگتا ہے۔

اذا المرء کانت له فکرة　　　ففی کل شیء له عبرة

"جب آدمی کے اندر فکر پیدا ہو جاتی ہے تو ہر چیز میں اس کو عبرت کا سامان مل جاتا ہے۔"

وقتی لذت

مجلس..... عقل کو جو فضیلت حاصل ہے وہ صرف اسی وجہ سے کہ انجام پر نگاہ رکھتی ہے کیونکہ بیوقوف کم عقل صرف موجودہ حالت کو دیکھتا ہے اور انجام کو نہیں سوچتا۔

مثلاً چور چوری کرتے وقت یہ دیکھتا ہے کہ اتنا مال ملے گا اور یہ بھول جاتا ہے کہ ہاتھ بھی کٹ سکتا ہے۔ اسی طرح کاہل وقتی راحت کی لذت کو تو دیکھتا ہے لیکن اس کے نتیجہ میں کتنے علم سے محرومی ہوئی اور مال کے کمانے میں کتنا نقصان ہوا اس کو بھولا رہتا ہے۔

پھر جب بوڑھا ہوگا اور اس سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جائے گا تو نہیں بتا سکے گا اور جب ضرورت مند ہوگا تو لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے کا ذلیل ہوگا۔ حاصل یہ کہ بیکاری اور کاہلی کی وقتی لذت کے مقابلہ میں وہ افسوس اور حسرت زیادہ ہوگی جو بعد میں حاصل ہوگی۔ پھر یہ کہ دنیا میں ترک عمل کی وجہ سے آخرت کے ثواب سے محروم رہے گا۔

یہی حال شرابی کا ہے کہ اس وقت میں تو لذت اٹھاتا ہے لیکن اس کے نتیجہ میں دنیا اور آخرت کی جو آفات مرتب ہوتی ہیں ان کو بھولا رہتا ہے۔ ایسے ہی زنا بھی ہے کہ انسان فقط شہوت کو دیکھ کر اس سے جو تباہی رسوائی اور صدمہ ذلت حاصل ہوتی ہے اس کو بھول جاتا ہے کیونکہ جب عورت شوہر والی ہو تو حمل کی نسبت شوہر کی طرف ہو کر ہمیشہ کے لیے نسب خراب ہو جاتا ہے۔

اور چیزوں کو اسی پر قیاس کر لو اور انجام کو سوچ کر بیدار ہو جاؤ۔ ایسی لذت کو کبھی ترجیح نہ دو جو بہت سے خیر سے محروم کر دے بلکہ مشقت پر صبر کرو تاکہ زیادہ نفع اٹھاؤ۔

حقیقی لذت کا پتہ

مجلس... دنیا میں سچی لذت سوائے عالم یا صوفی کے کسی اور کو نہیں ہے۔

البتہ کبھی ان کے صاف ستھرے حال میں کوئی کدورت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ عالم اپنے علم یا خلوت نشینی میں مشغول ہو کر مال کمانے کا موقع نہیں رکھتا اور اگر اس کی کفالت میں بال بچے بھی ہوں تو بادشاہوں سے تعلق پیدا کر کے اپنی حالت خراب کر لیتا ہے اور یہی صورت صوفی کو بھی پیش آتی ہے۔ اس لیے علماء اور صوفیاء کو چاہیے کہ تحصیل معاش کے سلسلے میں بھی کچھ ہاتھ پاؤں ہلائیں مثلاً اجرت پر کتابت کا کام یا کھجور کے پتوں کا کام اور اگر کچھ مال حاصل ہو تو تھوڑے پر قناعت کریں تو پھر کبھی ان کو کوئی شخص دبا نہیں سکتا۔ جیسا کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو ایک اجرت ملتی تھی جو شاید ایک دینار کے برابر بھی نہ ہو اور آپ اسی میں سے بقدر قوت خرچ کرتے تھے اور اگر قناعت سے کام نہ لیا جائے تو پھر بادشاہوں اور عوام سے اختلاط دین کو فاسد کر دے گا۔

بعض ایسے بھی ہیں کہ کھانے پینے میں وسعت چاہتے ہیں اور بعض کو موٹا جھوٹا راس نہیں آتا ہے لیکن لذتوں کے حصول کے ساتھ یہ بات بعید ہے کہ دین محفوظ رہ جائے۔

اسی لیے اگر عالم اور صوفی قدر کفایت پر اکتفا کریں تو پھر بادشاہوں کے سامنے بے حیثیت ہونے کی ضرورت نہیں پڑے گی نہ عالم کو اس کے دروازے کا چکر لگانا پڑے گا اور صوفی کو بناوٹ کی حاجت نہیں رہ جائے گی۔ بہرحال! یہ حقیقت ہے کہ خوشگوار زندگی اسی گوشہ نشین (عالم یا صوفی) کو حاصل ہو جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور...۔

فہم کی قلت

مجلس... عقلوں میں آپس میں کس قدر فرق ہے حتیٰ کہ علماء کی سمجھ بھی عقائد اور مسائل ہر مذہب میں بہت زیادہ فرق کے ساتھ ہے۔

بہت سے عالموں کو دیکھو گے کہ صفات خداوندی کی روایت کو سن کر ان کو اپنی حس کے تقاضوں پر محمول کرتے ہیں۔ مثلاً کوئی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ آسمان دنیا

پر نازل ہوتا اور منتقل ہوتا ہے حالانکہ یہ بالکل فضول بات ہے کیونکہ منتقل ہونے والا ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جگہ اس کی ذات سے جڑی ہو اور حرکت بھی ضروری ہو جبکہ یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہیں۔

اور مسائل میں ان کی مثال وہ ہے جو داؤد ظاہری کے متعلق منقول ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا یبولن احدکم فی الماء الدائم ثم یتوضأ منہ" (تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے پھر اسی سے وضو کرے)

اس سے انہوں نے یہ مسئلہ نکالا کہ اگر دوسرا کوئی پیشاب کرے (جس کو وضو نہ کرنا ہو) تو جائز ہے۔ دیکھو یہ صاحب مراد کو نہیں سمجھے کہ اس سے پانی نجس ہو جائے گا بلکہ صرف لفظ کو پکڑ لیا۔ اسی طرح یہ کہتے ہیں کہ خنزیر کا گوشت تو حرام ہے اس کی کھال حرام نہیں اللہ تعالیٰ اس بدبختی سے پناہ میں رکھیں۔ یہی حال ان شعراء کا بھی ہے جن کا دن رات کا مشغلہ ہی لطیف اور دقیق پہلوؤں کو کھنگالنا ہے کہ یہ بھی آپس میں ایک دوسرے سے الگ الگ عقل و ذہن رکھتے ہیں۔ مثلاً ایک شاعر نے کہا ہے:

لنا الجفنات الغر یلمعن بالضحی   واسیافنا یقطرن من نجدۃ دما

"ہمارے پاس شراب کے ایسے صاف ستھرے پیالے ہیں جو دوپہر میں چمکتے ہیں جبکہ ہماری تلواریں دلیری کی وجہ سے خون ٹپکاتی ہیں۔"

اس میں الجفنات لایا ہے جو قلت پر دلالت کرتا ہے کہ چند پیالے ہیں حالانکہ اس کے بجائے اگر وہ الجفان لاتا تو شعر زیادہ بلیغ ہو جاتا۔ اسی طرح اگر الضحیٰ (دوپہر) کے بجائے الدجیٰ (تاریک رات) کہتا تو حسن بڑھ جاتا اور یقطرن سے معلوم ہوتا ہے کہ خون بہت کم ہے (حالانکہ موقع زیادہ بتانے کا ہے) ایسے ہی ایک شاعر کا یہ شعر:

همها العطر والفراش ویعلو   ها لجین منظم ولآلی

"محبوبہ کی ساری توجہ عطر اور فرش کی طرف ہوتی ہے اور ہمیشہ پروئی ہوئی چاندی اور موتی اس پر سوار رہتے ہیں" اس میں تعریف نہیں ہو سکی کیونکہ اگر یہ سب کام کوئی کالی عورت اپنے حسن کے لیے کرتی تو ٹھیک تھا یہ تعریف تو اس شاعر نے کی ہے:

الم تر انی کلما جئت طارقا وجدت بہا طیبا وان لم تطیب

"کیا تم نے دیکھا نہیں کہ جب بھی میں محبوب کے پاس پہنچا تو اسے معطر پایا۔ گرچہ اس نے خوشبو نہ لگائی ہو۔" اسی طرح ایک شاعر کہتا ہے:

ادعو الی ہجرہا قلبی فیتبعنی حتی اذا قلت ہذا صادق نزعا

"میں اپنے دل کو محبوب کے فراق کی دعوت دیتا ہوں تو مان جاتا ہے مگر جب سوچتا ہوں کہ میرا دل اس کا تابع ہو گیا ہے تو پھر مشتاق ہو جاتا ہے۔"

حالانکہ اگر یہ شاعر عشق میں سچا ہوتا تو اس کے پاس متفکر کرنے کے لیے دل ہی نہ ہوتا اور اگر ہوتا بھی تو فراق کے مسئلہ میں اس کی موافقت نہ کرتا کیونکہ سچا عاشق تو اس طرح سے کہتا ہے:

یقولون لو عاتبت قلبک لارعوی فقلت وہل للعاشقین قلوب

"لوگ کہتے ہیں کہ تم اپنے دل کو عتاب کر کے عشق سے روک لیتے کیوں نہیں؟ تو میں کہتا ہوں کہ کیا عاشقوں کے پاس دل ہوتا بھی ہے؟"

اور اگر تحقیق سے دیکھا جائے تو اس طرح کے اشعار بہت ملیں گے۔

حاصل یہ کہ سب سے کم پائی جانے والی چیز فہم اور معانی میں گہرائی اور گیرائی ہے۔

دنیا میں لذت کہاں؟

مجلس..... جس نے دنیا کے متعلق غور کیا اور گہرائی سے سوچا اسے معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں کوئی لذت ہے ہی نہیں کیونکہ جو لذت پائی بھی جاتی ہے وہ اس کی محنتوں اور کدورت سے مل کر حاصل ہوتی ہے جو لذت سے کئی گنا تکلیف دہ ہو۔

چنانچہ ایک لذت تو عورتوں میں ہے اور ممکن ہے کہ کسی خوبصورت عورت سے رشتہ ہو جائے مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شوہر سے محبت نہ کرے، لہٰذا جب شوہر کو اس کا علم ہوگا تو بیہودگی اختیار کرے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خوبصورت بیوی خیانت کاری کر بیٹھے تو پھر تو شوہر کی بربادی ہی ہے۔ اور اگر فرض کر لو کہ سب چیزیں خواہش کے مطابق ہو گئیں تو بھی فراق کا تصور ہی سب سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔

اسی طرح ایک لذت اولاد میں ہوتی ہے تو زندگی میں اس کے نقصانات تک جو تکلیفیں ہوتی ہیں

وہ الگ اور جو کچھ اس کے شوہر کی طرف سے پیش آوے وہ اور عار کا اندیشہ الگ یہ سب بڑی مشقتیں ہیں جبکہ بیٹا اگر زندہ رہ جائے تو دل پگھلنے لگے اور اگر خراب و برباد ہو جائے تو افسوس و غم کا حال نہ پوچھو اور اگر کہیں دشمن بن گیا تو پھر باپ کی ہلاکت ہی اس کا مقصود ہو جاتی ہے۔

اور اگر مان لو کہ مراد پوری ہو گئی (یعنی لڑکا خواہش اور مرضی کے موافق نکلا) تو پھر اس کے فراق کا تصور اس دنیا کو گھلاتا رہتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی فاسق کسی امرد یعنی بے ریش خوبصورت لڑکے کے عشق میں پھنس جائے تو دنیا میں آبرو جاتی ہے اور دین بھی برباد ہو جاتا ہے بلکہ کچھ ہی دن میں شکل و صورت بھی بدل جاتی ہے اور سابق گناہ وہ بے آبروئی کے ساتھ قابل نفرت ہو کر رہ جاتا ہے۔

ایسے ہی بہت سے لوگوں پر کالی باندیوں سے ہمبستری کی خواہش سوار ہوئی تو لڑکا کالا پیدا ہوا پھر یہ چیز اس کے لیے عار کا سبب بن گئی۔

یہی حال مال سے لطف اندوزی کا ہے کہ اس کے حصول میں بہت سے غم شامل ہوتے ہیں اس کی جدائی میں حسرت ہوتی ہے اور ساری عمر اس کے چکر میں گنوا دینا ہوتا ہے۔

یہ چند چیزیں بطور نمونہ کے ہیں۔ لہٰذا جسے اللہ تعالیٰ توفیق سے نوازیں اس کو چاہیے کہ صرف انہی ضروریات پر اکتفا کرے جو اس کو دین کی سلامتی بدن کی حفاظت اور عافیت کے ساتھ رکھیں اور ان خواہشات کو بالکل ترک کر دے جن کی تحصیل اور کدورتیں ان کی لذتوں سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہیں۔

جس نے آخرت میں نفع کے خیال سے تکلیفوں پر صبر سے کام لیا وہ حقیقتاً کئی گنا زیادہ لذت اُٹھانے کا جیسے کہ طالب علم تھوڑا سا تعب برداشت کر لیتا ہے تو پھر آخرت کی سلامتی کے ساتھ دونوں جہاں کی بھلائیاں حاصل کر لیتا ہے جبکہ بیکاری اور کاہلی کی لذت انجام کار علم و عمل سے محرومی ہوتی ہے تو پھر اس لذت سے کئی گنا زیادہ تکلیف اور غم برداشت کرنا پڑتا ہے۔

لہٰذا تم کو خدا کا واسطہ! خبردار وقتی خواہش کو غالب نہ ہونے دو جب بھی خواہش نفس ابھرنے کا ارادہ کرے تو اس وقت دوا اور وقتی لذت کو بعد کی لذت سے وزن کر کے دیکھو۔

"وما یذکر الا اولوا الالباب" (اور نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں)

شیطانی دھوکے اور کلامی بحثوں کا مذموم پہلو

مجلس.... میں دیکھتا ہوں کہ ابلیس نے طرح طرح کی تدبیروں سے مخلوق کو پھنسایا۔ مثلاً یہ کہ ان میں سے اکثر کا رُخ اس علم سے پھیر دیا جو راہ رو کے لیے چراغ کا کام کرتا ہے اور ان کو جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیا۔ اسی طرح بہتوں کو حسی امور میں اس طرح پھنسا دیا کہ وہ عقل کے مشورہ کو چھوڑ بیٹھے۔

چنانچہ اب اگر کسی کو زندگی میں تنگی پیش آتی ہے یا حالات بگڑ جاتے ہیں تو اعتراض کر کے کافر ہو جاتا ہے بعض اس مصیبت کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جبکہ بعض دنیا کو گالی دیتے ہیں حالانکہ یہ سب بہانہ بازی ہے ورنہ تو (کھلی بات ہے کہ) زمانہ اور دنیا کوئی کام نہیں کرتے۔ لہٰذا یہ اعتراض درحقیقت فیصلہ کرنے والے پر ہوتا ہے۔

اور بعض لوگ اس طرح کے معاملات دیکھ کر حکمت کا انکار کر دیتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ایک بنی بنائی عمارت کو توڑ دینے میں کیا حکمت ہو سکتی ہے؟

بعضوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ٹوٹی ہوئی عمارت کا دوبارہ وجود میں آنا متصور نہیں ہو سکتا یہ کہہ کر قیامت میں دوبارہ زندہ کیے جانے کا انکار کر دیا۔ دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس جگہ سے کوئی شخص واپس نہیں آیا (حالانکہ اگر وہ جگہ موجود ہوتی تو کوئی نہ کوئی تو واپس آتا) اور یہ بھول گئے کہ ابھی سارے لوگ پیدا نہیں ہوئے ہیں۔ اب اگر ہم میں سے کوئی واپس آ جائے تو ایمان بالغیب نہیں رہ جائے گا بلکہ مشاہدہ پر ایمان ہوگا اور یہ مناسب بھی نہیں کہ زندوں کو زندوں کے ذریعہ دلیل فراہم کی جائے۔

پھر ابلیس نے نگاہ دوڑائی تو مسلمانوں کے ایک طبقہ میں ذہانت دیکھ کر ان کو یہ سمجھایا کہ ظاہر شریعت پر جمے رہنے میں تو عوام بھی شریک ہیں۔ لہٰذا ان کے سامنے علم کلام کی بحثوں کی خوبیاں ظاہر کیں تو وہ لوگ بقراط' جالینوس اور فیثا غورث کی باتوں کو دلیل میں لانے لگے اور پھر یہ لوگ شریعت کے پیرو نہیں رہ گئے اور نہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں مشغول ہوئے بلکہ وہ باتیں کہنے لگے جو ان کے دل نے گھڑ لیں۔

حضرات سلف کا تو دستور یہ تھا کہ جب کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو اس کو حفظ قرآن اور سماع

حدیث میں مشغول کرتے تھے جس کی وجہ سے اس کے دل میں ایمان راسخ ہوتا تھا۔ لیکن اب یہ لوگ اس سے سستی کرنے لگے اور لوگ فلسفہ اور منطق میں مشغول ہونے لگے اور احادیث کو خبر واحد کہہ کر پس پشت ڈالنے لگے۔

یہ لوگ حضرات محدثین کو بک بک کرنے والا گروہ کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دقیق علم تو "طفرہ" "ھیولی" اور "جزء لایتجزی" کا علم ہے۔

پھر یہ حضرت صفات باری کے متعلق گفتگو کی جرأت کرتے ہیں تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح منقول روایات کی تردید اور تاویل کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہو سکتا کیونکہ مرئی کے لیے جہت لازم ہے (اور اللہ تعالیٰ جہت سے پاک ہیں) حالانکہ یہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صریح ارشاد کی مخالفت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انکم ترون ربکم کما ترون القمر لا تضامون فی رویتہ" (یقیناً تم لوگ اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جیسے چاند دیکھتے ہو کہ اس کے دیکھنے میں کوئی شبہ نہیں کرو گے)

اس حدیث نے ثابت کیا کہ دیدار ہوگا۔ اگرچہ ہم لوگ اس کی صحیح کیفیت اس وقت نہ سمجھ سکیں۔ اسی طرح یہ لوگ قرآن پاک کی مشغل سے محروم ہو گئے کیونکہ انہوں نے کہہ دیا کہ قرآن پاک مخلوق ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں سے قرآن پاک کا احترام ختم ہو گیا اور حدیث سے بے رخی کی یہ کہہ کر خبر واحد ہے۔ بس ان کا سارا مذہب بقراطوں اور جالینوس کی چبائی ہوئی تحقیقات ہیں۔

فلاسفہ کی پیروی سے انہوں نے صرف یہی حاصل کیا ہے کہ اپنے آپ کو نماز روزہ کی مشقت سے محفوظ کر لیں۔ اسی وجہ سے اکابر علماء علم کلام کی مذمت فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے بارے میں میرا فیصلہ یہ ہے کہ ان کو خچروں پر سوار کر کے پورے شہر میں گھمایا جائے اور کہا جائے کہ لوگو! دیکھو یہ ان لوگوں کی سزا ہے جو کتاب و سنت کو چھوڑ کر علم کلام میں مشغول ہو گئے ہیں۔

نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ انہوں نے یہ اعتقاد کر لیا کہ جو بھی توحید کی دلیلوں کو بیان

کرنا تھا جانتا ہو وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔ لہٰذا خدا کے واسطے ان اہل بدعت سے بہت دور رہو اور کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھام لو تاکہ راہ راست پر رہو۔

وقت کی قدر

مجلس... میں نے محسوس کیا کہ آج کل وقت کو بے فائدہ ضائع کر دینے کی عادت غالب ہو چکی ہے جبکہ پہلے کے لوگ اس سے پرہیز کرتے تھے۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا "میں ایسے حضرات کو جانتا ہوں جن کی ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کی گفتگو انگلی پر گنا جا سکتا ہے۔"

کچھ لوگ ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے پھر (کچھ احساس ہوا تو) عرض کیا شاید ہم لوگوں نے آپ کا حرج کیا ہے؟ فرمایا ٹھیک کہتے ہو میں عبادت کر رہا تھا تم ہی لوگوں کی وجہ سے بند کر دیا۔ ایک عبادت گزار حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے تو آپ کے پاس کچھ لوگوں کو بیٹھا ہوا دیکھ کر کہا کہ آپ تو بیکاروں کا ٹھکانا بن گئے ہیں یہ کہہ کر چلے گئے بیٹھے نہیں سو در اصل جب بھی یہ تمنا ہو زیارت بزرگ نرم ہوں گے تو زیارت کرنے والوں کو زیارت کی حرص ہوگی اور زیادہ دیر تک بیٹھیں گے بھی جس کی وجہ سے ان بزرگ کا نقصان ہوگا۔ چنانچہ کچھ لوگ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے تھے جب دیر ہو گئی تو آپ نے فرمایا کہ بھئی فرشتہ تو سورج کو ہانکنے اور آگے بڑھانے میں سستی نہیں کر رہے ہیں تو کیا تم لوگ اٹھنا نہیں چاہتے ہو؟ انہی لوگوں میں جو ایک ایک لمحہ کی قدر پہچانتے ہیں۔ حضرت عامر بن عبد قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے ایک شخص نے ان سے عرض کیا کہ ٹھہر جائیے میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں فرمایا کہ پھر سورج کو روک لو۔

حضرت کرز بن وبرہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کاش! آپ صحرا کی طرف نکلتے تو فرمایا "عمر دوں یہ برباد ہو جائے گی" حضرت داؤد طائی چورا پھانک لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ چورا پھانکنے اور روٹی کھانے کی مدت میں پچاس آیتوں کی تلاوت کا فرق ہے۔

حضرت عثمان باقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہر وقت خدا تعالیٰ کے ذکر میں ڈوبے رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ افطار کے وقت مجھ کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے جان نکل رہی ہو کہ اس لیے

کہ اس وقت کھانے کی طرف توجہ سے ذکر چھوٹ جاتا ہے۔

اسی طرح ایک بزرگ اپنے احباب کو وصیت کرتے تھے کہ جب تم لوگ میرے پاس سے نکلا کرو تو الگ الگ جایا کرو تا کہ ہر ایک راستے میں تلاوت کرتا رہے ورنہ اگر اکٹھے ہو کر چلو گے تو بات کرو گے۔ خوب سمجھ لو کہ وقت اس قدر قیمتی اور قابل شرف چیز ہے کہ اس کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ حدیث صحیح میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **من قال سبحان اللہ العظیم وبحمدہ غرست له بها نخلة في الجنة** "جس نے سبحان اللہ العظیم و بحمدہ ایک مرتبہ پڑھا اس کے لیے اس کے بدلے میں ایک درخت جنت میں لگا دیا جائے گا۔"

جبکہ آدمی کتنی گھڑیاں اسی طرح گنوا دیتا ہے کہ ان میں اس بڑے ثواب سے محروم رہ جاتا ہے۔ زندگی کے یہ ایام تو کھیتی کی طرح ہیں اور گویا انسان سے کہا گیا ہے کہ جب کبھی تم ایک دانہ ڈالو گے ہم اس سے ہزار بوری تمہارا لیے پیدا کر دیں گے تو خود ہی بتاؤ کیا کسی سمجھدار کے لیے جائز ہے کہ بیج ڈالنے میں کوتاہی اور سستی سے کام لے۔

اور وقت کی قدر کرنے اور اس کو غنیمت سمجھ کر فائدہ اٹھانے کے سلسلے میں جو چیز معین و مددگار ہو سکتی ہے وہ بقدر امکان تنہائی اور گوشہ نشینی ملنے والوں سے صرف سلام پر یا کوئی اہم ضروری بات ہو ضروری بات کر لینے پر اکتفاء اور کم کھانا کیونکہ کھانے کی زیادتی زیادہ نیند اور رات کی بربادی کا سبب ہے۔ جو شخص بھی حضرات سلف کی سیرت و حالات کا مطالعہ کرے گا اور روز جزا پر ایمان رکھتا ہوگا اس کے سامنے میرے اس مضمون کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔

شوہر اور بیوی

مجلس...(۱) سمجھدار آدمی کو چاہیے کہ دیندار گھرانے کی دیندار اور نیک ایسی عورت کو پسند کرے جس کے خاندان میں فقر غالب ہوتا کہ شوہر جو کچھ دے اس کو وہ زیادہ خیال کرے۔

(۲) اور ایسی عورت سے نکاح کرے جو عمر میں اس کے قریب ہو کیونکہ جب کوئی بوڑھا کسی کم سن لڑکی سے نکاح کرتا ہے تو یہ چیز لڑکی کے لیے تکلیف دہ ہوتی ہے پھر ایسی

بیوی کبھی تو زنا میں مبتلا ہو جاتی ہے کبھی اپنے شوہر کو قتل کر دیتی ہے یا پھر طلاق کا مطالبہ کرتی ہے جبکہ شوہر کو اس سے محبت ہو چکی ہو تو پھر شوہر کو تکلیف پہنچتی ہے۔

(۳) شوہر کو اپنی کمی خوش خلقی اور خرچ میں اضافہ کے ذریعے پوری کرنی چاہیے۔

(۴) بیوی کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ شوہر سے اتنے زیادہ دن تک قریب رہے کہ اس کو اکتا دے اور نہ یہ کہ اتنے دن علیحدہ رہے کہ شوہر اس کو بھول جائے۔

(۵) بیوی کو چاہیے کہ شوہر کے پاس جاتے وقت بالکل صاف ستھری بن سنور کر جائے اور اپنی شرمگاہ یا سارا جسم دکھلانے سے پرہیز کرے کیونکہ انسان کا اندر کا جسم حسین نہیں ہوتا۔

(۶) ایسے ہی شوہر بھی اپنا جسم بیوی کو نہ دکھائے رہی ہمبستری تو وہ بستر کے اندر ہونی چاہیے۔

کسریٰ بادشاہ نے ایک دن دیکھ لیا کہ کس طرح جانور کی کھال اتاری جاتی ہے اور گوشت پکایا جاتا ہے تو اس کا جی بھر گیا اور گوشت کھانے سے انکار کر دیا۔ جب یہ بات اپنے وزیر کو بتلائی تو اس نے کہا اے بادشاہ! ''گوشت دستر خوان پر دیکھنا چاہیے اور بیوی کو بستر پر'' اس کا مطلب یہ تھا کہ اس میں زیادہ تحقیق نہیں کرنی چاہیے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

مارأیت من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم ولا رآہ منی' وقام لیلۃ عریانا فما رأیت جسمہ قبلھا

''نہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرمگاہ دیکھی نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری البتہ ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھلے بدن کے ساتھ اُٹھے تو (اس دن میری نظر پڑ گئی ورنہ) اس سے پہلے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم نہیں دیکھا تھا۔''

یہ احتیاط کی بات تھی اور اس کی وجہ سے مرد عورت پر عیب نہیں لگا پاتا کیونکہ اس نے عورت کے عیوب کو دیکھا ہی نہیں ہوتا۔

(۷) ہونا یہ چاہیے کہ بیوی کا بستر الگ ہو اور شوہر کا الگ تاکہ دونوں جب جمع ہوں تو اچھی اور کامل حالت میں۔

بہت سے لوگ ان باتوں کی وجہ سے بے وقعت ہو جاتے ہیں کیونکہ مرد عورت کو

خراب حالت میں دیکھتا ہے اور عورت سوچتی ہے کہ یہ شخص میرے بچوں کا باپ ہے اور اس قدر بدحال ہے پھر دونوں ایک دوسرے کی ناپسندیدہ صفتوں پر غور کرنے لگتے ہیں تو دل میں نفرت بیٹھ جاتی ہے اور زندگی بغیر محبت کے گزارنا پڑتی ہے۔

اس فصل کو غور سے پڑھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ یہ بڑی بنیادی نصیحت ہے۔

عہدہ قضاء اور شہادت

مجلس...... دنیا میں خوشگوار زندگی تو صرف اسی کو میسر ہے جو تھوڑے پر قناعت کرنے کیونکہ جب ضرورت سے زیادہ اسباب کی حرص ہو جائے گی تو فکر بڑھ جائے گی دل منتشر ہو جائے گا اور انسان غلام بن کر رہ جائے گا۔

جبکہ قناعت پسند شخص کو نہ اپنے سے اوپر والوں سے ملنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ مالداروں کی پرواہ کیونکہ جو ان کے پاس ہے وہ اس کے پاس بھی ہوتا ہے۔

اور بلاشبہ جن لوگوں نے قناعت اختیار نہیں کی بلکہ زندگی کی لذتوں کی طلب میں لگ گئے تو انہوں نے اپنے دین میں نقص پیدا کر لیا اور دوسروں کے آگے ذلیل ہوئے۔ خصوصاً وہ اہل علم حضرات جنہوں نے امیروں کے پاس آنا جانا شروع کیا تو ان کے انعام اور تحائف بن کر رہ گئے منکرات کو دیکھا مگر ان پر نکیر نہ کر سکے بلکہ بعضوں کو ظالم کے شر سے بچنے کے لیے اس کی مدح بھی کرنی پڑی۔ اسی طرح ان کو جتنی دنیا نہیں حاصل ہوئی اس سے کہیں زیادہ ذلت اور دین کی بربادی حاصل ہو گئی۔

انہی بدتر حال لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جنہوں نے منصب قضاء و شہادت کا کام اپنے ذمہ لیا حالانکہ یہ دونوں کام پہلے بہت بہتر تھے چنانچہ قاضی عبدالحمید جو کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے انہوں نے خلیفہ معتضد باللہ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ نے کچھ وقف کی جائیداد ایک کرایہ پر لی تھی اس کا کرایہ ادا کر دیجئے معتضد کو ادا کرنا پڑا۔

ایک مرتبہ معتضد نے ان سے کہا کہ فلاں شخص مر گیا ہے جبکہ اس کے ذمہ ہمارا کچھ مال باقی ہے۔ قاضی عبدالحمید نے کہا کہ آپ یاد کیجئے جب آپ نے مجھ کو قاضی بنایا تھا تو

اس وقت کہا تھا کہ میں نے فیصلہ کا اختیار اپنی گردن سے اتار دیا اور تیری گردن پر رکھ دیا۔ لہٰذا اب آپ کا دعویٰ بغیر دو گواہوں کے میں قبول نہیں کر سکتا ہوں۔

اور پہلے کے گواہ بھی ایسے ہی ہوتے تھے۔ چنانچہ کسی خلیفہ کے دربار میں ایک جماعت پہنچی' خادم نے ان سے کہا کہ تم لوگ ہمارے آقا کے متعلق فلاں تحریر کے گواہ بن جاؤ چنانچہ اور سب تو گواہ بن گئے مگر مجزوعی بادشاہ کے سراپردہ کی طرف بڑھے اور کہا اے امیر المومنین! میں آپ کے متعلق جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر گواہ بنتا ہوں بادشاہ نے کہا ہاں بن جاؤ۔ مجزوعی نے کہا کہ لیکن یہ تحریر کافی نہیں ہے میں اس وقت تک گواہی نہیں دوں گا جب تک آپ اپنی زبان سے ہاں نہ کہہ دیں' بادشاہ نے ہاں کہا (تب انہوں نے گواہی دی)

مگر اب ہمارے اس دور میں وہ سب قواعد بدل چکے ہیں' خصوصاً جو لوگ مال کے ذریعے قربت حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ گواہ بنا لیے جائیں ان کا حال یہ دیکھو گے کہ بے دیکھی چیزوں میں بھی زبردستی گواہ بنائے جاتے ہیں۔ مجھ سے ابو المعالی بن شافع نے کہا کہ مجھ کو بعض لوگوں کی گواہی کے لیے لیجایا جاتا تھا جبکہ وہ قید خانہ میں بند ہوتے تھے تو میں (بلا دیکھے) گواہی دیدیا کرتا تھا' اب میں اس سے استغفار کرتا ہوں۔

ایسا بھی نہیں ہے کہ ان گواہوں کو کچھ وظیفہ یا تنخواہ ملتی ہو اور اسی کے لیے لیجائے جاتے ہوں بلکہ صرف جبے اور جوڑے کی نمائش اور دروازے پر معرف کی آمد اور یہ سننے کے لیے "اللہ تعالیٰ آپ کی نعمت کی نگہبانی کرے چلئے گواہی دینا ہے[1]۔"

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے جب کہا گیا کہ آپ قاضی بنائے جانے والے ہیں تو سرخ کرتہ پہن کر بازار میں بیٹھ گئے۔ لوگوں نے اس حالت میں دیکھا تو کہنے لگے یہ تو قاضی بننے کے لائق نہیں ہیں۔ اسی طرح ایک بزرگ کو ہارون رشید نے عہدہ قضاء حوالہ کرنے کے لیے بلوایا تو انہوں نے داخل ہو کر سلام کیا اور کہا کہ کہئے کیسے مزاج ہیں؟ بال

---

[1] اسلامی حکومتوں میں بعض لوگ شہرت کے لیے یہی راہ اختیار کرتے تھے کہ جب کسی کو گواہ بنانے کی ضرورت پڑی فوراً اپنے کو پیش کر دیا تاکہ اس وقت بھی عزت سے لیجائے جائیں اور جب قاضی کے وہاں ادائیگی شہادت کی ضرورت ہو تو پھر ان کی مدد کی ضرورت پڑے تو جب قاضی کا چپڑاسی بلانے کے لیے آتا تھا تو اس طرح سے کہتا تھا حرسک اللہ نعمتک شہادۃ۔۱۲ احمزہ

بچے ٹھیک ہیں؟" (یعنی انداز ایسا اختیار کیا کہ) لوگ سمجھے کہ آپ پاگل ہیں یا خوب کہا ہے
پاگل بنتا ہے جو حقیقت میں عقل مندی ہو۔

میرا یہ خیال ہے کہ اب اکثر دلوں میں ایمان زوال پذیر ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو
دین کی حاجتیں عطا فرمائیں۔ ماشاء وہ اس پر قادر ہیں۔

حکمت والی ذات کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا

مجلس.... یہ مضمون اس کتاب میں کئی بار آ چکا ہے مگر اس مصلحت سے کہ اس سے
غفلت نہ کی جائے بار بار اس کا تکرار ضروری ہے۔

مومن کے لیے اس بات کا یقین رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہیں، حکمت
والے ہیں، کوئی کام بے فائدہ نہیں کرتے۔ اس عقیدہ کے استحضار سے تقدیر پر اعتراض
نہیں رہ جائے گا جبکہ کچھ لوگوں نے حکمت خداوندی پر نکتہ چینی کی جرأت کر ڈالی حالانکہ یہ
کفر ہے اور سب سے پہلے یہ حرکت ابلیس نے کی کہ کہا: "خلقتنی من نار و خلقته
من طین" (مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے مطلب یہ تھا کہ آپ کا مٹی کو آگ
پر فضیلت دینا حکمت کے خلاف ہے)

اسی طرح میں نے ایسے عالم دیکھے ہیں جن کا مقصود اعتراض ہی کرنا تھا اور یہ
اس وجہ سے کہ معترض کی نگاہ نفس کے ظاہر پر رکتی ہے اور وہ ظاہری صورت اگر
ہمارے جیسے کسی شخص سے ظاہر ہوتی تو اس پر اعتراض کرنا ٹھیک ہوتا۔ رہی وہ ذات
جس کی حکمت کے مشاہدے سے سارے انسانوں کی عقل و فہم عاجز ہو تو جاہل ناقص کا اس
پر اعتراض کرنا پاگل پن کے سوا کچھ نہیں ہے۔

کچھ بے شرم لوگ ایسے ہیں کہ ان کا اعتراض کبھی ختم نہیں ہوتا جس کی وجہ یہ ہے
کہ وہ سارے فیصلوں کو اپنی غرض کے موافق چاہتے ہیں۔ لہٰذا جب کسی کی کوئی غرض
پوری نہیں ہوتی تو اعتراض کر بیٹھتا ہے چنانچہ بعض لوگ موت پر اعتراض کرتے
ہوئے کہتے ہیں کہ "مجھو" بنا کر توڑ دیا۔"

ہمارا ایک ساتھی جو قرآن پاک کی قرأت سبعہ پڑھ چکا تھا اور بہت سی حدیثیں یاد کر چکا تھا

پھر گناہوں مبتلا ہو گیا تھا اور ستر سال سے زیادہ کی زندگی پائی جب اس کی موت کا وقت قریب ہوا تو مجھ سے ذکر کیا گیا کہ اس نے کہا "کیا میری جان کے علاوہ ساری دنیا تنگ ہو چکی ہے؟"

اس طرح کی مثالیں بہت ہیں اور اسی طرح ایک شخص کو میں نے موت کے وقت کہتے ہوئے سنا کہ میرا رب مجھ پر ظلم کر رہا ہے (نعوذ باللہ من ذالک) ظاہر ہے کہ بے حیاؤں کے جنون و پاگل پن کے کلام اور فضول اعتراضات کو نقل کرنا کوئی پسندیدہ کام نہیں ہے۔

اگر ان لوگوں نے یہ سمجھا ہوتا کہ دنیا مقابلہ کا ایک میدان ہے اور صبر کا ہسپتال ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا ظہور ہو تو اعتراض نہ کرتے اور کاش وہ سمجھ لیتے کہ جس سلامتی اور آرزوؤں کے وہ خواہش مند ہیں وہ بالکل سامنے ہے (یعنی جنت) گویا ان کی مثال اس مزدور جیسی ہے جو مٹی میں آلودہ ہو کہ جب فارغ ہو گا تب صاف کپڑے پہنے گا۔ اور جب اس بدن کو جو ہمیشہ باقی رہنے کے قابل نہیں تھا توڑنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو اس سے معزز روح کو نکال لیا جاتا ہے پھر اس کے لیے ایسا جسم بنایا جاتا ہے جو ہمیشہ رہنے کے قابل ہو۔

اس وضاحت کے بعد معترض سے کہہ دو۔

فلیمدد بسبب الی السماء ثم لیقطع فلینظر هل یذهبن کیده مایغیظ

"کہ سیڑھی کی مدد سے آسمان پر چڑھے پھر وحی کو بند کروا دے' دیکھنا چاہیے کہ کیا اس کی تدبیر اس کے غصہ کو ختم کرا سکتی ہے۔"

اس سے کہہ دو اگر اعتراض کیا تو تقدیر کے فیصلے کو ختم نہیں کر سکتا۔ اگر تسلیم کر لیا تو بھی وہی فیصلہ جاری رہے گا تو پھر فیصلہ کا اس طرح نافذ ہونا کہ یہ ثواب کا مستحق ہو بہتر ہے اس سے کہ گنہگار ہو کر فیصلہ کا سامنا کرے۔ وضاح الیمن کا سکوت کس قدر بہتر تھا جب وہ صندوق میں چھپا ہوا تھا اور بادشاہ نے صندوق کو مخاطب کر کے کہا کہ اے صندوق! اگر تیرے اندر وہ ہے جس کا ہم کو گمان ہے تو سمجھ لے کہ ہم نے تیرا اثر مٹا دیا اور اگر نہیں ہے تو لکڑی کے ایک بکس کو دفن کر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اب اگر وہ چیخ پڑتا تو کچھ فائدہ نہ ہوتا بلکہ ممکن تھا کہ نکال کر اس سے زیادہ بری طرح قتل کر دیا جاتا۔

دنیا سے پرہیز اور نفرت

مجلس۔ جس نے دنیا کے حالات کو غور سے دیکھا اس کو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا مقصود یہی ہے کہ دنیا سے پرہیز کیا جائے۔

چنانچہ جو شخص کسی مباح کی طرف لذت کے حصول کے لیے مائل ہوتا ہے وہ ہر خوشی کے ساتھ ایک غم بھی دیکھتا ہے ہر راحت کے ساتھ مشقت کی اضافہ ہے اور ہر لذت کے بعد ایسا تلخی جو اس لذت سے بڑھ کر ہو اور یہ حقیقت ہے کہ دنیا کی جو چیز بھی اوپر کی جاتی ہے اسے پست کر دیا جاتا ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ محبوب ہوئیں تو بہتان عظیم والا قصہ پیش آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کی طرف مائل ہوئے تو یہ ہوا "فلما قضی زید منها وطرا" (تو جب زید نے زینب سے نکاح کر لیا)

سب سے بڑھ کر یہ بات کافی ہے کہ جب بھی کوئی محبوب چیز حاصل ہوتی ہے تو عقل کی نگاہ اس کے فراق پر چلی جاتی ہے (کہ ایک دن چھوٹ جائے گی) جس کی وجہ سے سارا حظ بے مزہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

تم الحزن عندی فی سرور ۔۔۔ تیقن عنه صاحبه انتقالا

"خوشی کے سب موقع پر پورا غم میرے نزدیک یہی ہے کہ اس کے ختم ہو جانے کا یقین رہتا ہے"

تو سمجھدار شخص کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا مقصود اس خرابی اور خوشی میں بھی کدورت پیدا کر دینے سے یہی ہے کہ دل دنیا سے اچٹ جائے۔ لہٰذا دنیا سے بقدر ضرورت استفادہ کرے اور تعلقات کو چھوڑ دے تاکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے فکر پر سکون ہو جائے جس شخص نے بھی اس اصول سے بے رخی کی اس کو محرومیوں پر پچھتانا پڑے گا۔

دانش مندی

مجلس۔۔۔ عقل مند آدمی دنیوی تدبیر و انتظام عقل و دانائی کے ساتھ کرتا ہے اگر غریب ہو تو ایسی کوئی تجارت و پیشہ اختیار کرے جو اس کو کسی انسان کے آگے جھکنے سے روک

ملنے نعمتوں کا شکر کرے اور قناعت پر عمل کرے تاکہ لوگوں کے احسانات سے محفوظ ہو کر
عزت کی زندگی گزار سکے اور مالدار ہو تو خرچ میں تدبیر و انتظام سے کام لے کیونکہ اس کا
اندیشہ ہے کہ کبھی محتاج ہو کر مخلوق کے سامنے ذلیل ہونا پڑے یہ بڑی آفت ہے کہ فضول
خرچی سے کام لے اور اس نیت سے خرچ کرے کہ دوسروں پر فخر کرے تاکہ دشمنوں کا دل جلے
کیونکہ اگر اس میں مال زیادہ ہو تو تلف ہو جانے کا خطرہ ہے۔

ہر حالت میں میانہ روی اور چھپانے کے لائق امور میں پوشیدگی کا اہتمام کرنا چاہیے
ایک شخص (مردہ کو نہلانے والا) کو کچھ مال مل گیا اس نے خوب خرچ کرنا شروع کر دیا۔
قاضی کو معلوم ہو گیا اس نے پکڑ لیا اور سارا مال چھین لیا وہ بیچارہ پھر فقیر ہو گیا۔

انتظام یہی ہے کہ مال کی حفاظت کی جائے خرچ میں میانہ روی اختیار کی جائے اور
جس کا اظہار مناسب نہ ہو اس کو چھپایا جائے۔

یہ بھی غلطی ہے کہ اپنے مال کی مقدار بتائی جائے کیونکہ تھوڑا ہوگا تو خود بے حیثیت
ہو جائے گا اور اگر زیادہ ہوگا تو چوروں سے اور قرض کا مطالبہ بڑھ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
''ولا تؤتوا السفهاء اموالکم'' (یعنی اپنے مال کم عقل لوگوں کے حوالے مت کرو)
جیسا برتاؤ مال کے ساتھ کرنا چاہیے اسی طرح راز کی بھی حفاظت کرنی چاہیے یعنی کسی
سے نہ بتائے اور دوست سے بھی ظاہر نہ کرے کیونکہ کبھی بدل جاتا ہے۔ ایک شاعر نے کہا ہے:

احذر عدوک مرة   واحذر صدیقک الف مرة

''دشمن سے ایک مرتبہ احتیاط کرو اور دوست سے ہزار مرتبہ بچ کر رہو۔''

فلربما انقلب الصدیق   فکان اعلم بالمضرة

''کیونکہ کبھی دوست بدل جاتا ہے تو نقصان پہنچانے کا طریقہ زیادہ جانتا ہے۔''

حرفِ آخر

مجلس... اللہ جل جلالہ کی بے پایاں تعریف کے ساتھ ان مضامین کی تحریر کا سلسلہ ختم ہوتا ہے جن کو دل کے واردات میں سے قلم جمع کیا کرتا تھا جبکہ اس میں صرف ان مضامین پر اکتفاء کیا گیا ہے جو قلبی امراض سے حفاظت شرعی آداب سے آراستگی اور پسندیدہ اخلاق سے پیراستگی پر آمادہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو وعظ وارشاد کے منبر پر بہترین رہنما اور بندوں کی ہدایت کے لیے لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے زیادہ نفع بخش بنا کر ظاہر فرمائے۔

والحمدللہ اولاً و آخراً وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

کلمۂ تشکر از مترجم

الحمدللہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات: خدا وند قدوس کے بے انتہا فضل وکرم سے ترجمہ کا یہ طویل اور صبر آزما کام اختتام کو پہنچا۔ نہ جانے کہاں کہاں ذہن وقلم نے لغزش کھائی ہو اور ہوا اور فکر کو ٹھوکر لگی جبکہ انسان خطاء ونسیان کا پتلا ہے۔ لہٰذا اب یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام لغزشوں کو معاف فرمائیں اور تلافی کی صورت پیدا فرمائیں۔

فقط وانا العبد الضعیف النحیف محمد حنیف غفرلہ اللطیف المدرس مدرسۃ ریاض العلوم گورینی جون پور وسط ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ)

(الحمدللہ حصہ دوم ختم ہوا)